تمام مسالک کے جید علماء کی توثیق کے ساتھ

پاکستان کے دینی مسالک

بریلوی

دیوبندی

اہلحدیث

اثنا عشری

اسماعیلی

تحقیق و تالیف:
ثاقب اکبر

البصیرہ

تمام مسالک کے جید علماء کی توثیق کے ساتھ

پاکستان کے دینی مسالک

Ov. 05.09.11-M' - NBL

تحقیق و تالیف:
ثاقب اکبر

بریلوی

دیوبندی

اہلحدیث

اثنا عشری

اسماعیلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب:	پاکستان کے دینی مسالک
تحقیق وتالیف:	ثاقب اکبر
تاریخ اشاعت:	دسمبر 2010ء
طباعت:	اول
تعداد:	1100
ٹائیٹل:	حیدر نقوی
کمپوزنگ:	اکرام حسین

ناشر

البصیرہ: 299، سٹریٹ 76

جی نائن تھری، اسلام آباد

فون: 051-2853382,051-2851409

Email:murtaza@albasirah.com

publications@albasirah.com

web: www.albasirah.com

تقدیم

قرارداد مقاصد میں جواب دستور پاکستان کا حصہ ہے اس عزم کا اظہار کیا گیا ہے کہ پاکستان عدل عمرانی کے اسلامی اصولوں پر مبنی ایک جمہوری مملکت ہوگی، جس میں ایسا نظام قائم کیا جائے گا جو جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور سماجی انصاف کے اصولوں کا پاسدار ہوگا۔ انھی عزائم کی تکمیل کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل کا قیام عمل میں آیا۔ دستور پاکستان کی رو سے: مجلس شوری اور صوبائی اسمبلیوں سے ایسے ذرائع اور وسائل کی سفارش کرنا کونسل کا پہلا فرض منصبی ہے جن سے پاکستان کے مسلمانوں کو اپنی زندگیاں انفرادی اور اجتماعی طور پر ہر لحاظ سے اسلام کے ان اصولوں اور تصورات کے مطابق ڈھالنے کی ترغیب اور امداد ملے جن کا قرآن پاک اور سنت میں تعین کیا گیا ہے۔

زبانوں کا تنوع، مقامی ثقافتوں کی رنگا رنگی، قدیم مذاہب و ادیان کا ورثہ، مختلف دینی مسالک کی موجودگی اور اس اختلاف میں ہم آہنگی پاکستان کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ البتہ ماضی قریب میں ان اختلافات میں شدت آئی تو اسلامی نظریاتی کونسل نے ان رجحانات کا تجزیہ ضروری سمجھا۔ موجودہ رپورٹ اسی کوشش کا نتیجہ ہے۔

اسلامی نظریاتی کونسل اب تک ایک سو سے زیادہ رپورٹیں حکومت پاکستان کو پیش کر چکی ہے۔ ان میں ۲۸ سالانہ رپورٹوں کے علاوہ ۴۰ سے زیادہ رپورٹیں پاکستان میں رائج قوانین پر نظر ثانی سے متعلق ہیں۔ ان میں دستور کے تقاضے کے مطابق ایک حتمی رپورٹ ۱۹۹۸ میں شائع کی گئی تھی اور دوسری جامع رپورٹ ۲۰۰۸ میں حکومت کو پیش کی گئی جس میں ان قوانین کی مکمل فہرست شامل ہے جن پر کونسل نے اب تک نظر ثانی کی ہے۔

ان رپورٹوں کے علاوہ کونسل نے مختلف سماجی، سیاسی، معاشرتی اور دینی مسائل پر مندرجہ ذیل خصوصی رپورٹیں بھی پیش کیں۔ بلاسود بنکاری (۱۹۸۲)، ذرائع ابلاغ عامہ (۱۹۸۲)، نظام تعلیم (۱۹۸۲)، نظام حکومت (۱۹۸۳)، نظام عدل (۱۹۸۴)، خاندانی منصوبہ بندی (۱۹۸۴)، نظام معیشت (۱۹۸۴)، اسلامی معاشرت (۱۹۸۴)، آئینی اصلاحات (۱۹۹۱)، نظام بیمہ (۱۹۹۲)، دہشت گردی (۲۰۰۶)، آزادی نسواں (۲۰۰۷)، مستقبل کا لائحہ عمل (۲۰۰۹)، اصلاح قیدیاں اور جیل خانہ جات (۲۰۰۹)، عائلی قوانین (۲۰۰۹)، اسلام اور انتہا پسندی (۲۰۰۹)، گھریلو تشدد (۲۰۱۰)، رشوت ستانی (۲۰۱۰)۔

جب ۱۹۸۰ میں فرقہ واریت نے سر اٹھایا تو کونسل نے ملی اور دینی یکجہتی کے مسائل پر غور کرتے ہوئے اسلامی معاشرت کے خدوخال واضح کیے۔ بدقسمتی سے فرقہ واریت کا مسئلہ گمبھیر ہوتا گیا۔ ۱۹۹۰ کی دہائی میں اس نے تشدد اور انتہا پسندی کی شکل اختیار کر لی۔ کونسل نے ۲۰۰۵ میں اس مسئلے پر کام شروع کیا۔ دہشت گردی اور انتہا پسندی کے موضوع پر دو تجزیاتی رپورٹوں میں یہ بات سامنے آئی کہ مسلک پرستی اور مسلکی منافرت کی بڑی وجہ مختلف دینی مسالک سے عدم واقفیت اور اس لاعلمی کی بنیاد پر مبنی تعصبات ہیں۔

اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ۲۰۰۵ میں یہ منصوبہ تشکیل دیا گیا کہ پاکستان میں موجود دینی مسالک کا ایک تعارف شائع کیا

جائے جوان مسالک کی معتمد کتابوں اوران کے رہنما علما کی آراء پر مبنی ہو۔ غیر متوقع طور پر اس منصوبے کی تکمیل میں بہت سی مشکلات پیش آئیں۔ ہم نے مسلک کے رہنما علماء کو اپنے مسلک کا غیر جانبدارانہ تعارف لکھنے کے لیے آمادہ کرنا جوئے شیر لانے سے بھی مشکل پایا۔ اپنے مسلک کے امتیازات بیان کرتے ہوئے دوسرے مسالک پر ناقدانہ نظر سے مفر نہیں اور یقین سے نہیں کہا جاسکتا تھا کہ ایسے ناقدانہ تبصرے کس حد تک باہمی افہام وتفہیم میں ممدو معاون ہوسکیں گے۔ یہ منصوبہ ۲۰۰۵ سے ۲۰۰۹ تک امیدوں، اندیشوں اور مایوسیوں کے مختلف مراحل سے گزرا۔ ۲۰۰۹ کے اواخر میں جناب ثاقب اکبر نے اس منصوبے کی تکمیل کا بیڑا اٹھایا اور یہ امر باعث مسرت ہے کہ انھوں نے اسے بحسن وخوبی سرانجام دیا ہے۔

پاکستان کے دینی مسالک ایک پرخلوص کوشش ہے۔ اس کا مقصد بین المسالک ہم آہنگی کو فروغ دینا ہے۔ یہ رپورٹ اس سلسلے کا پہلا قدم ہے۔ اس میں خامیاں بھی ہوں گی اور تعبیری غلطیاں بھی۔ ہم قارئین سے توقع کرتے ہیں کہ اس رپورٹ کا مطالعہ کرتے ہوئے اسی اخلاص اور نیک مقصد کو پیش نظر رکھیں گے جو اس منصوبے کا محرک رہا ہے۔ اس کی خامیوں سے مطلع کریں تاکہ آئندہ اشاعت میں ان کی اصلاح کی جاسکے۔

اس رپورٹ میں پاکستان کے پانچ دینی مسالک، بریلوی، دیوبندی، اہلحدیث، شیعہ اثناعشریہ اور اسماعیلیہ کو شامل کیا گیا ہے۔ ہر مسلک کے بارے میں ایک عمومی تعارف کے بعد اس مسلک کے عقائد وافکار، ان کے امتیازی مسائل، عصری مسائل پر مسلکی رہنماؤں کی آراء اور مسلک کے بارے میں بنیادی معلومات دی گئی ہیں جن میں مسلک کے چیدہ مدارس، رسائل وجرائد، سرکردہ علماء اور مسلک کے بارے میں چند کتابوں اور اشاعتی اداروں کے نام شامل ہیں۔ یہ معلومات ان مسالک کے نمائندہ علماء سے کیے گئے انٹرویوز اور اُن سے حاصل کی گئی تحریروں نیز ان کی آراء پر مبنی ہیں۔ ان علماء میں اسلامی نظریاتی کونسل کے متعدد معزز ارکان بھی شامل ہیں۔ دیگر معلومات کی فراہمی میں یہ اہتمام کیا گیا ہے کہ انہی علماء کے مشورے سے مسلک کی نمائندہ کتب منتخب کی گئیں جن کے مفصل حوالے مہیا کیے گئے ہیں۔ ہر مسلک کے بارے میں تحریر کو اس مسلک کے علماء نے دقتِ نظر سے دیکھا ہے اور اس کی توثیق کی ہے۔

حسب دستور یہ رپورٹ وزارت مذہبی امور کی وساطت سے حکومت پاکستان کو پیش کی جارہی ہے۔ یہ ان تمام قارئین کے لیے بھی دستیاب ہے جو ان مسائل میں اور کونسل کی کارکردگی میں دلچسپی رکھتے ہیں۔

اس موقع پر میں جناب ثاقب اکبر کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے انتہائی لگن اور خلوص کے ساتھ اس منصوبے کو مکمل کیا۔ اس سلسلے میں اسلامی نظریاتی کونسل کے معزز ارکان اور ان علمائے کرام کا بے حد ممنون ہوں جنھوں نے اس دینی خدمت میں جناب ثاقب اکبر سے بے لوث تعاون کیا۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وطن عزیز میں اسلامی معاشرت کے قیام، وحدت امت اور بین المسالک ہم آہنگی کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل کی اس کوشش کو قبول فرمائے۔

وما توفیقی الا باللہ

ڈاکٹر محمد خالد مسعود (سابق چیئرمین)

اسلامی نظریاتی کونسل

حرفِ آغاز

ہمارے معاشرے میں عام طور پر یوں ہوتا ہے کہ کسی ایک مسلک کے خطیب یا عالم اپنی تقریر یا تحریر میں دوسرے مسلک یا مسالک کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہیں۔ کسی بھی مسلک کے عقائد و نظریات کیا ہیں، انھیں بیان کرنے کا حق اصولی طور پر اُسی مسلک کے نمائندہ اور معتبر علماء کو پہنچتا ہے۔ گاہے یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک مسلک کے صاحب دوسرے کے بارے میں ایک رائے کا اظہار کرتے ہیں جبکہ اُس مسلک کے عالم اپنی طرف اس نسبت کو درست قرار نہیں دیتے۔ اس کے باوجود پہلے صاحب کا اصرار ہوتا ہے کہ ''نہیں، آپ کا یہی عقیدہ ہے جو میں کہہ رہا ہوں۔'' یہ روش غیر علمی بھی ہے اور غیر عقلی بھی۔ اس سے غلط فہمیاں اور نفرتیں جنم لیتی ہیں۔ ایک ہم آہنگ معاشرے کی تشکیل کے لیے ہر ایک کے بارے میں درست آگاہی ضروری ہے۔

اس مسئلے کی اہمیت کے گہرے ادراک ہی کا نتیجہ ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل کے محترم چیئرمین جناب ڈاکٹر خالد مسعود نے راقم کے ذمہ ایک ایسی رپورٹ مرتب کرنے کا کام سونپا جس میں پاکستان کے تمام اہم دینی مسالک کا تعارف ان مسالک کے علماء کی زبان میں کروایا جائے۔ نیز ان کے فکری رجحانات، بنیادی عقائد اور مختصر تاریخ پر بھی روشنی ڈالی جائے۔ اس رپورٹ کی تیاری میں یہ مقصد بھی پیش نظر رہا کہ قانون سازی کے حوالے سے بھی ان مسالک کا نقطۂ نظر معلوم کیا جائے۔

ان مقاصد کے حصول کے لیے راقم نے اپنے کام کو مختلف مراحل میں تقسیم کیا۔

پہلے مرحلے میں رپورٹ کا ایک خاکہ مرتب کیا گیا اور مندرجہ ذیل دینی مسالک کے بارے میں کام کرنے کا فیصلہ کیا گیا:

۱۔ اہل سنت والجماعت (بریلوی)

۲۔ اہل سنت والجماعت (دیوبندی)

۳۔ اہل حدیث

۴۔ شیعہ اثنا عشریہ

۵۔ اسماعیلیہ (i) آغاخانی (ii) بواہیر

ان میں سے ہر مسلک کے بارے میں معلومات اور مطالعات کو مندرجہ ذیل کلی موضوعات میں تقسیم کیا گیا:

(i) تعارفی امور

(ii) عقائد وافکار

(iii) امتیازی مسائل

(iv) عصری مسائل

(v) عمومی معلومات

دوسرے مرحلے میں ہر مسلک سے متعلق ضروری کتب اور مواد کی فراہمی ناگزیر تھی۔ اس کے لیے مختلف کتاب خانوں، اشاعتی اداروں اور دیگر ذرائع سے مواد فراہم کر کے مطالعہ کیا گیا۔ مطالعے کے بعد راقم نے ہر مسلک کے بارے میں ایک ابتدائی رپورٹ تیار کی۔

تیسرے مرحلے میں ہر مسلک کے چند ایک علماء کرام اور دانشوروں سے رابطہ کیا گیا۔ اُن میں سے جن سے ملاقات ممکن ہو سکی اُن سے رپورٹ کے مقاصد کا تعارف کروایا گیا اور بعض امور پر اُن کی آراء حاصل کی گئیں۔ عمومی طور پر تمام مسالک کے علماء کرام نے حوصلہ افزائی فرمائی اور راقم سے تعاون کیا۔ کئی ایک سے انٹرویو کیا گیا جسے اُن کی اجازت سے ریکارڈ کر لیا گیا۔ بعض نے تحریری طور پر اپنی آراء سے آگاہ کیا۔ علاوہ ازیں متعدد علماء کرام کی خدمت میں اُن کے مسلک سے متعلق تیار کی گئی عبوری رپورٹ بھی پیش کی گئی۔ کئی ایک علماء اور دانشوروں نے اس پر اپنی آراء کا اظہار کیا اور اسے بہتر بنانے کے لیے رہنمائی کی۔ بعض نے مطالعے کے لیے کتب بھی فراہم کیں۔ بعض نے مواد کی جمع آوری میں عملی طور پر بھی حصہ لیا۔

چوتھے مرحلے پر علماء کرام سے حاصل کی گئی آراء اور مزید مطالعے کے بعد ہر مسلک کے بارے میں الگ الگ باب مکمل کیا گیا۔

پانچویں مرحلے میں اپنی طرف سے تکمیل شدہ باب ہر مسلک کے مختلف علماء کرام کی خدمت میں اُن کی رائے اور تائید کے لیے روانہ کیا گیا۔ اس موقع پر بھی ان علمائے کرام کی طرف سے جو آراء موصول ہوئیں مسودے کو آخری شکل دیتے ہوئے ان سے استفادہ کیا گیا ہے۔

اس دوران میں ہمیں مختلف مراحل پر جناب ڈاکٹر خالد مسعود کی رہنمائی اور سرپرستی حاصل رہی۔

جن علمائے کرام کی آراء سے اس رپورٹ کی تیاری میں استفادہ کیا گیا ہے اُن کے اسماء گرامی مسالک کے بارے میں دیے گئے ابواب کی ترتیب سے درج ذیل ہیں:

جناب مولانا مفتی محمد صدیق ہزاروی، رکن اسلامی نظریاتی کونسل

جناب مولانا مفتی غلام مصطفیٰ رضوی، رکن اسلامی نظریاتی کونسل

جناب مفتی گلزار احمد نعیمی، رئیس جامعہ نعیمیہ، اسلام آباد

جناب سینیٹر مولانا محمد خان شیرانی، رکن اسلامی نظریاتی کونسل و امیر جمعیت علمائے اسلام (ف) بلوچستان

جناب مولانا انوار الحق حقانی، سربراہ شعبہ تعلیمات دار العلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک

جناب مولانا مفتی غلام الرحمٰن، رئیس جامعہ عثمانیہ، پشاور

جناب مولانا حافظ ظفر اللہ شفیق، خطیب جامع مسجد خالد، کیولری گراؤنڈ، لاہور و صدر شعبہ اسلامیات، ایچی سن کالج، لاہور

جناب پروفیسر ڈاکٹر سہیل حسن، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

جناب مولانا عبد الرحمٰن مدنی، ڈائریکٹر جنرل انٹرنیشنل جیوڈیشل انسٹیٹیوٹ و مدیر اعلیٰ ماہنامہ محدث، لاہور

جناب مولانا ڈاکٹر حافظ ابتسام الٰہی ظہیر، ناظم اعلیٰ جمعیت اہلحدیث پاکستان، ڈائریکٹر جنرل ادارہ ترجمان السنہ و مدیر اعلیٰ ماہنامہ الاخوہ، لاہور

جناب مولانا مقصود احمد سلفی، ڈائریکٹر ادارہ الاسلام، پشاور و مدیر اعلیٰ ماہنامہ نداء الاسلام، پشاور
جناب مولانا حافظ ریاض حسین نجفی، رئیس جامعہ المنتظر، لاہور
جناب ڈاکٹر محسن مظفر نقوی، رکن اسلامی نظریاتی کونسل
جناب مولانا افتخار حسین نقوی، رئیس مدرسہ امام خمینی، ماڑی انڈس و مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ، پکی شاہ مردان، میانوالی

ان کے علاوہ مختلف امور اور مختلف مواقع میں راقم کو مندرجہ ذیل علمی شخصیات کا بھی تعاون حاصل رہا:

جناب مولانا محمد خالد سیف، اسلامی نظریاتی کونسل
جناب حسین عارف نقوی (ماہر کتابیات و شخصیات) اسلام آباد
جناب سید طاہر سعید کاظمی، مدیر ماہنامہ السعید، ملتان
جناب ڈاکٹر سجاد علی استوری، استاد شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ کراچی
جناب مولانا ملک آفتاب جوادی مدرس جامعہ الکوثر، اسلام آباد
جناب مولانا ارشاد الحق حقانی، مدرس دار العلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک
جناب مولانا حسین احمد، سربراہ شعبہ تعلیمات، جامعہ عثمانیہ، پشاور

مختلف مسالک کے علماء کرام سے ملاقاتوں اور انٹرویوز کی تواریخ نیز بعض دیگر تفاصیل کا ذکر ہر باب کے شروع میں کیا گیا ہے۔ یہاں اس بات کا ذکر مناسب ہے کہ ریکارڈ شدہ انٹرویوز، بعض علماء کی تحریریں، ای میلز، مکتوبات گرامی اور توثیقات بھی کونسل کے حوالے کر دی گئی ہیں جواب کونسل کے ریکارڈ کا حصہ ہیں۔ (البتہ ان میں سے ہر ایک کی کاپی راقم کے دفتر میں بھی محفوظ ہے۔)

علاوہ ازیں جناب مولانا سمیع الحق، جناب علامہ سید ساجد علی نقوی اور جناب مولانا سینیٹر ساجد میر سے ملاقاتیں ہوئیں اور انھوں نے راقم کی حوصلہ افزائی فرمائی اگرچہ اُن سے انٹرویو نہ کیا جاسکا۔

کراچی میں اسماعیلیہ (آغا خانی) مسلک کے سٹڈی سرکل نے بھی بعض ضروری دستاویزات کی فراہمی میں تعاون کیا۔ نیز بوہرہ مسلک کی فعال شخصیت جناب منصور بھائی (راولپنڈی) کا تعاون بھی راقم کو حاصل رہا۔ جناب ڈاکٹر خالد مسعود نے بتایا کہ منصوبے کی ابتدا میں اسماعیلی اسٹڈیز لندن کے ڈائریکٹر جناب عظیم نانجی نے اپنے مسلک کے بارے میں کچھ مواد فیکس کیا تھا، افسوس ہے کہ وہ کونسل کے ریکارڈ سے دستیاب نہ ہوسکا۔ (معلوم ہوا ہے کہ بہت بعد میں اسماعیلی اسٹڈیز کی طرف سے کچھ کتابیں ارسال کی گئی ہیں اور تقاضا کیا گیا ہے کہ ان سے استفادہ کیا جائے۔ راقم نے ان کے بارے میں جو مواد شامل کیا ہے اس کے حوالہ جات متعلقہ مقام پر موجود ہیں۔ آئندہ اشاعت میں مذکورہ کتب کو بھی پیش نظر رکھا جائے گا۔)

اسلامی نظریاتی کونسل کی طرف سے پیش نظر رپورٹ اپنی نوعیت کی ایک پہلی کوشش تھی۔ اس سلسلے میں مزید اور وسیع تر کام کی گنجائش بھی ہے اور ضرورت بھی۔ اس دستاویز میں بیانیہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ اس تالیف کا ہدف چونکہ مختلف مسالک کی آراء کو دیانتداری سے پیش کر دینا تھا لہٰذا اگر متفقات کی کثرت اور تکرار دکھائی دے تو اچنبھے کی بات نہیں ہونا چاہیے، اس لیے کہ سب وسیع تر اسلامی برادری کا حصہ ہیں اور اگر کہیں کہیں مختلفات نظر پڑ جائیں تو یہی کسی مسلک کی جداگانہ شناخت کا سبب ہیں۔ موقفات اور

عبارات علماء کرام کی ہیں اور وہی اس کی مسئولیت کا بار اٹھا سکتے ہیں۔

اس کام کے آغاز میں جہاں ہمیں اس کی اہمیت کا اندازہ تھا وہاں اس کی دقتیں بھی پیش نظر تھیں۔اس کام کی نزاکتوں کا بھی ہمیں احساس تھا۔رہ رہ کر یہ فکر دامن گیر رہتی تھی کہ ''ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو''۔مختلف مکاتب فکر کے نظریات وافکار کو ٹھیک ٹھیک بیان کرنا اور اس کے لیے ضروری لٹریچر تک درست رسائی اور اس میں سے اہم مطالب کا اخذ کرنا ایک خاصا مشکل کام تھا۔پھر تمام مسالک کے ذمہ دار علماء کا اعتماد حاصل کرنا، ان سے بار بار وقت طلب کرنا اور انھیں اپنے تیار کردہ مسودات دکھانا اور ان کی رہنمائی کے مطابق اس کی تکمیل کرنا، یہاں تک کہ ان کی تائید حاصل کر لینا تمام مراحل بڑے صبر آزما تھے۔راقم نے اس مقصد کے لیے ایک ایک شہر کے کئی کئی چکر لگائے۔بعض اوقات تو ایسا بھی ہوا کہ کام ایک قدم آگے نہ بڑھا اور ہم اسلام آباد واپس آگئے لیکن ہمیشہ مقصد کی عظمت کے احساس نے نیا حوصلہ دیا۔آخر کار ایسے علماء کرام اور معاونین میسر آتے چلے گئے جنھوں نے کمر ہمت بند ھوائی بھی اور باندھی بھی۔ان کے حسن تعاون اور اعتماد کے بغیر یہ کام پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکتا تھا۔

اس رپورٹ کے آخر میں مختلف مسالک کے علماء محترم کی تائیدات اور توثیقات شامل کی گئی ہیں۔ہم ان تمام گرامی قدر علماء کے حسن اعتماد کے لیے اُن کے ممنون کرم ہیں۔

اس رپورٹ میں خامی اور کوتاہی پر نظر پڑے تو اسے اس راستے کی اولین کوشش کا تقاضا جانیے اور ہماری یہ خواہش بھی ہے کہ اس سلسلے میں مزید وسیع تر کاوشوں کا آغاز کیا جائے۔

ثاقب اکبر
اسلام آباد

نوٹ:

مذکورہ بالا مقدمہ (ماسوائے قوسین میں موجود عبارت کے) راقم نے اسلامی نظریاتی کونسل کے سپرد کیے جانے والے مسودے کے لیے لکھا تھا، اسے من وعن اب بھی شامل کیا جارہا ہے۔تاہم ہمیں معلوم ہوا ہے کہ کتاب کی اشاعت کونسل نے ڈاکٹر محمد خالد مسعود کی مدت مسئولیت ختم ہوجانے کے بعد ''اوپر'' سے آنے والے احکام کی روشنی میں روک دی ہے۔افسوس کہ اس ملک میں شر کی قوتیں دندناتی پھرتی ہیں اور خیر کا ایک قدم اٹھانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہوگیا ہے۔سرکاری دفاتر اور افسر شاہی کا تو مزاج ہی یہ ہے کہ کچھ نہ کرنے میں ہی خیر ہے کیوں کہ کچھ کرنے میں سو دشواریاں اور باز پُرسیاں راہ دیکھ رہی ہوتی ہیں۔اس صورت حال کے پیش نظر ہم نے فیصلہ کیا کہ اس رپورٹ کی اشاعت کی ذمہ داری اپنے ناتواں کندھوں پر لے لیں اس امید کے ساتھ کہ یہ امت اسلامیہ کے مختلف مسالک کے مابین ہم آہنگی اور قربت کا باعث بنے گی۔ہمیں یہ دعویٰ نہیں کہ اس میں کوئی اشتباہ نہیں ہے لیکن یہ اعتماد ضرور ہے کہ ایسا عمداً نہیں ہوا۔اہل علم وفضل کی ہر رائے کو خوش آمدید کہنے کے لیے ہم قلب وجاں سے آمادہ ہیں۔

ثاقب اکبر
۱۴ اکتوبر ۲۰۱۰ء

بریلوی

ابتدائی کلمات

ابتدائی طور پر اہل سنت (بریلوی مسلک) کے حوالے سے ضروری مطالعات مکمل کیے گئے۔ اس مقصد کے لیے متعدد کتب خانوں سے رجوع کیا گیا، انٹرنیٹ سے بھی استفادہ کیا گیا اور بعض ضروری کتب لاہور، راولپنڈی اور اسلام آباد سے حاصل کی گئیں۔ ان مطالعات کی تکمیل کے لیے بریلوی مسلک کے متعدد علماء کرام سے بھی راہنمائی اور مدد لی گئی۔

ضروری نوٹس اور ابتدائی خاکے کی تیاری کے بعد 17 دسمبر 2009ء کو مولانا مفتی محمد صدیق ہزاروی سے ملاقات کی گئی۔ آپ اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن اور جامعہ ہجویریہ داتا دربار، لاہور میں استاد ہیں۔ آپ بہت سی اہم کتابوں کے مؤلف اور مترجم ہیں۔ انھیں پراجیکٹ سے آگاہ کیا گیا۔ انھوں نے ہر ممکن تعاون کا وعدہ کیا۔ اپنے وعدے کے عین مطابق بلکہ اس سے بڑھ کر انھوں نے تعاون کیا۔ ہمارے تحریری سوالات کے انھوں نے تحریری جوابات مرحمت فرمائے اور عقائد و افکار وغیرہ کے حوالے سے ہمارے مسودے پر بھی ناقدانہ نظر ڈالی اور ضروری راہنمائی فرمائی۔ اُن سے ہماری متعدد ملاقاتیں ہوئیں۔ ان کی تحریری اور بالمشافہ راہنمائی سے اس مسودے میں استفادہ کیا گیا ہے۔

ایک اہم ملاقات مولانا مفتی غلام مصطفیٰ رضوی سے 12 جنوری 2010ء کو ملتان میں اُن کے گھر پر ہوئی۔ اس مقصد کے لیے ان سے اسلام آباد میں ایک ملاقات کے دوران میں ہم آہنگی ہو چکی تھی۔ آپ اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن اور دارالافتا جامعہ انوار العلوم، ملتان کے سربراہ ہیں۔ پراجیکٹ کی اہمیت کے پیش نظر انھوں نے بھرپور تعاون کا وعدہ کیا تھا۔ ملتان میں اہل سنت (بریلوی مسلک) کے نامور عالم مولانا سید احمد سعید کاظمی مرحوم کے فرزند سید طاہر سعید کاظمی نے علماء کرام سے ملاقاتوں کے اہتمام کے لیے تعاون کیا۔ سید طاہر سعید کاظمی ماہنامہ السعید، ملتان کے مدیر ہیں۔ مولانا مفتی غلام مصطفیٰ رضوی سے تفصیلی انٹرویو کیا گیا، جس سے اہل سنت (بریلوی مسلک) سے متعلق مسودے کی تیاری میں استفادہ کیا گیا ہے۔

مولانا مفتی گلزار احمد نعیمی سے بھی اس مسودے کی تیاری میں مدد لی گئی ہے۔ آپ جامعہ نعیمیہ، اسلام آباد کے سربراہ اور جامع مسجد بغدادی جی نائن اسلام آباد کے خطیب ہیں۔ راقم کو اُن کا خصوصی تعاون حاصل رہا ہے۔ انھوں نے پورے مسودے کو دیکھا ہے اور ضروری معلومات فراہم کی ہیں۔ انھوں نے ہمارے بعض سوالات کے تحریری جوابات بھی عنایت کیے ہیں، مسودے کو حتمی شکل دینے کے لیے جن سے استفادہ کیا گیا ہے۔ باب کی تکمیل پر نظر نہائی کے لیے اسے جناب مفتی محمد صدیق ہزاروی اور جناب مفتی غلام مصطفیٰ رضوی کی خدمت میں روانہ کیا گیا۔ جناب مفتی محمد صدیق ہزاروی نے چند اصلاحات تجویز فرمائیں جنھیں شامل کر لیا گیا ہے۔

تعارفی امور

بریلوی مسلک کا آغاز

اہل سنت والجماعت کا بریلوی مسلک مولانا احمد رضا خان بریلوی سے منسوب ہے جو ہندوستان کے شہر بریلی کے رہنے والے تھے، جنھوں نے دارالعلوم دیوبند کے بعض اکابر علماء سے اختلاف رائے کیا۔ برصغیر کے بعض اہل سنت علماء کو علمائے دیوبند کی بعض تصانیف کے بعض مندرجات سے شدید اختلاف پیدا ہوا جو آہستہ آہستہ ایک ردعمل کی شکل اختیار کرتا رہا۔ البتہ اس ردعمل کا آغاز مولانا احمد رضا خان بریلوی سے نہیں ہوا بلکہ ان سے پہلے بھی ایسے اہل سنت علماء اٹھے جنھوں نے دارالعلوم دیوبند سے وابستہ یا ہم فکر علماء کی تحریروں کے خلاف تحریری یا تقریری طور پر اظہار خیال کیا۔

سب سے پہلے مولانا اسماعیل شہیدؒ دہلوی کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' پر اعتراضات ہوئے۔ علامہ محمد فضل حق خیر آبادی نے مولانا اسماعیل دہلوی کی اس تصنیف کے خلاف تحریری وتقریری اعتراضات کیے۔ اس کے بعد 1874 میں دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی کی کتاب ''تحذیر الناس'' سامنے آئی تو اس کے بھی بعض مندرجات پر لے دے ہوئی۔ اس کے خلاف علامہ سید احمد سعید کاظمی کی تحریر ''التبشیر والتحذیر'' کا ذکر بطور مثال کیا جاسکتا ہے۔ 1887ء میں مولانا رشید احمد گنگوہی کی تقریظ کے ساتھ مولانا خلیل احمد انبیٹھوی کی تالیف ''براہین قاطعہ'' منظر عام پر آئی تو اس پر بھی اعتراضات کیے گئے۔ شوال 1306ھ میں مولانا غلام دستگیر قصوری نے بہاولپور میں ''براہین قاطعہ'' کے خلاف مولانا خلیل احمد انبیٹھوی سے مناظرہ کیا۔ 1901ء میں مولانا اشرف علی تھانوی کا رسالہ ''حفظ الایمان'' منظر عام پر آیا تو اس کی بھی بعض عبارتوں کو ہدف تنقید بنایا گیا۔ بہرحال ''تحذیر الناس'' کی تصنیف کے 30 سال بعد، ''براہین قاطعہ'' کی اشاعت کے تقریباً 16 سال بعد اور ''حفظ الایمان'' کی اشاعت کے 1 سال بعد 1320ھ میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے ''المعتقد المنتقد'' کے حاشیہ ''المعتمد المستند'' میں مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا خلیل احمد انبیٹھوی اور مولانا اشرف علی تھانوی کے خلاف فتویٰ صادر کیا۔ اس طرح سے مولانا احمد رضا خان بریلوی دارالعلوم دیوبند کے اکابر اور متمسکین کے مخالف گروہ کے رہنما کی حیثیت سے سامنے آئے۔

1324ھ میں احمد رضا خان بریلوی نے ''المعتمد المستند'' کا وہ حصہ جو ان کے فتویٰ پر مشتمل تھا اور جس میں مرزا غلام احمد قادیانی کے خلاف بھی فتویٰ شامل تھا حرمین کریمین کے 35 علمائے کرام کے سامنے پیش کیا اور اس کی حمایت میں ان کی

تقریظیں حاصل کیں اور ان سب عبارات کو ''حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین'' کے نام سے شائع کیا۔ اسی کے جواب میں بعد ازاں مولانا خلیل احمد سہارنپوری کا رسالہ ''المہند علی المفند'' سامنے آیا جس کی تائید میں اکابر علمائے دیوبند کی تقاریظ موجود ہیں۔ یہ رسالہ علمائے حرمین کے بعض استفسارات کے جواب میں لکھا گیا ہے جو مولانا احمد رضا خان بریلوی کے پیش کردہ نقطۂ نظر کی وضاحت حاصل کرنے کے لئے کیے گئے تھے۔ اس کا ردعمل دوسرے گروہ کی طرف سے ''الصوارم الہندیہ'' کے نام سے سامنے آیا۔ یہ مولانا حشمت علی خان رضوی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ برصغیر کے 250 سے زیادہ علماء کی ''حسام الحرمین'' کے لئے تصدیقات اس میں شامل کی گئی ہیں۔ علاوہ ازیں مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی نے ''المہند'' کے خلاف ''التحقیقات لدفع التلبیسات'' لکھی۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی کو پورے گروہ نے اپنا رہنما تسلیم کر لیا اور رفتہ رفتہ پورا گروہ انہی سے منسوب ہو گیا۔

اس اختلاف رائے کا پس منظر بیان کرنے کے لیے ہم نے اہل سنت (بریلوی مسلک) کے مختلف علمائے کرام کی کتب اور افکار سے استفادہ کیا ہے۔(۱)

بریلوی مسلک کا عنوان

برصغیر میں اہل سنت کے سب سے بڑے گروہ کو بریلوی مسلک کا عنوان کیوں دیا جاتا ہے، اس کا کچھ پس منظر ہم نے سطور بالا میں پیش کر دیا ہے۔ اس سلسلے میں ہم نے بعض اہل سنت (بریلوی) علماء سے استفسار کیا تاکہ ان کا نقطۂ نظر بھی معلوم کیا جا سکے۔ اس سلسلے میں ہمارے سوال کے جواب میں مولانا مفتی محمد صدیق ہزاروی نے لکھا:

> مسلک اہل سنت و جماعت (بریلوی) سے مراد وہ راستہ ہے جو رسول اکرمؐ کی سنت مطہرہ اور صحابہ کرام و اہل بیت اطہار پر مشتمل جماعت کے طور طریقوں کے مطابق ہے اور یہ مسلک صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین سے آج تک جاری و ساری ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اسے بریلوی مسلک کیوں کہا جاتا ہے تو اس کے لئے ہمیں تاریخ کے اوراق پلٹنا ہوں گے۔
>
> برصغیر پاک و ہند میں حضرت احمد رضا خان بریلوی فاضل بریلوی رحمہ اللہ وہ عظیم المرتبت شخصیت ہیں جنھوں نے تقدیس خداوندی، ناموس رسالت، عظمت صحابہ و اہل بیت (رضی اللہ عنہم) اور مقام اولیاء کرام کے تحفظ، فلاسفہ کے خلافِ اسلام نظریات، جھوٹے صوفیوں کی خلاف شرع حرکات (مثلاً سجدۂ تعظیمی) اور بدعات کے رد بلیغ، انگریز اور ہندو کی اسلام دشمنی، ہندو مسلم اتحاد کی ناپاک سازش اور انگریز کے خود کاشتہ پودے (مرزا قادیانی) کا قلع قمع کرنے کے لئے بھرپور کردار ادا کیا، عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شمع کو اس طرح روشن کیا کہ ان کی اس جلائی ہوئی شمع کی روشنی میں آج پوری ملت اسلامیہ دشمنان اسلام کے گستاخانہ خاکوں کے خلاف سراپا احتجاج ہے۔ نجدی تحریک جب

ہندوستان میں داخل ہوئی اور ملت اسلامیہ کے معمولات کو خلاف اسلام گردانا جانے لگا تو جہاں اس کے خلاف مولانا انور شاہ کاشمیری، مولانا خلیل احمد انبیٹھوی اور مولانا حسین احمد مدنی نے آواز بلند کی حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ نے اس شدت پسند گروہ کی کارستانیوں کے خلاف احقاق حق کا فریضہ باحسن وجوہ انجام دیا۔

گویا تقدیس خداوندی اور تحفظ ناموس رسالت کے احیاء کا فریضہ اس عظیم شخصیت نے انجام دیا۔اس لئے اہل سنت و جماعت تحفظ ناموس رسالت اور امت مسلمہ کے خلاف شرک و بدعت ایسے سنگین الزامات کے خلاف آواز بلند کرنے کی وجہ سے حضرت امام احمد رضا فاضل بریلویؒ کی تحریک تحفظ ناموس رسالت میں ان کے پیروکار ہوئے اور بریلوی کہلائے، ورنہ بریلوی کوئی مذہب یا فقہ نہیں اوراہل سنت کی تاریخ بہت قدیم ہے کیونکہ یہ مسلک دور صحابہ واہل بیت سے چلا آرہا ہے۔

علامہ مفتی غلام مصطفٰی رضوی نے اس عنوان کے حوالے سے اپنا موقف ان الفاظ میں بیان کیا:

اہل سنت والجماعت کے ساتھ بریلوی کا لفظ ایک امتیازی لاحقہ ہےاور یہ محض اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلویؒ کی نسبت سے ہے۔عشق رسولؐ کے سلسلے میں ان کی تعلیمات سے وابستگی کی وجہ سے بریلوی کا لفظ ہمارے ساتھ ملا دیا گیا ہے۔یہ ایک لاحقہ ہے ورنہ مسلک ہمارا بالکل وہی ہے جو امام حنیفہؒ کا یا اولیائے کرام کا مسلک ہے۔بریلویت کوئی مستقل علیحدہ حیثیت رکھنے والی جماعت کا نام نہیں۔ ہمارے وہی عقائد ونظریات ہیں جو اولیا کرام کے تھے۔حضرت داتا گنج بخشؒ، غوث العالمینؒ حضرت بہاؤالدین زکریاؒ اور ان جیسے جو بھی اولیا گزرے ہیں ہم انہی کے عقائد ونظریات پر قائم ہیں۔تقلید کے حوالے سے ہم سیدنا امام ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں۔بریلوی کا لفظ ہمارے ساتھ ملایا گیا ہے اور ہم بھی اس میں کوئی عیب نہیں سمجھتے بلکہ یہ ہمارے لئے امتیازی حیثیت حاصل کر گیا ہے، بایں طور کہ اعلیٰ حضرت نے انتہائی خلوص کے ساتھ اور محبت کے ساتھ سرکار دو عالمؐ کے عشق کی جو باتیں کی ہیں اور حضورؐ کی محبت کا جو درس دیا ہے ہم اس حوالے سے اپنے آپ کو ان سے منسوب کرتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں۔

اس مسلک کے بعض علماء ''بریلوی'' کے عنوان کو مستقل اور دائمی طور پر اپنے لیے مختص کیے جانے کو مناسب خیال نہیں کرتے اگر چہ وہ مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی کا بھی بہت احترام کرتے ہیں چنانچہ اس حوالے سے مفتی گلزار احمد نعیمی نے ہمارے ایک سوال کے جواب میں تحریر کیا:

یہاں میں ایک علمی مغالطے کو clear کرنا چاہتا ہوں۔آج کل ہم نے اہل سنت کو ''بریلوی'' کے لاحقے سے منتھی کر دیا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ ہمارا سارا مسلک اور ہماری پہچان ''اہل سنت والجماعت''

ہے اور ہم سواد اعظم اہل سنت کہلاتے ہیں۔ برصغیر میں سواد اعظم اہل سنت، اہل سنت والجماعت کے صرف وہ لوگ ہیں، جنھوں نے عشق ومحبت میں وہ طریق کار اختیار کیا جو امام احمد رضا خان فاضل بریلویؒ کا تھا۔ برصغیر میں ایک تحریک شروع ہوئی جو دو شاخہ تھی، ایک تنقیص رسالت کی شاخ اور دوسری فتنۂ انکار ختم نبوت کی شاخ، دونوں کے ردعمل کے طور پر اعلیٰ حضرت فاضل بریلویؒ نے محبت وعشق رسول ﷺ کی جو تحریک اٹھائی اسے برصغیر کے مسلمانوں کی اکثریت نے قبول کیا اور اسکی حمایت کی۔ آنحضرت ﷺ کی ذات عالیہ کے حوالے سے جو غلط فہمیاں برصغیر کے مسلمانوں میں پیدا کی جارہی تھیں انھیں دور کرنے کے لیے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے عشق ومحبت کی تحریک کو شروع کیا اور وہ لوگ جو کسی بھی طرح مرزا قادیانی کے ساتھ تھے ان کی حوصلہ شکنی کی اور اہل اسلام کو اس سے جو خطرہ تھا اسے واشگاف الفاظ میں بیان کیا اور تنقیص رسالت کے حوالے سے جو کچھ کیا جا رہا تھا، شان رسالت ﷺ میں جو ہرزہ سرائی کی جارہی تھی اور اہل ایمان کے دلوں سے روح محمد ﷺ کو نکالنے کیلئے استعمال کیے جانے والے تمام ہتھکنڈوں کا مؤثر اور لافانی دفاع کیا۔ اس لیے ہم کہتے ہیں اعلیٰ حضرت بھی اہل سنت والجماعت تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کا بریلی سے تعلق تھا تو وہ بریلوی کہلائے لیکن تمام اہل سنت والجماعت کو بریلوی کے نام سے منتھی کر دینے سے تاریخی طور پر بہت بڑا نقصان ہوا۔ اہل سنت والجماعت نے اس طرف اس لیے توجہ نہیں دی کہ ہم اس نسبت کو بھی قابل احترام سمجھتے ہیں لیکن اس کا نقصان یہ ہوا کہ آج ایک کالعدم تنظیم نے ہمارا نام یعنی اہل سنت والجماعت اختیار کر لیا۔ اس کالعدم تنظیم کے تمام تر نظریات انتہا پسندی، شدت پسندی اور جبر واستبداد پر مبنی ہیں۔ اس تنظیم نے اپنے نظریات و اعتقادات کو ہمیشہ تشدد اور اسلحے کے زور پر، پرامن پاکستانیوں پر Impose کرنے کی کوشش کی ہے۔ دوسرے تمام مسالک جو ملک میں پرامن اور پرسکون طریقے سے رہ رہے ہیں ان کی اس جماعت نے تکفیر کی ہے۔ اہل سنت نے ہمیشہ راہ عزیمت اختیار کی ہے، تشدد کو اپنایا اور نہ اس کی حوصلہ افزائی کی۔ ہمیشہ معتدل اسلامی نظریات کا علم بلند کیا اور اولیاء کرام سے ملنے والے علمی وروحانی فیض کی روشنی میں تعمیر ملک وملت کا سفر رواں دواں رکھا ہوا ہے۔ کسی کی تکفیر نہ کی اور متشدد رویے سے ہمیشہ باز رہے۔ البتہ جب بھی شاہ ہر دوسرا ﷺ کی ذات بے مثال کے حوالے سے کوئی فتنہ اٹھا اہل سنت نے اس کا مؤثر مقابلہ کیا اور ثابت کیا کہ برصغیر پاک و ہند میں تحفظ ناموس رسالت کے وہ سب سے بڑے داعی ومحافظ ہیں۔ اس لیے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ برصغیر میں حقیقی اہلسنت والجماعت وہی لوگ ہیں جنھیں آج چند شرپسندوں نے "بریلوی" عنوان کے ساتھ منتھی کر دیا ہے۔ یہ گروہ دہشت گردی وانتہا پسندی پر مبنی

اپنے طرز عمل کو اہلسنت والجماعت کے نام کی اوٹ میں چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔ پہلے یہ لوگ پاکستان میں کسی اور نام سے کام کرتے رہے اور جب ان کے کارہائے نمایاں کا تعفن پورے ملک میں پھیلا تو انھوں نے اپنی جماعت کا نام بدل کر ہمارا نام اہلسنت والجماعت چرالیا اور اہلسنت کا لبادہ اوڑھ لیا۔

تنظیمی تشکل

ویسے تو بڑی آبادیوں کو مجموعی طور پر دور حاضر کی تنظیمی شکلوں میں ڈھالنا ممکن نہیں لیکن پھر بھی مختلف مسالک کے علماء وزعماء مختلف مراحل پر ایسی کوششیں کرتے رہتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ پاکستان بننے سے پہلے برصغیر میں جب مسلم لیگ قائم کی گئی تو اس خطے کے مسلمان کسی مسلک کی شناخت کے بغیر اس کے ساتھ شامل ہوتے چلے گئے۔ اس میں شک نہیں کہ برصغیر کے عامۃ المسلمین جن میں بڑی تعداد آج بریلوی مسلک کے نام سے پہچانی جاتی ہے مسلم لیگ کو اس کی حمایت حاصل تھی۔ تاہم اہل سنت (بریلوی مسلک) کے علماء نے الگ سے اپنا تشخص واضح کرنے کے لیے کچھ تنظیمی تشکل اختیار کیا۔ پاکستان کے قیام کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ اس نے فروغ پایا۔ اس سلسلے میں تاریخی صورت حال اور تدریجی ارتقاء کے بارے میں مفتی گلزار احمد نعیمی نے ہمارے سوال کے جواب میں تحریر کیا:

> پاکستان بننے سے پہلے اہلسنت والجماعت آل انڈیا سنی کانفرنس کے پلیٹ فارم سے کام کررہے تھے۔ اس کا قیام 1897ء میں عمل میں آیا تھا۔ اس کانفرنس کے پہلے صدر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلویؒ تھے۔ اس کانفرنس کے پلیٹ فارم سے اعلیٰ حضرت نے فتویٰ دیا کہ کسی غیر مسلم کے ساتھ کسی سطح پر اشتراک عمل نہیں ہوسکتا اور غیر مسلموں کے ساتھ مل کر کوئی قومی تحریک نہیں چلائی جا سکتی۔ اس طرح اعلیٰ حضرتؒ برصغیر پاک و ہند میں پہلے شخص تھے جنھوں نے 1897ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس کے قیام کے بعد دوقومی نظریہ کی بنیاد رکھی۔ حقائق یہ ہیں کہ مسلم لیگ کا قیام 1906ء میں عمل میں آیا اور اپنے قیام سے لے کر اجلاس الہ آباد (1930ء) تک مسلم لیگ یک قومی نظریہ One Nation Theory پر قائم رہی۔ یہ بھی ایک نا قابل تردید اور اظہر من الشمس حقیقت ہے کہ 19 جون 1919ء کو امرتسر میں ایک تنظیم تشکیل دی گئی جس کا نام جمعیت علماء ہند تھا۔ اس کی تشکیل کا مقصد وحید ون نیشن تھیوری کی حمایت تھا۔ 1922ء میں جمعیت علماء ہند نے ایک اخبار نکالا جسکا نام ''الجمعیت'' تھا اور اس کے پہلے ایڈیٹر مولانا مودودی تھے۔ مولانا مودودی بھی بنیادی طور پر کانگریس کی حمایت کرنے والے علماء میں سے تھے اور ون نیشن تھیوری کے واضح حامی تھے۔ تقریباً ۲۰ سال تک مولانا مودودی متحدہ قومیت کے حامی رہے۔ 1942ء میں جماعت اسلامی کے قیام کے

بعد انھوں نے متحدہ قومیت One Nation Theory کی مخالفت کی۔

متحدہ قومیت کی حمایت کے حوالے سے 1942ء میں جمعیت علماء ہند میں شدید اختلاف پیدا ہو گیا اور مولانا شبیر احمد عثمانی جمعیت علماء ہند سے علیحدہ ہو گئے۔ 1946ء میں مسلم لیگ کے تعاون سے قائد اعظمؒ کی سوچ کے مطابق کلکتہ میں ایک نئی جماعت کی بنیاد ڈالی گئی جس کا نام جمعیت علماء اسلام (JUI) تھا۔ JUI کے قیام میں قائد اعظمؒ کا بنیادی کردار تھا اور اس کے قیام کو قائد محترم کی مکمل اشیر باد و حمایت حاصل تھی۔ اس کے قیام کا مقصد دو قومی نظریہ کی حمایت اور متحدہ قومیت کی مخالفت تھی۔ اس کے پہلے صدر مولانا شبیر احمد عثمانی اور جنرل سیکرٹری اہلسنت کے معروف سیاسی و دینی راہنما مجاہد ملت مولانا عبدالستار خان نیازیؒ تھے، جنھوں نے قائد اعظمؒ کی خواہش کے مطابق JUI میں شمولیت اختیار کی۔ پاکستان بننے کے تھوڑے ہی عرصے بعد مولانا شبیر احمد عثمانی فوت ہو گئے اور JUI خاموش ہو گئی۔ JUI دوبارہ 1956ء میں مولانا احمد علی لاہوری نے زندہ کی جو قیام پاکستان سے قبل کانگریس کے ببانگ دہل حامی تھے۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ برصغیر میں اعلیٰ حضرت کے فتویٰ کے تحت کسی سنی نے کانگریس کی کبھی حمایت نہیں کی۔ یہاں تک کہ آج بھی بھارت کے سنی عوام اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے فتویٰ پر قائم ہیں۔

تحریک پاکستان میں علماء و عوام اہلسنت نے نمایاں کردار ادا کیا اور آل انڈیا سنی کانفرنس کے پلیٹ فارم سے مسلم لیگ کے قیام پاکستان کے مطالبے کی بھرپور حمایت کی۔ 28 مارچ 1946ء کو بنارس کے مقام پر سنی کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں پورے ہندوستان سے دس ہزار علماء کرام نے شرکت کی اور ہزاروں کی تعداد میں عوام نے اپنی شرکت کو یقینی بنایا۔ کانفرنس کی صدارت علامہ سید محمد کچھوچھویؒ کر رہے تھے جو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے خلیفہ مجاز اور شاگرد تھے جبکہ مہمان خصوصی امیر ملت قبلہ عالم سید جماعت علی شاہ علی پوریؒ تھے۔ حضرت محدث کچھوچھویؒ نے اپنے خطبہ صدارت میں واضح فرمایا کہ مسلمان اور ہندو دو الگ الگ نظریۂ حیات کے حامل ہیں جو کسی طور پر اکٹھے نہیں رہ سکتے اور پاکستان کا مطالبہ صرف مسلم لیگ کا مطالبہ نہیں ہے یہ برصغیر کے تمام سنیوں اور عاشقان مصطفیٰ ﷺ کی آواز ہے۔ اس لیے بالفرض قائد اعظمؒ اور مسلم لیگ اس مطالبے سے دستبردار بھی ہو جاتے ہیں تو سنی پاکستان قائم کر کے رہیں گے، اہلسنت کے علماء اس تحریک کو آگے بڑھائیں گے اور قیام پاکستان کے لیے اپنا خون جگر دیں گے۔ ہمارے علماء نے اس موقع پر کہا تھا کہ یہ ایسی تحریک ہے جو قائد اعظم محمد علی جناح ہی سے وابستہ نہیں بلکہ یہ تمام مسلمانان برصغیر کی تحریک ہے۔

تحریک پاکستان میں جن علماء ومشائخ اہلسنت نے بھرپور کردار ادا کیا ان میں محدث کچھوچھویؒ اور پیر جماعت علی شاہ لاثانی علی پوریؒ کے علاوہ علامہ عبدالغفور ہزارویؒ، علامہ عبدالحامد بدایونیؒ، مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھیؒ، علامہ ابوالبرکات سید احمد قادریؒ، شیخ الاسلام خواجہ قمرالدین سیالویؒ، غزالی دوراں علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ، مفتی محمد حسین نعیمیؒ، مجاہد ملت عبدالستار خان نیازیؒ، قائد اہلسنت علامہ الشاہ احمد نورانیؒ، پیر آف مانکی شریف اور پیر آف زکوڑی شریف قابل ذکر ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد علماء اہلسنت نے 1948ء میں جمعیت علماء پاکستان کے نام سے ایک نئی سیاسی جماعت کی بنیاد ڈالی اور مولانا ابوالحسنات قادری کی سرگرم قیادت میں بڑے استحکام کے ساتھ کام کیا۔ ون یونٹ کے قیام کے بعد مولانا ابوالحسنات کی موجودگی میں صاحبزادہ سید فیض الحسن کو جمعیت مغربی پاکستان کا صدر منتخب کیا گیا اور علامہ الشاہ احمد نورانی کو نائب صدر منتخب کیا گیا۔ 1955ء سے 1970ء تک صاحبزادہ صاحب کا دور صدارت تھا۔ اس دور میں ایوبی مارشل لاء نے جہاں دیگر سیاسی جماعتوں کو غیر مستحکم کرنے کے لیے انھیں تقسیم کیا، JUI کو تھانوی اور ہزاروی گروپ میں تقسیم کر دیا گیا۔ 4 اپریل 1970ء کو علماء اہلسنت کا ایک تاریخی اجلاس طلب کیا گیا اور اتحاد و یگانگت کا عظیم مظاہرہ دیکھنے میں آیا، جس نے بنارس سنی کانفرنس کی یاد تازہ کر دی۔ سید ابوالبرکاتؒ کے حکم پر مولانا الشاہ احمد نورانیؒ کا نام صدارت کے لیے پیش کیا گیا۔ اجلاس کی صدارت مولانا نے فرمائی اور اس اجلاس میں جمعیت کے تمام گروپس نے اپنے استعفے پیش کر دیے اور جمعیت متحد ہو گئی۔ ایک منشور کمیٹی قائم کی گئی جس کے چیئرمین مولانا نورانیؒ قرار پائے۔ 1970ء میں JUP ایک منظّم سیاسی قوت کے طور پر ابھری اور 1970ء کے انتخابی معرکہ میں نظام مصطفیٰ ﷺ کا نفاذ اور مقام مصطفیٰ ﷺ کا تحفظ JUP کے انتخابی منشور کا بنیادی نکتہ تھا۔ اس عظیم منشور کی برکت سے JUP کے امیدواروں نے کئی ایک نمایاں کامیابیاں حاصل کیں۔ ضلع جھنگ کی تمام سیٹیں جمعیت نے جیت لیں۔ ان انتخابات میں JUP نے قومی اسمبلی کی سات نشستیں حاصل کیں۔ انتخابات جیتنے والوں میں مولانا الشاہ احمد نورانیؒ کے علاوہ علامہ سید عبدالمصطفیٰ الازہری، مولانا سید محمد علی رضوی، مولانا محمد ذاکر، مہر غلام حیدر بھروانہ، صاحبزادہ نذیر سلطان اور میاں محمد ابراہیم برق شامل تھے۔ سقوط ڈھاکہ پاکستان کی تاریخ کا ایک سیاہ باب ہے۔ اگر شاہ احمد نورانیؒ کی تجاویز پر عمل کر لیا جاتا اور اکثریتی پارٹی کو اقتدار سپرد کر دیا جاتا تو اہل پاکستان اس خجالت اور رسوا کن ہزیمت سے بچ جاتے۔

آج ہم سیاسی طور پر غیر مستحکم ہیں، ہماری واحد سیاسی جماعت کئی حصوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔ مرکزی

جمعیت علماء پاکستان جس کے سربراہ صاحبزادہ فضل کریم ہیں اور جمعیت علماء پاکستان جس کے صدر ڈاکٹر صاحبزادہ ابوالخیر محمد زبیر ہیں۔ ہماری خالصتاً مذہبی و دعوتی تنظیموں میں جماعت اہلسنت، دعوت اسلامی، تحریک منہاج القرآن اور مدارس کے نیٹ ورک کو منظم کرنے کیلئے تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان ہے۔ علاوہ ازیں روحانی سلاسل کی عظیم خانقاہیں اور گدیاں ہیں جو اشاعت اسلام میں مصروف عمل ہیں۔ بحمد اللہ آج بھی اہلسنت پاکستان میں واضح اکثریت میں ہیں۔ اولیاء کاملین کی علمی وروحانی وراثت کے امین ہونے کا اعزاز رکھنے والے انشاءاللہ ہمیشہ اکثریت میں رہیں گے۔

پاکستان میں موجود اہل سنت (بریلوی) کی تنظیموں کے حوالے سے مفتی محمد صدیق ہزاروی نے مختصراً تحریر کیا:

مختلف حوالوں سے بے شمار تنظیمیں قائم ہیں۔ چند نمایاں تنظیمیں یہ ہیں: جمعیت علماء پاکستان، نظام مصطفیٰ پارٹی، جماعت اہل سنت، تنظیم اہل سنت، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، دعوت اسلامی اور منہاج القرآن۔ یہ بین الاقوامی سطح پر کام کرنے والی تنظیمات ہیں۔

امتیازات

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اہل سنت (بریلوی مسلک) کے پاکستان میں موجود دیگر مسالک سے عقیدتی اور عملی امتیازات کا اجمال بیان کر دیا جائے اگرچہ اس کی کچھ تفصیل آئندہ صفحات میں آجائے گی۔ مولانا مفتی غلام مصطفیٰ رضوی نے اپنے مسلک کے دیگر مسالک سے امتیازات کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا:

دیگر مسالک سے امتیازات کے حوالے سے بنیادی بات تو یہ ہے کہ کچھ حضرات تو وہ ہیں جو سیدنا امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کو جائز نہیں سمجھتے۔ انھوں نے ایک الگ راستہ اختیار کرلیا اور ایک طبقہ ایسا ہے کہ سرکار دوعالمؐ کی جس طرح سے عزت وعظمت ہونی چاہیے ویسے ان کے ہاں نہیں ملتی، ان دوستوں کی کتابوں میں ایسی قابل اعتراض عبارتیں موجود ہیں جن سے ہمیں شدید ترین اختلاف ہے، اگرچہ وہ اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں لیکن محبت رسولؐ کا جو صحیح تقاضا ہے جب اُس کے خلاف بات ہوگی یا سرکار کی عظمت کے خلاف کوئی بات کرے گا تو ظاہر ہے ہمارا راستہ ان سے الگ ہوگا، ان کا راستہ ہم سے الگ ہوگا۔ اسی طرح سیدنا صدیق اکبرؓ یا خلفائے راشدین سے ہماری عقیدتیں اور محبتیں وابستہ ہیں اگر کوئی ان حضرات سے تعلق نہیں رکھتا یا ان کی عظمت وشان کو حقیقی طور پر تسلیم نہیں کرتا تو ظاہر ہے کہ ان کا راستہ بھی ہمارے راستے سے جدا ہے۔

مفتی محمد صدیق ہزاروی نے اہل سنت (بریلوی مسلک) کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا:

مسلک اہل سنت (بریلوی) کی بنیاد اسلامی عقائد یعنی توحید خداوندی، تمام رسولوں اورنبیوں کی رسالت ونبوت اوران کی حیات بعدالممات، تمام الہامی کتب وصحائف، فرشتوں، یوم آخرت (جزاوسزااور جنت وجہنم) اورخیروشر کی تقدیر پرایمان لانا ہے۔

مسلک اہل سنت میں ادب، احترام اورتعظیم بنیادی عنصر ہے۔اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہرعیب سے (بلکہ امکان عیب سے بھی) پاک ماننا عصمت رسول وانبیاء کرام، تمام صحابہ کرام اورتمام اہل بیت اطہار (ازواج مطہرات نبوی، شیر خدا، خاتون جنت اورحسنین کریمین اور دیگر آل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی عظمت وطہارت (اور گناہوں سے محفوظ ماننا) اولیاء کرام اورصلحاءامت کو بارگاہِ خداوندی سے ملنے والے اعزازات (مثلاً کرامات، الہام اورتصرف وغیرہ) کوتسلیم کرنا (یونہی معجزات انبیاء کرام کو ماننا) مسلک اہل سنت میں لازمی امر ہے۔رسول اکرمؐ کے لئے اللہ تعالیٰ کی عطا سے ما کان ومایکون کےعلم کاعقیدہ رکھتے ہیں اوراللہ تعالیٰ نے آپ کوحلال وحرام کے اختیارات عطافرمائے۔ اہل سنت حیات النبی کاعقیدہ رکھتے ہیں، آپؐ اہل محبت کا درودشریف سن کر جواب دیتے ہیں۔آپؐ امت کے اعمال سے آگاہ ہیں، رسول اکرمؐ کو خاتم النبیین مانتے ہیں اوراس کا یہ مفہوم مانتے ہیں کہ آپ کے بعد کسی سچے نبی کے آنے کا امکان بھی نہیں اورخاتم النبین کا مطلب آخری نبی ہے، ختم نبوت کے منکرین کودائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔رسول اکرمؐ، صحابہ کرام اوراہل بیت اطہار کی گستاخی کو ایمانی تقاضوں سے متصادم سمجھا جاتا ہے۔بالخصوص رسول اکرمؐ کا گستاخ اہل سنت کے نزدیک دائرہ اسلام سے خارج ہے۔سیدنا حضرت ابوبکرصدیقؓ کورسول اکرمؐ کا جانشین اورخلیفہ اول بلافصل تسلیم کرتے ہیں اوراہل بیت عظام اورصحابہ کرام کی محبت کو جزوایمان قرار دیتے ہیں اورصحابہ کرام اوراہل بیت (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کونسبت رسولؐ کے حوالے سے دیکھتے ہیں اوراس عظیم نسبت کی وجہ سے ان ہردو جماعتوں کی عظمت کوسلام کرتے ہیں۔

اہل سنت بریلوی تاجدار فقہ امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرتے اوران کی فقہی کاوشوں پرعمل پیرا ہیں۔امت مسلمہ کے وہ معمولات جوقرآن وسنت کی نصوص سے ثابت ہیں یا قرآن وسنت کے خلاف نہیں ہیں، ان کو جائزاوربعض کومستحب قرار دیا جاتا ہے۔

تاریخ کے عظیم الشان واقعہ ولادت نبوی کی نسبت سے محافل میلاد النبیؐ کا انعقاد، میدانِ ولایت کے عظیم شاہسوار غوث اعظم حضرت سید شیخ عبدالقادر جیلانی حسنی حسینیؒ کے ایصال ثواب کی محفل گیارھویں شریف، شرعی تعلیم کے مطابق ایصال ثواب، بزرگان دین کے اعراس اورمزارات مقدسہ

پر حاضری اور فاتحہ خوانی، اصحاب قبور (اولیاء کرام) کے توسل سے بارگاہ خداوندی میں دعا اور بطور توسل ان سے استمداد وغیرہ امور اہل سنت کے نزدیک جائز اور شریعت اسلامیہ کے مطابق ہیں۔

اس سلسلے میں کچھ وضاحت مولانا مفتی گلزار احمد نعیمی کے الفاظ میں بھی ملاحظہ کیجیے:

ہماری ایک جماعت صوفیاء کی جماعت ہے۔ اس کا برصغیر میں صدیوں سے کام اور اثر ہے۔ بنیادی طور پر ہم اسی سلسلے کے لوگ ہیں۔ صوفیاء و اولیاء کی تعلیمات کے امین اہل سنت والجماعت ہی ہیں۔ یہ وہی سلسلہ ہے جس سے حضرت داتا گنج بخش ہجویری، حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ، خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور پیر مہر علی شاہؒ اور اسی پائے کے دیگر اولیاء وابستہ ہیں۔ جماعت اہل سنت کا اصلاح احوال میں بنیادی کردار رہا ہے۔ یہاں اس امر کی طرف توجہ ضروری ہے کہ صوفیاء، اولیاء اور عرفاء سے تمسک کا بنیادی مقصد معرفتِ الٰہی کا حصول اور تزکیہ باطن ہے۔ اسی کو ہم دینی تعلیمات کا بنیادی ہدف جانتے ہیں۔ ان ہستیوں کا بنیادی پیغام اور دعوت چونکہ یہی ہے اس لیے ہم اُن سے کسب فیض کے لیے وابستہ رہنے پر زور دیتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ایک مومن کو چاہیے کہ وہ معرفت الٰہی اور قربتِ پروردگار کے حصول میں سرگرم عمل رہے اور ان مقامات عالیہ کی جستجو کرے اس طرح سے کہ اللہ کے دیگر بندوں اور ان سے حسن سلوک سے بھی غافل نہ ہو۔ یہی وہ راستہ ہے جو فنی علوم کی کمی کی تلافی کا باعث بھی بن سکتا ہے۔ ان شاء اللہ۔

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی مرحوم اپنے ایک مضمون ''دوقومی نظریہ اور مولانا احمد رضا خان بریلوی'' میں لکھتے ہیں:

مسلمانوں کو ہندو قیادت کی پیروی سے باز رکھنے کے لیے جدوجہد جاری رہی، مولانا سید سلیمان اشرف بہاری مارچ ۱۹۲۱ء میں بریلی میں جمعیت علماء ہند کے زیر اہتمام ایک کانفرنس میں شریک تھے، کانفرنس میں انھوں نے ہندوؤں کی جانب مولانا ابوالکلام آزاد کے میلان کو ہدف تنقید بنایا اور انھوں نے ثابت کیا کہ ہندوؤں کے ساتھ ''موالات'' بھی ایسے ہی حرام ہے جیسے انگریزوں کے ساتھ۔ اسی طرح مولانا محمد علی جوہر نے بھی اپنی وفات سے تین ماہ قبل مولانا نعیم الدین مراد آبادی کے سامنے اپنی ہندو نواز سرگرمیوں سے توبہ کی۔ چند ماہ بعد مولانا شوکت علی نے بھی ایسا ہی کیا۔ اس سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ بریلوی مکتب فکر سے متعلق علماء مسلمانوں کے لیے کانگریس کی قیادت کے خلاف تھے۔ کیونکہ انھیں یہ یقین تھا کہ اس سے مسلمان بتدریج اپنے مذہبی تشخص سے محروم ہو جائیں گے اور وہ ہندوؤں کے عقائد اور روایات قبول کر لیں گے۔ جب ہندوؤں نے شدھی کی تحریک کا آغاز کیا تو ان علماء نے اس کے مقابلے میں جماعت رضائے مصطفیٰ کی بنیاد ڈالی جس کے تحت سینکڑوں بریلوی علماء نے ملکانہ راجپوتوں

میں قابل قدر کام کیا اور کامیاب ہوئے۔ بریلوی مکتب فکر کی قیادت (بعد ازآں) مولانا نعیم الدین مراد آبادی کے ہاتھوں میں آ گئی۔ جمعیت علمائے ہند کے علماء کے برعکس وہ ۳۹، ۱۹۳۸ء میں ہی اس بات پر یقین کر چکے تھے کہ انگریز زیادہ عرصے تک برصغیر پر اپنا اقتدار قائم نہیں رکھ سکیں گے۔ ان کے لیے یہ سوال شدت اختیار کرتا جا رہا تھا کہ اس کے بعد ملک کا اقتدار کون سنبھالے گا؟ چنانچہ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ مسلم اکثریت کے صوبوں پر مشتمل مسلمانوں کی ایک الگ ریاست تشکیل دینی چاہیے۔ اس لیے جوں ہی قرار داد پاکستان منظور ہوئی اس مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے علماء جنھوں نے اس سے قبل بھی کانگریس کے مقابلہ میں مسلم لیگ کی مدد کی تھی، قیام پاکستان کے لیے جد و جہد کرنے کا فیصلہ کیا۔ انھوں نے اپنی جماعت کے کام کو وسیع تر کر دیا اور ان کی ہر شاخ پاکستان کے قیام کی ضرورت کی تبلیغ میں مصروف ہوگئی۔ مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے بذات خود شمالی برصغیر کا دورہ کیا اور اس کے متعدد چھوٹے اور بڑے شہروں اور قصبات میں تقریریں کیں۔ تنظیم کا نیا دستور تیار کیا گیا اور اسے نیا نام دیا گیا۔ آل انڈیا سنی کانفرنس سے اس کا نام ''الجمہوریہ الاسلامیہ'' رکھ دیا گیا۔ اس کے ارکان پاکستان پر اس قدر اعتقاد رکھتے تھے کہ مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے ''الجمہوریہ الاسلامیہ'' پنجاب کے آرگنائزر مولانا ابوالحسنات کو ایک خط میں لکھا: ''الجمہوریہ الاسلامیہ'' کو کسی بھی صورت حال میں پاکستان کے مطالبہ سے دستبردار ہونا قبول نہیں، خواہ جناح خود اس کے حامی رہیں یا نہ رہیں۔ کیبنٹ مشن تجاویز سے ہمارا مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ بنارس میں ۲۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۳۶ء ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں پانچ ہزار علماء نے شرکت کی اور حاضرین و مندوبین کے سامنے پاکستان کی ضرورت و اہمیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی۔ جب یہ علماء اپنے اپنے علاقوں میں واپس گئے تو قیام پاکستان کی تحریک کو وسیع پیمانے پر پذیرائی حاصل ہوئی۔ (۴)

حواشی

(۱) اہل سنت (بریلوی مسلک) کا یہ تاریخی پس منظر مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری کی ایک تحریر سے ماخوذ ہے۔ ان کی یہ تحریر ''تمہید الایمان مع حسام الحرمین'' میں مقدمے کے طور پر شامل ہے جس کا عنوان ہے ''پیرایہ آغاز'': (ص ۵۷ تا ۶۴) اکبر بک سیلرز، لاہور، ۲۰۰۶ء

(۲) (ہدیۃ المھدی، ص ۲۶، ناشر جمعیت اہل سنت، لاہور)

(۳) (تفصیل حسام الحرمین میں ملاحظہ کیجئے)۔

(۴) http://www.geourdu.com/profileDetail.php?uid=235

عقائد وافکار

ایمان

اہل سنت (بریلوی) کے عقائد کی قدرے تفصیل بیان کرنے سے پہلے اجمالی طور پر ان کے نزدیک جن امور پر ایمان رکھنا ضروری ہے ہم انھیں بیان کرتے ہیں۔مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی ''ایمان کا بیان'' کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

وہ تمام امور جو حضور نبی کریمؐ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے اور جن کی نسبت یقینی معلوم ہے کہ یہ دین مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ہیں، ان سب کی تصدیق کرنا اور دل سے ماننا ''ایمان'' ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت، حضور نبی کریمؐ کا خاتم النبیین ہونا یعنی یہ اعتقاد کہ حضورؐ سب میں آخری نبی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی کو نبوت نہیں مل سکتی، اسی طرح حشر نشر، جنت و دوزخ وغیرہ کا اعتقاد اور زبان سے اقرار بھی ضروری ہے۔مگر حالت اکراہ میں جبکہ خوفِ جان ہو اس وقت اگر تصدیق میں کچھ خلل نہ آئے تو وہ شخص مومن ہے اگرچہ اس کو بحالت مجبوری زبان سے کلمۂ کفر کہنا پڑا ہو مگر بہتر یہی ہے کہ ایسی حالت میں بھی کلمۂ کفر زبان پر نہ لائے۔گناہ کبیرہ کرنے سے آدمی کافر اور ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔شرک وکفر کبھی نہ بخشے جائیں گے اور مشرک وکافر کی ہرگز مغفرت نہ ہوگی۔ان کے سوا اللہ تعالیٰ جس گناہ کو چاہے گا اپنے مقربوں کی شفاعت سے یا محض اپنے کرم سے بخشے گا۔شرک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کو خدا یا مستحق عبادت سمجھے اور کفر یہ ہے کہ ضروریات دین یعنی وہ امور جن کا دین مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ہونا بہ یقین معلوم ہو ان میں سے کسی کا انکار کرے۔(۱)(۲)

ایمان کا خلاصہ شیخ عبدالحق دہلوی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا قلبی طور پر یقین کرنے کا نام ایمان ہے اور ان دونوں چیزوں کا زبان سے اقرار کرنا بھی ضروری ہے۔دل سے یقین کرنا ایمان کی حقیقت ہے اور زبان سے تصدیق کرنا ایمان کی علامت ہے کیونکہ زبان دل کی ترجمان ہوتی ہے اور زبان کے اقرار کے بغیر دل کا حال معلوم نہیں ہوسکتا۔ظاہری احکام کا جاری کرنا زبان ہی کا کام ہے۔اگر کوئی

انسان گونگا ہو یا کوئی شخص زبردستی سے کوئی کلمہ کفر کہلائے مگر اس کے دل میں ایمان ہو یا قلبی یقین کے باوجود اسے زبانی اقرار کی فرصت نہیں ملی اور اس سے پہلے ہی موت نے آلیا تو ایسی صورت میں زبانی اقرار شرط ایمان نہیں۔(۳)

توحید

عقائد کا بیان معرفت خدا سے شروع ہوتا ہے اور اس کے بعد اللہ تعالی کی توحید اور پھر اس کی صفات کو بیان کیا جاتا ہے۔اہل سنت (بریلوی) کے نامور عالم مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی "کتاب العقائد" میں معرفت خدا، عقیدۂ توحید اور صفات خدا کے بیان میں کہتے ہیں:

دنیا کی ہر چیز ادلتی بدلتی رہتی ہے اور کبھی نہ کبھی فنا ہو جائے گی۔کسی نہ کسی وقت وہ پیدا ہوئی تو ضرور ان سب چیزوں کا کوئی پیدا اور ناپید کرنے والا ہے۔اس کا نام پاک "اللہ" ہے۔وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔وہی تمام جہان کا بنانے والا ہے۔آسمان، زمین، چاند، تارے، آدمی، جانور اور جتنی چیزیں ہیں سب کو اُسی نے پیدا کیا۔وہی پالتا ہے، سب اسی کے محتاج ہیں۔روزی دینا، جلانا، مارنا اس کے اختیار میں ہے۔وہ سب کا مالک ہے جو چاہے کرے اس کے حکم میں کوئی دم نہیں مار سکتا۔وہ ہر کمال وخوبی کا جامع اور ہر عیب ونقصان اور برائی سے پاک ہے وہ ظاہر اور چھپی چیز کو جانتا ہے کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں جیسے اس کی ذات ہمیشہ سے ہے اس کی تمام صفات بھی ہمیشہ سے ہیں۔جہاں کی ہر چیز اس کی پیدا کی ہوئی ہے۔ہم سب اس کے بندے ہیں۔وہ ہم پر ہمارے ماں باپ سے زیادہ مہربان، رحم فرمانے والا، گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول فرمانے والا ہے۔

اس کی پکڑ نہایت سخت ہے جسے وہ نہ چھوڑے چھوٹ نہیں سکتا۔عزت، ذلت اس کے اختیار میں ہے۔جسے چاہے عزت دے، جسے چاہے ذلیل کرے، جسے چاہے امیر کرے، جسے چاہے فقیر کرے۔وہ جو کچھ کرتا ہے وہی حکمت اور انصاف ہے۔وہ مسلمانوں کو جنت عطا فرمائے گا اور کافروں پر دوزخ میں عذاب کرے گا۔اس کا ہر کام حکمت ہے، بندوں کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے، اس کی نعمتیں اور اس کے احسان بے انتہا ہیں۔وہی اس کا مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔اس کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق نہیں۔اللہ تعالیٰ ہی قدیر، سمیع، بصیر، متکلم، مرید ہے۔نہ وہ کسی کا باپ ہے نہ بیٹا اور نہ اس کا کوئی رشتہ دار ہے، وہ سب سے بے نیاز ہے۔(۴)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علماء کرام کی عبارات میں سے صفات خدا کے بارے میں کچھ مزید بیان یہاں پر شامل کیا جائے، چنانچہ ہم شاہ عبدالحق محدث دہلوی اور چند دیگر علماء کی کچھ عبارات ذیل میں نقل کرتے ہیں۔اس سے پہلے ہم یہ وضاحت کردیں کہ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی کا بریلوی مسلک میں بہت احترام پایا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کی کتاب تکمیل الایمان پر مولانا احمد رضا خان بریلوی نے تعلیقات وحواشی لکھے ہیں۔شاہ عبدالحق محدث دہلوی اللہ کے خالق ہونے کے بیان میں کہتے ہیں:

> عالم کا کوئی نہ کوئی بنانے والا (خالق) ضرور ہے جس نے اسے معدوم سے موجود بنایا۔کیونکہ جب عالم حادث ہے اور حادث اسی کو کہتے ہیں جو عدم کے بعد وجود میں آیا ہو لہٰذا حادث کو عدم سے وجود میں لانے کے لئے ایک قدیم ذات کا ہونا ضروری ہے کیونکہ اگر حادث خود بخود درونما ہوسکتا تو اسے حادث نہیں بلکہ قدیم کہا جائے گا کیونکہ یہ عالم ہمیشہ سے نہیں تو اسے کسی نے معدوم سے موجود بنایا اور پیدا کیا ہے (اور وہی اس کا خالق ہے)۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی خدا کے قدیم ہونے کے بارے میں اپنا عقیدہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> وہ ہمیشہ سے ہے۔عالم کو پیدا کرنے والا قدیم ہونا چاہیے۔اگر وہ حادث ہوگا تو وہ عالم کی ایک مخلوق ہوگی، اس صورت میں وہ خالق نہیں ہوسکتا۔اس کا وجود واجب ہے وہ بذاتِ خود قائم ہے، اسے کسی دوسری ذات کی محتاجی نہیں ہے کیونکہ غیر کا محتاج تو خدا ہونے کے لائق ہی نہیں۔(۵)

وہ اللہ تعالی کی چند مزید صفات کی طرف یوں اشارہ کرتے ہیں:

> وہ زندہ، داتا، قادر اور صاحب اختیار ہے۔وہ جو کچھ کرتا ہے اپنے ارادے اور اختیار سے کرتا ہے۔اسے کسی قسم کا جبر یا اضطرار نہیں ہوتا۔یہ صفات کسی حد تک (حیات، علم وقدرت اور ارادہ) اس کی مخلوق میں بھی پائی جاتی ہیں۔اگر وہ ان صفات کو بدرجہ اتم نہ رکھتا تو اپنی مخلوقات کو ان صفات سے کیسے نوازتا ہے۔وہ متکلم، سمیع اور بصیر ہے۔گونگا بہرا خدا ناقص ہوتا ہے۔حالانکہ خدا ہر قسم کے نقص سے پاک ہے۔اس کی صفتیں اس کی ذات کی طرح قدیم اور باقی ہیں۔(٦)

قیامت کے دن دیدارِ خداوندی

اہل سنت کے تمام مسالک قیامت کے دن اللہ کے دیدار کا عقیدہ رکھتے ہیں، جیسا کے پیش نظر رپورٹ میں مختلف مسالک کے حوالے سے بیان کیا گیا۔ چنانچہ یہی عقیدہ اہل سنت بریلوی مسلک کا بھی ہے۔اہل سنت کا یہ عقیدہ قرآن و

حدیث کے بعض ظواہر پر استوار ہے جیسا کہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی کی اس عبارت سے بھی معلوم ہوتا ہے:

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ قیامت کے دن ایمان والوں کو دیدارِ خداوندی نصیب ہوگا۔حدیث پاک میں ہے۔

انکم سترون ربکم یوم القیامة کماترون القمر لیلة البدر.

تم عنقریب اپنے اللہ کو اس طرح دیکھو گے جس طرح چودھویں رات کا چاند دکھائی دیتا ہے۔

اس حدیث میں تشبیہہ محض دیکھنے میں ہے۔ چاند اور ذات باری تعالیٰ میں تشبیہہ نہیں ہے۔ قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے دیدار میں مقابلہ، مواجہہ اور قرب و بعد میں نہ ہوگا۔ اسی آنکھ کو قوت بصیرت عطا ہو جائے گی۔ جو لوگ دیدارِ خداوندی کو دل کی آنکھ (چشم بصیرت) سے دیکھتے ہیں وہ قیامت کے دن بچشم سر دیکھیں گے۔ عالم آخرت حقیقت کے ظاہر ہونے کا مقام ہے جو آج باطن ہے کل ظاہر ہوگا، جو آج پوشیدہ ہے وہ کل واضح ہوگا۔ شارع علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا ہے اس پر ایمان رکھنا چاہیے۔ ہاں اس کی کیفیت سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں۔(۷)

غیر اللہ کو سجدہ

بعض علماء نے سجدے کی دو قسمیں بیان کی ہیں اور ان کے جواز و عدم جواز کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ سید نعیم الدین مراد آبادی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

سجدہ دو قسم کا ہے ایک سجدۂ تعظیمی اور دوسرا سجدۂ بندگی، سجدۂ بندگی صرف اللہ عزوجل کے لئے جائز ہے۔ اللہ کے سوا کسی اور کو سجدہ بندگی کرنا شرک ہے اور سجدۂ تعظیمی پچھلی شریعتوں میں جائز تھا، جیسا حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے سجدہ کیا لیکن ہماری شریعت میں حرام ہے۔(۸)

نبوت

نبوت کے بارے میں اپنا عقیدہ بیان کرتے ہوئے بریلوی مسلک کے ممتاز عالم سید نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے خلق کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے جن پاک بندوں کو اپنے احکام پہنچانے کے واسطے بھیجا ان کو ''نبی'' کہتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام وہ بشر ہیں جن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے۔ یہ وحی کبھی فرشتہ کی معرفت آتی ہے کبھی بے واسطہ۔ انبیاء علیہم السلام گناہوں سے پاک ہیں۔ ان کی عادتیں، خصلتیں نہایت پاکیزہ ہوتی ہیں۔ ان کا نام، نسب، جسم، قول، فعل، حرکات، سکنات سب سے اعلیٰ درجہ کے اور نفرت انگیز باتوں سے پاک ہوتے ہیں۔ انھیں اللہ تعالیٰ عقل کامل عطا فرماتا

ہے۔ دنیا کا بڑے سے بڑا عقلمند ان کی عقل کے کروڑویں درجہ تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔ انھیں اللہ تعالیٰ غیب پر مطلع فرماتا ہے۔ وہ رات دن اللہ تعالیٰ کی اطاعت وعبادت میں مشغول رہتے ہیں اور بندوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم پہنچاتے اور اس کا راستہ دکھاتے ہیں۔

نبوت بہت بلند اور بڑا مرتبہ ہے۔ کوئی شخص یہ مرتبہ عبادت وغیرہ سے حاصل نہیں کرسکتا، چاہے عمر بھر روزہ دار رہے، رات بھر سجدوں میں رویا کرے، تمام مال ودولت خدا کی راہ میں صدقہ کردے، اپنے آپ اس کے دین پر فدا ہو جائے مگر اس سے نبوت نہیں پاسکتا۔ نبوت اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے۔ نبی کی فرمانبرداری فرض ہے۔ انبیاء علیہم السلام تمام مخلوق سے افضل ہیں۔ ان کی تعظیم وتوقیر فرض اور ان کی ادنیٰ توہین یا تکذیب کفر ہے۔ آدمی جب تک ان سب کو نہ مانے مومن نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ کے دربار میں انبیاء علیہم السلام کی بہت عزت اور مرتبت ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے پیارے ہیں۔ ان انبیاء علیہم السلام میں سے جو نئی شریعت لائے ان کو رسول کہتے ہیں۔ تمام انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں جیسے دنیا میں تھے۔ ایک آن کے لئے ان پر موت آئی پھر وہ زندہ ہو گئے۔ دنیا میں سب سے پہلے آنے والے نبی آدم علیہ السلام ہیں جن سے پہلے آدمیوں کا سلسلہ نہ تھا۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی قدرت کاملہ سے بے ماں باپ کے پیدا کیا اور اپنا خلیفہ بنایا اور علم اسماء عنایت کیا۔ ملائکہ کو ان کے سجدے کا حکم کیا۔ انھیں سے انسانی نسل چلی۔ تمام آدمی انھیں کی اولاد ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے ہمارے آقا حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک اللہ تعالیٰ نے بہت سے نبی بھیجے۔ (۹)

ختم نبوت

اہل سنت اور اہل تشیع کے تمام گروہوں اور مسلکوں کا حضرت محمد مصطفیؐ پر نبوت کی تمام صورتوں کے خاتمے پر ایمان ہے، چنانچہ اہل سنت (بریلوی) کی عقائد کی تقریباً تمام کتب میں اس مسئلے کو واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

> سب انبیاء سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور سب کے آخرین یعنی خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
>
> وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ(۱۰)
>
> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری رسول ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبری سے دین کا کامل کرنا اور مکارم اخلاق کا پورا کرنا مقصود تھا۔ جب یہ مقصد پورا ہو گیا اور اخلاق مکمل ہو گئے تو

حضور کے بعد کسی پیغمبر کی ضرورت نہ رہی۔(۱۱)

مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی نے بھی اس مسئلے پر اپنا نقطۂ نظر وضاحت سے بیان کیا ہے۔انھوں نے آنحضرتؐ کی دیگر تمام انبیاء پر ہر لحاظ سے فضیلت کو بھی بیان کیا ہے۔چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام کے مراتب میں فرق ہے۔بعض کے رتبے بعض سے اعلیٰ ہیں۔سب سے بڑا رتبہ ہمارے آقا و مولیٰ سید الانبیاء محمد مصطفیٰؐ کا ہے۔حضورؐ خاتم النبیین ہیں۔اللہ تعالیٰ نے نبوت کا سلسلہ حضورؐ پر ختم فرما دیا۔تمام انبیاء علیہم السلام کو جو کمالات جدا جدا عنایت ہوئے وہ سب اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات عالی میں جمع فرما دیے اور حضورؐ کے خاص کمالات بہت زائد ہیں۔حضورؐ اللہ کے محبوب ہیں۔خدا کی راہ انبیاء علیہم السلام ہی کے ذریعے ملتی ہے اور انسان کی نجات کا دارومدار انھیں کی فرمانبرداری پر ہے۔(۱۲)

عصمتِ انبیاء

اہل سنت (بریلوی) کا اس امر پر اتفاق ہے کہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں، چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

جمہور اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انبیاء کرام سے عموماً یا سہواً گناہ کبیرہ وصغیرہ سرزد نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ بات ان کے مناصب جلیلہ اور مراتب عالیہ کو زیب دیتی ہے۔(۱۳)

انبیاء کی ابدی زندگی

اہلسنت بریلوی مسلک میں انبیاء کی ابدی زندگی کا عقیدہ پایا جاتا ہے۔جیسا کہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی کی ان عبارات سے ظاہر ہوتا ہے:

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کبھی معزول نہیں ہوتے۔اللہ تعالیٰ نے جو مراتب و درجاتِ رسالت انھیں عطا فرمائے ہیں وہ ان سے کبھی نہیں چھنتے۔رسالت موت کے بعد بھی قائم وجاری رہتی ہے بلکہ ہم تو یہاں تک کہیں گے کہ انبیاء کرام کو موت نہیں آتی اور وہ زندہ جاوید ہیں اور باقی ہیں۔

ان کے واسطے بس ایک ہی موت ہے جو ایک دفعہ واقع ہوئی۔اس کے بعد ان کی روحیں انھیں بدنوں میں لوٹا دی جاتی ہیں اور جو زندگی انھیں دنیا میں دی جاتی ہے وہی زندگی ان کی عالم برزخ میں ہوتی ہے۔انبیاء کی حیات شہدا کی زندگی سے کامل تر ہوتی ہے کیونکہ شہدا کی زندگی پوشیدہ اور معنوی ہوتی ہے۔(۱۴)

تمام مخلوقات کے نبی

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں اس مسئلے پر کہ آپ مخلوقات میں سے کس کس کے لیے نبی بن کر مبعوث ہوئے گفتگو کرتے ہوئے شاہ عبدالحق محدث دہلوی کہتے ہیں:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوقات کے نبی ہیں جن وانس تمام آپ کے لوائے نبوت کے زیر سایہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو رسول الثقلین کہا جاتا ہے۔ آپ کی خدمت میں جنات کا آنا، قرآن سننا، ایمان لانا اور پھر اپنے ساتھیوں کو قرآن کی تعلیم دینا، ساری چیزیں قرآن پاک میں موجود ہیں۔ اکثر علماء کی رائے ہے کہ عام جن اور انسانوں پر آپ کی نبوت آپ کا خاصا ہے۔ (۱۵)

افضل الانبیاء

دیگر مسلمانوں کی طرح سے اہل سنت بریلوی مسلک کا بھی یہی نظریہ ہے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء سے افضل ہیں جیسا کہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ حضور ہی کو نبوت ظاہری معجزوں اور مکمل نشانیوں سے ثابت ہوئی، جن کی نقل تواتر کے درجہ تک پہنچتی ہے۔ ہر ایک نبی کے معجزے، ایک دو مقاصد کے لئے ظاہر ہوئے مگر نبی علیہ السلام کے معجزات تمام مقاصد کے لئے دلیل نبوت بن کر آئے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضور کا تصرف تمام اجزائے عالم پر تھا زمین، آسمان، ملک، ملکوت غرضیکہ جو کمالات سابقہ انبیاء کی ذات مقدسہ میں انفرادی طور پر پائے جاتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں اجتماعی طور پر بدرجہ اتم پائے گئے۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انا سید ولد اٰدم ولا فخر.

میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور یہ فخریہ نہیں کہتا۔ (۱۶)

معجزات

بریلوی مسلک کے علماء دیگر اسلامی مسالک کے علماء کی طرح معجزات کو انبیاء کے ادعائے نبوت کی دلیل قرار دیتے ہیں، جیسا کہ مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی لکھتے ہیں:

وہ عجیب وغریب کام جو عادتاً ناممکن ہوں جیسے مردوں کو زندہ کرنا، اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے کر دینا، انگلیوں سے چشمے جاری کرنا، ایسی باتیں اگر نبوت کا دعویٰ کرنے والے سے اس کی تائید میں ظاہر ہوں تو ان کو ''معجزہ'' کہتے ہیں۔ معجزات انبیاء علیہم السلام سے بہت ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور یہ ان کی نبوت کی دلیل ہیں۔ معجزات دیکھ کر آدمی کا دل نبی کی سچائی کا یقین کر لیتا ہے جس کے ہاتھ سے قدرت کی ایسی نشانیاں ظاہر ہوتی ہیں، جس کے مقابل سب لوگ عاجز و حیران ہیں ضرور وہ خدا کا بھیجا ہوا ہے، چاہے ضدی دشمن نہ مانے مگر دل یقین کر ہی لیتا ہے اور عقل والے ایمان لے آتے ہیں۔

معراج

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج کے حوالے سے مسلمانوں کے تمام روایتی مسالک اصولی اور اجمالی طور پر ہم فکر دکھائی دیتے ہیں، تاہم تفصیلات میں روایات کی بنا پر کسی قدر اختلاف پایا جاتا ہے۔ البتہ بعض کلامی اور فلسفی مکاتب فکر اس موضوع پر کچھ الگ افکار رکھتے ہیں۔ ان کے اپنے عقلی اور نقلی دلائل ہیں۔ یہاں پر ہم اہل سنت (بریلوی) کا اس ضمن میں اصولی عقیدہ مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی کے الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> ہمارے حضور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات بہت زیادہ ہیں۔ ان میں سے معراج شریف بہت مشہور معجزہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے تھوڑے سے حصہ میں مکہ معظّمہ سے بیت المقدس تشریف لے گئے۔ وہاں انبیا علیہم السلام کی امامت فرمائی۔ بیت المقدس سے آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ اللہ تعالیٰ کے قرب کا وہ مرتبہ پایا کہ کبھی کسی انسان یا فرشتے، نبی یا رسول نے نہ پایا تھا۔ خداوند عالم کا جمال پاک اپنی مبارک آنکھوں سے دیکھا، کلام الٰہی، آسمان و زمین کے تمام ملک ملاحظہ فرمائے، جنتوں کی سیر کی، دوزخ کا معائنہ فرمایا، مکہ معظّمہ سے بیت المقدس تک راہ میں جو قافلے ملے تھے صبح کو ان کے حالات بیان فرمائے۔ (۱۷)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصر سی عبارت شیخ عبدالحق دہلوی کی بھی نذرِ قارئین کر دی جائے۔ وہ لکھتے ہیں:

> حضور علیہ السلام کو بیداری کے عالم میں جسم مبارک کے ساتھ ہی معراج ہوا۔ آپ زمین سے آسمان تک اور پھر اس کے بعد جہاں تک اللہ نے چاہا جسم مبارک کے ساتھ گئے۔ (۱۸)

الہامی کتابیں

عموماً مسلمانوں کا چار الہامی کتابوں پر ایمان ہے۔ قرآن حکیم سے ماقبل کی الہامی کتابوں پر ایمان لانے کا حکم خود

قرآن حکیم میں دیا گیا ہے۔ قرآن شریف میں بعض کتب کا نام بھی آیا ہے۔ اس بارے میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی یوں بیان کرتے ہیں:

> اللہ تعالیٰ کی کتابیں بعض رسولوں پر نازل ہوئیں اور تمام انسانوں کو ان کی اتباع کا حکم دیا گیا۔ ان الہامی کتابوں کی تعداد ایک سو چار تک ہے۔ مگر ان میں چار کتابیں بڑی اور مشہور ہیں۔ تورات آسمانی کتابوں میں سے ایک ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ تمام اسرائیلی اس کتاب کے تابع ہیں۔ زبور دوسری بڑی آسمانی کتاب ہے جو حضرت داؤد پر نازل ہوئی۔ انجیل تیسری آسمانی کتاب ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ (۱۹)

قرآن شریف کے بارے میں عقیدہ

قرآن شریف کے برحق و بے مثل الہامی کتاب ہونے پر تمام مسلمانوں کا صد در صد اتفاق ہے۔ مسلمانوں کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ اس میں کسی قسم کی کوئی تحریف واقع نہیں ہوئی اور اللہ نے اس کی حفاظت خود اپنے ذمے لے رکھی ہے۔ دیگر آسمانی کتب کے بارے میں عمومی نظریہ یہی ہے کہ اس میں تحریف لفظی واقع ہو چکی ہے۔ چنانچہ مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی بیان کرتے ہیں:

> قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اسے اللہ نے اپنے بندوں کی رہنمائی کے لئے اتارا۔ اس میں سارے علم ہیں اور وہ بے مثل کتاب ہے ویسی کوئی دوسرا نہیں بنا سکتا ہے، چاہے تمام دنیا کے لوگ مل جائیں مگر ایسی کتاب نہیں بنا سکتے۔
>
> اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب اپنے پیارے نبی حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتاری، جیسے اس سے پہلے توریت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر، زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر، انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اور دوسری کتابیں اور نبیوں علیہم السلام پر اتاری تھیں، وہ سب کتابیں برحق ہیں۔ ہمارا ان سب پر ایمان ہے مگر پہلے زمانہ کے شریر لوگوں نے اگلی کتابوں کو بدل ڈالا وہ اصلی نہیں ملتیں۔ قرآن شریف کا اللہ تعالیٰ خود نگہبان ہے، اس لئے وہ جیسا اترا ویسا ہی ہے اور ہمیشہ ویسا ہی رہے گا، سارا زمانہ چاہے تو بھی اس میں ایک حرف کا فرق نہیں آ سکتا۔ (۲۰)

قرآن معجزہ ہے

تمام مسالکِ اسلامی قرآن کے معجزہ ہونے پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ البتہ اس معجزے کی نوعیت کیا ہے، اس پر مختلف

عبارات دکھائی دیتی ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنا نظریہ یوں بیان کرتے ہیں:

نبی کریم کا سب سے بڑا معجزہ قرآن حکیم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت بھی قدیم ہے اور اس کا کلام بھی قدیم ہے۔ روز قیامت تک یہ دنیا میں محفوظ رہے گا۔ دوسرے معجزے ظاہر ہوتے ہیں اور گزر جاتے ہیں مگر قرآن کریم ابدی معجزہ ہے اور زمانہ گزرنے کے باوجود زندہ اور ثابت رہے گا اور ہر دور میں مشاہدہ میں آتا رہے گا۔ قرآن کریم اور نبی کریمؐ کی صداقت پر یہ بات بہت بڑی دلیل ہے کہ ان قریش کے سامنے جو تمام عرب میں فصاحت و بلاغت کے امام مانے جاتے تھے اور نبی علیہ السلام اور دین اسلام کے بدترین دشمن تھے یہ دعویٰ پیش کیا گیا کہ:

وَ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ (۲۱)

اگر تم اس کلام میں جو ہم نے اپنے بندے پر اتارا ہے کسی شک میں ہو تو اس کی طرح ایک سورۃ ہی لے آؤ۔

آج تک اس قرآن کا کسی صاحب سے جواب نہیں بن آیا۔ (۲۲)

صحابہ کرامؓ کی فضیلت

صحابہ کرامؓ کے بارے میں اہل سنت کا عقیدہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے یوں بیان کیا ہے:

آپ کے صحابہ ساری امت سے افضل اور بہترین ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں آپ کی صحبت اور نصرت کے لئے پسند کیا اور ملت محمدیہ اور دین اسلام کی عظمت ان صحابہ سے بلند ہوئی۔ صحابہ کرام حضور اکرمؐ کی صحبت و نصرت کے اہل تھے اور ان پاکیزہ خدمات کے اہل تھے جو ان کے سپرد کی گئی تھیں۔ صحابہ کرام کی شان اور برتری میں اس قدر احادیث آئی ہیں کہ ان کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا رتبہ ساری امت سے بلند تر اور ثواب سب سے زیادہ ہے۔

حضورؐ نے فرمایا کہ اگر کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خدا کی راہ میں خرچ کرے تو صحابہ کے نصف پیمانہ دینے کے ثواب تک نہیں پہنچ سکتا۔ حدیث خیر القرون قرنی بھی اس مطلب کی وضاحت کرتی ہے۔ اس کے علاوہ بہت سی احادیث ہیں جن سے صحابہ کرامؓ کی برتری ظاہر ہوتی ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کونسی دلیل کی ضرورت ہے کہ ان لوگوں نے حضورؐ کے جمال جہاں تاب کو اپنی آنکھوں دیکھا، آپؐ کی پاکیزہ صحبت سے فیضیاب ہوئے، قرآن اور دین کو آپؐ کی زبان سے براہ راست سنا اور اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی سے واقف ہوتے رہے۔ اپنی مال و جان راہ مصطفیٰ میں نثار کرتے رہے۔ صحابہ ایسے مومن تھے کہ جنھوں نے حضور کو ایمان کی حالت میں دیکھا اور ایمانی حالت میں دنیا کو خیر باد کہا۔ حضور کو ایمان

سے ایک نگاہ دیکھنا صحابی بنا دیتا ہے۔ مگر بعض علماء کی رائے میں صحابی کے لئے حضور کی مصاحبت اور مجالست شرط ہے۔ جہاں وہ غزوات میں شریک رہا ہو اور کم از کم چھ ماہ مجلس میں رہا ہو کیونکہ ایک نظر دیکھنے اور ایک لمحہ مجلس میں بیٹھنے سے مصاحبت کی دولت حاصل نہیں ہو سکتی۔ (۲۳)

علامہ مفتی غلام مصطفیٰ رضوی نے صحابہ کرامؓ کے بارے میں اپنا عقیدہ ان الفاظ میں بیان کیا:

جیسا کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے صحابہ کرامؓ ایک لاکھ اور چوبیس ہزار کے لگ بھگ ہیں اور حضورؐ کی نسبت سے ہر صحابی قابل احترام ہے۔ ہم ان کا بہت احترام کرتے ہیں ان کے پاؤں کی مٹی سرمہ بنانے کو مل جائے تو اسے بھی ہم بہت بڑی غنیمت سمجھیں گے لیکن اُن صحابہ کرامؓ میں پھر درجات کے حوالے سے خلفائے راشدین کا مرتبہ بہت ارفع ہے جس ترتیب سے اُن کی خلافت ہے ہم اُسی ترتیب سے ان کی فضیلت کے بھی قائل ہیں۔

اہل سنت بعض صحابہ کرامؓ کی خصوصی فضیلت کی بھی قائل ہے جیسا کے مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی بیان کرتے ہیں:

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دس اصحاب وہ ہیں جن کے بہشتی ہونے کی دنیا میں خبر دے دی گئی ان کو ''عشرہ مبشرہ'' کہتے ہیں۔ ان میں چار تو یہی خلفاءؓ ہیں جن کا ذکر ابھی گزرا، باقی حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں: حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید، حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ احادیث میں بعض اور صحابہ کرام کو بھی جنت کی بشارت دی گئی ہے چنانچہ خاتون جنت حضرت فاطمہ زہراؓ کے حق میں وارد ہے کہ وہ جنت کی بیبیوں کی سردار ہیں اور حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کے حق میں وارد ہے کہ وہ جوانان بہشت کے سردار ہیں۔ اسی طرح اصحاب بدر اور اصحاب بیعۃ الرضوان کے حق میں بھی جنت کی بشارتیں ہیں۔

کوئی ولی، کوئی غوث، کوئی قطب مرتبہ میں کسی صحابی کے برابر نہیں ہو سکتا۔ تمام صحابہ کرامؓ جنتی ہیں۔ روز محشر فرشتے ان کا استقبال کریں گے۔ (۲۴)

خلافت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلافت کا دور کتنے عرصے پر محیط ہے، اس کے بارے میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

حضورؐ کے بعد خلافت صرف تیس سال تک تھی۔ اس کے بعد ملوکیت وامارت تھی، حدیث پاک میں آیا ہے:

الخلافة بعدی ثلثون سنة ثم یصیر بعدھاملکاعضوضا۔

میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی۔اس کے بعد خلافت نہیں ہوگی ،نقصان دہ ملوک ہوں گے۔جن کے زہر سے بہت کم لوگ سلامت رہ سکیں گے۔

حضرت علیؓ کی شہادت کے ساتھ تیس سال کا عرصہ مکمل ہو جاتا ہے۔تحقیق یہ ہے کہ ابھی تیس سال میں سے چھ ماہ باقی تھے کہ امام المسلمین حضرت حسن بن علی بن ابی طالب خلیفہ رہے۔آپ کی وفات کے ساتھ ہی خلافت کا تیس سالہ دور ختم ہوگیا۔اس کے بعد حضرت معاویہؓ خلیفہ نہیں تھے بلکہ امیر و بادشاہ تھے جولوگ امرائے عباسیہ کوخلفاء میں شمار کرتے ہیں، مجازی اور اصطلاحی معنوں میں لکھتے ہیں۔(۲۵)

اہل بیتؑ کے بارے میں عقیدہ

رسول اللہؐ کے اہل بیتؑ کے بارے میں علامہ مفتی غلام مصطفیٰ رضوی نے اہل سنت (بریلوی) کا عقیدہ ان الفاظ میں بیان کیا:

ہمارا ایمان ہے کہ جو شخص اہل بیت کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کا حقیقی معنوں میں احترام نہیں کرتا وہ مومن ہی نہیں ہوسکتا۔حبّ اہل بیت ہمارے ایمان کا حصہ ہی نہیں بلکہ ہمارے ایمان کا تقاضا بھی ہے۔کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کے دل میں اہل بیت کرام کی محبت نہ ہو۔سرکار دو عالمؐ نے فرمایا ''حسینٌ منی و أنا من الحسین '' حضرت فاطمہ الزہرا کی عظمت کے بارے میں متعدد احادیث ہیں۔جب وہ تشریف لاتیں تو سرکارؐ اُن کے استقبال کے لئے کھڑے ہو جاتے تو جن کا احترام سرکارؐ خود فرمائیں اُن کا احترام ہمارے دل میں نہ ہو، یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ دراصل ہماری عقیدتوں اور محبتوں کا مرکز حضورؐ ہیں۔اب جس کا تعلق اور جس کی نسبت حضورؐ سے ہوتی چلی جائے گی وہ ہمارے لئے قابل احترام ہے۔صحابہ کرامؓ کا احترام اسی لئے ہے کہ وہ حضورؐ کے صحابہ ہیں، اہل بیت کرامؓ سے ہماری عقیدتیں اس لئے وابستہ ہیں کہ وہ حضورؐ کے اہل بیت ہیں۔لہٰذا بات تو وہیں سرکارؐ پر ختم ہوتی ہے۔علاوہ ازیں حضرات اہل بیتؑ نے اسلام کی بقا کے لئے قربانیاں دی ہیں۔ قرآن حکیم میں واضح طور پر موجود ہے کہ سرکار کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰى.(۲۶)

سرکارؐ نے فرمایا کہ میں نے تبلیغ میں اتنی تکلیفیں اٹھائیں ہیں، مجھے پتھر مارے گئے، میری راہ میں کانٹے بچھائے گئے، مجھ پر مظالم ہوئے، میرے دانت شہید ہوئے میں نے بڑی قربانیاں دی ہیں، ان سب قربانیوں کا صلہ میں کچھ نہیں مانگتا، صرف یہ چاہتا ہوں کہ میرے اہل بیت کرام سے محبت کرو تو ظاہر

ہے کہ اگر ہم ''مودة فی القربی '' کے حکم کے پیش نظر ان سے محبت نہ کریں تو قرآن کریم کی مخالفت لازم آتی ہے لہٰذا وہ ہمارے لئے آنکھ کا نور ہیں۔

اولیاءاللہ

اولیاءاللہ سے محبت وعقیدت کا اظہار ویسے تو تمام مسلمان مسالک میں پایا جاتا ہے لیکن اہل سنت (بریلوی) کے ہاں اس پر خاص زور دیا جاتا ہے نیز بہت سے مشائخ اور بزرگوں کے ایام اور عرس ان کے ہاں خاص طور پر منائے جاتے ہیں۔اس حوالے سے مختلف رسوم بھی ان کے ہاں رائج ہیں۔ان کی یاد منانے کے طریقوں پر اہل سنت کے مختلف مسالک میں اختلاف پایا جاتا ہے۔یہ اختلاف بعض جگہ ''طریقوں'' سے بڑھ کر ''عقیدوں'' میں جلوہ گر ہوتا ہے۔اولیاءاللہ کی تعریف کرتے ہوئے مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی لکھتے ہیں:

> اللہ کے وہ مقبول بندے جو اس کی ذات وصفات کے عارف ہوں اس کی اطاعت وعبادت کے پابند رہیں، گناہوں سے بچیں، انھیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنا قرب خاص عطا فرمائیں ان کو ''اولیاءاللہ'' کہتے ہیں۔

اس کے بعد وہ ان سے ظاہر ہونے والے خوارق عادات کا بھی ذکر کرتے ہیں نیز ان سے حصول برکت کے طریقوں کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں:

> ان سے عجیب وغریب کرامتیں ظاہر ہوتی ہیں مثلاً آن کی آن میں مشرق سے مغرب میں پہنچ جانا، پانی پر چلنا، ہوا میں اڑنا، جمادات وحیوانات سے کام لینا، بلائیں دفع کرنا، دور دراز کے حالات ان پر منکشف ہونا۔اولیاء کی کرامتیں درحقیقت ان انبیاء علیہم السلام کے معجزات ہیں جن کے وہ امتی ہوں۔
>
> اولیاء کی محبت دارین کی سعادت اور رضائے الٰہی کا سبب ہے۔ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ مخلوق کی حاجتیں پوری کرتا ہے۔ان کی دعاؤں سے خلق فائدہ اٹھاتی ہے۔ان کے مزاروں کی زیارت، ان کے عرسوں کی شرکت سے برکات حاصل ہوتی ہیں۔ان کے وسیلہ سے دعا کرنا کامیابی ہے۔
>
> مرنے کے بعد مردوں کو صدقہ، خیرات، تلاوت قرآن شریف، ذکر الٰہی اور دعا سے فائدہ ہوتا ہے۔ ان سب چیزوں کا ثواب پہنچتا ہے۔اسی لئے فاتحہ اور گیارھویں وغیرہ مسلمانوں میں قدیم سے رائج ہے اور صحیح احادیث سے یہ امور ثابت ہیں۔ان کا منکر گمراہ ہے۔(۲۷)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس موضوع کے مختلف پہلوؤں پر بات کی ہے۔انھوں نے اولیاءاللہ کی پرہیزگاری، ان کی کرامات، اولیاء کی کرامات کا انبیاء کے معجزات سے فرق اور اس حوالے سے دیگر پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

اولیاء اللہ کی کرامات برحق ہیں مگر ولی اس شخص کو کہا جائے گا جو معرفت خداوندی کا واقف ہو، طاعات خداوندی پر قائم رہے، عصیان ومعصیت سے کنارہ کش رہے اور لذات شہوانیہ سے پرہیز کرتا رہے۔ اگر ایسے شخص سے کوئی خرق عادت ظاہر ہو تو اسے کرامت کہا جاتا ہے اور یہ چیز جائز ہے۔ دراصل ولی کی کرامت اس نبی کے معجزات کا عکس ہوتا ہے جس کی امت میں وہ ولی ہوتا ہے۔ جیسا کہ نبی علیہ السلام کے کئی قسم کے معجزات ہیں۔ بعض معجزات تو بعثت سے ہی پہلے ظاہر ہوئے تھے، ایسے معجزات کو ارہاصات کہتے ہیں۔ بعض معجزات اعلان رسالت کے بعد تادم حیات ظاہر ہوتے رہے۔ مگر بعض معجزات ایسے بھی ہیں جو بعد از رحلت وقوع پذیر ہوئے۔ یہ معجزات آپ کے تابعین یا اولیاء اللہ سے سرزد ہوتے رہے۔ درحقیقت ان تمام کرامات کو بھی حضور علیہ السلام کے معجزات کے سلسلہ کی ایک کڑی کہا جائے گا۔

کرامات کا وجود تو اکثر صحابہ اور اولیائے امت سے تواتر کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ اس موضوع پر کسی قسم کا تردد، انکار یا اظہار شبہ کی ضرورت نہیں۔ خاص کر بعض اولیاء امت جیسے کہ حضرت غوث الثقلین شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی، امام عبداللہ یافعی رحمۃ اللہ علیہما سے اکثر کرامات ظاہر ہوئیں۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ کرامات اولیاء اللہ نبی کے معجزات کی جنس میں نہیں آتے جس طرح کہ شق القمر، سلام حجر، سجدہ شجر وغیرہ وغیرہ۔ بعض کے نزدیک یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ ولی کی کرامت اس کے ارادہ واختیار سے باہر ہوتی ہے لیکن یہ بات ضروری ہے کہ ولایت وکرامت کا دعویٰ کرنا غیر ضروری ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نبی سے جو چیز بطور معجزہ ظاہر ہوتی ہے وہ ولی اللہ سے بطریق کرامت ظاہر ہو سکتی ہے۔ اختیار یا عدم اختیار کی قید وتخصیص ضروری نہیں۔ بعض غیر اختیاری ہوتی ہیں۔ بعض کرامات ان اولیاء اللہ کے دعویٰ پر صادر ہوتی ہیں۔ جب کہ وہ ولایت اور صدق کے بلند ترین مقامات پر فائز ہوتے ہیں۔ یہ کرامات ان کے دعووں کے عین مطابق ظاہر ہوتی ہیں۔ حقیقت میں اولیاء اللہ کے دعویٰ ان کے انبیاء کے صدق وصحت نبوت کی دلیل ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر شیخ محی الدین عبدالقادر نے کثیر دعویٰ کیے ہیں تو وہ حق تھے اور ان کے حق میں حقانیت تھی جو دعویٰ ان اولیاء اللہ کے لئے منع ہے وہ دعویٰ نبوت ہے۔ یہ دعویٰ ایک ولی کو دشمن دین، مستحق اہانت ولعنت بنا دیتا ہے، معاذ اللہ۔

ولایت کے لئے ضروری نہیں ہے کہ اظہار کرامت بھی ہو۔ ولی اللہ بغیر کرامت کے بھی ولی اللہ ہو سکتا

ہے۔ اصل کرامت تو یہ ہے کہ دین پر استقامت دکھائی جائے۔ الاستقامت فوق الکرامت لیکن کرامت کے اظہار میں حکمت یہ ہوتی ہے کہ سالک ابتدائے تربیت میں تکمیل یقین پالے تا کہ سلوک کی جدوجہد میں نہایت تن دہی سے کام کرتا چلا جائے اور آخرین عمر میں دوسرے لوگوں کی تربیت اور ان کے تردد وانکار کے شبہات کو دور کرنے کے لئے کرامت کا ہونا ضروری ہے۔ (۲۸)

ارواح اولیاء سے استمداد

اہل سنت کے مختلف مسالک میں یہ سوال زیر بحث رہتا ہے کہ کیا اولیاء اللہ کی ارواح سے استمداد کیا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں بریلوی مسلک کو شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے الفاظ میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے:

> ولایت کے معانی فنافی اللہ اور بقاباللہ کے ہیں، یہ نسبت موت کے بعد اور زیادہ کامل اور مضبوط ہو جاتی ہے۔ اہل کشف اور محققین کے نزدیک یہ بات ثابت ہے کہ زیارت کرنے والے کی روح اہل مزار کی روح سے انوار واسرار کا عکس قبول کرتی ہے۔ جیسے ایک آئینے کے مقابلے میں دوسرا آئینہ رکھا جائے اور اس میں عکس پڑے۔ اولیائے اللہ کے مثالی بدن بھی ہوتے ہیں۔ جن سے ظاہر ہو کر وہ طالبان امداد کی دستگیری کرتے رہتے ہیں جو لوگ اس بات کے منکر ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ (۲۹)

زندوں کی دعا سے مُردوں کا فائدہ

اہلسنت کے مختلف مسالک میں یہ موضوع بھی زیر بحث رہتا ہے کہ کیا زندوں کی دعا سے مردوں کو کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے یا نہیں اور اگر پہنچ سکتا ہے تو کیا اس کی کوئی شرائط اور حدود بھی ہیں۔ اس سلسلے میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی زیرنظر عبارت اہل سنت (بریلوی) کا عمومی مسلک بیان کرتی ہے:

> یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ زندوں کی دعاؤں اور صدقہ سے مردوں کو فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اس موضوع پر احادیث اور آثار پائے جاتے ہیں۔ نماز جنازہ اسی قسم کی ایک دعا ہے۔ حدیث پاک میں ہے جس مسلمان کی نماز جنازہ نو مسلمان ادا کریں، اس کی بخشش کے لئے دعا کریں وہ بخشا جاتا ہے۔ سعد بن عبادہ کی والدہ فوت ہو گئیں، حضورؐ سے پوچھا گیا کہ اس ضمن میں کونسا صدقہ اچھا ہے۔ آپ نے فرمایا: پیاسوں کو پانی پلایا جائے۔ سعدؓ نے کنواں کھدوایا اور کہا **ھذا لام سعد**، یہ کنواں ام سعد کے لیے ہے اور دوسری حدیث میں آیا ہے:
>
> **الدعاء ترد البلاء والصدقة تطفی غضب الرب**

دعا بلا کو دور کرتی ہے اور صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب [کی آگ] کو بجھاتا ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب کوئی عالم دین یا طالب علم کسی گاؤں میں جاتے ہیں تو اس گاؤں کے قبرستان سے چالیس دن تک عذاب اٹھالیا جاتا ہے۔اس حدیث سے علم دین کے پڑھنے پڑھانے کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مزاروں پر حافظان قرآن و مدرسین کو مقرر کرنا بڑا ثواب ہے۔(۳۰)

کلامی نقطۂ نظر

برصغیر کے اہل سنت بریلوی ہوں یا دیوبندی دونوں فقہی اعتبار سے حنفی ہیں اور کلامی لحاظ سے اشعری۔چنانچہ حسن وقبح کے بارے میں ان کا عمومی نظریہ اشعری مسلک کی نمائندگی کرتا ہے۔اس کا اظہار شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی اس عبارت سے بھی ہوتا ہے:

> کام اچھا وہ ہے جسے شارع علیہ السلام نے اچھا کہا اور برا وہ ہے جس سے شارع علیہ السلام نے منع کیا۔بذاتِ خود نہ کوئی کام اچھا ہے نہ برا۔کیونکہ اچھے اور برے کے نتائج تو آخرت کے عذاب وثواب پر مرتب ہوتے ہیں اور یہ بات عقل کی رسائی سے باہر ہے۔ہاں کسی کام کا پسندیدہ یا ناپسندیدہ ہونا عقل کی حدود میں آسکتا ہے۔عدل کو اچھا جاننا،ظلم کو ناپسند کرنا،علم کی صفت کمال یا جہالت کی صفت نقصان خیال کرنا عقل کے اختیار میں ہے۔(۳۱)

ملائکہ

ملائکہ کے وجود کے بارے میں تو مسلمان اختلاف نہیں کرسکتے کیوں کہ قرآن حکیم میں ان پر ایمان لانے کا کلی حکم موجود ہے۔البتہ ملائکہ کی ماہیت اور کردار پر گفتگو کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔اس حوالے سے قدیم وجدید دور میں مختلف کلامی مکتب رہے ہیں۔عام طور پر علماء ملائکہ کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے منقولات کا سہارا لیتے ہیں۔چنانچہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرشتوں پر اعتقاد کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> اس بات پر اعتقاد کرنا بڑا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتے پیدا کیے ہیں۔ان کے اجسام نورانی ہیں اور وہ ہر شکل اختیار کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ان کی ارواح مجرد ہیں۔ان کا بدن ہی ان کے لئے لباس کا کام دیتا ہے۔ان کے ہاں مذکر و مونث کا امتیاز نہیں۔توالد وتناسل کا سلسلہ ان کے ہاں نہیں پایا جاتا۔آسمان وزمین بلکہ تمام اجزائے عالم پر فرشتے موکل ہیں۔وہ اجزائے عالم پر مربی،

مدبر اور نگہبان ہیں۔(۳۲)

چند فرشتوں کو عام طور پر مسلمان مقرب بارگاہِ الٰہی سمجھتے ہیں۔اسی نظریے کو شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بیان کیا ہے:

تمام فرشتوں میں چار فرشتے زیادہ مقرب قرار دیے گئے ہیں۔یہ چاروں دنیا کے بڑے بڑے انتظامات پر مامور ہیں۔ملک اور ملکوت کے اہم معاملات انھیں کے سپرد ہیں۔ان میں جبرائیل علیہ السلام کے ذمہ علوم ربانی کا القاء اور وحی الٰہی کی انبیاء کی طرف ترسیل ہے۔(۳۳)

میکائیل علیہ السلام کے ذمہ تمام مخلوقات کو رزق کی بہم رسانی ہے۔رزق کی تقسیم ومقدار انہی کے سپرد ہے۔(۳۴)

اسرافیل علیہ السلام کے ذمہ صور کا پھونکنا ہے۔یہ صور پہلی بار عالم کی ہلاکت کے لئے پھونکا جائے گا۔دوسری بار اس کے پھونکنے سے مردے قبروں سے اٹھیں گے اور میدان حشر میں حاضر ہوں گے۔(۳۵)

عزرائیل علیہ السلام تمام عالم کی ارواح قبض کرنے میں مختار ومجاز ہیں۔اکثر علماء کرام کی رائے ہے کہ جبرائیل علیہ السلام سب سے افضل ہیں۔مگر بعض علماء ان چاروں کو ہم رتبہ قرار دیتے ہیں۔ان چاروں کے علاوہ اور بھی بہت سے فرشتے مقرب اور عظیم الشان ہیں۔(۳۶)

افعال اختیاری

جبر واختیار کا مسئلہ تاریخ اسلام میں ہمیشہ معرکۃ الآرار ہا ہے،اس کے بارے میں مختلف عقائد کی بنیاد پر مختلف فرقے وجود میں آتے رہے ہیں۔کیا انسان کے افعال اختیاری ہیں؟اس سوال کے جواب میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

بندوں کے لئے بعض اختیاری افعال ہوتے ہیں جنھیں سرانجام دینے سے انھیں ثواب حاصل ہوتا ہے اور نہ کرنے سے عذاب ہوتا ہے۔باوجودیکہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اختیار میں ہے مگر اس نے پھر بھی بندے کو مختار بنایا ہے۔وہ ہر کام میں مجبور محض اور مضطر نہیں ہے۔ثواب وعذاب اسی اختیار پر منحصر ہے جو انسان کو حاصل ہے۔(۳۷)

مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی اس سلسلے میں اپنا نقطۂ نظر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اور بندے جو کچھ کرتے ہیں نیکی،بدی وہ سب اللہ تعالیٰ کے علمِ ازلی (خدا کا قدیم علم جو ہمیشہ سے ہے) کے مطابق ہوتا ہے۔جو کچھ ہونے والا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور اس کے پاس لکھا ہوا ہے۔البتہ بندہ کو اللہ تعالیٰ نے نیکی،بدی کے کرنے پر اختیار دیا ہے۔وہ اپنے اختیار سے جو کچھ کرتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے یہاں لکھا ہوا ہے۔(۳۸)

شاہ عبدالحق محدث دہلوی اس سلسلے میں مزید لکھتے ہیں:

بندہ اپنے فعل میں مختار ہے مگر خود اختیار میں مجبور ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ ظاہر میں تو اختیار ہے مگر باطن میں جبر۔ درحقیقت مسئلہ اختیار و قضا و قدر اتنا پیچیدہ ہے کہ عقل اس عقدہ کو حل کرنے سے قاصر ہے اور بجز عجز و سکوت کے کوئی چارہ کار نہیں۔ بات وہی ہے جو قرآن پاک نے بیان فرمائی ہے۔ لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَ هُمْ يُسْئَلُوْنَ۔ وہ مالک علی الاطلاق ہے۔ اس سے کوئی نہیں پوچھ سکتا۔ انسان سے تو پوچھا جاسکتا ہے۔ مگر مسئلۂ تقدیر کے متعلق سوال و جواب ایک رازِ سربستہ کو معلوم کرنے کے مترادف ہے۔ (۳۹)

شاہ عبدالحق دہلوی اپنے اس نظریے کو حضرت امام جعفر صادق سے ماخوذ قرار دیتے ہیں:

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو اہل طریقت کا امام اور اہل حقیقت کا پیر مانا جاتا ہے۔ حضرت امام اس مسئلہ پر اپنی رائے کا ان الفاظ میں اظہار فرماتے ہیں: لَاجَبْرَ وَلَاقَدرَ وَلٰكِنْ اَمْرٌ بَيْنَ اَمْرَيْن ۔ جبر وقدر کوئی چیز نہیں بلکہ ان دونوں کے مابین ہی اصل حقیقت ہے۔ (۴۰)

موت اور قبر کا بیان

موت اور قبر کے بارے میں بھی قرآن اور احادیث میں بہت کچھ آیا ہے، جس کے پیش نظر علمائے اسلام اپنے نظریات اور عقائد بیان کرتے چلے آرہے ہیں۔ مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی موت اور قبر کے بیان میں کہتے ہیں:

ہر شخص کی عمر مقرر ہے نہ اس سے گھٹے، نہ بڑھے۔ جب وہ عمر پوری ہوجاتی ہے تو ملک الموت علیہ السلام اس کی جان نکال لیتے ہیں۔ موت کے وقت مرنے والے کے داہنے، بائیں جہاں تک نظر جاتی ہے فرشتے ہی فرشتے دکھائی دیتے ہیں۔ مسلمان کے پاس رحمت کے فرشتے اور کافر کے پاس عذاب کے۔ مسلمانوں کی روح کو فرشتے عزت کے ساتھ لے جاتے ہیں اور کافروں کی روح کو فرشتے حقارت کے ساتھ لے کر جاتے ہیں۔ روحوں کے رہنے کے لئے مقامات مقرر ہیں۔ نیکوں کے لئے علیحدہ اور بدوں کے لئے علیحدہ، مگر وہ کہیں ہوں، جسم سے ان کا تعلق باقی رہتا ہے۔ ان کی ایذا سے ان کو تکلیف ہوتی ہے۔ مردے قبر پر آنے والے کو دیکھتے ہیں اور اس کی آواز سنتے ہیں۔ مرنے کے بعد روح کسی دوسرے بدن میں جا کر پھر نہیں پیدا ہوتی۔ یہ جاہلانہ خیال ہے اسی کو آواگون کہتے ہیں۔ موت یہی ہے کہ روح جسم سے جدا ہوجائے لیکن جدا ہو کر وہ فنا نہیں ہوجاتی۔ (۴۱)

قبر، عالم برزخ اور عذاب قبر کے حوالے سے شاہ عبدالحق دہلوی لکھتے ہیں:

اہل سنت و جماعت کے اعتقادات میں سے عذاب قبر کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔قبر سے مراد عالم برزخ ہے جو دنیا اور آخرت کے درمیان تعلق کا کام دیتا ہے۔ یہ عذاب کافروں اور فاسق مومنوں کے لئے ضروری ہے۔ یہ لوگ اس عالم برزخ میں محنت وعذاب سے گزریں گے اور خداوند تعالیٰ کے مطیع و فرمانبردار ناز ونعمت سے مالا مال ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان نعمتوں کو جیسے چاہے گا ان تک پہنچا جائے گا۔منکر اور نکیر دو فرشتوں کے نام ہیں۔ جو بڑے ہی عظیم، ہیبت ناک، سیاہ رنگ اور نیلی آنکھوں والے ہیں۔وہ قبر میں آتے ہیں اور ہر انسان سے اس کے پروردگار، اس کے رسول اور اس کے دین کے متعلق سوال کرتے ہیں۔(۴۲)

شاہ عبدالحق محدث دہلوی موت کے بعد کی زندگی کے بارے میں اپنا عقیدہ یوں بیان کرتے ہیں:

مردوں کو قبر سے اٹھانا اور انھیں دوبارہ زندگی دینا برحق ہے۔قرآن وحدیث ان دلائل سے بھرے پڑے ہیں اور دین اسلام کے اعتقاد کا دارومدار بھی اسی مسئلہ پر ہے جس ذات نے بالکل عدم سے ساری چیزوں کو زندگی دی اور عدم سے وجود بخشے وہ دوسری بار بھی اس بات پر قدرت رکھتی ہے کہ پیدا کر سکے۔(۴۳)

حساب کا بیان

کیا بندوں کے اعمال کا موت کے بعد حساب ہوگا؟ اس سوال کا جواب تمام مسلمان اثبات میں دیتے ہیں جیسا کہ مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی کہتے ہیں:

حساب حق ہے۔بندوں کے اعمال کا حساب ہوگا۔میزان قائم کی جائے گی۔عمل تولے جائیں گے، نیک بھی بد بھی، قول بھی فعل بھی، کافروں کے بھی مومنوں کے بھی۔بعض اللہ کے بندے ایسے بھی ہوں گے جو بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے۔ہر شخص کو اس کا نامۂ اعمال دیا جائے گا جو فرشتوں نے لکھا تھا۔نیکوں کے نامہ ہائے اعمال داہنے ہاتھ میں ہوں گے اور بدوں کے بائیں میں۔(۴۴)

حشر کا بیان

حشر کے بیان میں مولانا نعیم الدین مرادآبادی لکھتے ہیں:

جیسے ہر چیز کی ایک عمر مقرر ہے اس کے پورے ہونے کے بعد وہ چیز فنا ہو جاتی ہے ایسے ہی دنیا کی بھی ایک عمر اللہ تعالیٰ کے علم میں مقرر ہے۔اس کے پورا ہونے کے بعد دنیا فنا ہو جائے گی۔زمین

وآسمان، آدمی، جانور کوئی بھی باقی نہ رہے گا، اس کو ''قیامت'' کہتے ہیں۔ جیسے آدمی کے مرنے سے پہلے بیاری کی شدت، موت کے سکرات کی حالتیں ظاہر ہوتی ہیں ایسے ہی قیامت سے پہلے علامات ہیں۔(۴۵)

قیامت کی نشانیاں

قرآن مجید اور احادیث نبوی میں قیامت کی بہت سی نشانیاں بیان کی گئی ہیں۔ اس ضمن میں مولانا نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں:

قیامت کے آنے سے پہلے دنیا سے علم اٹھ جائے گا۔ عالم باقی نہ رہیں گے۔ جہالت پھیل جائے گی۔ بدکاری اور بے حیائی زیادہ ہوگی۔ عورتوں کی تعداد مردوں سے بڑھ جائے گی۔ بڑے دجال کے سوا تیس دجال اور ہوں گے ہر ایک ان میں سے نبوت کا دعویٰ کرے گا باوجودیکہ حضورؐ پرنور سید الانبیاء، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی۔ ان میں سے بعض دجال تو گزر چکے جیسے مسیلمہ کذاب، اسود عنسی اور مرزا غلام احمد قادیانی، بعض اور باقی ہیں، وہ بھی ضرور ہوں گے۔

مال کی کثرت ہوگی۔ عرب میں کھیتی، باغ، نہریں ہو جائیں گی، دین پر قائم رہنا مشکل ہوگا، وقت بہت جلد گزرے گا، زکوٰۃ دینا لوگوں کو دشوار ہوگا۔ علم کو لوگ دنیا کے لئے پڑھیں گے۔ مرد، عورتوں کی اطاعت کریں گے۔ ماں باپ کی نافرمانی زیادہ ہوگی۔ شراب نوشی عام ہو جائے گی۔ نااہل سردار بنائے جائیں گے۔ نہر فرات سے سونے کا خزانہ کھلے گا۔ زمین اپنے دفینے اگل دے گی۔ امانت، غنیمت سمجھی جائے گی۔ مسجدوں میں شور مچیں گے۔ فاسق سرداری کریں گے۔ فتنہ انگیزوں کی عزت کی جائے گی۔ گانے باجے کی کثرت ہوگی۔ پہلے بزرگوں پر لوگ لعن طعن کریں گے۔ کوڑے کی نوک اور جوتے کے تسمے باتیں کریں گے۔ دجال اور دابۃ الارض اور یاجوج ماجوج نکلیں گے۔ حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ظاہر ہوں گے۔ حضرت عیسیٰؑ نزول فرمائیں گے۔ آفتاب مغرب سے طلوع ہوگا اور توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔(۴۶)

امام مہدی

امام مہدی کے بارے میں مسلمانوں کے تمام گروہ اجمالی طور پر متفق دکھائی دیتے ہیں، تفصیلات میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے اور اس کی بنیاد ان کے ہاں موجود روایات ہی کو قرار دیا جاسکتا ہے۔ رسول اللہؐ کی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراؑ

کی اولاد میں سے ایک ہدایت یافتہ ایسی ہستی کا ظہور جو دنیا کو ظلم وعدوان سے معمور ہونے کے بعد، اسے عدل وداد سے بھر دے گی، اسے مہدی کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔ اس اجمالی عقیدے کو مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ امام مہدی کے حوالے سے اہل سنت کا عقیدہ مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی یوں بیان کرتے ہیں:

حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفۃ اللہ ہیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی کریمؐ کی آل میں سے حسنی سید ہوں گے۔ جب دنیا میں کفر پھیل جائے گا اور اسلام حرمین شریفین کی طرف سمٹ جائے گا، اولیاء وہاں کو ہجرت کر جائیں گے۔ ماہ رمضان میں ابدال کعبہ شریف کے طواف میں مشغول ہوں گے، وہاں اولیاء حضرت مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہچان کر ان سے بیعت کی درخواست کریں گے۔ آپؓ انکار فرمائیں گے۔ غیب سے ندا آئے گی۔

هذا خليفة الله المهدى فاسمعوا له واطيعوه

یہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ مہدی ہیں ان کا حکم سنو اور اطاعت کرو۔

لوگ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست مبارک پر بیعت کریں گے۔ وہاں سے آپ مسلمانوں کو ساتھ لے کر شام تشریف لے جائیں گے۔ آپ کا زمانہ بڑی خیر و برکت کا ہوگا۔ زمین عدل وانصاف سے بھر جائے گی۔ (۴۷)

نزولِ مسیحؑ

امام مہدی کے قیام اور ظہور سے جڑا ہوا ایک عقیدہ نزول مسیحؑ کا بھی ہے۔ اسے مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کی عبارت میں پڑھیے:

جب دجال کا فتنہ انتہا کو پہنچ چکے گا اور وہ ملعون تمام دنیا میں پھر کر ملک شام میں جائے گا اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام دمشق کی جامع مسجد کے شرقی منارہ پر شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حاکم اور امام عادل اور مجدد ملت ہو کر نزول فرمائیں گے۔ آپ علیہ السلام کی نظر جہاں تک جائے گی وہاں تک خوشبو پہنچے گی اور آپ علیہ السلام کی خوشبو سے دجال پگھلنے لگے گا اور بھاگے گا۔ آپ علیہ السلام دجال کو بیت المقدس کے قریب مقام لد میں قتل کریں گے۔ ان کا زمانہ بڑی خیر و برکت کا ہوگا۔ مال کی کثرت ہوگی۔ زمین اپنے خزانے نکال کر باہر کرے گی۔ لوگوں کو مال سے رغبت نہ رہے گی۔ یہودیت، نصرانیت اور تمام باطل دینوں کو آپ علیہ السلام مٹا ڈالیں گے۔ آپ علیہ السلام کے عہد مبارک میں ایک دین ہوگا، اسلام۔ امن وامان کا یہ عالم ہوگا کہ شیر بکری ایک ساتھ چریں گے۔ بچے

سانپوں سے کھیلیں گے۔ بغض وحسد کا نام ونشان نہ رہے گا۔ جس وقت آپ علیہ السلام کا نزول ہوگا فجر کی جماعت کھڑی ہوتی ہوگی۔ حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ آپ علیہ السلام کو دیکھ کر آپ سے امامت کی درخواست کریں گے۔ آپ انھیں کو آگے بڑھائیں گے اور آپ حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز ادا فرمائیں گے۔ آپ علیہ السلام نزول کے بعد برسوں دنیا میں رہیں گے، نکاح کریں گے پھر وفات پا کر حضور سید الانبیاء علیہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے پہلو میں مدفون ہوں گے۔ (۴۸)

قیامت اور شفاعت

مسلمانوں کا عام طور پر یہ بھی عقیدہ ہے کہ قیامت میں مقربین بارگاہِ الٰہی خاص طور پر رسول اکرم کو شفاعت کا اختیار حاصل ہوگا۔ اسی عقیدے کا اظہار مولانا شیخ عبدالحق دہلوی کی اس عبارت میں ہوتا ہے:

انبیاء کرام، اولیائے عظام، صلحائے امت، علمائے دین اور ملائکہ مقربین کو بارگاہ الٰہی میں جو عزت و آبرو حاصل ہے اس کے پیش نظر گنہگاروں کے لئے ان کا مغفرت چاہنا برحق ہے۔ سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کا دروازہ کھلوائیں گے۔ جس سے سب کو معلوم ہو جائے گا کہ حضور بارگاہ الٰہی میں کس قدر محترم اور مکرم ہیں اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ آپ اس خاص دن کے لئے کتنے جاہ وجلال کے مالک ہیں۔

ساری مخلوق حضرت خاتم الانبیاء سید الرسل شفیع روز محشر و مکرم بخطاب لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (۴۹) ہیں، کی بارگاہ میں آئیں گے اور اپنا حال بیان کریں گے۔ آپ اٹھیں گے اور بارگاہ رب العزت کے سراپردہ جلال میں آئیں گے اور وہ مقام محمود جس کا دنیا میں وعدہ کیا گیا تھا:

عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (۵۰)

آپ کے بغیر اس مقام پر کسی کا کھڑا ہونا ممکن نہیں۔ (۵۱)

وہ اس سلسلے میں مزید لکھتے ہیں:

غرضیکہ یہ دن یوم محمد رسول اللہ ہوگا۔ یہ مقام مقام محمدی ہوگا اور یہ بات بھی آپ ہی کو زیب دے گی کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوں گے اور دوسرے سارے طفیلی ہوں گے۔ قرآن پاک کا ارشاد ہوتا ہے: وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى (۵۲). اے محمدؐ! اے محبّ من۔ اے محبوب من، اے مطلوب من۔ اے بندۂ خاص من! میں آپ کو اس قدر نعمتیں دوں گا اور اس قدر رحمتیں نازل

کروں گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ آپ کے دل کی کوئی بھی آرزو ناتمام نہ رہے گی۔ اے محمد! ہر شخص میری رضا تلاش کرتا ہے، میں آپ کی رضا کا خواہاں ہوں۔ آپ فرمائیں گے: میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا جب تک میری امت کا ایک بھی گنہگار بغیر بخشش کے رہے گا۔

علمائے دین کہتے ہیں کہ آیت کریمہ:

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا۔ (۵۳)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت سے مخصوص ہے۔ (۵۴)

گناہ کبیرہ سے ایمان ساقط نہیں ہوتا

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ خوارج کا نظریہ رہا ہے کہ گناہِ کبیرہ کے ارتکاب سے ایک مومن کافر ہو جاتا ہے، تاہم اہل سنت (بریلوی) اس نظریے کو درست تسلیم نہیں کرتے بلکہ ان کا نقطۂ نظر مولانا شیخ عبدالحق دہلوی کے الفاظ میں یہ ہے:

گناہ کبیرہ بندۂ مومن کو ایمان سے خارج نہیں کرتا۔ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ ایمان کی اصل تصدیق قلبی ہے اور اعضاء کے اعمال ایمان کی حقیقت میں شامل نہیں۔ لیکن بغیر اعمال صالحہ کے ایمان کامل نہیں ہو سکتا بلکہ ناقص ہے اور کسی چیز کا ناقص ہونا اسے بالکل معدوم نہیں کر سکتا بلکہ اس کو درجہ کمال سے گرا دیتا ہے۔ اس سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ کبیرہ گناہ مومن کو ایمان سے محروم نہیں کرتا لیکن کامل ایمان نہیں رہتا۔ گناہ وفسق انسان کو کافر نہیں بناتے لیکن گناہ گار بنا دیتے ہیں۔ اندریں حالات یہ بات تسلیم کرنا ہوگی کہ مومن دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک تو وہ لوگ ہیں جو مطیع وفرمانبردار ہیں، وہ مومن کامل کہلاتے ہیں، دوسری قسم کے مومن عاصی و بدکردار، یہی مومن ناقص ہوتے ہیں۔ (۵۵)

دوسرے مسالک کے بارے میں

دوسرے مسالک کے بارے میں کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے، اس کے بارے میں مولانا مفتی محمد صدیق ہزاروی کا نقطۂ نظر ہے:

اہل سنت (بریلوی) کا موقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ، انبیاء کرام ورسل عظام، صحابہ کرام، اہل بیت اطہار، صلحاء امت، قرآن مجید، سنت رسولؐ اور دیگر شعائرِ اسلام کی توہین قابل برداشت نہیں، توہین کرنے والا کوئی بھی ہو اس کے علاوہ فروعی مسائل کے حوالے سے ہر مکتب فکر اپنے موقف پر عمل کر سکتا ہے نہ تو دوسروں کو اپنے موقف پر جبراً لانے کی کوشش کی جائے اور نہ اپنی تعبیرات کے ذریعے دوسروں کے

خلاف کفر وشرک اور بدعت کا فتویٰ لگایا جائے۔ ہر مکتب فکر اپنے معمولات پر عمل کرنے میں آزاد ہے لیکن دوسرے مسلک والوں کی دل آزاری نہیں ہونی چاہیے۔

اتحادِ امت

امت کے مابین اتحاد و یکجہتی کے حوالے سے مولانا مفتی محمد صدیق ہزاروی نے ہمارے سوال کے جواب میں یوں تحریر فرمایا:

یہ بات واضح ہے کہ کوئی شخص اپنے مسلک کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتا لیکن اگر مقررین، واعظین اور ذاکرین ایسے طبقات جن کی تقاریر اور خطبات تجارتی بنیادوں پر ہوتی ہیں، کو کنٹرول کیا جائے، حکومت کسی مکتب فکر سے بلیک میل ہو کر اس سے امتیازی سلوک نہ کرے اور جید علماء اپنے ماتحت لوگوں کی اصلاح کریں تو اتحاد کی فضا ہموار ہو سکتی ہے۔

اگر دیوبندی مسلک کے احباب حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کی ''فیصلہ ہفت مسئلہ'' اور اہل حدیث حضرت مولانا وحید الزمان کی ''ہدیۃ المھدی'' پر عمل پیرا ہوں تو بے شمار مسائل متفق علیہ ہو جائیں۔ اہل تشیع رسول اکرمؐ کے صحابہ کرام کو اسی نسبتِ رسول سے دیکھیں جس نسبت سے اہل بیت اطہار کو دیکھتے ہیں تو یہ عمل بھی اتحاد کے لئے نہایت ضروری ہے۔

اسی موضوع پر بات کرتے ہوئے علامہ مفتی غلام مصطفیٰ رضوی نے فرمایا:

اتحاد بین المسلمین کو میں وقت کی اہم ترین ضرورت قرار دیتا ہوں۔ یقیناً ہمارا ملک جو انتہائی قربانیوں کے بعد حاصل ہوا ہے اور اسے حاصل کرنے کے لئے مسلمان آگ اور خون کے سمندر سے گزرے ہیں، اس کے لیے اتحاد ایک بنیادی چیز ہے اور جب تک مسلمانوں کے تمام طبقات میں اتحاد نہیں ہوگا اس وقت نہ پاکستان کی سالمیت برقرار رہ سکتی ہے اور نہ وہ دین باقی رہ سکتا ہے جسے لے کر ہم آگے بڑھ رہے ہیں۔ ہمارے اختلافات کی وجہ سے اس کا تقدس مجروح ہو رہا ہے۔ ہر شخص کا اپنا نظریہ ہے اور ہر شخص کو آزادئ فکر حاصل ہونی چاہیے اور وہ جن عقائد و نظریات کو اپنانا چاہے ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ہم جس دین کے پیروکار ہیں اُس کا حکم ہے کہ تمام ملت اسلامیہ متحد ہو جائے اور متحد ہو کر دینِ متین کی خدمت کرے۔ ہمارے اختلافات میں بعض بنیادی باتیں بھی ہیں لیکن زیادہ تر فروعی مسائل ہیں۔ ہمیں ان فروعی اختلافات سے صرف نظر کرنا چاہیے۔ اسلام ہر شخص کو اپنے نظریات و عقائد کے مطابق زندگی گزارنے کا حق دیتا ہے۔ اب میں اپنی آزادئ فکر کے مطابق زندگی

گزارنے کا حق تو رکھتا ہوں لیکن مجھے یہ حق حاصل نہیں کہ میں دوسروں کے نظریات پر تنقید کروں۔ اگر ہم تمام مکاتب فکر اپنے اپنے عقائد ونظریات پر کاربند رہنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کے عقائد و نظریات پر تنقید نہ کریں بلکہ احترام کریں تو دین کا یہی تقاضا ہے۔ انسانی رشتوں کے ناتے سے ہماری ذمہ داری بقول علامہ اقبال یہ ہے:

آدمیــــت احتـــــرام آدمــــی

بـــاخبــر شــو از مــقـــام آدمــی

یعنی آدمیت کا احترام بھی اپنے مقام پر ہے۔ مـابـہ الاشـتـراک ہمارے پاس بہت سی چیزیں ہیں۔ ہم ان پر مل کر کام کر سکتے ہیں۔ لہٰذا اتحاد ایک بنیادی معاملہ ہے اور اس کے لئے بنیادی نکتہ یہ ہے کہ ہم اپنے عقائد ونظریات پر ہوتے ہوئے دوسروں کے عقائد ونظریات کو تنقید کا نشانہ نہ بنائیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہم ایسا کریں گے تو ہمارا اتحاد برقرار رہے گا، پاکستان بھی ترقی کرے گا اور اسلام کو بھی فروغ حاصل ہوگا۔

علامہ مفتی غلام مصطفیٰ رضوی نے تمام مسالک کے مابین باہمی احترام کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے کہا:

ہمارے جتنے دینی مدارس ہیں چاہے وہ کسی بھی مکتب فکر کے ہوں، اُن سب کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے آپ کو قرآن وسنت اور اپنے دینی مدارس میں چلنے والے نصاب کے مطابق محدود رکھیں اور ایک دوسرے کا احترام کریں۔ یہ نہیں ہے کہ میں کہوں کہ یہ فلاں مکتب فکر کا ہے اور اسے نیچا دکھانے کے لئے اپنے دلائل ٹھونسنے کی کوشش کروں، ایسا نہیں ہونا چاہیے بلکہ ایک دوسرے کے نصاب کی تعلیم کا بھی احترام ہونا چاہیے اور نظریات وعقائد کا بھی احترام ہونا چاہیے۔

اہل قبلہ کی تکفیر

اہل قبلہ کی تکفیر کا مسئلہ پوری تاریخ اسلام میں انتہائی سنگین رہا ہے۔ صدر اسلام میں جس گروہ نے اپنے تمام مخالفین کی تکفیر کو وطیرہ بنایا اہل اسلام نے انھیں خوارج قرار دیا۔ بدقسمتی سے مسلمانوں کے دیگر گروہوں میں بھی گاہے چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایک دوسرے کو کافر کہنے کی روایت رہی ہے، البتہ امت کے اکابر اور دردمند علماء ہمیشہ اس سلسلے میں احتیاط کا دامن تھامنے کی تلقین کرتے رہے ہیں۔ یہ رویہ ہمیں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی اس عبارت میں بھی دکھائی دیتا ہے:

اہل قبلہ کو یعنی وہ لوگ جو نماز قبلہ رو ہو کر ادا کرتے ہوں اور کتاب وسنت پر ایمان رکھتے ہوں اور خدا اور اس کے رسول کی وحدانیت ورسالت کی شہادت کا اقرار کرتے ہوں کافر نہیں کہنا چاہیے اگرچہ ان کے

بعض کلمات سے کفر بھی لازم آئے لیکن ایسے کفریہ کلمات پر تواتر سے اقرار کرنے والے کو ضرور کافر کہنا پڑے گا۔ جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کے ایسے کلمات کی توجیہ وتوضیح ہمیشہ اچھے الفاظ میں کرنا چاہیے اور تکفیر وتغلیط کو وظیفہ نہیں بنانا چاہیے۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جو شخص دوسرے کو کافر کہتا ہے اگر وہ نفس الامر میں کافر نہ ہوگا تو کافر کہنے والا یقینی طور پر کافر ہو جائے گا اور لعنت کا حکم بھی یہی ہے۔ اگر وہ لعنت کا مستحق نہیں تو بولنے والا ضرور لعنتی ہوگا۔ چنانچہ تکفیر اور لعنت ملامت میں جہاں تک ہو سکے احتیاط کرنا ضروری ہے۔(۵۶)

مولانا صدیق ہزاروی بھی ایسے لوگوں کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں جو کسی کلمہ گو کو مشرک یا بدعتی قرار دینے لگتے ہیں۔ وہ ہمارے ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

اہل سنت (بریلوی) کسی کلمہ گو کو مشرک اور بدعتی قرار نہیں دیتے اور کسی نئے اچھے کام کو بدعت حسنہ سمجھتے ہیں جبکہ قرآن وسنت سے متصادم نئے کام کو بدعت سیئہ قرار دیتے ہیں، اس کی مذمت کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں اور حدیث شریف میں جس بدعت کی مذمت کی گئی ہے وہ یہی بدعت سیئہ ہے۔

حواشی

(۱) مرادآبادی، سید نعیم الدین: کتاب العقائد (مکتبۃ المدینۃ، کراچی) ص ۱۵

(۲) www.dawateislami.org/services/Books/Download/ur/pdf/2005/129-1.pdf

(۳) دہلوی، شیخ عبدالحق، محدث: تکمیل الایمان، (مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۸۷) ص ۱۹

(۴) مرادآبادی، سید نعیم الدین: کتاب العقائد (مکتبۃ المدینۃ، کراچی) ص ۲

(۵) دہلوی، شیخ عبدالحق، محدث: تکمیل الایمان، (مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۸۷) ص ۱۹ تا ۲۰

(۶) دہلوی، شیخ عبدالحق، محدث: تکمیل الایمان، (مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۸۷) ص ۲۰

(۷) دہلوی، شیخ عبدالحق، محدث: تکمیل الایمان، (مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۸۷) ص ۲۱

(۸) مرادآبادی، سید نعیم الدین: کتاب العقائد (مکتبۃ المدینۃ، کراچی) ص ۲

(۹) مرادآبادی، سید نعیم الدین: کتاب العقائد (مکتبۃ المدینۃ، کراچی) ص ۳

(۱۰) احزاب:۳۳۔۴۰

(۱۱) دہلوی، شیخ عبدالحق، محدث: تکمیل الایمان، (مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۸۷) ص ۱۱۱تا۱۱۲

(۱۲) مرادآبادی، سید نعیم الدین: کتاب العقائد (مکتبہ المدینہ، کراچی) ص ۴

(۱۳) دہلوی، شیخ عبدالحق، محدث: تکمیل الایمان، (مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۸۷) ص ۱۱۶

(۱۴) دہلوی، شیخ عبدالحق، محدث: تکمیل الایمان، (مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۸۷) ص ۱۱۶

(۱۵) دہلوی، شیخ عبدالحق، محدث: تکمیل الایمان، (مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۸۷) ص ۱۳۷

(۱۶) دہلوی، شیخ عبدالحق، محدث: تکمیل الایمان، (مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۸۷) ص ۱۳۴

(۱۷) مرادآبادی، سید نعیم الدین: کتاب العقائد (مکتبہ المدینہ، کراچی) ص ۵

(۱۸) دہلوی، شیخ عبدالحق، محدث: تکمیل الایمان، (مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۸۷) ص ۱۳۸

(۱۹) دہلوی، شیخ عبدالحق، محدث: تکمیل الایمان، (مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۸۷) ص ۴۲

(۲۰) مرادآبادی، سید نعیم الدین: کتاب العقائد (مکتبہ المدینہ، کراچی) ص ۵

(۲۱) البقرہ:۲۔۲۳

(۲۲) دہلوی، شیخ عبدالحق، محدث: تکمیل الایمان، (مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۸۷) ص ۱۳۴تا۱۳۵

(۲۳) دہلوی، شیخ عبدالحق، محدث: تکمیل الایمان، (مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۸۷) ص ۱۵۰

(۲۴) مرادآبادی، سید نعیم الدین: کتاب العقائد (مکتبہ المدینہ، کراچی) ص

(۲۵) دہلوی، شیخ عبدالحق، محدث: تکمیل الایمان، (مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۸۷) ص ۱۷۵تا۱۷۶

(۲۶) شوریٰ:۴۲۔۲۳

(۲۷) مرادآبادی، سید نعیم الدین: کتاب العقائد (مکتبہ المدینہ، کراچی) ص

(۲۸) دہلوی، شیخ عبدالحق، محدث: تکمیل الایمان، (مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۸۷) ص ۱۸۲

(۲۹) دہلوی، شیخ عبدالحق، محدث: تکمیل الایمان، (مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۸۷) ص ۱۲۴تا۱۲۹

(۳۰) دہلوی، شیخ عبدالحق، محدث: تکمیل الایمان، (مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۸۷) ص ۱۸۷تا۱۹۱

(۳۱) دہلوی، شیخ عبدالحق، محدث: تکمیل الایمان، (مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۸۷) ص ۲۸

(۳۲) دہلوی، شیخ عبدالحق، محدث: تکمیل الایمان، (مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۸۷) ص ۲۸

(۳۳) دہلوی، شیخ عبدالحق، محدث: تکمیل الایمان، (مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۸۷)

(۳۴) دہلوی، شیخ عبدالحق، محدث: تکمیل الایمان، (مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۸۷)

(۳۵) دہلوی، شیخ عبدالحق، محدث: تکمیل الایمان، (مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۸۷) ص ۳۴ تا ۴۱
(۳۶) دہلوی، شیخ عبدالحق، محدث: تکمیل الایمان، (مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۸۷) ص ۴۲
(۳۷) دہلوی، شیخ عبدالحق، محدث: تکمیل الایمان، (مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۸۷) ص ۴۵
(۳۸) مرادآبادی، سید نعیم الدین: کتاب العقائد (مکتبہ المدینۃ، کراچی) ص ۷
(۳۹) دہلوی، شیخ عبدالحق، محدث: تکمیل الایمان، (مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۸۷) ص ۴۶
(۴۰) دہلوی، شیخ عبدالحق، محدث: تکمیل الایمان، (مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۸۷) ص ۴۶ تا ۵۶
(۴۱) مرادآبادی، سید نعیم الدین: کتاب العقائد (مکتبہ المدینۃ، کراچی) ص ۸
(۴۲) دہلوی، شیخ عبدالحق، محدث: تکمیل الایمان، (مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۸۷) ص ۶۵
(۴۳) دہلوی، شیخ عبدالحق، محدث: تکمیل الایمان، (مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۸۷) ص ۶۸
(۴۴) مرادآبادی، سید نعیم الدین: کتاب العقائد (مکتبہ المدینۃ، کراچی) ص ۱۲
(۴۵) مرادآبادی، سید نعیم الدین: کتاب العقائد (مکتبہ المدینۃ، کراچی) ص ۹
(۴۶) مرادآبادی، سید نعیم الدین: کتاب العقائد (مکتبہ المدینۃ، کراچی) ص ۹
(۴۷) مرادآبادی، سید نعیم الدین: کتاب العقائد (مکتبہ المدینۃ، کراچی) ص ۱۰
(۴۸) مرادآبادی، سید نعیم الدین: کتاب العقائد (مکتبہ المدینۃ، کراچی) ص ۱۱
(۴۹) فتح: ۴۸۔۲
(۵۰) بنی اسرائیل: ۱۷۔۷۹
(۵۱) دہلوی، شیخ عبدالحق، محدث: تکمیل الایمان، (مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۸۷) ص ۷۷ تا ۷۸
(۵۲) ضحیٰ: ۹۳۔۵
(۵۳) زمر: ۳۹۔۵۳
(۵۴) دہلوی، شیخ عبدالحق، محدث: تکمیل الایمان، (مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۸۷) ص ۷۹ تا ۸۶
(۵۵) دہلوی، شیخ عبدالحق، محدث: تکمیل الایمان، (مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۸۷) ص ۱۰۳
(۵۶) دہلوی، شیخ عبدالحق، محدث: تکمیل الایمان، (مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۸۷) ص ۱۸۰

امتیازی مسائل

اہل سنت (بریلوی) کے دیگر مسالک سے امتیازی مسائل بہت سے ہیں۔ہم اس حصے میں اُن میں سے چند ایک کا ذکر کریں گے۔تفصیل میں جانے سے پہلے ان مسائل کا خلاصہ مفتی محمد صدیق ہزاروی کے الفاظ میں ملاحظہ کیجیے:

> اہل سنت (بریلوی) کے امتیازی مسائل میں اجتماعی طور پر محافل میلاد النبی ﷺ کا انعقاد، بزرگان دین کے اعراس مبارکہ، فوت شدہ مسلمانوں کے لئے ایصال ثواب، اذان سے پہلے یا بعد میں الصلوۃ والسلام علیک یارسول پڑھنا، مساجد میں یااللہ اور یارسول اللہ تحریر کرنا، محافل کے اختتام پر بارگاہ نبوی میں ہدیۂ سلام پیش کرنا، درود ابراہیمی کے ساتھ ساتھ دیگر درود شریف پڑھنا، نعرہ رسالت، نعرہ حیدری اور نعرہ خلافت لگانا، مزارات پر اور قبرستان میں حاضری، فاتحہ خوانی اور تقلید وغیرہ شامل ہیں۔
>
> اگرچہ دیگر مسالک کے بعض لوگ بھی ان امور میں شریک ہوتے ہیں لیکن اجتماعی طور پر یہ معمولات اہل سنت (بریلوی) مسلک میں پائے جاتے ہیں اوران امور کو فرض یا واجب نہیں سمجھا جاتا اور نہ کسی دوسرے مسلک کے لوگوں پر ان امور کے ترک پر کوئی فتویٰ بازی کی جاتی ہے۔

آنحضرت ﷺ کے نور ہونے کے بارے میں عقیدہ

نور کے بارے میں عقیدۂ اہل سنت بیان کرتے ہوئے معروف اہل سنت (بریلوی) عالم مفتی احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں۔

> اللہ تعالیٰ حقیقتاً ازلی وابدی ذاتی نور ہے کہ خود ظاہر ہے جسے اس نے ظاہر فرمادیا وہ ظاہر ہوگیا باقی نبی کریم ﷺ یا قرآن شریف یا اسلام یا فرشتے عطائی طور پر رب کے بنانے سے نور ہیں کہ اسی نے انھیں نور بنایا، یہ نور بن گئے۔حضور ﷺ کے رب کا نور ہونے کے نہ تو یہ معنی ہیں کہ حضور ﷺ خدا کے نور کا ٹکڑا ہیں، نہ یہ کہ رب کا نور حضور ﷺ کے نور کا مادہ ہے، نہ یہ کہ حضور ﷺ خدا کی طرح ازلی وابدی ذاتی نور ہیں نہ یہ کہ رب تعالیٰ حضور ﷺ میں سرایت کرگیا ہے تاکہ شرک وکفر لازم آئے۔
>
> بلکہ صرف یہ معنی ہیں کہ حضور ﷺ بلا واسطہ رب عزوجل سے فیض حاصل کرنے والے ہیں اور تمام مخلوق حضور ﷺ کے واسطے سے رب عزوجل سے فیض لینے والی ہے جیسے ایک چراغ جلا کر پھر دوسرے چراغ

سے ہزاروں چراغ لگالو۔ باریک شیشہ سورج کے سامنے رکھو کہ وہ چمک جاوے پھر اسے ان شیشوں کی طرف کردو جو تاریک کوٹھڑی میں ہیں تو اس کے عکس سے تمام شیشے جگمگا جاویں گے۔ ظاہر ہے کہ پہلے شیشے میں نہ تو سورج اتر کر آ گیا نہ اس کا ٹکڑا کٹ کر شیشہ میں سما گیا بلکہ صرف یہ ہوا کہ پہلے شیشے نے بلاواسطہ سورج سے روشنی حاصل کی اور باقی تمام نے اس شیشہ سے کہ اگر یہ پہلا شیشہ درمیان میں نہ ہوتو ساری کوٹھڑی والے شیشے تاریک اور اندھیرے رہ جائیں۔(۱)

حاضرو ناظر

آنحضرتؐ کے حاضر و ناظر ہونے کا مسئلہ بھی دیوبندی اور بریلوی مسالک کے مابین زیر بحث رہتا ہے۔اس سلسلے میں مولانا محمد ظفر عطاری اہل سنت (بریلوی) کا نظریہ یوں بیان کرتے ہیں:

حضور نبی کریمؐ بعطائے الٰہی اپنی نورانیت، روحانیت اور علیمت کے لحاظ سے ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور جب چاہیں جس وقت چاہیں جہاں چاہیں اپنے جسد انور کے ساتھ کسی بھی مقام پر تشریف لا سکتے ہیں اور اپنی امت کے احوال کو ملاحظہ فرمانے کے ساتھ ساتھ ان کی حاجت روائی بھی فرماتے ہیں۔(۲)

آنحضرتؐ کا علم غیب

آنحضرتؐ کے علم غیب کا موضوع اہل سنت کے بریلوی اور دیوبندی مسلک کے مابین معرکۃ الآرار ہا ہے۔اس سلسلے میں بریلوی نظریہ مولانا محمد ظفر عطاری یوں بیان کرتے ہیں:

حضور سید دوعالمؐ کے علم اقدس کے بارے میں ہمارا مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب حضرت محمد رسول اللہؐ کو روز اول سے روز آخر تک کا علم دیا اور تمام علوم مندرجہ لوح محفوظ نیز اپنی ذات وصفات کی معرفت سے متعلق بہت اور بے شمار علوم عطا فرمائے، جمیع جزئیات خمسہ کا علم دیا جس میں خاص وقت قیامت کا علم بھی شامل ہے، احوال جمیع مخلوقات، تمام ماکان و مایکون (جو کچھ ہو چکا اور جو ہوگا) کا علم عطا فرمایا لیکن بایں ہمہ حضورؐ کا علم عطائی ہونے کی وجہ سے حادث ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی وقدیم۔سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم ہرگز اللہ تعالیٰ کے علم کے مساوی (برابر) نہیں علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متناہی ہے۔(۳)

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو تدریجاً علم غیب عطا کیا گیا جس وقت قرآن کی آخری آیت نازل ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم مکمل ہو گیا۔ نیز ہمارا دعویٰ یہ نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمیع

معلوماتِ الٰہیہ کا احاطہ کر لیا ہے، یہ مخلوق کے لیے محال ہے۔

ہمارے اعتقاد کے مطابق تمام مخلوقات کے علم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں وہ نسبت ہے جو قطرے کو سمندر سے ہے یعنی تمام مخلوقات کا علم بمنزلہ قطرہ ہے اور ان کے مقابلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم بمنزلہ سمندر ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ ایسی بھی نہیں جیسے قطرے کو سمندر سے ہوتی ہے یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے علم کو سمندر قرار دیا جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کو اس کے مقابلہ میں قطرہ قرار دیا جائے تو یہ بھی درست نہیں ہے کیونکہ یہ بھی متناہی ہے اور سمندر بھی اور یہ متناہی کی نسبت متناہی کی طرف ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم اور اللہ تعالیٰ کی نسبت متناہی کی نسبت غیر متناہی کی طرف ہے۔ اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم میں جس طرح مقدار میں کوئی مماثلت نہیں ہے اسی طرح کیفیت اور صفت کے لحاظ سے بھی کسی مماثلت کا تصور نہیں۔ (۴)

رسول اللہؐ اور حضرت علی سے مدد مانگنا

مولانا احمد رضا خان بریلوی سے سوال کیا گیا کہ ''کیا کہنا ''یا رسول اللہ'' ''یا ولی اللہ'' کا جائز ہے یا نہیں؟ اور مدد چاہنا پیغمبران اور ولی اللہ سے اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو 'یا مشکل کشا علی' وقت مصیبت کے کہنا جائز ہے یا نہیں؟'' تو انھوں نے اس کا جواب یوں رقم کیا:

> جائز ہے جب کہ انھیں بندۂ خدا اور اس کی بارگاہ میں وسیلہ جانے اور انھیں باذن الٰہی والمدبرات امر اسے مانے اور اعتقاد کرے کہ بغیر حکم خدا ذرہ نہیں ہل سکتا اور اللہ عزوجل کے دیے بغیر کوئی ایک حبہ نہیں دے سکتا، ایک حرف نہیں سن سکتا، پلک نہیں ہلا سکتا اور بے شک سب مسلمانوں کا یہی اعتقاد ہے۔ اس کے خلاف کا ان پر گمان محض بدگمانی و حرام ہے اور ایسے سچے اعتقاد کے ساتھ ندا کرنا بلاشبہ جائز ہے۔
>
> جامع ترمذی شریف وغیرہ کی حدیث میں ہے خود حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک نابینا کو یہ دعا تلقین فرمائی کہ نماز کے بعد یوں کہیں:
>
> **یا محمد انی اتوجه بک الی ربی فی حاجتی هذه لیقضی لی.**
>
> یا رسول اللہ! میں حضور کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف اپنی حاجت میں منہ کرتا ہوں تا کہ میری یہ حاجت پوری ہو۔
>
> اور بعض روایات میں ہے۔

لتقضی لی یارسول اللہ

تاکہ حضور میری یہ حاجت پوری فرمائیں۔

ان نابینا نے بعد نماز یہ دعا کی، فوراً آنکھیں کھل گئیں۔(۵)

آنحضرتؐ کا نام لیتے ہوئے ناخن چومنا

اہل سنت (بریلوی) کے مختصات میں سے ہے کہ جب ان کے سامنے آنحضرتؐ کا نام آئے، اپنے ہاتھ کے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چومتے ہیں۔اس عمل کی شرعی حیثیت کیا ہے؟اس سلسلے میں ایک سوال کے جواب میں مولانا احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں:

اذان میں نام اقدس حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سن کر ناخن چوم کر آنکھوں سے لگانے کو علماء نے مستحب فرمایا۔ردالمختار میں ہے۔

یستحب ان یقال عند سماع الاولی من الشهادة صلی اللّٰه علیک یا رسول اللّٰه وعند الثانية منها قرت عینی بک یا رسول اللّٰه ثم یقول اللهم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفری الابهامین علی العینین.فانه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم یکون قائدا له الی الجنة. کذا فی کنز العباداة قهستانی ونحوه فی الفتاوی الصوفیه.

یعنی مستحب ہے کہ جب اذان میں پہلی بار **اشهد ان محمد رسول اللّٰه** سنے **صلی اللّٰه علیک یا رسول اللّٰه** کہے اور جب دوبارہ سنے **قرت عینی بک یا رسول اللّٰه** یعنی میری آنکھ حضور سے ٹھنڈی ہوئی یارسول اللہ۔پھر کہے **اللهم متعنی بالسمع والبصر** الٰہی مجھے شنوائی اور بینائی سے بہرہ مند فرما اور یہ کہنا انگوٹھوں کے ناخن آنکھوں پر رکھنے کے بعد ہو۔نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی رکاب اقدس میں اسے جنت میں لے جائیں گے۔ایسا ہی کنز العباد میں ہے۔یہ مضمون جامع الرموز علامہ قہستانی کا ہے اور اسی کے مانند فتاویٰ صوفیہ میں ہے۔

فقیر نے اس مسئلہ میں ایک مبسوط کتاب ''منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین'' لکھی جس نے مانعین کے تمام شبہات بحمد اللہ تعالیٰ دفع کیے اور علوم حدیث کے متعلق بکثرت افادے دیے مگر خطبے میں نہ چاہیے کہ وہاں محض خاموشی کا حکم ہے۔**کمابیناه فی فتاونا والله سبحنه وتعالیٰ اعلم.**(٦)

آنحضرتؐ کے آباء

آنحضرتؐ کے آباء مسلمان تھے یا نہیں، یہ سوال عام مسلمانوں میں بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔اہل سنت (بریلوی) کا نظریہ

یہی ہے کہ وہ سب مسلمان تھے۔شیعہ بھی اس نظریے میں ان کے ساتھ ہم آہنگ ہیں۔مولانا احمد رضا خان بریلوی سے سوال کیا گیا کہ ''کیا عبداللہ بن مطلب بن ہاشم بند عبدمناف چاروں پشت پر فاتحہ درود پڑھنا چاہیے یا نہیں'' تو انھوں نے یہ جواب تحریر کیا:

ہمارے نزدیک صحیح و رجیح یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ امہات حضرت عبداللہ و حضرت آمنہ سے حضرت آدم علیہ السلام و حضرت حوا علیھا السلام تک سب اہل توحید و اسلام و نجات ہیں تو انھیں ایصال ثواب میں حرج نہیں، البتہ اختلاف علماء سے بچنے کے لیے مناسب یہ ہے کہ ثواب نذر بارگاہ بیکس پناہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاقہ والوں کو۔واللہ تعالیٰ اعلم۔(۷)

مزامیر کے ساتھ قوالی

مزامیر کے ساتھ قوالی کے بارے میں اہل سنت (بریلوی) کے ہاں دو قول پائے جاتے ہیں۔ایک اس کے جواز کا اور ایک عدم جواز کا۔پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور دیگر بہت سے مشائخ و علماء اس کے جواز کے قائل ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اُن کے آستانوں پر مزامیر کے ساتھ قوالی کا سلسلہ طویل عرصے سے جاری ہے۔قوالی کی ان محفلوں میں اہل سنت (بریلوی) علماء و مشائخ کثرت سے شریک ہوتے ہیں۔تاہم علماء کے اس گروہ کی اہمیت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جو اس کے عدم جواز کے قائل ہیں جن میں مولانا احمد رضا خان بریلوی بھی شامل ہیں چنانچہ مزامیر اور سازوں کے ساتھ قوالی کے بارے میں استفتاء کے جواب میں وہ لکھتے ہیں:

ایسی قوالی حرام ہے۔حاضرین سب گناہ گار ہیں اور ان کا گناہ ایسا عرس کرنے والوں اور قوالوں پر ہے۔باجوں کی حرمت میں احادیث کثیرہ وارد ہیں۔(۸)

دوسری طرف ایسے علماء بھی ہیں جنھوں نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے نیز اس موضوع پر مقالات لکھے ہیں۔ان میں سے ایک کتابچہ بریلوی عالم مولانا عطا محمد بندیالوی کا ہے جس کا عنوان ہے ''قوالی کی شرعی حیثیت''۔یہ کتابچہ ہمیں مولانا گلزار احمد نعیمی کے توسط سے موصول ہوا۔مولانا بندیالوی اپنے دعوے پر دس نکات پیش کرتے ہیں۔ہم یہاں پر یہ نکات نقل کرتے ہیں جس سے اُن کا موقف واضح طور پر سامنے آجاتا ہے:

جزء اول:۔مشائخ صوفیہ کے نزدیک غناء مزامیر کے ساتھ ہو یا کہ بغیر مزامیر کے نہ تو مطلقاً جائز ہے اور نہ مطلقاً ناجائز۔

جزء ثانی:۔غنا مع مزامیر مخصوص دنوں میں مثلاً عید اور نکاح وغیرہ میں مباح ہے بلکہ مخصوص دنوں میں غناء مع المزامیر سے انکار خلاف سنت ہے۔

جزءِ ثالث:۔غنا کی حرمت پر کوئی حدیث صحیح نہیں ہے اور جن سے حرمت معلوم ہوتی ہے وہ سب حدیثیں غیر صحیح ہیں۔

جزءِ رابع:۔غناء کا جواز مخصوص باد ف نہیں ہے بلکہ جس آلہ سے کیا جائے مباح ہے۔

جزءِ خامس:۔فقہا کرام کی غناء کے بارے میں تشدید حکمتِ زجر پر مبنی ہے۔

جزءِ سادس:۔ائمہ اربعہ سے امام مالک اور شافعی اور احمد حنبل سب غنا سنتے تھے اور ائمہ احناف سے امام ابو یوسف اور داؤد طائی بھی سنتے تھے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی سے غناء کے ممنوع ہونے پر کوئی نص صریح نہیں ہے، بلکہ آپ کے بعض تلامذہ نے آپ کے ایک قول سے اس مسئلے میں کراہت مستنبط کی ہے۔

جزءِ سابع:۔غنا جو کہ فواحش سے خالی ہو، عام ازیں کہ مزامیر کے ساتھ ہو یا کہ بغیر مزامیر کے صحابہ سے لے کر تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین تک مجالس غنا میں حاضر ہوتے تھے۔

جزءِ ثامن:۔عید اور دوسرے مواقع خوشی پر غناء مع مزامیر لہو ولعب کے طور پر جائز ہے۔

جزءِ تاسع:۔غنا کے جواز میں جو شرائط کتب فقہ میں مذکور ہیں، وہ شرائط اولویت ہیں نہ کہ شرائط جواز اور یہ شرائط بھی متفق علیہا نہیں ہیں۔

جزءِ عاشر:۔غنا مع المزامیر میں اختلاف صوفیہ کے ماسوا میں ہے اور غناء صوفیہ تو بالاتفاق مباح بلکہ مستحب ہے۔(۹)

بدعت

اہل سنت (بریلوی) کا مسلک بدعت کے حوالے سے اہل سنت کے دیگر مسالک سے قدرے مختلف معلوم ہوتا ہے۔ اس کی وجہ اُن کے ہاں کے بعض معمولات ہیں۔ان معمولات کے جواز اور تشریعی حیثیت پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔مولانا مفتی محمد گل رحمان قادری نے تو اپنی بڑے سائز کے ۳۲۸ صفحے کی ایک کتاب کا عنوان ہی ''معمولات اہل سنت'' رکھا ہے۔ جس کے سرورق پر یہ عبارت لکھی ہے: ''میلاد شریف، ایصال ثواب اور سنت و بدعت کے عنوان پر فاضلانہ تحریر''۔بدعت کے حوالے سے اُن کی بحث ۳۷ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔انھوں نے بدعت کی مختلف قسمیں بیان کی ہیں۔اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے انھوں نے علماء کے اقوال بھی نقل کیے ہیں اور احادیث و روایات سے بھی استفادہ کیا ہے۔اُن کے موقف کا خلاصہ انہی کے الفاظ میں ملاحظہ کیجیے:

ہماری نقل کی ہوئی عبارتوں سے واضح ہوگیا کہ علماء عظام وفقہاء کرام کے نزدیک بدعت کی دو قسمیں ہیں، بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ، پھر ان کی اپنی الگ الگ قسمیں ہیں۔ بدعت حسنہ، میں

واجب، مستحب، مباح ہیں اور بدعت سیئہ میں حرام، مکروہ شامل ہوئے۔لہٰذا نہ ہر بدعت اچھی ہے اور نہ ہر بدعت بری ہے اور مجمع البحار کی عبارت سے مزید قانون سامنے آیا کہ شریعت میں جس چیز کو مستحب قرار دیا گیا ہے اس کے عموم میں ہر وہ کام داخل ہوگا جو جائز و مستحب قسم کا ہو اور بدعت سیئہ میں وہ چیزیں شامل ہوں گی جو مامور بہ کے خلاف ہو اور اس کی مذمت وارد ہوئی ہو۔اب سیئہ میں حرام ،مکروہ شامل ہو جائیں گے اور یہ قاعدہ حدیث کے عموم سے لیا گیا ہے۔لہٰذا میلاد نبوی کے انعقاد کی محفلیں کم از کم بدعت حسنہ کے عموم میں شامل ہیں اور میلاد شریف منانے پر اجر کی امید ہے اور قُــلْ بِـفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِکَ فَلْيَفْرَحُوْا [10:58] کے عموم کے تحت بھی میلاد شریف کا منانا داخل ہے اور میلاد شریف کے منانے کو حرام و مکروہ کہنے والے کو چاہیے کہ وہ اس کے حرام و مکروہ ہونے پر ایسی مستقل دلیل پیش کرے جس میں مامور بہ کے خلاف ہونے پر بطور نص کے ثابت ہو اور یہ کام آج تک مخالفین سے نہ ہو سکا ہے اور نہ ہی کبھی ہو سکے گا۔

نتیجہ: اس طرح امر مستحسن کے ضمن میں ایصال ثواب کی تمام محفلیں آتی ہیں، جیسے چھٹی شریف، گیارھویں شریف، تیجہ، دسواں، چالیسواں، بزرگ علماء و اولیاء کرام کے عرس اور لیلۃ القدر اور شب برأت اور معراج النبیؐ منانے کے پروگرام نیز محرم الحرام کا یوم عاشورہ کا انعقاد، یہ سب امور مستحسنہ میں شامل ہیں اور بدعت حسنہ اور ایصال ثواب کے حصے ہیں۔

ہماری تقسیم بدعت جو بیان کی گئی ہے، گمراہی نہیں ہے بلکہ حدیث سے ثابت ہے، ملاحظہ کریں:

مَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَةً ضَلَالَةً لَّايَرْضٰهَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُه' كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ عَمِلَ بِهَالَا يَنْقُصُ ذَالِکَ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْئاً(۱۰)

یعنی جو شخص گمراہی کی بدعت پیدا کرے جس سے اللہ و رسول راضی نہیں ہیں بقدر ان لوگوں کے گناہوں کے جو بدعت پر عمل کریں اس کے ایجاد کرنے والے پر گناہ ہے اور ان کے گناہوں سے بھی کچھ کم نہ ہوگا۔ اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ جس بدعت کے ساتھ خداوند کریم اور رسول کریم علیہ الصلوۃ والسلام کی ناراضگی کی قید لگی ہوئی ہے اس سے صرف بدعت ضلالت مراد ہے یعنی بری بدعت مراد ہے مطلق بدعت کو ضلالت و گمراہی نہیں کہہ سکتے۔(۱۱)

ایصال ثواب

کیا زندہ شخص اپنے نیک اعمال کا ثواب کسی دوسرے زندہ یا مردہ شخص کو ایصال کر سکتا ہے یا نہیں، یہ موضوع عام

مسلمانوں میں بہت اہمیت رکھتا ہے ان کے بہت سے اعمال اور رسوم ایسے ہیں جو اس امر کے جواز پر دلالت کرتے ہیں۔اہل سنت بریلوی مسلک کے علماء ایسا کرنے کو درست قرار دیتے ہیں بلکہ ان کا اس پر بہت اصرار ہے۔مولانا محمد ظفر عطاری اس مسئلے میں اپنا عقیدہ یوں بیان کرتے ہیں:

ہمارا عقیدہ ہے کہ ہر انسان اپنے نیک اعمال کا ثواب زندہ و مردہ دونوں کو ایصال کر سکتا ہے، بشرطیکہ اس کی موت ایمان پر ہوئی ہو اب چاہے ان اعمال کا تعلق خالص بدنی عبادات مثلاً نماز، روزہ وغیرہ سے ہو یا فقط مالی عبادات مثلاً صدقات وغیرہ سے یا بدنی و مالی عبادات کے مرکب سے اس کا تعلق ہو مثلاً حج وغیرہ اور ان عبادات کا ثواب دوسروں کو پہنچتا ہے اور اس سے انھیں نفع بھی حاصل ہوتا ہے۔اس کے بارے میں قرآن پاک، بے شمار احادیث مبارکہ اور بزرگان دین کے اقوال وافعال موجود ہیں۔(۱۲)

اسی مسئلے پر مولانا محمد گل رحمان قادری نے یوں قلم فرسائی کی ہے:

یاد رہے کہ جیسے دنیا میں بعض انسان دوسروں کے کام آتے ہیں اور ایک دوسرے کے مصائب دور کرتے ہیں، ایسے ہی قبر و آخرت کے مصائب و عذاب کو دور کرنے میں مسلمان اپنی دعاؤں اور بدنی و مالی عبادتوں کے ذریعے فائدہ و نفع پہنچا سکتے ہیں۔اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتا ہے:

وَ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَ التَّقْوٰی وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ(۱۳)

اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ کرو۔

معلوم ہوا کہ مسلمان ایک دوسرے سے مدد مانگ سکتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ باہمی امداد ہر خیر میں اچھی چیز ہے۔یہ امداد عام ہے مالی ہو یا جسمانی ہو یا روحانی ہو، ان سب پر ثواب ملے گا اور یہ بھی پچھلے حصے سے معلوم ہوا کہ گناہ کے کسی کام پر کسی کی بھی مدد نہ کریں اور نہ گناہ پر سہارا بننے کی کوشش کریں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمان مُردوں کے لیے ایصال ثواب نہ کرنا اور ان کی قبر و قیامت کے مصائب و عذاب کو دور کرنے میں مدد نہ دینا اس آیت کریمہ کی زد میں آتا ہے۔قرآن پاک میں آیا ہے: ﴿وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ (۱۴)﴾ اور اگر اللہ لوگوں میں بعض سے بعض کو دفع نہ کرے تو ضرور زمین تباہ ہو جائے، مگر اللہ سارے جہاں پر فضل کرنے والا ہے۔اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ نیک بندوں کی برکت سے دوسروں کی بلائیں بھی دفع ہو جاتی ہیں اور مسلمانوں کی دعائیں بلاؤں کو دفع کرنے کی بہت بڑی دولت اور وسائل ہیں، جس طرح مجاہدین کی ظاہری امداد سے کفار کا زور ٹوٹتا ہے ایسے ہی مسلمانوں کی بدنی اور مالی حسنات سے مسلمانوں کو فائدے پہنچتے ہیں۔(۱۵)

اہل سنت کے ہاں نذر و نیاز کا مسئلہ عوامی نقطۂ نظر سے بہت اہمیت کا حامل ہے۔ مولانا محمد گل رحمان قادری نے ''نذر و نیاز کے طور پر جانوروں یا زراعت میں سے کسی زراعت کا کچھ حصہ بزرگوں، ولیوں کے لیے تعین کرنے اور نامزد کرنے'' کے بارے میں ایک سوال کا جواب یوں دیا ہے:

> یاد رہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام یا اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کے لیے کوئی جانور یا زراعت کا کوئی حصہ یا مال میں سے کسی قدر کا تعین کرنا، یہ مطلقاً ناجائز نہیں ہے بلکہ اس کی تفصیل ہے، بعض صورتیں ناجائز ہیں اور بعض جائز ہیں، نہ سب صورتیں ناجائز ہیں اور نہ ہی تمام کی تمام جائز ہیں۔
>
> اس کا فیصلہ کن امر یہ ہے کہ جانور یا زراعت و مال کو نامزد کرنے والے کے اعتقاد و نیت کو دیکھا جائے گا کہ اس کا اعتقاد کیا ہے اور اس کی نیت کیسی ہے۔ اس کے بعد مقرر و نامزد جانور کا گوشت اور زراعت و مال کا مقرر کردہ حصہ کی حلت و حرمت کا حکم۔۔۔ لگے گا۔
>
> اگر کوئی شخص جانور، زراعت و مال کو بزرگوں کے لیے اس لیے مقرر کرتا ہے کہ مقرر کرنے والا انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیا کرام رحمھم اللہ تعالیٰ کو قدرت و اختیار کے لحاظ سے مستقل بالذات یا امور تکوینی و تشریعی میں متصرف بالذات اور لائق عبادت مانتا ہے اور اس کا یہ اعتقاد ہے کہ جو جانور یا زراعت و مال کا حصہ نامزد کیا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی دوسرے مصرف میں صرف کرنا گناہ ہے اور جن جن بزرگوں کے لیے جو کچھ نامزد کیا گیا ہے وہ ان کے علاوہ کسی دوسرے کے لیے اس کا استعمال شریعت اسلام میں حرام ہے، اگر ایسا اعتقاد ہو اور ایسی نیت ہو تو اس جیسے اعتقاد مذکور کو خالص کفر و شرک سمجھا جائے گا۔ قرآن پاک میں ایسے مشرک لوگوں کو جو عرب کی سرزمین پر پائے گئے تھے، وہ اپنی طرف سے بحیرہ، سائبہ وغیرہ کے نام پر جانور اپنے معبودوں کے لیے نامزد کرتے تھے اور انھیں اپنے لیے استعمال [کرنا] حرام ٹھہراتے رہے قرآن پاک میں ان مشرکوں کو افتراٗ و بہتان باندھنے والے اور جھوٹے قرار دیا گیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ایسے باطل عقیدے والے کافر و مشرک لوگ ہوتے ہیں جو غیر اللہ کو مستقل بالذات، قدرت والا، بالذات امور میں تصرف کرنے والا یا مستحق عبادت ماننے والے ہوتے ہیں۔ اگر یہ لوگ صرف اعتقاد کی حد تک رہیں تو ان کا اعتقاد تو باطل ہے لیکن اگر وہ جانور جو انھوں نے نامزد کیا ہے جب تک یہ لوگ بذات خود یا دوسرا کوئی مرتد یا غیر کتابی ذبح نہ کرے یا غیر اللہ کے نام پر ذبح نہ کیا جائے یا جانور کے ذبح کرنے سے مقصد ان کا یہ نہ ہو کہ اس کے لیے غیر اللہ کی تعظیم و تقرب حاصل کیا جائے تو وہ جانور حرام نہ ہو گا اور اگر اسی اعتقاد باطل کے

ساتھ جو ذکر ہو چکا ہے، نامزد کیے ہوئے جانور کو غیر اللہ کے لیے مقرر کرنے والا شخص اسی حالتِ شرک میں اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کردے پھر بھی مشرک ومرتد کے ذبح کیے ہوئے جانور کا گوشت حرام ہے۔اسی طرح اگر کوئی جانور کا خون اس لیے بہاتا ہے کہ اس سے غیر اللہ کی تعظیم کی جائے تو ایسے جانور کا گوشت حرام ہوگا۔ایسے ذبیحہ کا گوشت حلال نہیں ہوسکتا ہے۔

اب اگر اُسی جانور کو جس کو مرتد ،مشرک نے غیر اللہ کی تعظیم کے لیے نامزد کردیا ہے،اس جانور کو کلمہ گو مسلمان نے جو اللہ تعالیٰ کو اپنی شانوں کے ساتھ مانتا ہے اور اس کے رسول کریم علیہ الصلوۃ والسلام کو آخری رسول مانتا ہے اور اللہ کا نام لے کر ذبح کرتا ہے تو اس ذبیحہ کا گوشت کھانا جائز وحلال ہے کیونکہ ذابح کی نیت بھی اچھی ہے اور ذبح کے وقت اللہ ہی کے نام پر ذبح کرتا ہے۔اب غیر اللہ کے نام پر اس کا نامزد کرنا کارگر نہ ہوگا اور مسلمان جو بھی جانور ذبح کرتا ہے وہ اللہ ہی کے نام پر ذبح کرتا ہے اور اس خون بہانے سے اس کا مقصد صرف یہی ہوتا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم وتقرب ہو اور اس گوشت کو مسلمانوں میں تقسیم کرنے سے مقصد بزرگوں کی روحوں کو ثواب پہنچانا ہوتا ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام،اہلبیت عظام،اولیا اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اللہ تعالےٰ کے مقبول بندے سمجھتا ہے اور ان کی تمام خوبیوں کو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ سمجھتا ہے اور مستقل بالذات اور لائق عبادت صرف اللہ تعالیٰ کو یقین کرتا ہے۔مسلمانوں کی طرف بلا دلیل شرعی کفری عقیدوں کو منسوب کرنے والے خود۔۔۔کفر وارتداد اور بدعقیدگی کے شکار ہوجاتے ہیں کیونکہ مسلمان کو مسلمان سمجھنا اور کافر کو کافر سمجھنا دین کی ضروری باتوں سے ہے۔(اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بدعقیدگی سے بچائے،آمین)۔(۱۶)

آمین آہستہ کہنا

اہلحدیث دوران نماز سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد آمین بالجہر کہنے کے قائل ہیں جبکہ احناف جن میں دیوبندی اور بریلوی دونوں شامل ہیں،اسے بالاخفاء کہنے کے قائل ہیں،چنانچہ مولانا محمد ظفر عطاری لکھتے ہیں:

ہمارا نظریہ یہ ہے کہ ہر نمازی کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوران نماز آہستہ آمین کہے۔چاہے نماز جہری ہو یا سری اور یہی سنت رسولؐ اور صحابہ کرامؓ و بزرگان دین کا طریقہ ہے۔اونچی آواز میں آمین کہنا خلاف سنت اور نماز کے اندر خشوع وخضوع میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔احادیث مبارکہ اور صحابہ کرامؓ کے افعال واقوال اس بات پر ناطق وگواہ ہیں کہ آمین آہستہ کہی جائے نہ کہ بلند آواز سے۔

اس سلسلے میں انھوں نے اس حدیث کو اپنے نظریے کے اثبات کے لیے پیش کیا ہے:

عن علقمة بن وائل عن ابيه ان النبی صلی الله علیه وسلم قرء غیر المغضوب علیهم و لا الضالین فقال آمین وخفض بها صوته(١٧)

ترجمہ: حضرت علقمہؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب نبی کریمؐ نے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھا تو آپؐ نے آہستہ آمین کہی۔

اس کے بعد وہ یوں نتیجہ نکالتے ہیں:

اس حدیث پاک سے بھی صراحتاً ثابت ہوا کہ آہستہ آمین کہنا نبی کریم کی سنت مبارکہ ہے۔(١٨)

مسئلہ طلاق

طلاق ثلاثہ کے حوالے سے احناف کا موقف ایک ہی ہے، چاہے وہ بریلوی ہوں یا دیوبندی البتہ اہل حدیث اور اہل تشیع کا نقطۂ نظر اس سلسلے میں مختلف ہے جس کا ذکر ان سے متعلقہ ابواب میں کیا گیا ہے۔ مولانا مفتی گلزار احمد نعیمی نے اس سلسلے میں ہمارے ایک سوال کے جواب میں ایک مفصل مقالہ تحریر کیا، ہم حسب ضرورت اس میں سے چند عبارات یہاں نقل کرتے ہیں:

> طلاق ثلاثہ سے متعلق علماء احناف کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں جو ایک کلمہ یا متفرق کلمات سے دی گئی ہوں نافذ ہوں گی۔ یہ طلاق بائن (مغلظہ) واقع ہوگی اور خاوند اپنی اہلیہ کی طرف رجوع کے اختیار سے محروم ہو جائے گا۔ صرف تحلیل شرعی کے بعد خاوند اپنی زوجہ سے عقد ثانی کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنے کے قابل ہو سکے گا۔ سراج الائمہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں یا ایک طہر میں دی جانے والی طلاق ثلثہ تین ہی نافذ ہوں گی۔ اگرچہ ایسا کرنا ان کے نزدیک بدعت اور فعل حرام ہے۔

انھوں نے اپنے اس موقف کی تائید میں متعدد روایات سے استفادہ کیا ہے۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

1۔ ابن شہاب زہریؒ نے سہل بن سعد ساعدیؓ سے خبر دی کہ عویمر بن اشقر العجلانی نے اپنی بیوی پر تہمت زنا لگائی اور حضرت عاصم کو دربار رسالت مآب ﷺ میں مسئلہ پوچھنے کیلئے بھیجا۔ پھر عویمر بن اشقر العجلانی خود آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ قبل اس کے کہ سرکار دو عالم ﷺ کچھ فرماتے عویمر نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ آپ نے تین ہی کو برقرار رکھا۔(١٩)

2۔ محمود بن لبید بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ کو ایک شخص کی بابت عرض کیا گیا جس نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دیں تو آپ ﷺ یہ سن کر شدید غصے کے عالم میں کھڑے ہو گئے پھر فرمایا

ایلعب بکتاب الله وانا بین اظهر کم حتی قام رجل و قال یا رسول الله ﷺ الا

اقتلہ۔یعنی کیا وہ کتاب اللہ سے کھیلتا ہے حالانکہ میں ابھی تمھارے درمیان بنفس نفیس موجود ہوں۔ ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کی حضور! کیا میں اسے قتل نہ کردوں۔(۲۰)

3۔عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ میرے دادا نے اپنی زوجہ کو ایک ہزار طلاقیں دیں۔اس کا ذکر میں نے سرکار دو عالم ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمھارا دادا اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا؟ ان میں سے تین طلاقیں تو اس عورت کیلئے ہیں اور بقیہ نوسو ستانوے (۹۹۷) ظلم اور عدوان ہے۔اگر اللہ چاہے گا تو عذاب دے گا اور چاہے گا تو معاف فرمادے گا۔(۲۱)

حواشی

(۱) عطاری، محمد ظفر: حق پر کون؟، (اسلامک بک کارپوریشن، راولپنڈی، ۲۰۰۹) ص ۱۸۴

(۲) عطاری، محمد ظفر: حق پر کون؟، (اسلامک بک کارپوریشن، راولپنڈی، ۲۰۰۹) ص ۴۷

(۳) (مقالات کاظمی ص ۱۱۱، ج ۲)

(۴) عطاری، محمد ظفر: حق پر کون؟، (اسلامک بک کارپوریشن، راولپنڈی، ۲۰۰۹) ص ۱۵۶

(۵) بریلوی، احمد رضا خان، مولانا: احکام شریعت، (احمد رضا بریلوی کتب خانہ، کراچی، ۲۰۰۹ء) ص ۱۳۱ و ۱۳۲

(۶) بریلوی، احمد رضا خان، مولانا: احکام شریعت، (احمد رضا بریلوی کتب خانہ، کراچی، ۲۰۰۹ء) ص ۸۰ و ۸۱

(۷) بریلوی، احمد رضا خان، مولانا: احکام شریعت، (احمد رضا بریلوی کتب خانہ، کراچی، ۲۰۰۹ء) ص ۱۶۱

(۸) بریلوی، احمد رضا خان، مولانا: احکام شریعت، (احمد رضا بریلوی کتب خانہ، کراچی، ۲۰۰۹ء) ص ۷۵ و ۷۷

(۹) بندیالوی، عطا محمد: قوالی کی شرعی حیثیت (مکتبہ جمال کرم، لاہور ۲۰۰۳ء) ص ۱۹ و ۲۰

مزید دیکھیے: ایضاح الدلالات فی سماع الآلات، تصنیف: شیخ عبد الغنی نابلسی، ترجمہ: جی۔اے حق محمد چشتی، طبع: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، سال اشاعت: ۲۰۰۹ء

(۱۰) (رواہ الترمذی، مشکوۃ شریف ص ۳۰)

(۱۱) قادری، محمد گل رحمان: معمولات اہل سنت (مکتبہ قادریہ، لاہور، ۱۹۹۶ء) ص ۱۳۱ و ۱۳۲

(۱۲) عطاری، محمد ظفر: حق پر کون؟، (اسلامک بک کارپوریشن، راولپنڈی، ۲۰۰۹) ص ۲۴۵

(۱۳) المائدہ: ۵۔۲

(۱۴) البقرہ: ۲۔۲۵۱

(۱۵) قادری، محمد گل رحمان: معمولاتِ اہل سنت (مکتبہ قادریہ، لاہور، ۱۹۹۶ء) ص ۱۹۹ تا ۲۰۰

(۱۶) قادری، محمد گل رحمان: معمولاتِ اہل سنت (مکتبہ قادریہ، لاہور، ۱۹۹۶ء) ص ۲۸۰ تا ۲۸۲

(۱۷) (جامع ترمذی ص ۶۳، ابوداؤد شریف)

(۱۸) عطاری، محمد ظفر: حق پر کون؟، (اسلامک بک کارپوریشن، راولپنڈی، ۲۰۰۹) ص ۳۱۱ و ۳۱۲

(۱۹) (بحوالہ امام ابوداؤد سلیمان بن الاشعث سجستانی سنن ابی داؤد کتاب الطلاق باب فی اللعان ص ۳۲۳ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ)

(۲۰) (اس حدیث کو امام نسائی نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے۔)

(۲۱) (اس حدیث کو سنن دارقطنی مجمع الزوائد، مصنف عبدالرزاق اور المبسوط لسرخسی نے بیان کیا ہے۔)

عصری مسائل

غیر مسلم حکومتوں سے تعلقات

قدیم زمانے سے مختلف حکومتوں کے آپس میں تعلقات کا سلسلہ چلا آ رہا ہے۔ کبھی اس سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکا۔ یہ الگ بات ہے کہ طاقتور حکومتوں کا رویہ کمزور حکومتوں کے ساتھ کیسا رہا ہے۔ عصر حاضر میں عالمی سطح کے ادارے معرض وجود میں آ چکے ہیں، جنھوں نے ممالک کے مابین تعلقات کے لیے قوانین وضع کیے ہیں اور ان قوانین کی پابندی کا عہد تمام ممالک نے کر رکھا ہے۔ تاہم مسلمان ممالک کے لیے غیر مسلم ممالک سے تعلقات کے مسئلے پر علمائے کرام اظہار خیال کرتے رہتے ہیں۔ یہ تعلقات کس نوعیت کے اور کن قوانین کے ماتحت ہونے چاہئیں اس پر مختلف علماء نے ہمارے سوالات کے جوابات دیے ہیں۔ غیر مسلم حکومتوں سے مسلمان حکومتوں کے تعلقات کیسے ہونے چاہئیں، اس پر مفتی محمد صدیق ہزاروی نے یوں اظہار خیال کیا ہے:

> اس میں کوئی حرج نہیں، اس طرح مسلمان اپنے دین کی آواز وہاں بآسانی پہنچا سکتے ہیں۔ مسلم حکومتیں، غیر مسلم حکومتوں والے ممالک میں معتدل، غیر متعصب اور فعال معلمین بھیجیں اور اسلام کا پیغام ان تک پہنچائیں لیکن یہ تعلقات بھی برابری کی بنیاد پر ہونے چاہئیں اگر وہ مسلمانوں کے شعائر پر پابندی لگاتے ہیں یا شعائر اسلامیہ کی توہین کرتے ہیں تو ان سے تعلقات کو توڑنا ضروری ہو جاتا ہے۔

علامہ مفتی غلام مصطفیٰ رضوی نے اس موضوع پر اپنی رائے ان الفاظ میں بیان کی:

> تمام اسلامی ریاستوں کے مابین مــا بــہ الاشتــراك اسلام ہے اگرچہ ہر ریاست کے اپنے اپنے نظریات ہیں مثلاً ایران ہمارا برادر ملک ہے اُن کا طریقۂ کار اور اُن کے نظریات اپنے ہیں لیکن اسلام کی بنیاد پر ہم ایک ہیں۔ رہیں دیگر غیر مسلم ریاستیں تو اُن کے ساتھ بھی امن و آشتی سے رہنا ہماری ذمہ داری ہے۔ بلاوجہ کسی سے اختلاف کرنا یا ایسے اسباب پیدا کرنا جن سے دوسری ریاستوں کے حکمرانوں کو ہمارے خلاف قدم اٹھانے کا کوئی موقع ملے، اسلام اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ اسلام تو چاہتا ہے کہ سب سے مل جل کر رہو۔ ہر دل میں سب سے پیار اور محبت کا جذبہ پیدا ہونا چاہیے

اور غیر مسلم ممالک سے بھی ہمارا رویہ جارحانہ نہیں ہونا چاہیے بلکہ دوستانہ ہونا چاہیے۔ اُن سے بھی تعلقات کشیدہ نہیں ہونے چاہئیں بلکہ ان سے بہتر سے بہتر تعلقات ہونے چاہئیں اور اسی صورت میں دنیا میں امن وسکون قائم ہوسکتا ہے۔

دہشت گردی اور انتہا پسندی

جہاں تک دہشت گردی اور انتہا پسندی کے عنوان کا تعلق ہے کوئی عالم دین کیا کوئی عام شہری بھی اس کی حمایت نہیں کر سکتا، لیکن ہمیں جس طرح کی دہشت گردی اور انتہا پسندی کا سامنا ہے اسے بعض لوگ اسلامی تعلیمات سے بھی جوڑتے ہیں۔ اس لیے ہم نے مناسب سمجھا کہ مختلف علمائے کرام سے اس حوالے سے ان کا نظریہ معلوم کیا جائے۔ تاہم اس سلسلے میں علماء کے فتاویٰ اور مشترکہ قراردادیں بھی ہمارے پیش نظر ہیں۔

تحریک منہاج القرآن کے بانی اور سرپرست علامہ ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے ''دہشت گردی اور فتنۂ خوارج'' کے زیرعنوان انتہا پسندی اور دہشت گردی کے موضوع کا تفصیلی جائزہ لیا ہے اور اس سلسلے میں ایک تفصیلی فتویٰ جاری کیا ہے۔ اس میں انھوں نے اسلام کو امن وسلامتی کا دین قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

> اسلام امن وسلامتی اور محبت ومروت کا دین ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق مسلمان وہی شخص ہے جس کے ہاتھوں مسلم وغیر مسلم سب بے گناہ انسانوں کے جان ومال محفوظ رہیں۔ انسانی جان کا تقدس وتحفظ شریعتِ اسلامی میں بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔ کسی بھی انسان کی ناحق جان لینا اور اُسے قتل کرنا فعل حرام ہے بلکہ بعض صورتوں میں یہ عمل موجبِ کفر بن جاتا ہے۔ آج کل دہشت گرد اپنے عقائد ونظریات مسلط کرنے اور اپنے مخالفین کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کی ناکام کاوش میں جس بے دردی سے خودکش حملوں اور بم دھماکوں سے گھروں، بازاروں، عوامی اور حکومتی دفاتر اور مساجد میں بے گناہ مسلمانوں کی جانیں لے رہے ہیں وہ صریحاً کفر کے مرتکب ہورہے ہیں۔ دنیا اور آخرت میں ان کے لیے ذلت ناک عذاب کی وعید ہے۔ دہشت گردی فی نفسہ کافرانہ فعل ہے اور جب اس میں خودکشی کا حرام عنصر بھی شامل ہوجائے تو اس کی سنگینی میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے۔۔۔ مسلمانوں کا قتلِ عام اور دہشت گردی اسلام میں قطعی حرام بلکہ کفریہ افعال ہیں۔ کبار آئمہ تفسیر وحدیث اور فقہاء ومتکلمین کی تصریحات سمیت چودہ سو سالہ تاریخ اسلام میں جملہ اہل علم کا فتویٰ یہی رہا ہے۔ اپنی بات منوانے اور دوسروں کے موقف کو غلط قرار دینے کے لیے اسلام نے ہتھیار اٹھانے کی بجائے گفت وشنید اور دلائل سے اپنا عقیدہ وموقف ثابت کرنے کا

راستہ کھلا رکھا ہے۔ ہتھیار وہی لوگ اٹھاتے ہیں جن کی علمی وفکری اساس کمزور ہوتی ہے اور وہ جہالت وعصبیت کے ہاتھوں مجبور ہوتے ہیں، ایسے لوگوں کو اسلام نے باغی قرار دیا ہے جن کا ٹھکانہ جہنم ہے۔(۱)

ڈاکٹر محمد طاہر القادری مزید کہتے ہیں:

انسانی جان کی عزت وحرمت پر اسلامی تعلیمات میں کس قدر زور دیا گیا ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ دوران جنگ بھی اسلام غیر محارب لوگوں کے قتلِ عام کی اجازت نہیں دیتا۔ میدانِ جنگ میں بھی بچوں، عورتوں، ضعیفوں، بیماروں، مذہبی رہنماؤں اور تاجروں کو قتل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ ہتھیار ڈال دینے والے، گھروں میں بند ہو جانے والے یا کسی کی امان میں آجانے والے لوگوں کو بھی قتل نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی عامۃ الناس کا قتل عام کیا جاسکتا ہے۔ عبادت گاہوں، عمارتوں، بازاروں یہاں تک کہ کھیتوں، فصلوں اور درختوں کو بھی تباہ نہیں کیا جاسکتا۔ ایک طرف حالتِ جنگ میں بھی اس قدر احتیاط پر مبنی احکام وقوانین ہیں اور دوسری طرف دہشت گردوں کی ایسی کارروائیاں جو بلا امتیاز مذہب وملت، پر امن لوگوں، عورتوں، بچوں اور مساجد میں عبادت کرنے والے نمازیوں کے قتل عام کا باعث بن رہی ہوں، پھر بھی وہ اسلام کا نام لیں اور جہاد کی بات کریں، اس سے بڑا تضاد تو شاید چشم فلک نے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ غیر مسلم عالمی طاقتوں کی ناانصافیوں اور بلا جواز کارروائیوں کے ردِ عمل کے طور پر پر امن غیر مسلم شہریوں اور غیر ملکی سفارت کاروں کو قتل کرنا یا انھیں حبس بے جا میں رکھنا قطعاً جائز نہیں۔ جو ایسا کرتا ہے اُس کا اسلام اور پیغمبر اسلامؐ سے کوئی تعلق نہیں۔(۲)

ڈاکٹر طاہر القادری نے اس سوال کا بھی جائزہ لیا ہے کہ وہ لوگ جو اچھی نیت سے انتہا پسندی کی کارروائیوں میں شریک ہیں کیا ان کے بارے میں کسی حسن ظن کی گنجائش ہے۔ وہ کہتے ہیں:

برائی ہر صورت میں برائی ہے اور ظلم کی جو توجیہ بھی کریں وہ ظلم ہی رہے گا۔ لہٰذا کوئی بھی فعلِ حرام نیت کے اچھے ہونے سے حلال نہیں بن سکتا کیوں کہ شریعت اسلامی میں حکم عمل پر لگایا جاتا ہے۔ قتلِ انسانیت، جبر وبربریت، دہشت گردی، فساد فی الارض اور مسلح بغاوت کسی بھی نیک ارادہ وعزم کے باوجود قابل معافی نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کسی رخصت کی گنجائش ہے۔ لہٰذا دہشت گردوں اور اُن کے بہی خواہوں کا یہ استدلال بھی شرعاً باطل ہے۔(۳)

علامہ مفتی غلام مصطفیٰ رضوی نے اس موضوع پر بات کرتے ہوئے کہا:

اس میں دو رائے نہیں ہوسکتیں کہ دہشت گردی اور تخریب کاری کسی حوالے سے بھی ہمارے لیے بہتر

نہیں ہے بلکہ یہ انتہائی خطرناک ہے اور وہ لوگ ملک کے بھی دشمن ہیں، اسلام کے بھی دشمن ہیں جو دہشت گردی پھیلا رہے ہیں اور بے گناہ جانوں کا ضیاع کر رہے ہیں، بچوں کو یتیم کر رہے ہیں، عورتیں بیوہ ہو رہی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں وہ درندے ہیں انسان نہیں ہیں۔ جس میں انسانیت ہے وہ تو ایک جانور کو مارتے ہوئے بھی گھبراتا ہے لیکن یہ کیسے انسان ہیں جو بے گناہوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگ رہے ہیں۔ یہ بدنصیب اپنی جان بھی دے دیتے ہیں اور دوسروں کی جانیں بھی لے رہے ہیں حالانکہ یہ خود حرام موت مر رہے ہیں۔ جن لوگوں نے انھیں کہہ رکھا ہے کہ تم مر جاؤ گے تو تمھیں جنت ملے گی وہ انھیں دھوکا دے رہے ہیں اور یہ دھوکا کھا رہے ہیں۔ یہ دہشت گردی اور تخریب کاری اُن کے لیے بھی تباہ کن ہے اور اسلام کے لئے بھی خطرناک ہے۔ ایسے لوگ نہ ملک کے وفادار ہیں اور نہ اسلام کے وفادار ہیں۔ تمام پرائیویٹ لشکر غیر شرعی ہیں۔ حکومت وقت کو حق حاصل ہے کہ ان کے خلاف موثر کارروائی کرے تاکہ ان کا نام ونشان مٹ جائے تاکہ ملک وقوم کی سلامتی کے لئے پریشانی کا باعث نہ بنیں۔

مفتی محمد صدیق ہزاروی نے اس موضوع پر اپنا نظریہ یوں بیان کیا ہے:

اہل سنت (بریلوی) انتہا پسندی کے سخت خلاف ہیں۔ چاہے وہ افراط کی صورت میں ہو یا تفریط کی صورت میں، کیونکہ اسلام اعتدال کا دین ہے یعنی ہر مکتب فکر اپنے مسلک کی تبلیغ، حکمت وموعظت حسنہ کے ذریعے کرے اور گولی کی بجائے اخلاق سے دوسروں کو گرویدہ بنانے کی کوشش کرے تو انتہا پسندی کا وجود باقی نہیں رہے گا اور یہ بھی ضروری ہے کہ تمام مکاتب فکر انتہا پسندی کے خلاف مل کر کام کریں اور ایسے لوگوں کی سرپرستی نہ کی جائے۔

مولانا مفتی گلزار احمد نعیمی نے اس حوالے سے اپنا نقطہ نظر یوں پیش کیا ہے:

انتہا پسندی اور متشدد گروہ اسلام کی حقیقی فکر کی ترجمانی نہیں کرتا۔ یہ گروہ صدر اسلام کے اس گروہ کی بازگشت ہے جسے اہل اسلام بالاتفاق خوارج قرار دیتے ہیں۔ یہ تکفیری گروہ انہی خوارج کی طرح اپنی فکر کے ہر مخالف کو کافر قرار دیتا ہے اور پھر ہر مخالف کے خلاف تشدد پر اتر آتا ہے۔ خوارج کی طرح مسلمانوں کو قتل کرنا اور ان کے اموال کو غارت کرنا اس کا بھی وطیرہ ہے۔

خواتین کے حقوق

جو موضوعات دنیا میں کچھ عرصے سے زیادہ زیر بحث ہیں ان میں انسانی حقوق کا موضوع سب سے زیادہ اہمیت رکھتا

ہے۔اسی موضوع کے تحت خواتین کے حقوق پر بہت زیادہ فکری، علمی، قانونی اور عملی پہلوؤں سے اقدامات دیکھنے میں آئے ہیں۔علمائے اسلام نے بھی اس موضوع پر اپنا نظریہ مختلف صورتوں میں پیش کیا ہے۔خواتین کے حقوق کے موضوع پر تمام اسلامی مسالک کے ممتاز علماء کی کتب مختلف زبانوں میں منظر عام پر آچکی ہیں۔ہم نے اس حوالے سے مختلف علماء سے ان کا نقطۂ نظر معلوم کیا۔اس سلسلے میں مفتی محمد صدیق ہزاروی نے تحریر کیا:

اہل سنت (بریلوی) قرآنی تعلیم ''لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ (۴)'' کے مطابق خواتین کو ان کے حقوق دینے کے قائل ہیں۔تعلیم خواتین کا حق ہے۔ملک وملت کی خدمت بھی وہ کر سکتی ہیں لیکن مردوزن کا اختلاط اور بے حجابی کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔شریعت اسلامیہ کے دائرے میں رہتے ہوئے وہ اپنی صلاحیتیں بروئے کار لاسکتی ہیں۔

علامہ مفتی غلام مصطفیٰ رضوی نے اس موضوع پر بات کرتے ہوئے کہا:

سب پڑھے لکھے لوگ جانتے ہیں کہ جتنا تحفظ خواتین کو اسلام نے دیا ہے اور کسی مذہب نے انھیں وہ تحفظ نہیں دیا۔قرآن کریم نے مختصر الفاظ میں خواتین کے حقوق کو بیان فرمادیا ہے:

لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ (۵)

یہ ویسے تو مختصر الفاظ ہیں لیکن ان سے مساوات سامنے آتی ہیں۔اللہ تعالیٰ نے مختصر الفاظ میں بیان کردیا ہے کہ اُن پر جو حقوق ہیں ویسے ہی انھیں منافع ملنے چاہئیں۔اسلام نے جہاں اُن کو حقوق دیے ہیں وہاں ان کی شرم وحیا اور عزت وآبرو کی حفاظت کا بھی حکم دیا ہے لہٰذا ہمارے معاشرے میں وہ خواتین جو باحجاب اور باپردہ رہ کر غیر مردوں کے اختلاط سے بچتے ہوئے ملک کی ترقی میں جو بھی حصہ لینا چاہیں ان پر کوئی قدغن نہیں ہونی چاہیے۔مردوں کو بھی پاک باز ہونا چاہیے، یہ ایک بنیادی بات ہے لیکن معاشرے کے حالات کے پیش نظر خواتین کے لئے اس شعر سے صورت حال واضح کی جاسکتی ہے:

چڑیوں سے کہو شاخ نشیمن سے نہ اُتریں
اس دور کا ہر شخص عقابوں کی طرح ہے

مردوں پر بھی اگرچہ پابندی ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ عورت میں زیادہ شرم وحیا ہوتی ہے۔ہم جب بس وغیرہ پر سفر کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ بعض بچیوں کے ہاتھ تک چھپے ہوتے ہیں اور راستہ دیکھنے کے لئے وہ صرف آنکھوں کو کھلا رکھتی ہیں۔ہمارے معاشرے میں باحیا اور باپردہ خواتین کی کمی نہیں ہے۔اگر ہماری بیٹیاں اور بہنیں قرآن کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق اپنی شرم وحیا اور نسوانیت کا تحفظ کریں تو میں سمجھتا ہوں کہ اُن پر کوئی پابندی نہیں لگنی چاہیے کہ وہ یہ کام کریں اور وہ نہ کریں

اور یہاں نہ جائیں اور وہاں نہ جائیں۔

خواتین کے حقوق کے بارے میں اہل سنت (بریلوی مسلک) کا نقطۂ نظر پیش کرتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مسلک کے اکابر علماء کی اُن تجاویز کا یہاں ذکر کیا جائے جو انھوں نے اجتماعی طور پر ایک اجلاس میں مرتب کر کے حکومت پاکستان کو پیش کیں:

1۔ خواتین کو وراثت سے محروم کرنے کو قابلِ تعزیر جرم قرار دیا جائے، جاگیردار معاشرے میں اگر کسی خاتون کے لئے خاندان کے اندر متوازی رشتہ موجود نہ ہو تو اس کی ''قرآن سے شادی'' کر دی جاتی ہے اور ہمیشہ کے لئے غیر شادی شدہ رہنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے، تاکہ اس کے ذریعے وراثت خاندان سے باہر نہ جائے۔

2۔ یہ کہ عاقلہ بالغہ عورت کی، اس کی مرضی کے خلاف جبراً شادی کرانے کو تعزیری جرم قرار دیا جائے۔

3۔ یہ کہ زمانۂ جاہلیت کی طرح ''نکاحِ شغار'' جسے آج کل ''وٹہ سٹہ'' کہا جاتا ہے، اگر اس میں کسی بھی جانب سے عورت کی رضامندی نہ ہو یا اس کا مہر مقرر نہ کیا جائے بلکہ ایک شخص اپنی بہن کا نکاح اپنی بیوی کے بدل مہر میں کر دے، اسے تعزیری جرم قرار دیا جائے۔

4۔ یہ کہ ایک وقت میں تین طلاق (طلاق مغلظہ) دینے کو تعزیری جرم قرار دیا جائے تاکہ اس کی حوصلہ شکنی ہو اور اس سلسلے میں شوہر کے ساتھ وثیقہ نویس، اوتھ کمشنر، نوٹری پبلک اور گواہوں کو بھی شریکِ جرم سمجھا جائے۔

5۔ یہ کہ ونی کی رسم کو تعزیری جرم قرار دیا جائے، جس میں قصاص کے مالی بدل کے طور پر قاتل کے خاندان کی چھوٹی بچیوں کا نکاح مقتول کے خاندان کے مردوں سے کر دیا جاتا ہے اور بعض اوقات عمروں میں بے انتہا تفاوت ہوتا ہے، اس سے اسلام اور پاکستان کی بدنامی ہوتی ہے۔

6۔ کاروکاری، غیرت کے نام پر قتل اور ماورائے عدالت قتل و دیگر جرائم کا خاتمہ مقصود ہے، تو قانون میں متاثرین جرائم اور مظلومین کو تحفظ دیا جائے، عدل کو یقینی بنایا جائے اور قانون کی حکمرانی قائم کی جائے۔

ان تجاویز کو مفتی منیب الرحمٰن صدر تنظیم المدارس اہلسنت، پاکستان نے مفتی ڈاکٹر محمد ابوبکر صدیق، مفتی محمد خان قادری اور علامہ عامر بیگ نے مرتب کیا اور ۳۰ دیگر علماء نے اس پر تائیدی دستخط کیے۔ (٦)

غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق

اس موضوع پر ہم نے دیگر مسالک کے علماء کی طرح اہل سنت (بریلوی) کے علماء کے افکار بھی معلوم کیے۔ چنانچہ

علامہ مفتی غلام مصطفیٰ رضوی نے غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق پر بات کرتے ہوئے کہا:

اسلام ایک مقدس دین ہے اور اسلام نے جس قدر غیر مسلموں کے حقوق کا تحفظ کیا ہے اس قدر ہمیں کسی اور مذہب میں دکھائی نہیں دیتا۔ اسلام تمام غیر مسلموں کی جان، مال، عزت اور آبرو کا محافظ ہے بلکہ وہ جس طرح سے مسلمان کی جان، مال، عزت اور آبرو کا محافظ ہے اسی طرح غیر مسلموں کی جان، مال، عزت اور آبرو کا بھی محافظ ہے۔ اسلام قطعاً یہ گوارا نہیں کرتا کہ ہم کسی غیر مسلم کو ایذا پہنچائیں، اس کے مال پر ڈاکہ ڈالیں، اس کے ساتھ کوئی زیادتی کریں۔ اسلام تو سلامتی کا دین ہے۔ اسلام تو سب لوگوں کو مل جل کر زندگی بسر کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ وہ تو ایک پاکیزہ معاشرے کی تشکیل کا داعی ہے۔ ظاہر ہے کہ جو غیر مسلم ہمارے ملک میں رہتے ہیں وہ ہمارے ذمی ہیں۔ ہمارے اوپر فرض ہے اور یہ فرض صرف حکومت کا نہیں ہے بلکہ یہ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ غیر مسلم بھائیوں کے ساتھ پیار، محبت اور خلوص سے رہے، اُس کا دکھ برداشت نہ کرے بلکہ اس کے دکھ سکھ میں شریک ہو، اس کے غم واندوہ میں خود شرکت کرے اور ایسا کرنا بہت اچھی بات ہے۔ جس محلے میں میں رہائش پذیر ہوں خود اس محلے میں ہندوؤں کے کئی مکان ہیں۔ وہ ہمارے دوست ہیں۔ ہم صبح وشام ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ ہم ایک دوسرے کا حال معلوم کرتے ہیں۔ ہندو بھی ہمارے دکھ سکھ میں شریک ہوتے ہیں۔ میرے پوتے کے فوت ہونے پر وہ بھی افسوس کرنے کے لئے آئے تھے۔ ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرنا اسلام کا تقاضا ہے۔

ہمارے اس سوال کے جواب میں کہ اگر کسی غیر مسلم سے کوئی شکایت پیدا ہو جائے اور وہ اسلام کے مقدسات میں سے کسی کی توہین کرے تو کیا کرنا چاہیے، مولانا مفتی غلام مصطفیٰ رضوی نے کہا:

اگر کوئی مسئلہ پیش آئے تو کسی کو قطعاً یہ اجازت نہیں کہ خود سے کوئی اقدام کرے اور قانون کو اپنے ہاتھ میں لے۔ ہمارے ہاں قانون موجود ہے۔ ہم ایک اسلامی ریاست میں رہ رہے ہیں۔ یہ کوئی جنگل نہیں ہے کہ ہر کوئی جو چاہے کرتا پھرے۔ اگر غیر مسلم سے کوئی خلاف قانون حرکت ہوتی ہے اور یہ غیر مسلم سے ہی نہیں ہر کسی سے ہو سکتی ہے، مسلمان سے بھی ہو سکتی ہے، مسلمان ہو یا غیر مسلم اگر کوئی زیادتی کرے جو ہمارے لئے تکلیف دہ ہو، وہ ذاتی حوالے سے ہو یا اسلامی حوالے سے خود اس سے انتقام لینے کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ ہمیں اسے قانون کے حوالے کرنا چاہیے۔ قانون کے ضابطوں کے مطابق عدلیہ کی صوابدید پر ہے کہ وہ اسے سزا دے یا نہ دے۔ یہ عدلیہ کا کام ہے، ہماری ذمہ داری نہیں ہے۔

کبھی یہ ہوتا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں نے قرآن کی توہین کر دی ہے۔ یہ سن کر درست نہیں کہ عوام اُس پر ٹوٹ پڑیں، العیاذ باللہ، قرآن قطعاً اس طرزِ عمل کی اجازت نہیں دیتا۔ نہ فقط یہ کہ اسلام غیر مسلموں کی جان، مال، عزت اور آبرو کا محافظ ہے بلکہ اگر وہ شراب کا کاروبار کرتے ہیں یا وہ خنزیر وغیرہ کا کاروبار کرتے ہیں، اس پر بھی اسلام قدغن نہیں لگاتا۔ اُن کا یہ اپنا کاروبار ہے۔ اُن کے عبادت خانے محفوظ ہیں۔ ہم تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیروکار ہیں اور اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے کہ:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ.(۷)

جب غیر مسلم سرکارؐ کی بارگاہ میں آتے تھے آپؐ اُن کے لئے چادریں بچھاتے تھے۔ اُن کی بہت عزت واحترام کرتے تھے۔ آپ اپنی مسجد میں انھیں عبادت کرنے کی اجازت دیتے تھے اور انھیں کہتے تھے کہ یہاں نماز پڑھ لیں۔ اگر ہم سرکارؐ کے ارشادات کی روشنی میں زندگی گزارنا چاہیں تو یقین مانیے کہ یہ ہمارا ملک امن وسلامتی کا گہوارہ بن جائے۔

اس موضوع پر مفتی محمد صدیق ہزاروی نے ہمارے تحریری سوال کے جواب میں لکھا:

اہل سنت کے نزدیک قرآن وسنت اور فقہ حنفی کے اصول وضوابط کے مطابق اقلیتوں کو مکمل تحفظ حاصل ہے۔ ان کی جان و مال اور عزت کا تحفظ ریاست کی ذمہ داری ہے۔ البتہ انھیں سرِعام کسی ایسے عمل کی اجازت نہیں ہونی چاہیے جو شعائرِ اسلام کے خلاف اور مسلمانوں کی دل آزاری کا باعث ہو یا اس سے اقلیتوں کی برتری کا اظہار ہو۔ حضرت عمر فاروقؓ نے عیسائیوں پر یہ پابندی عائد کی تھی کہ وہ اپنی صلیب لے کر ہماری مساجد کے پاس سے نہیں گزریں گے۔ سوئٹزرلینڈ میں مساجد کے مینار تعمیر کرنے پر پابندی ہے تو مسلمان ممالک کو اس کا ترکی بہ ترکی جواب دینا چاہیے تاآنکہ غیر مسلم، مسلمانوں سے یہ پابندی اٹھالیں۔ اسی طرح غیر مسلم ریاستوں میں مسلم خواتین کے حجاب کا مسئلہ ہے۔

علامہ ڈاکٹر طاہر القادری نے اپنے مذکورہ مبسوط فتوے میں اس مسئلے کا تفصیل سے جائزہ لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

اسلام صرف مسلم ریاست کے مسلمان شہریوں کے جان و مال، عزت وآبرو کی حفاظت کی ہی ضمانت نہیں دیتا بلکہ غیر مسلم شہریوں اور معاہدین کی عزت وآبرو اور جان و مال کو بھی برابر تحفظ کی ضمانت دیتا ہے، شریعت اسلامیہ میں مسلم ریاست کے غیر مسلم شہریوں کے حقوق مسلم شہریوں کی طرح ہی ہیں، بحیثیت انسان ان میں کوئی فرق نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی قوانین میں مسلم اور غیر مسلم شہری قصاص اور دیت میں برابر ہیں۔ غیر مسلموں کو مسلم معاشرے میں مکمل شخصی اور مذہبی آزادی حاصل ہے۔ غیر مسلم شہریوں، ان کے سفراء اور ان کی املاک وعبادت گاہوں کو مکمل تحفظ حاصل ہے۔ اسی طرح

تاجروں کے جان ومال کا تحفظ بھی اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔لہٰذا اسلام کسی طور بھی پرامن وغیر متحارب غیر مسلم شہریوں کو قتل کرنے اور انھیں ایذا رسانی کی اجازت نہیں دیتا۔غیر مسلم پرامن شہریوں پر حملے کرنے والے، انھیں اغوا کر کے تاوان کا مطالبہ کرنے والے اور انھیں حبس بے جا میں رکھ کر ذہنی وجسمانی اذیت دینے والے اسلامی تعلیمات کی صریح خلاف ورزی کے مرتکب ہورہے ہیں۔(۸)

مسلمان حکومتوں سے روابط

عام طور پر مسلمان علماء مسلمان حکومتوں کے باہمی روابط کو ترجیحی بنیاد پر بہتر رکھنے پر زور دیتے ہیں بلکہ بعض کی آراء اس سے بھی فزوں تر ہیں۔مفتی محمد صدیق ہزاروی نے اس موضوع پر یوں اظہار خیال کیا ہے:

اہل سنت کے نزدیک مسلمان حکومتوں سے روابط نہایت ضروری ہیں لیکن وہ بے جان نہ ہوں۔ان روابط کے ذریعے مسلم ممالک ایک دوسرے کے مسائل سے آگاہ ہوسکیں اور مشترکہ طور پر ان کو حل کیا جاسکے۔مسلمانوں کا یہ اتحاد ہی غیر مسلم قوتوں کی مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا قلع قمع کرسکتا ہے۔ ماضی میں افسوسناک واقعات سامنے آئے، ایران عراق کی جنگ، کویت کی مظلومیت کی دادرسی امریکہ کے عراق پر حملہ کی صورت میں سامنے آئی جبکہ امریکہ مسلمانوں کا بدترین دشمن ہے اور اس وقت بھی کئی مسلم ممالک کی ہمدردیاں پاکستان کے بجائے انڈیا سے ہیں اور یہ ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔مسلمان ممالک کے باہمی روابط دیانت داری اور ''المسلم اخو المسلم'' کی بنیاد پر قائم ہوں تو دشمن کی سازشوں کا مقابلہ آسان ہوگا۔

عالمی اداروں کی رکنیت

اقوام متحدہ اور دیگر اداروں سے شکایات کے باوجود تمام مسالک کے علمائے اسلام کی عمومی رائے یہی ہے کہ یہ روابط عصر حاضر میں ضروری ہیں تاہم اس کے لیے ان کی بعض تجاویز اور شرائط بھی ہیں۔چنانچہ مفتی محمد صدیق ہزاروی اس سلسلے میں اپنی رائے ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

اہل سنت کے نزدیک عالمی اداروں کی رکنیت میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس وقت پوری دنیا گلوبل ویلج کی شکل اختیار کرچکی ہے لیکن یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ مسلمان کی عزت، حقوق اور خود داری کا سودا نہ ہو اور مسلم نمائندگان اپنا موقف کھل کر پیش کریں اور ایک دوسرے کی تائید کریں۔ کشمیر، فلسطین، عراق اور افغانستان بلکہ ایران کے حوالے سے اقوام متحدہ میں مسلم دشمنی کے جو

مظاہرے سامنے آ چکے ہیں ان حالات میں مسلمانوں کو ان کی رکنیت کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ مسلمانوں کو اسلامی ممالک کا متحدہ پلیٹ فارم بنانا چاہیے اور اپنے آپ کو مضبوط کر کے عالمی اداروں کی رکنیت اختیار کریں۔

علامہ مفتی غلام مصطفیٰ رضوی نے بھی اس موضوع پر اظہار خیال کیا، ان کا کہنا تھا:

اقوام متحدہ اور دیگر عالمی اداروں سے ہمیں دوستانہ مراسم رکھنے چاہئیں اور ان کے قوانین پر عمل کرنا چاہیے لیکن یہ بات انتہائی دکھ سے کہنا پڑتی ہے کہ ہمارے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا ازالہ نہیں کیا جاتا۔ جب ہم اقوام متحدہ کا احترام کرتے ہیں تو اقوام متحدہ کو بھی تمام ممالک کا احترام کرنا چاہیے اور سب کے حقوق کو تسلیم کرنا چاہیے اور سب کو ایک جیسے حقوق دینے چاہئیں۔ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ کسی سے تو بہتر رویہ ہو اور کسی سے غیر بہتر۔ یہ بات ہمارے لئے تکلیف دہ ہوتی ہے۔

جدید علوم

تمام مسالک کے علماء نے جدید علوم کی ضرورت کو بیان کیا اور مسلمانوں کے لیے ان کا حصول ضروری قرار دیا۔ علامہ مفتی غلام مصطفیٰ رضوی نے اس موضوع پر بات کرتے ہوئے کہا:

معاشرے اور اسلامی ریاست کی ترقی کے لئے جدید علوم مثلاً ٹیکنالوجی سے متعلق علوم، سیاسی علوم، سماجی علوم، انسان شناسی سے متعلق علوم مثلاً علم بشریات، علم نفسیات، طب، جغرافیہ، ریاضی سے متعلق جدید علوم اگر لوگ حاصل کریں گے تو ظاہر ہے کہ ہمارا ملک ترقی کرے گا۔ ان علوم کو ترقی کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے۔ ان سے دینی مدارس کے نصاب میں بھی استفادہ کیا جائے تو میں سمجھتا ہوں نصاب میں بہت خوبصورتی پیدا ہو جائے گی۔

انھوں نے دینی مدارس میں جو علوم پڑھائے جاتے ہیں ان میں تخصص کا بھی ذکر کیا ہے اور اپنے مدرسے کی مثال دیتے ہوئے کہا:

دینی مدارس میں تخصص کا سلسلہ قائم ہے۔ مثلاً ہمارے ہاں اگر کوئی طالب علم حدیث سے فارغ ہوتا ہے تو اس کے لئے پھر تخصص فی الحدیث کا شعبہ قائم ہے۔ اسی طرح تخصص فی الفقہ ہے۔ عام لوگ نماز اور روزہ وغیرہ کے مسائل کم پوچھتے ہیں لیکن وراثت کے مسائل ہم سے بہت زیادہ پوچھے جاتے ہیں۔ ایسے مسائل پر ہمارے طلبہ کی مہارت بہت ضروری ہے۔ بلکہ میراث کے بارے میں تو کہا گیا تھا کہ ’’ان ھذا نصف العلم‘‘ یعنی تمام علوم ایک طرف ہیں اور یہ ایک طرف۔ اسی لیے اسے آدھا علم

قرار دیا گیا ہے۔ علوم قدیمہ میں سے اس طرح کے علوم اور علوم جدیدہ میں سے مذکورہ علوم کا امتزاج ہو جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے ہاں ترقی کے بہت راستے کھل جائیں گے۔ گذشتہ زمانے میں بھی علماء اپنے دور کے جدید علوم پڑھاتے تھے، آج کے دور کے جدید علوم کی تعلیم بھی انتہائی ضروری ہے۔

دینی مدارس کے نصاب میں بہتری

علامہ مفتی غلام مصطفیٰ رضوی نے جہاں جدید علوم کی ضرورت کو بیان کیا اور اپنے مدرسے میں بعض موضوعات پر تخصص کا ذکر کیا وہاں اس بات پر بھی زور دیا کے دینی مدارس کے نصاب میں بہتری کی ضرورت ہے۔ اس ضمن میں ان کا کہنا تھا:

ویسے تو ہمارا درس نظامی انتہائی جامع اور انتہائی مکمل ہے لیکن اس میں کچھ ایسی کتابیں ہیں جن کے بارے میں، میں سمجھتا ہوں کہ وہ دور جدید کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتیں۔ جیسے پرانے دور کی فلسفے اور ہیئت کی کتابیں ہیں ایک تو بہت مشکل ہیں طلبہ سمجھ بھی نہیں پاتے۔ ان کے بجائے ہمیں دوسری کتب شامل کرنی چاہئیں۔ مثلاً قرآن پاک، حدیث، تفسیر، فقہ، اصول فقہ یعنی ایسی کتابیں جن سے ہمارے معاش اور معاشرت کا بہتر تعلق ہے۔ اس کے علاوہ موجودہ دور کے تقاضے ہیں مثلاً انگریزی جو ایک بین الاقوامی زبان ہے، وہ ضرور نصاب میں شامل ہونی چاہیے۔ اسی طرح ریاضی اور کمپیوٹر کا علم، نیز دور جدید کی اہم ضروریات کے مطابق جو علوم اس دور میں رائج ہیں، ان کا کافی حصہ ہمارے نصاب میں شامل ہونا چاہیے۔

حواشی

(۱) قادری، محمد طاہر، ڈاکٹر مولانا: دہشت گردی اور فتنہ خوارج (منہاج القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۱۰) ص ۲۹

(۲) قادری، محمد طاہر، ڈاکٹر مولانا: دہشت گردی اور فتنہ خوارج (منہاج القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۱۰) ص ۳۰

(۳) قادری، محمد طاہر، ڈاکٹر مولانا: دہشت گردی اور فتنہ خوارج (منہاج القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۱۰) ص ۳۴

(۴) بقرہ: ۲۔۲۲۸

(۵) بقرہ: ۲۔۲۲۸

(۶) http://www.nooremadinah.net/forumnoor/topic.asp?TOPIC_ID=1539

(۷) (احزاب: ۳۳۔۲۱)

(۸) قادری، محمد طاہر، ڈاکٹر مولانا: دہشت گردی اور فتنہ خوارج (منہاج القرآن، لاہور، ۲۰۱۰) ص ۲۹۔۳۰

عموی معلومات

آبادی اور تعداد

دیگر مسالک کے پیروکاروں کے طرح سے پاکستان میں اہل سنت (بریلوی) کی تعداد اور آبادی کے بارے میں بالیقین کوئی بات نہیں کہی جاسکتی لیکن ایک بات ضرور کہی جاسکتی ہے اور وہ یہ کہ بریلوی مسلک کے پیروکار تعداد کے لحاظ سے دیگر مسالک سے زیادہ ہیں۔ بہرحال ہمارے اس ضمن میں کیے گئے سوال کے جواب میں علامہ مفتی غلام مصطفیٰ رضوی نے کہا:

> میرے خیال میں کچھ عرصہ پہلے تو ہم 80 سے 85 فیصد تھے لیکن اب چونکہ ملک میں کچھ ایسے حالات پیدا ہوگئے ہیں جن کی وجہ سے ہوسکتا ہے اس میں کچھ کمی آگئی ہو لیکن الحمدللہ اب بھی ہم 70 فیصد سے کم نہیں ہیں۔

اسی سوال کے جواب میں مفتی محمد صدیق ہزاروی نے تحریر کیا:

> اہل سنت (بریلوی) کی مساجد اور پیروکاروں کے حوالے سے صحیح یا تقریباً تعداد بتانا ممکن نہیں۔ صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ اہل سنت (بریلوی) ملک کے سواد اعظم ہیں۔ اس لئے الحمدللہ! اس مسلک سے متعلق مساجد سب سے زیادہ ہیں اور پیروکاروں کی تعداد بھی زیادہ ہے بلکہ بعض مساجدِ اہل سنت میں دوسرے مسلک کے ائمہ صرف اس بنیاد پر امامت وخطابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں کہ وہ اہل سنت کے معمولات پر عمل پیرا ہیں۔

مدارس

ذیل میں ہم اہل سنت (بریلوی) کے پاکستان میں موجود فوقانی مدارس کی فہرست پیش کر رہے ہیں جو تنظیم المدارس (اہل سنت) پاکستان سے ملحق ہیں:

جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری گیٹ، لاہور جامعہ مجددیہ فیاض العلوم، رائے ونڈ۔ ضلع لاہور

جامعہ فاروقیہ رضویہ، باغبانپورہ، لاہور

دار العلوم جامعہ نعیمیہ، گڑھی شاہو، لاہور

غوث العلوم جامعہ رحیمیہ، نیوسمن آباد، لاہور

دار العلوم غوثیہ رضویہ، گلبرگ، لاہور

دار العلوم جامعہ حنفیہ غوثیہ، بکر منڈی، لاہور

دار العلوم جامعہ رضویہ، ماڈل ٹاؤن، لاہور

جامعہ اسلامیہ ٹھوکر نیاز بیگ، لاہور

جامعہ رسولیہ شیرازیہ رضویہ، بلال گنج، لاہور

مدرسۃ البنات جامعہ رحیمیہ، عقب پاکستان منٹ، لاہور

جامعہ جلالیہ رضویہ مظہر الاسلام، مومن پورہ، لاہور

جامعہ گلزار سیفیہ رحمانیہ، لاہور

جامعہ جلالیہ رضویہ اشرف المدارس، گوجرانوالہ

مدرسہ ضیاء القرآن، گوجرانوالہ

مدرسہ بہار مدینۃ لبنات الاسلام، گوجرانوالہ

جامعہ سیفیہ رحمانیہ، گوجرانوالہ

دار العلوم جامعہ لاثانیہ حسینیہ، گوجرانوالہ

جامعہ حلیمۃ البنات تعلیم القرآن، گوجرانوالہ

جامعہ کوثر العلوم لبنات الاسلام، گوجرانوالہ

جامعہ نعیمیہ سیدہ فاطمۃ الزہراء، حافظ آباد

جامعہ لاثانیہ خزینۃ القرآن، حافظ آباد

دار العلوم جامعہ حنفیہ، سیالکوٹ

دار العلوم جامعہ نعیمیہ رضویہ الحبیب، سیالکوٹ

جامعہ محمدیہ رضویہ نوریہ، منڈی بہاؤالدین

الجامعۃ الاسلامیۃ، منڈی بہاؤالدین

دار العلوم جامعہ حنفیہ رضویہ، گجرات

جامعہ سیفیہ رحمانیہ، گجرات

مدرسہ عربیہ اسلامیہ، جہلم

جامعہ رضویہ ضیاء العلوم، راولپنڈی

جامعہ اسلامیہ اسرار العلوم، راولپنڈی

جامعہ محمدیہ غوثیہ انوار القرآن، کینٹ

جامعہ جماعتیہ مہر العلوم، راولپنڈی

جامعہ سراجیہ نعیمیہ، گنج مغلپورہ، لاہور

مدرسہ المدینہ و فیضان مدینہ، فیروز پور روڈ، لاہور

جامعہ یوسفیہ، چائنہ سکیم، لاہور

جامعہ النور، لاہور

جامعہ محمدیہ رضویہ للبنات، لاہور

جامعہ فاطمیہ، گوجرانوالہ

مدرسہ البنات تعلیم القرآن، گوجرانوالہ

مدرسہ ضیاء القرآن، گوجرانوالہ

جامعہ خدیجۃ الکبریٰ للبنات، گوجرانوالہ

جامعہ عائشہ للبنات، گوجرانوالہ

جامعہ نقشبندیہ تعلیم القرآن جامع مسجد انوار مدینہ، گوجرانوالہ

دار العلوم چشتیہ نظامیہ رضویہ، حافظ آباد

جامعہ سعیدیہ انوار الحدیث، حافظ آباد

الکلیۃ الشرعیۃ للبنات، حافظ آباد

جامعہ قادریہ، سیالکوٹ

جامعہ قادریہ رضویہ قمر الاسلام، نارووال

الجامعۃ الفاطمیۃ للبنات، منڈی بہاؤالدین

الجامعۃ الحمیر اللبنات، منڈی بہاؤالدین

جامعہ تبلیغ الاسلام، گجرات

مدرسہ کریمیہ نقشبندیہ نعیمیہ، گجرات

مرکزی جامعہ نوشاہیہ، جہلم

جامعہ غوثیہ مظہر الاسلام، راولپنڈی

دار العلوم حنفیہ حسینیہ ہمدانیہ، راولپنڈی

جامعہ رضویہ انوار العلوم، راولپنڈی

جامعہ قادریہ توگیریہ للبنات، راولپنڈی

الہاشمی اسلامک ایجوکیشنل کمپلیکس، راولپنڈی
جامعہ آمنہ للبنات، راولپنڈی
دارالعلوم جلالیہ رضویہ، راولپنڈی
جامعہ غوثیہ مہریہ، اسلام آباد
جامعہ نعیمیہ، جی نائن تھری، اسلام آباد
دارالعلوم غوثیہ، چک شہزاد، اسلام آباد
جامعہ عربیہ حقائق العلوم، اٹک
مدرسہ اسلامیہ اشاعت العلوم، چکوال
مدرسہ عطاء العلوم للبنات، چکوال
جامعۃ المدینۃ الغوثیۃ، سرگودھا
مدرسۃ العلوم الشرعی غوثیہ مہریہ، بھکر
جامعہ غوثیہ رضویہ شمس المدارس، بھکر
دارالعلوم کریمیہ رضویہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ
جامعہ قادریہ رضویہ، فیصل آباد
فیض حسینی دارالعلوم، فیصل آباد
جامعہ قادریہ لبنات المسلمین، فیصل آباد
مدرسۃ المدینہ فیضان مدینہ، فیصل آباد
مدرسہ الفاطمہ، فیصل آباد
دارالعلوم غوثیہ عزیزیہ انوار حق باھوسلطان، جھنگ
جامعہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم، ملتان
جامعہ رضویہ مظہر العلوم، ملتان
مدرسہ اسلامیہ خیر المعاد، ملتان
مدرسہ اسلامیہ عربیہ غوثیہ، لودھراں
مدرسہ مہریہ غوثیہ، لودھراں
دارالعلوم حنفیہ بارویہ شمس المدارس، لیہ

جامعۃ الزہراء اہل سنت، راولپنڈی
جامعہ عائشہ ضیاء البنات، راولپنڈی
جامعہ اسلامیہ نظیریہ، اسلام آباد
جامعہ ابوالخیر فاؤنڈیشن، اسلام آباد
جامعہ قمر الاسلام، سپر مارکیٹ، اسلام آباد
جامعہ قادریہ حقانیہ، اٹک شہر
جامعہ اسلامیہ غوثیہ، چکوال
دارالعلوم ضیاء قمر الاسلام جامعہ غوثیہ، ضلع چکوال
دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام، سرگودھا
جامعہ ام ایمن للبنات، سرگودھا
جامعہ سراجیہ رضویہ، بھکر
جامعہ اکبریہ، میانوالی
دارالعلوم جامعہ رضویہ مظہر اسلام، فیصل آباد
دارالعلوم مدنیہ، فیصل آباد
جامعہ امینیہ رضویہ، فیصل آباد
جامعہ صدیقیہ مدرسۃ البنات، فیصل آباد
جامعہ اسلامیہ حمیدہ یوسف، فیصل آباد
جامعہ محمدی شریف، جھنگ
مدرسہ غوثیہ جامع العلوم، خانیوال
مدرسہ غوثیہ ہدایت القرآن، ملتان
جامعہ رضویہ سردار المدارس، ملتان
دارالعلوم کاظمیہ ضیاء الاسلام، ملتان
دارالعلوم محمدیہ فریدیہ انوار الاسلام، لودھراں
جامعہ نعمانیہ رضویہ، لیہ
جامعہ اسلامیہ مدینۃ العلوم، لیہ

دارالعلوم غوثیہ رضویہ، لیہ
جامعہ امام احمد رضا، ڈیرہ غازی خان
جامعہ اویسیہ رضویہ، بہاولپور
مدرسہ سعیدیہ کاظمیہ، رحیم یار خان
مدرسہ عربیہ ریاض العلوم، رحیم یار خان
جامعہ سعیدیہ فیض المدارس، رحیم یار خان
دارالعلوم جامعہ رضویہ مظہر الاسلام، بہاول نگر
جامعہ رضائے مصطفیٰ، بہاول نگر
مدرسہ عربیہ اسلامیہ فخر المدارس، بہاول نگر
جامعہ امجدیہ، کراچی نمبر ۶
دارالعلوم نعیمیہ (ٹرسٹ)، کراچی
دارالعلوم مجددیہ نعیمیہ، ملیر کالونی کراچی
دارالعلوم حنفیہ غوثیہ، کراچی نمبر ۲۹
دارالعلوم قادریہ، کراچی نمبر ۴۷
جامعہ اسلامیہ مدینۃ العلوم، کراچی
دارالعلوم انوار المجددیۃ النعیمیۃ، کراچی نمبر ۳۷
جامعۃ المدینہ، کراچی
جامعہ غوثیہ طفیلیہ، کراچی
مدرسہ فیضان فاطمہ اکیڈمی، کراچی
نشرح کالج مرکزی فیوض القرآن، کراچی
جامعہ عربیہ غفاریہ، نوشہرو فیروز
دارالعلوم جامعہ انوار مصطفیٰ، سکھر
جامعہ راشدیہ، خیر پور
رکن الاسلام جامعہ مجددیہ، حیدرآباد
جامعہ عربیہ بخشیہ، نون ڈیرو، لاڑکانہ

مدرسہ اسلامیہ جامعہ نوریہ فیض العلوم، وہاڑی
مدرسہ عربیہ اسلامیہ سعیدیہ کاظمیہ بحر العلوم، راجن پور
دارہ عربیہ سراج العلوم، رحیم یار خان
دارالعلوم انجمن سیرانیہ سلیمانیہ تعلیم القرآن، رحیم یار خان
مرکزی دارالعلوم فاروق اعظم، رحیم یار خان
جامعہ غوث اعظم، رحیم یار خان
جامعہ مہریہ، بہاول نگر
مدرسہ عربیہ اسلامیہ نور المدارس، بہاول نگر
جامعہ اسلامیہ عربیہ کنز الحسنین، بہاول نگر
دارالعلوم قمر الاسلام سلیمانیہ، کراچی نمبر ۶
شمس العلوم جامعہ رضویہ، کراچی
دارالعلوم قادریہ سبحانیہ، کراچی نمبر ۲۵
الجامعۃ العلیمیۃ الاسلامیہ، کراچی نمبر ۶
جامعہ حامدیہ رضویہ، کراچی نمبر ۳۲
مسلم مشنری یونیورسٹی (برائے خواتین)، کراچی
جامعہ اسلامیہ معارف القرآن، کراچی
جامعہ ممتازیہ رحمانیہ، کراچی
جامعہ نضرۃ العلوم (حنفیہ مسجد)، کراچی
مدرسۃ المصطفیٰ، کراچی
دارالعلوم حنفیہ رضویہ، کراچی
جامعہ غوثیہ رضویہ، سکھر، سندھ
دارالعلوم مجددیہ عثمانیہ، سندھ
دارالعلوم احسن البرکات، حیدرآباد
جامعہ حسینیہ رضویہ آریچہ، اسٹیشن باقرانی، ضلع لاڑکانہ
دارالعلوم انور مجتبیٰ، خیر پور میرس

دار العلوم کنز الایمان رضویہ، میر پور خاص، سندھ
مدرسہ صبغۃ الھدیٰ، شاہ پور چاکر، ضلع سانگھڑ
دار العلوم ضیاء القرآن، گکھڑ پور، ہری پور
دار العلوم ضیاء القرآن، اوگی، مانسہرہ
دار العلوم جنیدیہ غفوریہ، جمرود روڈ، پشاور
جامعہ امینیہ غفوریہ، مانکی شریف، ضلع نوشہرہ
جامعہ فاطمہ ضیاء البنات، غازی کوٹ، مانسہرہ
جامعہ عائشہ صدیقہ، عثمان آباد (چھڑ ھ) مانسہرہ
دار العلوم جامعہ انوار مدینہ، پوٹھ، تحصیل و ضلع مانسہرہ
دار العلوم جامعہ غوثیہ رضویہ، بروری روڈ کوئٹہ
دار العلوم انوار باھو، ڈیرہ مراد جمالی، ضلع نصیر آباد
جامعہ فیض العلوم نقشبندیہ قادریہ، سبی
جامعہ فرقانیہ غوثیہ، باغ، آزاد کشمیر
جامعۃ البنات محی الاسلام، ہجیرہ، ضلع پونچھ، آزاد کشمیر
دار العلوم سیف الاسلام، مظفر آباد
جامعہ محمدیہ غوثیہ، مرکز کہوکوٹ، تحصیل راولاکوٹ
دار العلوم فیضان صحابہؓ حیدر آباد
دار العلوم اسلامیہ رحمانیہ، ہری پور، ہزارہ
دار العلوم عربیہ، اوگی، مانسہرہ
دار العلوم غوثیہ معینیہ، بیرون یکہ توت، پشاور
دار العلوم قادریہ، نوشہرہ روڈ، مردان
دار العلوم سبحانیہ رضویہ، درگئی مالاکنڈ ایجنسی
جامعہ اسعدیہ حنفیہ، عثمان آباد (چھڑ ھ) مانسہرہ
مدرسہ عائشہ صدیقہ للبنات، ہری پور
جامعہ خدیجہؓ، ہری پور
جامعہ اسلامیہ نوریہ (ٹرسٹ)، منوجان روڈ، کوئٹہ
مدرسہ اسلامیہ غوثیہ سلطانیہ، ڈھاڈر، ضلع کچھی
جامعہ رحمانیہ اویسیہ بغدادیہ، میر پور، آزاد کشمیر
جامعہ قادریہ فاضلیہ للبنات، بلوچ، تحصیل سدھنوتی
جامعہ اسلامیہ فاطمۃ الزہراؓ، کھائیگلہ، تحصیل راولاکوٹ
دار العلوم چشتیہ ضیاء العلوم، دھیر کوٹ، ضلع باغ

تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان کے مرکزی دفتر گڑھی شاہو، لاہور نے ملحقہ مدارس کی ایک فہرست مارچ 2005ء میں شائع کی۔ اسے مولانا ڈاکٹر سرفراز نعیمی مرحوم کی طرف سے جاری کیا گیا جو اس وقت اس ادارے کے مرکزی ناظم اعلیٰ تھے۔ اس فہرست میں فوقانی مدارس کے علاوہ تنظیم سے ملحق وسطانی، تحتانی اور ابتدائی مدارس کی فہرست بھی دی گئی ہے۔ اس کی آخر میں یہ نوٹ دیا گیا ہے:

مدارس اہل سنت کی مجموع تعداد اس فہرست سے کئی گنا زائد ہے، فہرست میں صرف اب مدارس کا تذکرہ ہے جو مارچ 2005ء تک تنظیم المدارس کے ساتھ باضابطہ الحاق کر چکے ہیں۔

مدارس کی تنظیم

جیسا کہ سطور بالا میں بیان کیا جا چکا ہے کہ اہل سنت (بریلوی) کہ مدارس کی تنظیم کا نام تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان

ہے۔اس کے بارے میں مفتی محمد صدیق ہزاروی رقم طراز ہیں:

اہل سنت (بریلوی) کے مدارس دینیہ کا وفاق تنظیم المدارس (اہل سنت) پاکستان کے نام سے قائم ہے جس کا مرکزی دفتر اور امتحانی دفتر جامعہ نعیمیہ لاہور سے متصل ہے اور امتحانی کیمپ آفس کراچی میں ہے۔ چاروں صوبوں اور آزاد کشمیر کے مدارس اس تنظیم سے ملحق ہیں۔حضرت علامہ مفتی منیب الرحمٰن اس کے صدر اور صاحبزادہ عبدالمصطفیٰ ہزاروی مرکزی ناظم اعلیٰ ہیں۔شعبہ امتحانات کے ناظم حضرت مولانا غلام محمد سیالوی ہیں اور چاروں صوبوں اور کشمیر میں اس کے صوبائی دفاتر قائم ہیں۔

علامہ مفتی غلام مصطفیٰ رضوی نے تنظیم المدارس کا ذکر کرتے ہوئے اپنے نظام امتحان کو بھی تفصیل سے بیان کیا، انھوں نے کہا:

بریلوی مکتب فکر کے مدارس کا ایک ہی وفاق ہے جسے تنظیم المدارس کہتے ہیں اور وہی سب کامیاب طلبہ کو سند جاری کرتا ہے۔اس کے تحت بیک وقت ملک بھر میں امتحانات ہوتے ہیں، پیپر بنتے ہیں۔ چیکنگ کے لئے مختلف علما کے پاس جاتے ہیں۔جس طرح یونیورسٹیوں اور کالجوں وغیرہ کے پیپرز کا آنا جانا احتیاط کے ساتھ ہوتا ہے۔ویسا ہی نظام ہمارے ہاں رائج ہے۔خود ہمارے اپنے جامعہ انوار العلوم میں خفیہ پیپر بنائے جاتے ہیں۔کسی کو کچھ پتہ نہیں ہوتا۔امتحان سہ ماہی ہوں، شش ماہی ہوں، نو ماہی ہوں یا سالانہ اسی طرح پیپر بنتے ہیں، پھر چھپتے ہیں اور پھر انھیں ادارے کے سربراہ کے پاس احتیاط کے ساتھ بھیجا جاتا ہے اور ان کی صوابدید کے مطابق مقررہ تاریخوں پر انھیں جاری کیا جاتا ہے۔ تنظیم المدارس سے وابستہ تمام مدارس میں امتحانات کا ایسا ہی نظام قائم ہے۔ہم نے یونیورسٹی کے پروفیسر صاحبان کو دعوت دی تھی کہ وہ اپنے نمائندے بھیجیں جو آکر چیک کریں اور دیکھیں کہ کیا ہمارے امتحانات اسی انداز سے ہو رہے ہیں جس طرح یونیورسٹی میں ہوتے ہیں۔وہ آتے بھی ہیں اور دیکھتے ہیں کہ طلبہ کس طرح امتحان دے رہے ہیں اور رول نمبر کس انداز سے جاری ہوئے ہیں۔انھوں نے دیکھا کہ ہمارے ہاں امتحانات کا بالکل وہی سسٹم رائج ہے جو یونیورسٹیوں اور کالجوں میں ہے۔ہمارے ہاں تعلیم کے مختلف مدارج ہیں مثلاً خاصہ، عالمیہ اور عالیہ۔

مفتی غلام مصطفیٰ رضوی نے دینی طالبات کے امتحانات کا ذکر کیا اور یہاں تک فرمایا کہ طالبات بھی علمی طور پر ترقی کر کے مفتیہ کے درجہ تک پہنچ سکتی ہیں۔اُن کے الفاظ یہ تھے:

ہمارے ہاں طالبات کے بھی بہت اچھے شعبے قائم کیے گئے ہیں۔بچیوں کو ہر میدان میں آگے لانے کے لئے ہمارے ہاں تعلیم کا سلسلہ جاری ہے۔ان کا امتحان بھی تنظیم المکاتب کے تحت ہوتا ہے۔کوئی طالب علم

یا طالبہ کسی مضمون میں رہ جائے تو با قاعدہ سپلی کا امتحان بھی ہوتا ہے۔ بہت منظم طریقے سے یہ کام جاری ہے۔
جیسے مرد مفتی ہوتے ہیں خواتین بھی، اگر علمی لحاظ سے اُن کا معیار بلند ہو تو مفتیہ ہونے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ اگر وہ مدلل فتویٰ لکھیں تو وہ بھی مفتیہ ہوں گی۔

دارالافتاء

اہل سنت (بریلوی) کے ہاں اہم مدارس میں دارالافتاء قائم ہوتے ہیں اس کی وضاحت مولانا مفتی غلام مصطفیٰ رضوی نے ان الفاظ میں کی:

> ہمارے بڑے مدارس میں دارالافتاء ہوتے ہیں۔ ہمارے ہاں جو بھی فتویٰ لکھا جاتا ہے اُس کی ہم فوٹو کاپی کروا کر ریکارڈ میں رکھ لیتے ہیں۔ ہمارے ہاں دیگر مدارس سے تصدیق کیلئے بھی فتاویٰ آتے ہیں۔ بعض سوال کرنے والے ایسے ہوتے ہیں جو ایک ادارے سے فتویٰ لے کر مطمئن نہیں ہوتے، اس صورت میں تصدیق کیلئے پھر بڑے مدارس کے دارالافتاء کو فتویٰ بھجوایا جاتا ہے۔ ہم زیادہ تر شامی اور عالمگیری وغیرہ سے فتویٰ نقل کرتے ہیں۔ یہ کتابیں دراصل کتاب وسنت کا نچوڑ ہیں اگر کوئی فتویٰ کے اثبات کیلئے دلیل مانگے تو پھر قرآن وحدیث کا حوالہ بھی دیا جاسکتا ہے۔ عام طور پر اپنی فقہی کتابوں کے حوالے سے فتویٰ بیان کیا جاتا ہے۔

تحقیقی مقالہ جات

ہمارے اس سوال کے جواب میں کہ کیا آپ کے ہاں دینی طلبہ سے تحقیقی مقالہ جات بھی لکھوائے جاتے ہیں مولانا مفتی غلام مصطفیٰ رضوی نے فرمایا:

> تنظیم المدارس کے آخری امتحان میں ایک مقالہ لکھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ ان میں بعض مقالات چھپ جاتے ہیں اور بعض نہیں چھپتے۔ ہم داخلے کیلئے آنے والے طلبہ سے بھی تحریری امتحان لیتے ہیں تاکہ انھیں پریکٹس ہو اور وہ لکھنے کا طریقہ جانیں۔ اس طرح جب ہمارے طلبہ آخر میں پہنچتے ہیں تو وہ اچھا لکھنے لگتے ہیں۔

رسائل وجرائد

اہل سنت (بریلوی مسلک) سے وابستہ بہت سے رسائل و جرائد شائع ہوتے ہیں۔ بعض رسائل خاص تصوف کے موضوع سے متعلق ہیں۔ بعض رسائل صوفیاء اور مشائخ کے آستانوں اور مراکز کے زیر اہتمام شائع ہوتے ہیں جبکہ بعض دینی مدارس سے وابستہ ہیں۔ جرائد شائع ہوتے اور بند ہوتے رہتے ہیں۔ اس وقت جو رسائل شائع ہو رہے ہیں ان میں سے جن

کی فہرست ہمیں دست یاب ہوسکی ہے یا جنھیں ہم نے خود سے دیکھا ہے اُن کی فہرست ذیل میں پیش کی جا رہی ہے:

۱۔ ماہنامہ سلطان المشائخ لاہور، مدیر: سید عبداللطیف شاہ لطیف چشتی

۲۔ ماہنامہ بصیر، کراچی

۳۔ ماہنامہ سہرورد، لاہور، مدیر: اویس سہروردی

۴۔ ماہنامہ منہاج القرآن، لاہور، (سرپرست ڈاکٹر طاہر القادری)

۵۔ سالنامہ مدینۃ العلم، جامعہ غوثیہ رضویہ، آئی 8/4 اسلام آباد

۶۔ ماہنامہ نور اسلام، شرقپور شریف

۷۔ ماہنامہ رضائے مصطفیٰ، گوجرانوالہ، مدیر: مولانا ابوداؤد محمد صادق

۸۔ الفرید، جامعہ فریدیہ، ساہیوال

۹۔ ماہنامہ فیض، خانقاہ فضلیہ، شیر گڑھ، مدیر، قاضی محمد حمید فضلی

۱۰۔ الطاہر، حیدرآباد، مدیر: حبیب الرحمٰن

۱۱۔ ماہنامہ ماہ طیبہ، کوٹلی لوہاراں، سیالکوٹ، مدیر: ابوالنور محمد بشیر

۱۲۔ ماہنامہ ندائے اہل سنت، راولپنڈی، مدیر: مولانا غلام نبی رضوی

۱۳۔ ماہنامہ السعید، ملتان، مدیر: سید طاہر سعید کاظمی

۱۴۔ ماہنامہ نوید سحر، جامعہ اسلامیہ حنفیہ، مانسہرہ: حافظ عمر فاروق سعیدی

۱۵۔ ماہنامہ روح بلند، لاہور، مدیر: صاحبزادہ امانت رسول

۱۶۔ ماہنامہ ضیائے حرم، بھیرہ، مدیر: محمد رضا الدین صدیقی

۱۷۔ ماہنامہ تاج، کراچی

۱۸۔ ماہنامہ التجوید، فیصل آباد، ڈاکٹر محمد طاہر

۱۹۔ ماہنامہ درویش، لاہور

۲۰۔ ماہنامہ عرفات، لاہور، جامعہ نعیمیہ، زیر سرپرستی: علامہ راغب حسین نعیمی

۲۱۔ ماہنامہ کنز الایمان، لاہور

۲۲۔ ماہنامہ نور الحبیب، بصیر پور، مدیر: صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری

۲۳۔ ماہنامہ الملنگیہ، اوکاڑہ

۲۴۔ ماہنامہ المجلس، کراچی

۲۵۔ ماہنامہ الدعوۃ الی اللہ، لاہور

۲۶۔ ماہنامہ سلسبیل، لاہور

۲۷۔ ماہنامہ سوئے حجاز، لاہور، مدیر: محمد خلیل الرحمٰن قادری

۲۸۔ ماہنامہ احکام القرآن، کھاریاں

۲۹۔ دعوت تنظیم الاسلام، گوجرانوالہ، مدیر: صاحبزادہ رفیق احمد مجددی

۳۰۔ خاتون پاکستان، کراچی

۳۱۔ ماہنامہ پیغام حق، انارکلی، لاہور

۳۲۔ ماہنامہ ندائے اہل سنت، لاہور

۳۳۔ ماہنامہ آوازِ حق، پشاور، مدیر: سید آل آمر پیرزادہ

۳۴۔ ماہنامہ فیضِ عالم، بہاولپور، مدیر: صاحبزادہ عطاء الرسول اویسی

۳۵۔ ماہنامہ معارف رضا، کراچی، مدیر: سید وجاہت رسول قادری

۳۶۔ سیدھا راستہ، لاہور

۳۷۔ النظامیہ، لاہور

۳۸۔ دلیل راہ، راولپنڈی

۳۹۔ اہل سنت، گجرات

۴۰۔ ماہنامہ دختران اسلام، لاہور، چیف ایڈیٹر: قرۃ العین فاطمہ

علمائے کرام

اس رپورٹ میں علمائے کرام کی مکمل فہرست مہیا نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی تمام اہم علماء کے نام یہاں درج کیا جاسکتا ہے۔ ہم نے اپنی رسائی کے مطابق بعض اہم علماء کے نام یہاں پر درج کیے ہیں۔ بعض علماء برصغیر کے تمام اہل سنت مسالک کے نزدیک محترم ہیں لہٰذا چند ناموں کا تکرار تمام اہل سنت مسالک کے علماء کی فہرست میں ہو گیا ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی (۱۷۰۳ء۔۱۷۶۲ء)

مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی (۱۷۴۵ء۔۱۸۲۲ء)

مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۸۱۴ء۔۱۸۸۲ء)

خواجہ شمس الدین سیالوی (۱۷۹۹ء۔۱۸۸۳ء)

مولانا مفتی غلام سرور لاہوری (۱۸۳۷ء۔۱۸۹۰ء)

خواجہ فقیر محمد (چورہ شریف) (وفات ۱۸۹۷ء)

مولانا خواجہ اللہ بخش تونسوی (۱۸۲۶ء۔۱۹۰۱ء)

خواجہ غلام فرید (چاچڑاں شریف) (۱۸۴۵ء۔۱۹۰۱ء)

میاں محمد بخش (کھڑی شریف) (۱۸۳۰ء۔۱۹۰۴ء)

مولانا خواجہ احمد میروی (وفات ۱۹۱۱ء)

مولانا محمد اکبر چشتی بصیر پوری (۱۸۶۲ء۔۱۹۱۷ء)

مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی (۱۸۵۶ء۔۱۹۲۱ء)

میاں شیر محمد شرقپوری (۱۸۶۵ء۔۱۹۲۸ء)

مولانا سید دیدار علی شاہ (۱۸۵۶ء۔۱۹۳۵ء)

پیر مہر علی شاہ گولڑوی (۱۸۵۹ء۔۱۹۳۷ء)

مولانا عبدالمالک کھوڑوی (وفات ۱۹۴۱ء)

مولانا یار محمد بندیالوی (۱۸۸۷ء۔۱۹۴۷ء)

مولانا نور بخش توکلی (۱۸۷۷ء۔۱۹۴۸ء)

مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی (۱۸۸۳ء۔۱۹۴۸ء)

پیر سید جماعت علی شاہ محدث (۱۸۴۱ء۔۱۹۵۱ء)

مولانا پیر سید ظہور شاہ جلالپوری (۱۸۸۸ء۔۱۹۵۳ء)

مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی (۱۹۸۲ء۔۱۹۵۴ء)

مولانا مفتی عطا محمد رتوی (۱۸۸۳ء۔۱۹۵۷ء)

مولانا مفتی غلام جان ہزاروی (۱۸۹۶ء۔۱۹۵۹ء)

پیر امین الحسنات (مانکی شریف) (۱۹۲۳ء۔۱۹۶۰ء)

مولانا حافظ سید احمد سریکوٹی (وفات ۱۹۶۱ء)

مولانا ابوالنور محمد صدیق چشتی بصیر پوری (وفات ۱۹۶۱ء)

مولانا سید غلام مصطفےٰ نوشاہی (۱۸۹۰ء۔۱۹۶۵ء)

پیر سید محمد معصوم شاہ (۱۸۹۸ء۔۱۹۶۹ء)

مولانا عبدالغفور ہزاروی (۱۹۱۰ء۔۱۹۷۰ء)

مولانا محمد عمر اچھروی (۱۹۰۲ء۔۱۹۷۱ء)

مولانا مفتی محمد مظفر احمد دہلوی (۱۹۱۰ء۔۱۹۷۱ء)

مولانا محمد شریف نوری (۱۹۳۵ء۔۱۹۷۲ء)

پیر غلام حیدر علی شاہ جلالپوری (۱۸۳۸ء۔۱۹۰۸ء)

مولانا فقیر محمد جہلمی (۱۸۴۴ء۔۱۹۱۶ء)

مولانا قاضی سلطان محمود آوان شریف (۱۸۴۰ء۔۱۹۱۹ء)

پیر امیر شاہ بھیروی (وفات ۱۹۲۷ء)

خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی (۱۸۸۶ء۔۱۹۲۹ء)

مولانا حافظ عبدالکریم (راولپنڈی) (۱۸۴۸ء۔۱۹۳۶ء)

پیر سید جماعت علی شاہ لاثانی (۱۸۶۰ء۔۱۹۳۹ء)

خواجہ محمد قاسم موہڑوی (وفات ۱۹۴۳ء)

مولانا محمود (پپلاں) (۱۸۶۵ء۔۱۹۴۸ء)

مولانا مفتی امجد علی (۱۸۷۹ء۔۱۹۴۸ء)

مولانا غلام محمد گھوٹوی (۱۸۸۶ء۔۱۹۴۸ء)

مولانا محمد شریف (کوٹلی لوہاراں) (وفات ۱۹۵۱ء)

مولانا امام الدین نقشبندی (۱۸۷۶۔۱۹۵۴)

مولانا مہر محمد اچھروی (۱۸۹۶ء۔۱۹۵۴ء)

مولانا غلام مجدد سرہندی (۱۸۸۳ء۔۱۹۵۷ء)

پیر عبدالرحمٰن، بھرچونڈی شریف (۱۸۹۲ء۔۱۹۶۰ء)

مولانا مفتی محمد امین الدین بدایونی (۱۹۱۴ء۔۱۹۶۱ء)

مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری (۱۸۹۶ء۔۱۹۶۱ء)

مولانا محمد سردار احمد چشتی لائلپوری (۱۹۰۴ء۔۱۹۶۲ء)

مولانا مفتی محمد عمر نعیمی (۱۸۹۳ء۔۱۹۶۶ء)

مولانا عبدالحامد بدایونی (۱۹۰۰ء۔۱۹۷۰ء)

مولانا سید ولایت شاہ گجراتی (۱۸۸۸ء۔۱۹۷۱ء)

مولانا مفتی احمد یار خاں نعیمی (۱۹۰۶ء۔۱۹۷۱ء)

مولانا مفتی غلام معین الدین نعیمی (۱۹۲۳ء۔۱۹۷۱ء)

مولانا سید حامد جلالی (۱۹۰۴ء۔۱۹۷۳ء)

خواجہ سید غلام محی الدین گولڑوی (۱۸۹۱ء۔۱۹۷۴ء)

مولانا محمد عبداللہ جھنگوی (۱۹۲۱ء۔۱۹۷۴ء)

مولانا محمد اللہ بخش (واں بھچراں) (۱۹۲۹ء۔۱۹۷۴ء)

پیر غلام محی الدین، نیریاں شریف (۱۹۰۲ء۔۱۹۷۵ء)

مولانا محبّ النبی کمبلپوری (۱۸۹۷ء۔۱۹۷۶ء)

مولانا مفتی سید ابوالبرکات (۱۹۰۱ء۔۱۹۷۸ء)

مولانا نوراللہ نعیمی بصیر پوری (۱۹۱۴ء۔۱۹۸۳ء)

مولانا پیر کرم شاہ الازہری (۱۹۱۸ء۔۱۹۹۸ء)

مولانا مفتی محمد حسین نعیمی (۱۹۳۳ء۔۱۹۹۸ء)

مولانا شاہ احمد نورانی (۱۹۲۵ء۔۲۰۰۳ء)

مولانا مفتی ڈاکٹر سرفراز احمد نعیمی (۱۹۴۸ء۔۲۰۰۹ء)

مولانا سید احمد سعید کاظمی (ولادت ۱۹۱۳ء)

مولانا عبدالستار نیازی

مولانا مفتی عبدالقیوم ہزاروی

مولانا سید محمود احمد رضوی

مولانا منتخب الحق قادری

عصر حاضر کے علماء

مولانا ابوالخیر محمد زبیر

مولانا ابوداؤد صادق (گوجرانوالہ)

سید احسان الحق شاہ

مولانا احمد رضا رضوی

مولانا احمد منیر نورانی

مولانا سید ارشد سعید کاظمی

مولانا الطاف محی الدین

مولانا شاہ تراب الحق

مولانا جان محمد نعیمی

مولانا جی اے حق محمد

مولانا حبیب احمد نقشبندی

مولانا حسین الدین شاہ

مولانا صاحبزادہ حمید الدین برکتی

مولانا ڈاکٹر راغب حسین نعیمی

مولانا سید ریاض حسین شاہ

مولانا ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمٰن

مولانا صابر نورانی

مولانا ڈاکٹر صدیق علی چشتی

مولانا حافظ ضیاء الحق ہزاروی

مولانا ضیاء اللہ

مولانا سید ظفر علی شاہ

مولانا صاحبزادہ عبدالمالک

مولانا عبدالرزاق، بتھرالوی

مولانا مفتی میر عبداللہ

مولانا مفتی عبدالعلیم سیالوی (لاہور)

مولانا عبدالمصطفیٰ ہزاروی

مولانا مفتی عرفان حفیظ مدنی

مولانا صاحبزادہ عطاء المصطفیٰ نوری

مولانا سید عظمت علی شاہ

مولانا عمر فاروق سعیدی

مولانا عون محمد سعیدی
مولانا غلام رسول سعیدی
مولانا غلام سرور ہزاروی
مولانا غلام محمد سیالوی
مولانا غلام مصطفیٰ رضوی
مولانا فضل جمیل رضوی
مولانا صاحبزادہ فضل کریم
مولانا فیض احمد اویسی
مولانا گل رضا عطاری المدنی
مولانا گلزار احمد نعیمی، اسلام آباد
مولانا محبوب حیات قادری
مولانا سید محفوظ الحق مشہدی
مولانا مفتی محمد ابراہیم
مولانا سید محمد اجمل شاہ گیلانی
مولانا قاضی محمد احسان اللہ
مولانا محمد اسحاق ظفر
مولانا ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی
مولانا محمد اشرف سیالوی (سرگودھا)
مولانا محمد الطاف حسین
مولانا محمد الیاس
مولانا صاحبزادہ بدر الزمان قادری، لاہور
مولانا محمد بشیر (استور)
مولانا مفتی محمد جمیل نعیمی
مولانا محمد حیات قادری
مولانا مفتی محمد خان قادری
مولانا محمد ذوالفقار المدنی العطاری
مولانا مفتی محمد رحیم سکندری
مولانا صاحبزادہ محمد ریحان امجد نعمانی
مولانا محمد شریف رضوی بھکر
مولانا محمد شعبان
مولانا محمد صدیق ہزاروی
مولانا ڈاکٹر محمد طاہر القادری
مولانا محمد ظاہر شاہ قادری
مولانا محمد ظفر عطاری
مولانا حافظ محمد عبدالستار سعیدی
مولانا محمد محب اللہ نوری
مولانا محمد وزیر القادری
مولانا صاحبزادہ مظہر فرید
مولانا مفتی منیب الرحمٰن
مولانا نذیر احمد
مولانا سید نذیر حسین شاہ
مولانا نور الحق قادری
مولانا سید وجاہت حسین گردیزی
مولانا مفتی ہدایت اللہ پسروری

علمائے مرحومین کے اسماء ان کے سال وفات کے تقدم و تأخر کے حساب سے لکھے گئے ہیں۔ جن مرحومین کے سالہائے وفات دستیاب نہیں ہو سکے انھیں حروف تہجی کی ترتیب سے لکھا گیا ہے۔ جو علمائے کرام بقید حیات ہیں ان کے اسماء بھی حروف ابجد کی ترتیب سے لکھے گئے ہیں۔ ان اسماء کے لیے ہم نے بیشتر مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری کی کتاب

''تذکرہ اکابر اہل سنت'' سے استفادہ کیا ہے جسے نوری کتب خانہ لاہور نے ۲۰۰۵ء میں شائع کیا ہے۔ علاوہ ازیں اس فہرست کی تیاری میں مولانا مفتی محمد صدیق ہزاروی، مولانا مفتی گلزار احمد نعیمی اور دیگر علمائے کرام سے مدد لی گئی ہے۔

چند اہم کتب

تفسیر/علوم قرآن

تفسیر منہاج القرآن، ڈاکٹر علامہ طاہر القادری

عرفان القرآن، ڈاکٹر علامہ طاہر القادری

تبیان القرآن، علامہ غلام رسول سعیدی

نجوم الفرقان، علامہ مفتی عبدالرزاق بھترالوی

التبیان، علامہ احمد سعید کاظمی

کنزالایمان، مولانا احمد رضا خان بریلوی

تفسیر ضیاء القرآن، مولانا پیر سید کرم شاہ الازہری

تمہید القرآن مع حسام الحرمین، مولانا احمد زعفران بریلوی

عجائب القرآن وغرائب القرآن، مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی

ضیاء القرآن، مولانا سید محمد بن علوی المالکی

حدیث وعلوم حدیث

سنت خیر الانعام، پیر کرم شاہ الازہری

تذکرۃ المحدثین، علامہ غلام رسول سعیدی

شرح صحیح مسلم، علامہ غلام رسول سعیدی

نعمت الباری، علامہ غلام رسول سعیدی

شرح مؤطا امام محمد، مولانا محمد علی

ترجمہ شرح معانی الآثار، علامہ محمد صدیق ہزاروی

شرح بخاری، سید غلام محمود رضوی

ترجمہ اشعۃ اللمعات، مولانا سعید احمد نقشبندی

تفہیم المسائل، مفتی منیب الرحمٰن

جامع الحدیث، مولانا احمد رضا خان بریلوی

مراۃ شرح مشکاۃ، مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی

فتوحات جہانگیری شرح صحیح بخاری، مولانا محمد محی الدین جہانگیر

الموطا امام مالک، مولانا محمد محی الدین جہانگیر

انوار الحدیث، مولانا جلال الدین احمد امجدی

امام اعظم اور علم حدیث، مولانا محمد ابراہیم چشتی

سیرت نبویؐ

سیرت الرسول، علامہ ڈاکٹر طاہر القادری

ضیاء النبیؐ، پیر کرم الازہری

مدارج النبوۃ، مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی

سیرت مصطفیٰ جان رحمت، مولانا محمد رضا خان بریلوی

سیرت رحمت للعالمین، مولانا محمد نعیم اللہ خان

سیرت مصطفیٰ، مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی

سیرت رسول عربی، مولانا رسول بخش توکلی

سیرت نبویہ، مترجم مولانا صائم چشتی

اسوہ رسول اکرمؐ، ڈاکٹر عبدالحی عارفی

حیات النبیؐ، علامہ ڈاکٹر طاہر القادری

احکام/فقہ

فتاویٰ عزیزیہ، مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

فتاویٰ صدر الافاضل، مولانا نعیم الدین مرادآبادی

فتاویٰ رضویہ، مولانا احمد رضا خان بریلوی

احکام شریعت، مولانا احمد رضا خان بریلوی

فتاویٰ اجملیہ، مولانا مفتی شاہ محمد اجمل قادری رضوی

فتاویٰ فقیہ ملت، مولانا مفتی جلال الدین احمد امجدی

فتاویٰ بریلی شریف، مولانا محمد عبدالرحیم نشتر فاروقی/مولانا محمد یونس رضا اویسی

فتاویٰ مصطفویہ، مولانا مصطفیٰ رضا خان

فتاویٰ فیض رسول، مولانا مفتی جلال الدین احمد امجدی

فتاویٰ یورپ، مفتی عبدالواجد قادری

حبیب الفتاویٰ، مفتی محمد حبیب اشرفی نعیمی

فتاویٰ ملک العلماء، مولانا شاہ محمد ظفر الدین بہاری

فتاوی نذیریہ، مفتی محمد اسحاق نذیری

ذکر بالجہر، علامہ غلام رسول سعیدی

توضیح البیان، علامہ غلام رسول سعیدی

عقائد

تکمیل الایمان، مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی

فیصلہ ہفت مسئلہ، توضیحات وتشریحات، مفتی محمد خلیل خان برکاتی

جاء الحق، مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی

الحق المبین، مولانا سید احمد سعید کاظمی

قوالی کی شرعی حیثیت، مولانا عطا محمد بندیالوی

بہار شریعت، مولانا محمد امجد علی

العقائد والمسائل، مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی

الصوارم الہندیہ، مولانا حشمت علی خاں

حق پر کون؟، مولانا محمد ظفر عطاری

کتاب التوحید، علامہ ڈاکٹر طاہر القادری

ایمان بالرسالت، علامہ ڈاکٹر طاہر القادری

معمولات اہل سنت، مفتی محمد گل رحمٰن قادری

توضیح العقائد، مولانا محمد شاہ رکن الدین

گیارھویں شریف، مولانا صائم چشتی

القول الصواب فی مسئلہ ایصال ثواب، مولانا محمد ارشد مسعود اشرف چشتی

تعلیم غوثیہ، محمد عبدالستار طاہر مسعودی

مسئلہ تقلید کی شرعی حیثیت، مولانا محمد ابراہیم چشتی

من عقائد اہل السنۃ (عربی)، مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری

سوانح/شخصیات/تذکرے

امام ابوحنیفہ: امام الائمہ فی الحدیث، علامہ ڈاکٹر طاہر القادری

تذکرۃ الانبیاء، مولانا ناصر حسین عطاری

سیرت فاطمۃ الزہراؓ، محمد بلال قادری

خاتون جنت، مولانا صائم چشتی

اخبار الاخیار، مولانا عبدالحق محدث دہلوی

بارہ امام، مولانا عبدالرحمن جامی

امام اعظم، تصنیف ابوزہرہ مصری، ترجمہ علامہ وارث علی نعیمی

تذکرہ اولیاء برصغیر، مولانا محمد اختر دہلوی

تذکرہ اولیاء، شیخ فریدالدین عطار

تذکرہ اولیاء پاک وہند، ڈاکٹر ظہور الحسن شارب

شاہ است حسینؓ، مولانا ظفر جبار چشتی اشرفی

فضائل صحابہ واہل بیتؑ، مولانا محمد علی حسین البکری

ایمان ابوطالبؓ، مولانا صائم چشتی

خصائص علیؓ، مولانا صائم چشتی

کرامات اہل بیتؑ، محمد توصیف حیدر چشتی

تذکرہ علمائے اہل سنت، مولانا پیرزادہ اقبال احمد فاروقی

تذکرہ مشائخ سرحد، امیر شاہ قادری

صوفیاء نقشبند، حکیم سید امین الدین

شہید ابن شہید، مولانا صائم چشتی

تاریخ مشائخ چشت، پروفیسر خلیق احمد نظامی

تذکرہ علمائے ہند، مولانا رحمٰن علی، (مترجم)

تذکرہ اولیائے چشت، مولانا سلطان احمد فاروقی

شریف التواریخ، مولانا شریف احمد شرافت نوشاہی

اذکارِ نوشاہیہ، مولانا شریف احمد شرافت نوشاہی

جمالِ نقشبند، صلاح الدین نقشبندی

حیاتِ اعلیٰ حضرت، مولانا ظفرالدین بہاری

بزرگانِ لاہور، مولانا غلام دستگیر نامی

حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ، محمد حسن نقشبندی

اکابر تحریک پاکستان، محمد صادق قصوری

تاریخ اولیائے چشت لاہور، محمد دین کلیم

تذکرہ علماء اہل سنت، مولانا محمد احمد قادری

الدرۃ البیضاء: فی مناقب فاطمۃ الزہراؑ، علامہ ڈاکٹر طاہر القادری

مرج البحرین فی مناقب الحسنین، علامہ ڈاکٹر طاہر القادری

القول الوثیق فی مناقب الصدیق، علامہ ڈاکٹر طاہر القادری

متفرقات

کشف المحجوب، حضرت علی ابن عثمان ہجویری، ترجمہ مفتی غلام معین الدین نعیمی

احیاء علوم الدین، ترجمہ مولانا محمد صدیق ہزاروی

غنیہ الطالبین، ترجمہ مولانا محمد صدیق ہزاروی

رسالہ قشیریہ، ترجمہ مولانا محمد صدیق ہزادوری

مکتوبات امام ربانی، ترجمہ: مولانا محمد سعید نقشبندی

تصفیہ مابین سنی وشیعہ، پیر سید مہر علی گولڑوی
تحفہ اثنیٰ عشریہ، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی
دہشت گردی اور فتنہ خوارج، مولانا ڈاکٹر محمد طاہر القادری

اشاعتی ادارے

اہل سنت (بریلوی) کے بہت سے اشاعتی ادارے ملک کے مختلف شہروں میں مصروف کار ہیں۔ان میں سے بعض بہت اہم ہیں اور انھوں نے بہت سی کتب شائع کی ہیں۔ہم ذیل میں چند ایک کے نام ذکر کر رہے ہیں:

ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور و کراچی
مکتبہ نبویہ، لاہور
مکتبہ حامدیہ، لاہور
فرید بک سٹال، لاہور
پروگریسو بکس، لاہور
مکتبہ ضیائیہ، راولپنڈی
مکتبہ نوریہ، لاہور
مکتبہ اعلیٰ حضرت، لاہور
شبیر برادرز، اردو بازار، لاہور
مکتبہ درگاہ عالیہ گولڑہ شریف، اسلام آباد
نوری کتب خانہ، ریلوے اسٹیشن، لاہور
نوری بک ڈپو، دربار مارکیٹ، لاہور
مکتبہ قادریہ، لاہور
اسلامک بک کارپوریشن، کمیٹی چوک، راولپنڈی
ضیاء العلوم پبلیکیشن، صدر، راولپنڈی
نفیس قرآن کمپنی، اردو بازار، لاہور
احمد رضا بریلوی کتب خانہ، کراچی
مکتبہ غوثیہ، یونیورسٹی روڈ، کراچی
احمد بک کارپوریشن، کمیٹی چوک، راولپنڈی
مکتبہ نوریہ رضویہ، گلبرگ، فیصل آباد
نوریہ رضویہ پبلی کیشنز، داتا گنج بخش روڈ، لاہور
حسیب پبلشنگ ہاؤس، اردو بازار، لاہور
ادارہ پیغام القرآن، اردو بازار، لاہور
اکبر بک سیلرز، اردو بازار، لاہور
منہاج القرآن پبلی کیشنز، ماڈل ٹاؤن، لاہور
مکتبہ جمالِ کرم، دربار مارکیٹ، لاہور
مکتبۃ المجاہد، بھیرہ، سرگودھا
اسلامی کتب خانہ، سیالکوٹ
مکتبہ رضویہ گجرات
مکتبہ نعمانیہ، سیالکوٹ
مکتبہ فریدیہ، جناح روڈ، ساہیوال
رومی پبلی کیشنز، لاہور
مکتبہ باب العلم، لاہور
مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور
مکتبہ رضویہ، کراچی

دیوبندی

ابتدائی کلمات

اہل سنت (دیوبندی) علمائے کرام سے ملاقاتوں کا سلسلہ مولانا حافظ محمد ظفر اللہ شفیق سے ۱۷ اگست ۲۰۰۹ء کو ہونے والی ملاقات سے شروع ہوا۔ آپ جامع مسجد خالد، کیولری گراؤنڈ، لاہور کے امام و خطیب، ایچی سن کالج لاہور میں صدر شعبۂ اسلامیات اور متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ جامعہ اشرفیہ لاہور کے افاضل میں سے ہیں۔ ابتدائی طور پر دیوبندی مسلک کے حوالے سے اپنے مطالعات کے بعد جو مسودہ راقم نے تیار کیا تھا، انھوں نے اِس کا تفصیلی جائزہ لے کر اپنی آراء کے ساتھ مسودہ راقم کے سپرد کیا۔ نیز انھوں نے مختلف علماء سے ملاقات کا مشورہ دیا اور بعض کتابوں کے مطالعے کی بھی تاکید کی۔

سینٹر مولانا محمد خان شیرانی سے پارلیمنٹ لاجز میں نومبر ۲۰۰۹ء میں متعدد ملاقاتیں ہوئیں۔ ان سے اس پراجیکٹ کے حوالے سے ایک انٹرویو کیا گیا اور دیوبندی مسلک کے بارے میں عقائد وغیرہ پر مشتمل مسودہ ان کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ انٹرویو جوان کی اجازت سے ریکارڈ کیا گیا تھا، کاغذات پر منتقل کرنے کے بعد مطالعے کے لئے ان کے حوالے کیا گیا، جس کی انھوں نے تائید فرمائی۔ مولانا محمد خان شیرانی نے تمام امور میں مکمل تعاون کیا اور مسلسل راہنمائی کی۔

۱۰ جنوری ۲۰۱۰ء کو دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، ضلع نوشہرہ میں شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق سے ملاقات کی گئی۔ انھیں پراجیکٹ کا تعارف کروایا گیا۔ انھوں نے تعاون کا وعدہ کیا۔ اِس موقع پر انھوں نے اس پراجیکٹ کو مسلمانوں کے مختلف مسالک کے مابین، ہم آہنگی کے لئے مفید قرار دیا نیز اس ہم آہنگی کے حصول کے لیے اپنی طویل کوششوں کا خلاصہ بھی بیان کیا۔ اس ملاقات کے موقع پر ان کے صاحبزادے مولانا راشد الحق بھی موجود تھے، بلکہ اس ملاقات کا اہتمام انہی نے کیا تھا۔ آپ بھی دارالعلوم حقانیہ میں مدرس ہیں۔ اس موقع پر مولانا انوار الحق سے بھی ملاقات کی گئی۔ آپ بزرگ عالم دین اور مولانا سمیع الحق کے بھائی ہیں۔ مولانا انوار الحق کا اس موقع پر انٹرویو کیا گیا، جس کے مطالب اس باب میں موجود ہیں۔ مولانا سمیع الحق سے بعد ازاں متعدد مرتبہ رابطے کی کوشش کی گئی لیکن ان سے مزید استفادہ نہ کیا جا سکا۔ البتہ انھوں نے اس موقع پر اپنی چند کتب عنایت کی تھیں، جن سے چند مطالب اس باب کے لئے اخذ کیے گئے ہیں۔

اسی روز جامعہ عثمانیہ کے سربراہ جناب مولانا مفتی غلام الرحمٰن سے بھی اُن کے نئے کیمپس واقع پبی میں ملاقات کی گئی۔ ان کے ہمراہ مولانا حسین احمد بھی موجود تھے۔ ان سے پراجیکٹ کا تعارف کروایا گیا تو انھوں نے راقم کے چند سوالات کے جوابات

دیے اور آئندہ اس سلسلے میں تعاون کا وعدہ کیا۔

۱۲ جنوری ۲۰۱۰ء کو ملتان میں مولانا محمد ازہر سے ایک ملاقات ہوئی۔ آپ خیر المدارس میں مدرس ہیں اور وہاں سے شائع ہونے والے ماہنامہ الخیر کے مدیر ہیں۔ متعدد مسائل پر ان سے مشورہ کیا گیا۔

مولانا مفتی غلام الرحمٰن سے پشاور میں ان کے مدرسے میں ایک اور ملاقات کی گئی اور زیرِ نظر رپورٹ کے لئے ان سے ایک تفصیلی انٹرویو کیا گیا، جسے ان کی اجازت سے ریکارڈ کرلیا گیا۔

اس رپورٹ میں ان تمام علماء کے انٹرویوز اور راہنمائی سے استفادہ کیا گیا ہے۔ مذکورہ علماء نے کمال شفقت اور مہربانی کا مظاہرہ کیا۔

اس باب کی تکمیل کے بعد ہم نے اس کے تمام ترحصے جناب مولانا سینٹر محمد خان شیرانی، جناب مولانا حسین احمد، جناب مولانا مفتی غلام الرحمٰن اور جناب مولانا حافظ ظفر اللہ شفیق کی خدمت میں ای میل کر دیے۔ جناب مولانا حافظ ظفر اللہ شفیق نے پورے باب پر نظر ثانی فرمائی اور اس میں موجود اغلاط کی نشاندہی کی جس کی روشنی میں غلطیوں کی اصلاح کی گئی۔ بعد ازاں انھوں نے چند مطالب ٹیلیفون پر لکھوائے جنھیں اس باب میں شامل کرلیا گیا ہے۔ جناب مولانا سینٹر محمد خان شیرانی سے ۳۱ مئی ۲۰۱۰ کی صبح کو پارلیمنٹ لاجز اسلام آباد میں ان کی رہائش گاہ پر ملاقات کی گئی۔ وہ اس باب کا مطالعہ فرما چکے تھے انھوں نے بعض مطالب کی اصلاح فرمائی جسے اس باب میں شامل کرلیا گیا ہے۔ جامعہ عثمانیہ کے جناب مولانا حسین احمد نے ہماری درخواست پر مدارس اور کتب کی فہرست کی تکمیل میں معاونت فرمائی۔ جناب مفتی غلام الرحمٰن نے چند مطالب کی اصلاح فرمائی، جسے موجود باب میں اُن کے اصلاح شدہ مطالب شامل کیے گئے ہیں۔ یہ تمام علماء کرام ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔

تعارفی امور

جیسا کہ دیوبندی مسلک کے عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند اس مسلک کی تاسیس یا تشریح میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ دیوبندی مسلک کے تمام علماء اور قائدین اپنی فکری اور عقیدتی نسبت دارالعلوم دیوبند ہی سے قرار دیتے ہیں، لہٰذا ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ دارالعلوم دیوبند کے قیام اور اس کی تشکیل کے پس منظر سے اپنی گفتگو کا آغاز کریں۔ اس مقصد کے لیے ہم نے تاریخی اور مسلکی بنیادوں کو بیان کرنے کے لیے دارالعلوم دیوبند بھارت کی طرف سے شائع کی گئی کتاب ''دستور اساسی'' کے چند مندرجات سے استفادہ کیا ہے۔ یہ مندرجات دارالعلوم دیوبند کی ویب سائٹ پر موجود ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کا قیام اور پس منظر

۱۸۵۷ء میں پورے ملک میں آزادی کی جنگ لڑی گئی مگر اس جنگ میں ناکامی ہوئی جس کے بعد ہندوستان پر ظلم وستم اور وحشت و بربریت کا دور شروع ہوگیا۔ انگریزی مظالم کی خوں چکاں داستان اور روح فرسا واقعات سن کر کلیجہ منہ کو آجاتا ہے اور کیوں نہ آئے کہ انسانی اخلاق واقدار سے عاری انگریزوں کا اصل نشانہ مسلمان ہی تھے کیونکہ حکومت [انھوں نے] مسلمان ہی سے چھینی تھی اور اسے ان سے ہی انتہا پسندی کا شکوہ تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے قبل انگلستان کے گورنر جنرل نے یہ اعلان کردیا تھا کہ ہمارے اصل مخالف مسلمان ہیں۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء کی جنگ میں ناکامی کے بعد انگریزوں نے جی بھر کر بدلہ لیا اور علماء، شعراء، ادیبوں اور رہنماؤں پر قتل وغارت گری کا بازار گرم کردیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے نابغۂ روزگار فرزندوں کے ساتھ بہت ہی ظالمانہ برتاؤ کیا گیا جسے لکھتے ہوئے مورخین کا قلم لرز اٹھتا ہے، گویا ۱۸۵۷ء کی جنگ اپنے جلو میں درندگی کا نہ رکنے والا سیلاب اور مصائب ومظالم کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ لے کر وقوع پذیر ہوئی۔ تحریک ولی اللّٰھی کے علمبرداروں نے چونکہ انگریزوں کے خلاف کھل کر اعلان جہاد کردیا تھا اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا، سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے نامور خلفا حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ وغیرہ نے ایک اسلامی فوجی یونٹ قائم کرکے انگریزوں کے خلاف

شاملی، تھانہ بھون اور کیرانہ وغیرہ میں میدان کارزارگرم کیا تھا۔ حضرت امداد اللہ صاحب امیر المومنین، حافظ ضامن صاحب امیر جہاد، مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ امیر الافواج (کمانڈر انچیف)، مولانا منیر صاحب، حضرت نانوتوی کے فوجی سیکرٹری، مولانا رشید احمد گنگوہی وزیر لام بندی اور سید حسن عسکری قلعہ معلیٰ میں سیاسی نمائندگی کے لیے منتخب ہو کر سرگرم عمل تھے، اس لیے ان لوگوں کو انگریزوں کے ظلم وستم کا تختہ مشق بننا یقینی تھا۔

انگریز اپنے ناپاک عزائم کے تحت رفتہ رفتہ ہندوستان کی سیاسی، تعلیمی اور انتظامی معاملات میں مداخلت کرنے لگے تھے، اس غرض سے جگہ جگہ بائبل سوسائٹیاں قائم کی گئیں، انجیل کا ترجمہ ملک کی تمام زبانوں میں کیا گیا اور پوری قوت کے ساتھ عیسائیت کی تبلیغ شروع ہوگئی، ایسٹ انڈیا کمپنی کی اسکیم یہ تھی کہ ہندوستان کے بسنے والوں بالخصوص مسلمانوں کو جاہل اور مفلس بنا کر رکھا جائے جس کے لیے طرح طرح کے جائز وناجائز ذرائع اختیار کیے جاتے تھے، اس راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ مسلمانوں کے علوم اور ان کا مذہبی شغف تھا، اس کے لیے ۱۲۵۱ھ مطابق ۱۸۳۸ء کا تعلیمی نظام مرتب کیا گیا جس کی روح لارڈ میکالے کے نزدیک یہ تھی کہ: ''ایک ایسی جماعت تیار کی جائے جو رنگ ونسل کے لحاظ سے تو ہندوستانی ہو مگر فکر وعمل کے لحاظ سے عیسائیت کے سانچے میں ڈھلی ہو'' انگریزی تہذیب کا یہ حربہ مسلمانوں کی مذہبی زندگی، قومی روایات اور علوم وفنون کے لیے سخت تباہ کن تھا، جس کو قبول کرنے کے لیے وہ کسی طرح تیار نہ ہوسکتے تھے اور ابھی تک وہ اپنی مذہبی زندگی اور قومی شعور کو برقرار رکھنے کا کوئی حل نہ سوچ سکے تھے کہ اسی دوران ۱۸۵۷ء کا جنگی ہنگامہ پیش آگیا جس کی بے پناہ تباہ کاریوں اور ہولناکیوں نے دلوں کو ہیبت زدہ، دماغوں کو ماؤف اور روحوں کو پژمردہ کردیا، پوری قوم پر جمود، بے حسی اور مایوسی کی گھٹائیں چھاگئیں، ہندوستان میں مسلمانوں کی چھ سو سالہ تاریخ میں یہ سب سے زیادہ بھیانک، نازک اور خطرناک وقت تھا، اس پس منظر میں جب کہ انگریزوں کی تمام کوشش وکاوش جو مسلمانوں کے علمی وتہذیبی تشخص کو ملیا میٹ کرنے اور سیادت وقیادت سے محروم کرنے کے لیے ہورہی تھی حضرت نانوتویؒ، حاجی عابد حسینؒ اور آپ کے رفقائے کار نے انگریزوں کو اپنے ناپاک عزائم میں ناکام بنانے اور مسلمانوں کی مرکزیت بحال کرنے کے لیے ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء کو جمعرات کے دن مسجد چھتہ میں انار کے درخت کے نیچے ایک مدرسہ اسلامی عربی (دار العلوم دیوبند) قائم کیا جس کی اصلیت جنگ آزادی کے لیے ایک فوجی چھاؤنی کی تھی جس پر تعلیم کا سنہرا غلاف ڈال دیا تھا۔(۱)

جمعیت علمائے ہند کا قیام

پہلی جنگ عظیم کے بعد ۱۹۱۹ء میں کئی ہم خیال سیاسی گروپوں سے مل کر علمائے دیوبند نے جمعیت علمائے ہند کے نام سے ایک تنظیم قائم کردی۔ سیاسی میدان میں آل انڈیا نیشنل کانگریس کی حلیف جماعت تھی کیونکہ کانگریس اور جمعیت علمائے ہند انگریز کو اپنا اولین دشمن سمجھتے تھے انگریز کے ساتھ ان کی یہی مشترکہ دشمنی ان کے اشتراک کا سبب بنی۔

قیام پاکستان اور دیوبند

دوسری جنگ عظیم کے بعد جب پاکستان بننے کے آثار نمایاں ہونے لگے تو معدودے چند علمائے دیوبند نے آل انڈیا مسلم لیگ کے سیاسی موقف کو درست تسلیم کیا۔ انہی علمائے دیوبند نے ایک تنظیم ''جمعیت علماء اسلام'' کے نام سے قائم کردی۔ اس تنظیم نے کھل کر قیام پاکستان کی حمایت کی۔ ان علمائے جمہور میں مولانا اشرف علی تھانوی صاحب اور مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب کے اسمائے مبارک قابل ذکر ہیں۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ آزادی ملنے کے بعد مشرقی پاکستان میں علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب اور مغربی پاکستان میں شبیر احمد عثمانی صاحب کو پہلی بار پاکستان کا جھنڈا لہرانے کا اعزاز حاصل ہوا۔ (۲)

دیوبندی مسلک کی بنیادیں

ا۔ علم شریعت: جس میں اعتقادات، عبادات، معاملات وغیرہ کی سب انواع داخل ہیں جن کا حاصل ایمان اور اسلام ہے، بشرطیکہ یہ علم سلف کے اقوال وتعامل کے دائرے میں محدود رہ کر ان مستند علمائے دین اور مربیان قلوب کی تعلیم وتربیت اور فیضان صحبت سے حاصل شدہ ہو، جن کے ظاہر وباطن، علم وعمل اور فہم وذوق کا سلسلہ سند متصل کے ساتھ حضرت صاحب شریعت علیہ افضل الصلوات والتحیات تک مسلسل پہنچا ہوا ہو، خودرائی یا محض کتب بینی اور دقت مطالعہ یا محض عقلی تگ وتاز اور ذہنی کاوش کا نتیجہ نہ ہو کہ وہ عقلی پیرایۂ بیان اور استدلالی حجت وبرہان سے خالی بھی نہ ہو کہ اس علم کے بغیر حق وناحق، حلال وحرام، جائز وناجائز، سنت وبدعت اور مکروہ ومندوب میں امتیاز ممکن نہیں اور نہ ہی اس کے بغیر دین میں خود رو تخیلات، فلسفیانہ نظریات اور مبصرانہ توہمات سے

نجات ممکن ہے۔(۳)

۲۔ پیرویٔ طریقت: یعنی محققین صوفیہ کے سلاسل اور اصول مجربہ کے تحت (جو کتاب وسنت سے ماخوذ ہیں) تہذیب اخلاق، تزکیۂ نفس اور سلوک باطن کی تکمیل، کہ اس کے بغیر اعتدال اخلاق، استقامت ذوق و وجدان، باطنی بصیرت، ذہنی پاکیزگی اور مشاہدۂ حقیقت ممکن نہیں۔ظاہر ہے کہ یہ شعبہ اسلام وایمان کے ساتھ احسان سے متعلق ہے۔(۴)

۳۔ اتباع سنت: یعنی زندگی کے ہر شعبہ میں سنت نبویؐ کی پیروی اور ہر حال وقال اور ہر کیفیت ظاہر وباطن میں ادب شریعت برقرار رکھ کر سنت مستمرہ کا غلبہ، کہ اس کے بغیر رسوم جہالت، رواجی بدعات ومنکرات اور باوجود احوال باطن کے فقدان کے محض رسمی طور پر اہل حال کے وجدی شطحیات وکلمات کی نقالی یا انھیں شریعت کے متوازی ایک مستقل قانون عام کی صورت دیے جانے کی بلا سے نجات ممکن نہیں۔(۵)

۴۔ فقہی حنفیت: اسلامی فرعیات اور اجتہادت کا نام فقہ ہے اور اکابر دارالعلوم چونکہ عامۂ حنفی ہیں اس لئے فقہی حنفیت کے معنیٰ اجتہادی فرعیات میں فقہ حنفی کا اتباع اور مسائل وفتاویٰ کی تخریج میں اسی اصول تفقہ کی پیروی کے ہیں کہ اس کے بغیر استنباطی مسائل میں ہوائے نفس سے بچاؤ اور تلفیق کے راستے سے مختلف فقہوں میں تلون کے ساتھ دائر سائر رہ کر عوام کی حسب خواہش، نفس مسائل میں قطع وبرید یا ہنگامی حالات کی مرعوبیت سے ذہنی قیاس آرائی ولاعلمی کے ساتھ مسائل میں جاہلانہ تصرفات اور اختراعات سے اجتناب ممکن نہیں، ظاہر ہے کہ یہ شعبہ اسلام سے متعلق ہے۔(۶)

۵۔ کلامی ماتریدیت: یعنی اعتقادات میں فکر صحیح کے ساتھ طریق اہل سنت والجماعت اور اشاعرہ ماتریدیہ کے تنقیح کردہ مفہومات اور مرتب کردہ اصول وقواعد پر عقائد حقہ کا استحکام اور قوت یقین کی برقراری کہ اس کے بغیر زائغین کی شک اندازیوں اور فرق باطلہ کے قیاسی اختراعات اور اوہام و شبہات سے بچاؤ ممکن نہیں، ظاہر ہے کہ یہ شعبہ ایمان سے متعلق ہے۔(۷)

۶۔ ذوق قاسمیت ورشیدیت: پھر یہی پورا مسلک اپنی مجموعی شان سے جب دارالعلوم دیوبند کے

مربیانِ اول اور نبض شناسانِ امت حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی رحمہما اللہ کے روح وقلب سے گزر کر نمایاں ہوا تو اس نے وقت کے تقاضوں کو اپنے اندر سمیٹ کر ایک خاص ذوق اور خاص رنگ کی صورت اختیار کر لی جسے مشرب کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، چنانچہ دستورِ اساسی دارالعلوم دیوبند منظور شدہ شعبان ۱۳۶۸ھ میں اس حقیقت کو بایں الفاظ کہا گیا ہے کہ ''دارالعلوم دیوبند کا مسلک اہل السنّت والجماعت حنفی مذہب اور اس کے مقدس بانیوں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہما کے مشرب کے موافق ہوگا۔''(۸)

خلاصہ مسلکِ دیوبند

اس لیے علمائے دیوبند کا یہ مسلک نہ تو عقل پرست معتزلہ کا مسلک ہے جس میں عقل کو نقل پر حاکم اور متصرف مان کر عقل کو اصل اور وحی یا اس کے مفہوم کو عقل کے تابع کر دیا گیا ہے، جس سے دین فلسفۂ محض بن کر رہ جاتا ہے، عوام کے لئے زندقہ کی راہیں ہموار ہو جاتی ہیں اور ساتھ ہی سادہ مزاج عقیدت مندوں کا کوئی رابطہ دین سے قائم نہیں رہتا اور نہ یہ مسلک ظاہریہ کا مسلک ہے، جس میں الفاظ وحی پر جمود کر کے عقل و درایت کو معطل کر دیا گیا ہے اور دین کے باطنی علل و اسرار اور اندرونی حکم و مصالح کو خیر باد کہہ کر اجتہاد اور استنباط کی ساری راہیں مسدود کر دی گئی ہیں، جس سے دین ایک بے حقیقت بلکہ بے معنویت غیر معقول اور جامد شے بن کر رہ جاتا ہے اور دانش پسند اور حکمت دوست افراد کا اس سے کوئی علاقہ باقی نہیں رہتا تو ایک مسلک میں عقل ہی عقل رہ جاتی ہے اور ایک مسلک میں عقل معطل اور بے کار، ظاہر ہے کہ یہ دونوں جہتیں افراط و تفریط اور ''وکان امرہ فرطا''(کہف۔۲۸) کی راہ ہیں جن سے یہ متوسط اور جامع ومعتدل دین بری ہے، اس لئے دین کا جامع عقل و نقل مسلک یہی ہے اور یہی ہو بھی سکتا ہے کہ تمام اصول و فروع میں عقل سلیم نقل صحیح کے ساتھ ہمہ وقت وابستہ رہے مگر دین کے ایک مطیع و فرمانبردار خادم اور پیش کار کی طرح کہ اس کی ہر ایک کلی و جزئی کے لئے عقلی براہین، معقول دلائل اور حسی شواہد و نظائر فراہم کرتی رہے جس سے دین، امت کے ہر طبقہ کے لئے قابل قبول اور ہمہ جہتی دستورِ حیات ثابت ہوا اور یہ امت ''جعلناکم امۃ وسطا''(بقرہ۔۱۴۳) کی صحیح مصداق دکھائی دے، یہی مسلک اہل السنّت والجماعت کا مسلک کہلاتا ہے اور علمائے دیوبند اس مسلک کے نقیب اور علم بردار ہیں، اسی لئے وہ اس مسلک جامع اور ان تمام دینی علوم کے اجتماع سے بیک وقت مفسر بھی ہیں اور محدث بھی، فقیہ بھی ہیں

اور متکلم بھی، صوفی بھی ہیں اور مجاہد و مفکر بھی اور پھر ان تمام علوم کے امتزاج سے ان کا مزاج معتدل بھی اور متوسط بھی، یہی وجہ ہے کہ ان کے جماعتی مزاج میں نہ غلو ہے نہ مبالغہ اور اس وسعت نظری کی بدولت نہ تکفیر بازی ہے نہ دشنام طرازی، نہ کسی کے حق میں سب وشتم ہے نہ بدگوئی، نہ عنا دوحسد اور طیش ہے اور نہ غلبہ جاہ و مال اور افراط عیش، بلکہ صرف بیانِ مسئلہ ہے اور اصلاح امت یا احقاق حق ہے اور ابطالِ باطل، جس میں نہ شخصیات کی تحقیر اور بدگوئی کا دخل ہے، نہ مغرورانہ طعن واستہزا کا، ان ہی اوصاف واحوال کے مجموعہ کا نام ''دارالعلوم دیوبند'' ہے اور اسی علمی و عملی ہمہ گیری سے اس کا دائرہ اثر دنیا کے تمام ممالک تک پھیلا ہوا ہے۔(۹)

دیوبندیہ بالاختصار

الـمُهَـنَّـدُعَـلَـى الْمُفَنَّد اہل سنت (دیوبندی) میں عقائد کے بیان میں بنیادی کتب میں سے سمجھی جاتی ہے یہ مختصر کتاب مولانا خلیل احمد سہارنپوری کے ان جوابات پر مشتمل ہے جو انھوں نے حرمین شریفین کے بعض علماء کو ان کے چند سوالات پر دیے ہیں۔ ان جوابات کو ہر دور کے اکابر علمائے مسلک دیوبند کی تائید حاصل رہی ہے۔ اسی کتاب میں مولانا خلیل احمد سہارنپوری اختصار سے اپنے مسلک کو یوں بیان کرتے ہیں:

> جاننا چاہیے کہ ہم اور ہمارے مشائخ اور ہماری ساری جماعت بحمداللہ فروعات میں مقلد ہیں مقتدائے خلق حضرت امام ہمام امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اور اصول واعتقادیات میں پیرو ہیں امام ابوالحسن اشعری اور امام ابومنصور ماتریدی رضی اللہ عنہما کے اور طریق ہائے صوفیہ میں ہم کو انتساب حاصل ہے سلسلہ عالیہ حضرات نقشبندیہ اور طریقہ زکیہ مشائخ چشت اور سلسلہ بہیہ حضرات قادریہ اور طریقہ مرضیہ مشائخ سہروردیہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ۔(۱۰)

جامع المجدد دین اور دین وعلم کا محور

مولانا سمیع الحق نے ایک مقام پر دارالعلوم دیوبند کو جامع المجدد دین قرار دیا ہے۔ وہ اس کی تشکیل کے پس منظر کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> دارالعلوم دیوبند جامع المجدد دین ہے، گویا ادارے کی حیثیت سے اس نے دین کی تجدید کی، دارالعلوم دیوبند کی تاسیس کے وقت دین دو قسم کے خطرات میں گھرا ہوا تھا۔ ایک ہندو تہذیب وتمدن جسے اکـــال الامـــم (امتوں کو کھا جانے والی) کہا جاتا ہے۔ جو شرک، خرافات، توہم پرستی کی ظلمت کی شکل میں

ہندوستان میں چھائی ہوئی تھی، ہندوستان میں جو بھی تہذیبیں آئیں وہ مٹ کر اس میں مدغم ہوگئیں۔ آریائی قومیں ساری اپنی تہذیب وتمدن کو گنوا بیٹھیں۔ صرف اسلام اپنی حقانیت وصداقت کے بل بوتے پر قائم رہا۔لیکن جب انگریز آیا تو اس نے پورا عزم کیا کہ اب اس اسلامی علم وتہذیب کو مٹانا ہے۔(۱۱)

مولانا سمیع الحق نے دارالعلوم دیوبند کو دین وعلم کا محور بھی قرار دیا ہے۔ان کے الفاظ یہ ہیں:

اللہ تعالیٰ نے غیب سے حضرت حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانا توئیؒ اور انکے ساتھیوں کے دلوں میں ایک ادارہ قائم کرنے کا خیال ڈالا۔ یہ ادارہ قطب الرحی (چکی کی قطب یا چکی کی درمیانی کھڑی لکڑی) کی حیثیت رکھتا ہے یعنی پورے برصغیر، افغانستان اور سنٹرل ایشیا کی ریاستوں کیلئے دین وعلم کا محور ہے اور یہ سارے ادارے اس کے گرد گھومتے ہیں۔(۱۲)

دیوبند کے عناصر اربعہ

مولانا سمیع الحق نے دیوبند کے عناصر اربعہ بیان کیے ہیں، وہ کہتے ہیں:

دارالعلوم دیوبند کی تعلیمات کیا ہیں؟ چار چیزیں ہیں، عناصر اربعہ، ایک: توحید وسنت، دیوبند نے توحید و سنت کی دعوت دی، اختلافی مسائل کو بالائے طاق رکھا۔اختلافی مسائل ہمارے مخالفین نے ابھارے، ہماری دعوت صرف توحید وسنت ہے اور دوسری: اتباع سنت دیوبند سارا اتباع سنت میں ڈوبا ہوا ہے۔ تیسری چیز: تعلق مع اللہ، روحانیت، اللہ کا ذکر وفکر، روحانیت اور مراقبوں اور تصوف کے ذریعے وابستگی اور چوتھی چیز جو اہم ہے: اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے سربکف، سربلند جو آپ کہتے ہیں اعلاء کلمۃ کیلئے جہاد ،توحید وسنت، اتباع سنت اور تعلق مع اللہ اور جہاد یہ عناصر اربعہ ہیں۔(۱۳)

نئے علم کلام کے بانی

مولانا سمیع الحق دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا قاسم نانوتوی کو نئے علم کلام کا بانی قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اس ادارہ اور یہاں کی شخصیات جیسے حضرت حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانا توئیؒ سے ایسے کام لیے کہ صدیوں تک اللہ نے دین کی حفاظت فرمادی۔اسلام کے ابدی اصولوں کی صداقت بھی منوائی، شکوک وشبہات اور الحاد ودہریت کے سارے حملے بھی پسپا کردیے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت قاسم نانا توئیؒ کے ذریعے ایک نیا علم الکلام مرتب کیا اور وہ ایک نئے علم کلام کے بانی ہیں۔

اگر امام غزالی اور امام رازیؒ نے اپنے دور میں قرامطہ، باطنیہ، معتزلہ، خوارج اور دیگر ہزاروں فتنوں

کے خلاف خدمات انجام دیے تھے تو حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ نے علمی میدان میں دہریت والحاد، ہندوازم، آریا سماج وغیرہ بے شمار فتنوں کے مقابلہ میں اسلام کے ابدی اصولوں کو منوایا۔(۱۴)

بریلوی مسلک سے امتیاز

جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ فقہی طور پر بریلوی اور دیوبندی مسلک میں کوئی اختلاف نہیں ہے، البتہ بعض عقیدتی پہلوؤں پر اختلاف موجود ہے۔ مولانا محمد خان شیرانی نے اس اختلاف کا پس منظر یوں بیان کیا:

دیوبندی اور بریلوی دونوں عقیدے کے لحاظ سے سنی اور فقہی مسلک کے لحاظ سے حنفی ہیں۔ ان میں اس شدت سے اختلاف نہیں جتنا سمجھا جاتا ہے۔ جو قوتیں پبلک کی ترجمان نہیں ہوتیں، معمولی چیزوں کو اچھال کر اپنے اقتدار کے مواقع پیدا کرتی ہیں۔ یہ اختلافات اسی پس منظر میں انگریز کے دور میں پیدا ہوئے۔

مسلک اہلحدیث سے امتیاز

مولانا محمد خان شیرانی نے مسلک اہل حدیث سے اپنا امتیاز ان الفاظ میں بیان کیا:

اہل حدیث کے ساتھ ہمارا فرق یہ ہے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ سنت میں صریح قول وعمل نہ ہو تو قیاس سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ جس سے مراد ہے مشابہ چیزوں کو اشتراک علت کی بنیاد پر حکم میں یکساں قرار دینا جبکہ علت منصوص نہ ہو بلکہ استخراج شدہ ہو۔

یہ صرف ایک فقہی اصول کا اختلاف ہے۔ اجماع کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ نیز ہم ظواہر میں تاویل کے امکان کے بھی قائل ہیں۔ مثلاً کوئی کہے کہ فلاں کے لمبے ہاتھ ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ واقعاً اُس کے ہاتھ دوسروں سے لمبے ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بہت اثر ورسوخ والا ہے۔

مسلک دیوبند کی فکری اور عملی خصوصیات

مولانا مفتی غلام الرحمٰن نے کسی دوسرے مسلک کا نام لیے بغیر مسلک دیوبند کی فکری خصوصیت کو یوں بیان کیا:

علماءِ دیوبند کی تصنیفات کا جائزہ لیا جائے تو اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے افکار ونظریات میں اعتدال کا وصف نمایاں طور پر پایا جاتا ہے۔ ایک طرف اگر حضرت رسول اللہ ﷺ اور دیگر انبیاء

کرام سے عقیدت ومحبت کے جذبات پائے جاتے ہیں تو دوسری جانب انھوں نے سنجیدگی کے ساتھ توازن کو بھی قائم رکھا ہے جس وجہ سے ہر ہستی کے ساتھ اُس کے مرتبے اور شان کی حد تک عقیدت رکھتے ہیں۔ محبت ایسی چیز ہے کہ جب اس میں اعتدال کو مدنظر نہ رکھا جائے تو کبھی کبھی غلو کرتے کرتے محبت ایسی جگہ پہنچ جاتی ہے کہ اس سے توحید کا مقدس سرمایہ بھی متاثر ہو جاتا ہے۔ اس لیے مکتبِ دیوبند کے علماء میں عقیدت ومحبت موجود ہے لیکن اعتدال اور توازن کے ساتھ۔

عصر حاضر میں مسلک دیوبند میں روش اجتہاد واستنباط کے بارے میں مفتی غلام الرحمٰن نے یوں وضاحت کی:

عصر حاضر کے پیش آمدہ مسائل اصول فقہ کی روشنی میں قرآن وحدیث سے حل کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اس وقت منصبِ اجتہاد پر فائز ہو کر مجتہد مطلق تو موجود نہیں یعنی ایسا اجتہاد کرنے والا نہیں پایا جاتا جو خیر القرون کے دور میں تھے، البتہ مجتہدین کرام نے جو اصول وضوابط وضع کیے ہیں اُن میں مہارت رکھنے والے علماء موجود ہیں جو انہی اصول کی روشنی میں قرآن وحدیث اور فقہاءِ کرام کے اقوال سے استفادہ کر کے جدید مسائل کا حل نکالتے ہیں۔ ہمارے اکابر کے فتاویٰ امداد الفتاویٰ، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، عزیز الفتاویٰ وغیرہ اس کے شاہد عادل ہیں۔ ایسے علماء کی علمی عظمت اور تبحر علمی کا جائزہ لیا جائے تو موجودہ دور کے حوالہ سے وہ مجتہد فی المسائل سے کم نہیں۔

فقہی اختلاف کے باوجود دیگر مسالک ومکاتب کے بارے میں حسن ظن کی گنجائش مفتی غلام الرحمٰن کے ان جملوں میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے:

قیاس بنیادی طور پر مثبت ہے یا مظہر ہے، اس سے ہم کوئی نئی چیز ثابت نہیں کرتے۔ فقہ حنفی ہو، مالکی ہو، شافعی ہو، حنبلی ہو یا جعفری ان سب میں بنیادی طور پر اصول فقہ پر اس حوالے سے نظر ہوتی ہے کہ ہم قرآن وحدیث پر کس طرح عمل کریں گے۔ ہر مکتب فکر میں اپنے اصول کو سامنے رکھتے ہوئے چونکہ استنباط کیا جاتا ہے تو اس سے ایک فقہ معرض وجود میں آتی ہے۔ لہذا یہ ایک فقہ کی تخصیص نہیں ہے بلکہ مقررہ اصول کی روشنی میں ایک راستے کی تعیین کر کے مقصد تک رسائی حاصل کی جاتی ہے۔ اس میں یہ نہیں ہوتا کہ میں جو بات کہہ رہا ہوں، یہی حق قطعی ہے اور دوسرا بالکل غلط ہے بلکہ یوں ہوتا ہے کہ جو میں کہہ رہا ہوں وہ حق ہے لیکن اس میں امکان خطا کا ہے لیکن دوسرے کا قول میری سوچ کے مطابق خطا ہے لیکن اس میں امکان صواب کا ہے۔

مفتی غلام الرحمٰن نے اس امر کو واضح کیا کہ ان کے نزدیک کسی ایک مکتب فقہ کی پیروی ضروری ہے البتہ ضرورت پڑنے پر دیگر مکاتب سے بھی مدد لی جاسکتی ہے۔ اپنے اس نقطۂ نظر کو انھوں نے بعض مثالوں سے یوں بیان کیا:

فقہاءِ کرام میں سے کسی ایک فقیہ کی تقلید واجب ہے۔ اگر تقلیدِ شخصی کو ترک کیا جائے تو اس سے نفس پرستی اور خواہشات کی پیروی کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ قائم ہو جائے گا جس کے نتائج بڑے سنگین ہوں گے۔ اس لیے ضرورتاً تقلیدِ شخصی واجب ہے البتہ تقلیدِ شخصی کے ساتھ ساتھ دل و جان سے دوسرے ائمہ کرام کا احترام، اُن کے بارے میں حسنِ ظن اور نیکی کے جذبات رکھنا بھی ضروری ہے اور بوقتِ ضرورت اگر حالات سے مجبور ہو کر فقہ و افتاء میں پوری مہارت رکھنے والے علماء کسی خاص مسئلے میں دوسرے مسلک سے استفادہ کرنے کی اجازت دے دیں تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں اور یہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان ''اختلافُ امتی رحمة'' کا عملی ثبوت ہوگا۔

ہمارے اکابر میں سے حضرت تھانویؒ نے مفقود الخبر اور متعنت کی بیوی کے مسئلہ میں موالک کے مسلک سے استفادہ کر کے ان کے مسلک پر فتویٰ دیا ہے جسے سب علماءِ دیوبند تسلیم کرتے ہیں۔

تنظیمیں

مولانا ظفر اللہ شفیق نے پاکستان میں اس وقت موجود دیوبندی مسلک کی تنظیموں کے بارے میں بتایا:

اس وقت دیوبندی مسلک سے وابستہ کئی تنظیمیں مختلف میدانوں میں اپنے اپنے انداز میں کام کر رہی ہیں۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ جمعیت علماء اسلام، پاکستان (متعدد شاخیں)
۲۔ مجلس تحفظ ختم نبوت، پاکستان
۳۔ تنظیم اتحاد اہل السنة والجماعة، پاکستان
۴۔ انجمن احیاء السنة، پاکستان
۵۔ مجلس صیانة المسلمین، پاکستان
۶۔ مجلس احرار اسلام، پاکستان

حیاتی اور مماتی دیوبندی

کچھ عرصہ پیشتر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات فی القبر کے بارے میں دیوبندی جماعت میں اختلاف رونما ہوا اور اس کے نتیجے میں حیاتی اور مماتی دو گروہ بن گئے۔ حیاتی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ان کی خاص طرح کی حیات کے قائل ہیں جس کی وضاحت ''افکار و عقائد'' کے حصے میں آئے گی جبکہ مماتی نبی کریمؐ کی وفات کے بعد قبر مبارک میں حیات کے قائل نہیں ہیں۔ مولانا حافظ ظفر اللہ شفیق نے ہمیں لاہور میں ایک ملاقات میں بتایا کہ دونوں گروہوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے مولانا قاری محمد طیب دار العلوم دیوبند، بھارت سے پاکستان تشریف لاتے رہے ہیں۔ اس سلسلے میں موجودہ صورت حال پر بات کرتے ہوئے مولانا انوار الحق حقانی نے راقم سے فرمایا:

حیات و ممات کو ماننے والے دونوں فرقے دیوبندیوں میں ہیں لیکن زیادہ تر حیاتی ہیں۔ مماتی آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہیں۔ ہمارے جو اکابر تھے مولانا قاری محمد طیب، مولانا شیخ الاسلام حسین احمد مدنی، مولانا رشید احمد گنگوہی سب حیاتی تھے۔ میرے والد صاحب [مولانا عبدالحق] اور قاری محمد سعید جیسے جتنے اکابر گزرے ہیں حیات کے قائل ہیں۔ جب کہ دوسروں کا نظریہ یہ ہے کہ جیسے عام آدمی مرتا ہے رسول اسلام علیہ السلام بھی ایسے ہیں۔

حواشی

(۱)http://www.darululoom-deoband.com/urdu/aboutdarululoom/1.htm

مزید دیکھیے: سہانپوری، خلیل احمد، مولانا: المُهَنَّدُ عَلَى المُفَنَّدُ (المیزان ناشران وتاجران کتب، لاہور، ۲۰۰۵ء) ص۱۰ تا ۱۳

(۲) یہ مختصر عبارت ویکیپیڈیا کی معروف ریسرچ ویب سائٹس سے حاصل کی گئی ہے۔ تفصیلات کے لیے وہاں رجوع کیا جاسکتا ہے۔

(۳)http://www.darululoom-deoband.com/urdu/aboutdarululoom/matter/3.gif

(۴)http://www.darululoom-deoband.com/urdu/aboutdarululoom/matter/3.gif

(۵)http://www.darululoom-deoband.com/urdu/aboutdarululoom/matter/3.gif

(۶)http://www.darululoom-deoband.com/urdu/aboutdarululoom/matter/3.gif

(۷)http://www.darululoom-deoband.com/urdu/aboutdarululoom/matter/3.gif

(۸)(دستور اساسی، ص:۶)

http://www.darululoom-deoband.com/urdu/aboutdarululoom/matter/3.gif

(۹)http://www.darululoom-deoband.com/urdu/aboutdarululoom/matter/3.gif

(۱۰) سہانپوری، خلیل احمد، مولانا: المُهَنَّدُ عَلَى المُفَنَّدُ (المیزان ناشران وتاجران کتب، لاہور، ۲۰۰۵ء) ص۲۳

(۱۱) سمیع الحق، مولانا: خطباتِ حق (جامعہ دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، سنہ ندارد) ص۳۱۹

(۱۲) سمیع الحق، مولانا: خطباتِ حق (جامعہ دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، سنہ ندارد) ص۳۲۰

(۱۳) سمیع الحق، مولانا: خطباتِ حق (جامعہ دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، سنہ ندارد) ص۳۴۲

(۱۴) سمیع الحق، مولانا: خطباتِ حق (جامعہ دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، سنہ ندارد) ص۳۲۰

عقائدوافکار

ایمان کا بیان

اس سے پہلے کہ عقائد کی تفصیلات میں جائیں، ہم ان کا خلاصہ بیان کرتے ہیں۔ مولانا اللہ یار خان ''ضروریات دین'' کے زیرعنوان یوں رقم طراز ہیں:

حضرات انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور کتب آسمانی کے نازل کرنے کا مقصد ایمان وکفر میں امتیاز اوران میں حد فاصل قائم کرنا ہے تاکہ دونوں کا مفہوم خلط ملط نہ ہو جائے اور جو شخص تعلیمات نبوت اور کتب آسمانی کے مطابق عقیدہ رکھتا ہو، اس کو کفر میں داخل نہ کیا جائے اور جو اس کے برعکس عقیدہ رکھتا ہے اس کو دائرہ ایمان اور ملت اسلامیہ میں داخل نہ سمجھا جائے کیونکہ مومن پر کافر کا اطلاق کرنا اور کافر کو مومن کہنا دونوں ایک جیسے جرم عظیم ہیں۔

ایمان امن سے ماخوذ ہے جب کسی نے کسی قائل کے قول کو تسلیم کر لیا تو وہ تکذیب وانکار سے مامون ومحفوظ ہو گیا۔ کفر کے لغوی معنی چھپانا ہے۔ اصطلاح میں حق کو چھپانے (ستر الحق) کا نام کفر ہے۔ ایمان، قضیہ موجبہ کلیہ اور کفر، سالبہ جزئیہ ہے۔ ایمان کے تین پہلو ہیں۔ تصدیق قلبی، زبان سے اقرار اور براءة من جمیع الادیان.

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ دین اسلام کی رو سے وہ کون سے احکام خداوندی ہیں جن کے ماننے کا نام ایمان ہے اوران کا انکار کفر ہے۔

ضروریات دین وہ بدیہی، واضح، مشہور اور ظاہر باتیں ہیں جن کو ہر ذی علم انسان اور دین دار مسلمان جانتا ہے ان کی تفصیل یہ ہے:

تمام ضروریات دین کا ماننا ایمان ہے اوران میں سے بعض کا یا کسی ایک کا انکار کرنا کفر ہے۔

توحید باری تعالیٰ توحید ذاتی، توحید صفاتی، نبوت، قیامت، نشر، حشر، حساب وکتاب، وزن اعمال، میزان، پل صراط، جنت، دوزخ، نعمائے جنت، عذاب دوزخ، کراماً کاتبین، نکیرین کا سوال وجواب، قبر میں عذاب وثواب، قبر، حوض کوثر۔ ان کے علاوہ حلال وحرام کے سلسلہ میں سود حرام ہے،

زنا، قتل، شراب، خنزیر حرام ہے۔ ارکان اسلام نماز روزہ حج زکوٰۃ سب ضروریات دین ہیں۔ ان کا ثبوت متواتر ہے۔(۱)

عقیدۂ توحید

دیگر مسالک کی طرح اہل سنت (دیوبندی) کے عقائد کا بیان بھی عقیدۂ توحید سے شروع ہوتا ہے۔ مولانا اللہ یار خان نے اس بحث کا آغاز توحید کی اقسام سے کیا ہے، ملاحظہ کیجئے:

توحید تین قسم کی ہے۔ توحید ربوبیت، توحید الوہیت اور توحید صفات۔

توحید ربوبیت: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی خالق نہیں، رازق نہیں، زندہ کرنے والا نہیں، مارنے والا نہیں، کوئی موجد نہیں، کوئی معدوم کرنے والا نہیں۔

توحید الوہیت: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی معبود نہیں، کوئی لائق عبادت نہیں، کسی کے سامنے سجدہ جائز نہیں خواہ تعظیمی ہو جو ہماری شریعت میں حرام ہے، خواہ سجدہ عبادت ہو جو شرک ہے۔

توحید صفات: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان ہی صفات سے موصوف سمجھا جائے جن سے خود اس نے اپنا موصوف ہونا بیان فرمایا ہے یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صفات سے موصوف ہونا بیان فرمایا ہے۔

بندوں کے تمام افعال خیر و شر، قضا و قدر علم باری سے صادر ہوتے ہیں مگر بندوں کے کسب سے ہوتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے بندوں کو مجبور محض نہیں بنایا بلکہ ان کو ارادہ اور اختیار کی آزادی دی ہے۔ اس آزاد ارادہ اور اختیار کو بغیر کسی جبر کے استعمال کرنے کا نام ہی کسب ہے اور یہ بندے کا فعل ہے۔

اللہ خالق کل شئ (رعد۔۲۶) درست ہے مگر اللہ تعالیٰ برائی، کفر و شرک کا امر نہیں کرتا، حکم نہیں دیتا ان اللہ لایأمر بالفحشاء (الاعراف۔۲۸)

نہ بے حیائی اور کفر و شرک کو دوست رکھتا ہے، نہ کفر کو پسند کرتا ہے۔ وَلَا یَرْضٰی لِعِبَادِہِ الْکُفْرَ...(۲)

صفات الٰہی

توحید کی اقسام بیان کرنے کے بعد مولانا اللہ یار خان توحید صفاتی کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کے ذاتی اوصاف یوں بیان کرتے ہیں:

وجود: اللہ تعالیٰ کا وجود لذاتہ ہے۔ انسان اور دیگر مخلوق کا وجود لذاتہ بنفسہ نہیں بلکہ اللہ کا دیا ہوا ہے۔ اللہ

تعالیٰ کی ذاتی صفت وہ ہے جس کی نقیض وضد نہ ہو، مثلاً اللہ تعالیٰ موجود ہے۔ اس کے لئے عدم اور فنا نہیں، انسان اور دیگر مخلوق بھی موجود ہے مگر اس کے لئے فنا بھی ہے۔ یا مثلاً اللہ تعالیٰ بصیر ہے اس کے لئے عدم نہیں مگر انسان بصیر بھی ہو سکتا ہے اور نابینا بھی یا مثلاً اللہ تعالیٰ متکلم ہے مگر گونگا نہ ہوگا، انسان متکلم بھی ہوتا ہے اور گونگا بھی ہو سکتا ہے۔ اسی پر باقی صفات کو قیاس کر لیا جائے۔

قِدم: قِدم ذاتی وہ ہے جس کو کوئی اولیت نہیں یعنی اس کی کوئی ابتدا نہیں، مخلوق کی ابتدا ہے۔

بقا: اس کا وجود دائمی استمراری ہے جس کی ابتدا ہے نہ انتہا، ازلی ابدی ہے، مخلوق کی انتہا ہے فنا ہو جائے گی۔

قیام: اس کا قیام لذاتہ ہے وہ اپنے قیام کے لئے کسی چیز یا مکان کا محتاج نہیں۔ ہر چیز سے غنی ہے، مکان ہو، محل ہو یا مخصص ہو۔

وحدانیت: اس کی ذات میں تعدد نہیں نہ ترکیب ہے۔ ذات میں، صفات میں یگانہ ہے، نہ کسی سے پیدا ہوا نہ اس سے کوئی پیدا ہوگا۔

قدرت: وہ ہر شے پر قادر ہے جو چاہے کرے۔ عاجز نہیں ہے، قدرت بھی اس کی صفت قدیم ہے۔

ارادہ: اس کے ارادہ سے کبھی مراد متخلف نہیں ہوئی۔ جس کا ارادہ کرتا ہے وہ فوراً ہو جاتا ہے۔

علم: علم اس کی ذاتی صفت ہے۔ کسی واسطہ یا ذریعہ سے اس کو حاصل نہیں ہوتا، اس لئے اس کا علم حضوری اور قدیم ہے۔ انبیاء کرام اور اولیائے کرام کو جو علم حاصل ہوتا ہے وہ ذرائع، وسائل اور واسطوں سے حاصل ہوتا ہے۔ یعنی بذریعہ وحی، الہام، کشف، وجدان یا خواب وغیرہ۔ [اللہ] مخلوق کو قبل از حدوث کے جانتا ہے، اس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے۔

حیات: وہ حیّ ہے، حیات اسکی صفت ذاتی قدیمہ ہے۔ اس کی حیات کی ضد موجود نہیں۔

سمع، بصر: اس کی دونوں صفات ذاتی ہیں۔ وہ تمام کائنات کو دیکھ رہا ہے، خواہ کتنے پردوں میں ہو اور ہر آواز سن رہا ہے خواہ وہ کہیں سے اٹھ رہی ہو۔ اس پر غفلت طاری نہیں ہوتی نہ نیند آتی ہے۔

کلام: اس کا کلام نفسی ہے لفظی نہیں۔ اس کے کلام میں الفاظ وحروف نہیں نہ آواز ہے۔ انبیاءؑ کے قلوب اس کا کلام سنتے اور سمجھتے ہیں۔ قرآن وحدیث میں جہاں ذکرِ قلب ہوتا ہے اور قلب کے احکام کا ذکر ہوتا ہے، وہ احکام روح کے ہوتے ہیں، اس گوشت پوست کے جسم کے احکام نہیں ہوتے۔ درحقیقت قلب ایک لطیفۂ ربانی ہے جو کلام نفسی کو سنتا ہے۔ اسی طرح روح اور ملائکہ کے کلام میں حروف وآواز نہیں کہ یہ مادی کان سن لیں۔

ان بارہ صفات الٰہی کی وضاحت کرنے کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کی کچھ مزید صفات کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

وہ فاعل مختار ہے۔اس پر کوئی چیز واجب نہیں۔وہ جو چاہے کرے وہ مخلوق سے پوچھ گچھ کرسکتا ہے مگر اس سے کوئی یہ نہیں پوچھ سکتا کہ ایسا کیوں کیا یا کیوں نہیں کیا۔وہ تمام عیوب، ہر نقص سے پاک ہے۔رازق وہی ہے، کسی کے حق میں رزق کی فراخی یا تنگی اس کے اختیار میں ہے۔عزت وذلت اس کے اختیار میں ہے۔جسے چاہے عزت دے جسے چاہے ذلت دے۔اولاد دینے والا وہی ہے، جسے چاہے بیٹے دے جسے چاہے بیٹیاں دے، جسے چاہے کچھ نہ دے۔تکبر، بڑائی اس کی چادر ہے ان میں دخل دینے والا جہنم کا مستحق ہے۔مخلوق کی تمام صفات سے پاک ہے۔دعائیں سننے والا قبول کرنے والا وہی ہے۔حلیم وکریم ہے۔گناہ پر جلد سزا نہیں دیتا بلکہ مہلت دیتا ہے۔قیامت کے روز مخلوق کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے جیسے اس نے پہلے پیدا کی۔دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اس کے حکم سے ہوتا ہے۔زمین وآسمان مخلوق اس کی، رزق اسی کا ہے لہٰذا عبادت کے لائق صرف وہی ہے، سجدہ صرف اسی کے لئے ہے۔نفع اور نقصان اسی کے اختیار میں ہے۔وہی حاضر وناظر ہے، پکارنے کے لائق وہی ہے۔مشکل کشا، حاجت روا وہی ہے۔وہ نیکی پر راضی اور برائی پر ناراض ہوتا ہے۔(۳)

بعض آیات وروایات کے پیش نظر بعض اوقات علماء کرام سے اللہ تعالی کے لیے جہت ومکان کے حوالے سے سوال کیا جاتا ہے تو عام طور پر وہ اس سے اللہ کی ذات کو منزہ قرار دیتے ہیں۔قرآن حکیم میں اللہ کے عرش پر مستوی ہونے کے حوالے سے ایک سوال کے جواب میں مولانا خلیل احمد سہارنپوری بیان کرتے ہیں:

> اس قسم کی آیات میں ہمارا مذہب یہ ہے کہ ان پر ایمان لاتے ہیں اور کیفیت سے بحث نہیں کرتے ،یقیناً جانتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ مخلوق کے اوصاف سے منزہ اور نقص وحدوث کی علامات سے مبرا ہے، جیسا کہ ہمارے متقدمین کی رائے ہے اور ہمارے متاخرین اماموں نے ان آیات میں جو صحیح اور لغت وشرع کے اعتبار سے جائز تاویلیں فرمائی ہیں تا کہ کم فہم سمجھ لیں مثلاً یہ کہ ممکن ہے استواء سے مراد غلبہ ہو اور ہاتھ سے مراد قدرت، تو یہ بھی ہمارے نزدیک حق ہے۔البتہ جہت ومکان کا اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کرنا ہم جائز نہیں سمجھتے اور یوں کہتے ہیں کہ وہ جہت ومکانیت اور جملہ علاماتِ حدوث سے منزہ وعالی ہے۔(۴)

نبوت

توحید کے بعد دوسرا بنیادی عقیدہ اہل اسلام کے نزدیک نبوت ہے، اس سلسلے میں مولانا اللہ یار خان نے اپنے عقیدے کی وضاحت یوں کی ہے:

مخلوق کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ مختلف زمانوں اور مختلف خطوں میں انبیاءؑ مبعوث کرتا رہا۔ یہ سلسلہ حضرت آدمؑ سے شروع ہوا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر ختم ہوا۔

انبیاء کرام کی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

انبیاء کرام میں بعض کی شان بعض سے بلند ہے۔ سب سے اونچی شان نبی آخر الزمان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔

انبیاء کے پاس اپنی نبوت کی ایک سند ہوتی ہے جسے معجزہ کہا جاتا ہے جس کے مقابلہ سے مخلوق عاجز ہوتی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ نبی بغیر معجزہ نہیں ہوتا، نبی ہر حال میں نبی ہے۔

نبی کے معجزہ پر ایمان لانا فرض ہے اور معجزہ خرق عادت ہوتا ہے۔ (۵)

اوصاف انبیاء

مولانا اللہ یار خان انبیاء کے لیے لازمی صفات کا بھی ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

انبیاء میں پانچ اوصاف لازمی ہوتے ہیں:

عصمت، صداقت، امانت،، فطانت، تبلیغ

عصمت: اس لئے شرط ہے کہ انبیاء احکام الٰہی ماوراء الوراء سے لیتے ہیں، جہاں عقل کی بھی رسائی نہیں، اگر حصول احکام میں غلطی ہو جائے تو نظام ہدایت ہی مشکوک ہو جائے۔

صداقت: شرط ہے احکام پہنچانے میں اور یہ نبی کے قول و فعل میں ہوتی ہے۔

امانت: احکام لینے اور پہنچانے میں نبی امین ہوتا ہے۔

فطانت: نبی ایسا ذہین ہوتا ہے کہ باطل کے ہر اعتراض کا مسکت جواب دیتا ہے۔

تبلیغ: احکام الٰہی کے حصول اور مخلوق تک پہنچانے میں عصمت، صداقت، امانت کے علاوہ رشد وہدایت کی راہ دکھانے میں نبی کوئی کمی یا غفلت نہیں کرتا۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ نبی نے کوئی حکم کسی مصلحت کے تحت نہیں پہنچایا یا تقیہ کر کے پہنچایا ہے تو ایسا کہنے والا قطعی کافر ہو جاتا ہے۔ (۶)

ختم نبوت

جیسا کہ تمام اسلامی مسالک کا عقیدہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نبوت ختم ہوگئی اور آپ کے بعد کسی معنی میں بھی کوئی نبی نہیں آئے گا، اہل سنت (دیوبندی) علماء نے بھی اس حوالے سے بڑی وضاحت سے اپنا عقیدہ بیان کیا ہے۔ مولانا

خلیل احمد سہارنپوری اس سلسلے میں لکھتے ہیں؛

ہمارے سردار وآقا اور پیارے شفیع محمد رسول اللہؐ خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے۔ ''ولیکن محمد اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں'' اور یہی ثابت ہے بکثرت حدیثوں سے جو معناً حدتواتر تک پہنچ گئیں اور نیز اجماع امت سے، سوحاشا کہ ہم میں سے کوئی اس کے خلاف کہے کیونکہ جو اس کا منکر ہے وہ ہمارے نزدیک کافر ہے، اس لئے کہ منکر ہے نص صریح قطعی کا۔(۷)

مولانا اللہ یار خان نے بھی اس عقیدے کی وضاحت کی ہے، وہ لکھتے ہیں،

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری رسول ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نیا نبی یا رسول نہیں آئے گا۔ آپ پر ہر قسم کی نبوت ختم ہوگئی اگر کوئی نیا شخص حضورؐ کے بعد کسی قسم کی نبوت کا دعویٰ کرے تو وہ کافر، مرتد اور واجب القتل ہے۔ اس پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے۔(۸)

مولانا محمد طاہر مسعود نے بھی اپنے الفاظ میں یہی نظریہ یوں بیان کیا ہے:

حضرت محمد رسول اللہؐ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں، آپ کی شریعت اور کتاب گزشتہ تمام شریعتوں اور کتابوں کے لئے ناسخ ہے۔ آپ کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا۔ جو آپ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے، وہ بلاشبہ کافر و مرتد اور زندیق ہے اور اس کے ماننے والے بھی سب کافر و مرتد ہیں۔ حضور اکرمؐ خاتم النبیین ہیں، آپؐ کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا، حضورؐ کے بعد کوئی شخص کسی جھوٹے مدعی نبوت سے دلیل یا معجزے کا مطالبہ کرے تو وہ بھی دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا، اس لئے کہ یہ مطالبہ عقیدۂ ختم نبوت میں شک کے مترادف ہے، والا، فلا۔(۹)

خاتم الانبیاء کی دعوت عام

مولانا اللہ یار خان نے حضورؐ کی دعوت کا مخاطب جنوں اور انسانوں کے علاوہ ملائکہ کو بھی قرار دیا ہے۔ اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں:

خاتم الانبیاءؐ کی دعوت عام ہے جنوں اور انسانوں کی طرف بلکہ اکثر علماء کا عقیدہ ہے کہ آپ کی دعوت ملائکہ کی طرف بھی ہے۔ حضورؐ کی شریعت آخری شریعت ہے اور قرآن کریم آخری کتاب الٰہی ہے۔(۱۰)

کتب آسمانی

قرآن حکیم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ماقبل کے انبیاءؑ پر نازل ہونے والی کتب پر ایمان لانے کی بھی دعوت دی گئی ہے۔ اس کی جزئیات اور تفصیلات پر علماء کے مابین گفتگو سے قطع نظر اجمالی ایمان کا ذکر تمام مسالک کرتے ہیں، جیسا کہ

مولانا اللہ یار خان نے بھی کیا ہے:

جو آسمانی کتابیں اللہ کی طرف سے نازل ہوتی رہیں، وہ برحق تھیں، ان میں چار مشہور ہیں: تورات، زبور، انجیل اور قرآن کریم۔ پہلی تین کتابوں میں جو احکام بیان ہوئے، برحق تھے، اپنے زمانوں کے لئے تھے، قرآن کریم کے نازل ہونے سے وہ منسوخ ہو گئے۔(۱۱)

قرآن کریم

قرآن حکیم پر ایمان کے بارے میں مولانا اللہ یار خان کی عبارت یوں ہے:

قرآن کریم میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی یا تحریف نہیں ہوئی۔ اس کا ایک حرف بھی نہیں بدلا گیا اس کی حفاظت کا ذمہ خود اس کے نازل کرنے والے نے لیا۔ جو شخص قرآن کریم میں کسی تغیر و تبدل و تحریف کا قائل ہو وہ دائرہ اسلام سے خارج اور قطعی کافر ہے۔ قرآن کریم غیر مخلوق کلام الٰہی ہے۔ یہ کلام نفسی ہے لفظی نہیں۔ ہمارا پڑھنا لکھنا اور قرآنی الفاظ کا بیان کرنا بندوں کے فعل ہیں اور بندوں کے افعال مخلوق و حادث ہیں۔ قرآن کریم میں جو اخبار ماضیہ بیان ہوئیں وہ سب کلام الٰہی ہے۔ کلام اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے جو مثل ذات باری کے قدیم ہے۔(۱۲)

معراج

پیغمبر خاتم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معراج کی حقیقت اور اس کے بارے میں اپنے عقیدے کا اظہار مولانا اللہ یار خان یوں کرتے ہیں:

نبی کریم کو اس جسم عنصری کے ساتھ عالم بیداری میں معراج کرایا گیا۔ اس سفر کا وہ حصہ جو مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک ہے "اسراء" کہلاتا ہے۔ بیت المقدس میں حضور اکرمؐ نے امام الانبیاء بن کے تمام انبیاء کو نماز پڑھائی۔ پھر وہاں سے چلے تو سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچ کر نوری مخلوق تو رک گئی مگر بشریت ان بلندیوں تک پہنچی کہ جانے والا ہی جانتا ہے یا بلانے والا، کسی مخلوق کا تصور وہاں نہیں پہنچ سکتا۔ وہاں نبی اکرمؐ کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوا سر کی آنکھوں سے۔(۱۳)

حیات الانبیاء

دیوبندی مسلک کے علماء کی بھاری اکثریت عالم برزخ میں انبیاء کی حسی حیات کی قائل ہے، اس سلسلے میں اپنا عقیدہ

مولانا اللہ یار خان اس طرح سے بیان کرتے ہیں:

حضرات انبیاء کرام اپنی اپنی قبور میں زندہ ہیں بالخصوص حضور اکرمؐ زندہ ہیں جسد اطہر کے ساتھ، حیات حسی دنیوی کی طرح مگر حیات برزخی ہے۔ اس وجہ سے کہ آپ عالم برزخ میں ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں۔(۱۴)

قبر میں حیات آنحضرتؐ کی نوعیت

عالم برزخ میں انبیاء کی حیات حسی کے بارے میں مولانا اللہ یار خان کی عبارت کے مطالعہ کے بعد آنحضرتؐ کی قبر میں حیات کی نوعیت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے:

ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرتؐ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپؐ کی حیات دنیا کی سی ہے بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے آں حضرتؐ اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ، برزخی نہیں ہے، جو حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو۔(۱۵)

زیارت قبر سید المرسلینؐ

سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کے حوالے سے اہل سنت دیوبندی مسلک کا عقیدہ مولانا خلیل احمد سہانپوری یوں بیان کرتے ہیں:

ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک زیارت قبر سید المرسلین (ہماری جان آپ پر قربان) اعلیٰ درجہ کی قربت اور نہایت ثواب اور سبب حصول درجات ہے بلکہ واجب کے قریب ہے، گوشدِّ رحال اور بذلِ جان و مال سے نصیب ہو اور سفر کے وقت آپؐ کی زیارت کی نیت کرے اور ساتھ میں مسجد نبوی اور دیگر مقامات و زیارت گاہ ہائے متبرکہ کی بھی نیت کرے بلکہ بہتر یہ ہے کہ جو علامہ ابن ہمام نے فرمایا ہے کہ خالص قبر شریف کی زیارت کی نیت کرے پھر جب وہاں حاضر ہوگا تو مسجد نبوی کی بھی زیارت حاصل ہو جائے گی۔ اس صورت میں جناب رسالت مآبؐ کی تعظیم زیادہ ہے اور اس کی موافقت خود حضورؐ کے ارشاد سے ہو رہی ہے کہ جو میری زیارت کو آیا کہ میری زیارت کے سوا کوئی حاجت اس کو نہ لائی ہو تو مجھ پر حق ہے کہ قیامت کے دن اس کا شفیع بنوں اور ایسا ہی عارف ملا جامی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انھوں نے زیارت کے لئے حج سے علیحدہ سفر کیا اور یہی طرز مذہب عشاق سے زیادہ ملتا ہے۔(۱۶)

آنحضرتؐ کی مطلق فضیلت

دیگر مسالک کی طرح اہل سنت دیوبندی مسلک کے علماء آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مطلق فضیلت کا عقیدہ رکھتے ہیں، جیسا کہ مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے لکھا ہے:

ہمارا اور ہمارے مشائخ کا عقیدہ یہ ہے کہ سیدنا و مولانا وحبیبنا وشفیعنا محمد رسول اللہؐ تمامی مخلوق سے افضل اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بہتر ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے قرب و منزلت میں کوئی شخص آپ کے برابر تو کیا، قریب بھی نہیں ہوسکتا۔ آپؐ سردار ہیں جملہ انبیاء اور رسل کے اور خاتم ہیں سارے برگزیدہ گروہ کے جیسا کہ نصوص سے ثابت ہے اور یہی ہمارا عقیدہ ہے اور یہی دین وایمان۔(۱۷)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت کے درجے کے حوالے سے بعض سوالات کے جواب میں مولانا خلیل احمد سہارنپوری لکھتے ہیں:

جو اس کا قائل ہو کہ نبی کریم علیہ السلام کو ہم پر بس اتنی ہی فضیلت ہے، جتنی بڑے بھائی کو چھوٹے بھائی پر ہوتی ہے تو اس کے متعلق ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ وہ دائرہ ایمان سے خارج ہے اور ہمارے تمام گذشتہ اکابر کی تصنیفات میں اس عقیدہ واہیہ کے خلاف مصرح ہے اور وہ حضرات جناب رسول اللہؐ کے احسانات اور وجوہ فضائل تمام امت پر بتصریح اس قدر بیان کر چکے اور لکھ چکے ہیں کہ سب تو کیا ان میں سے کچھ بھی مخلوق میں سے کسی شخص کے لئے ثابت نہیں ہوسکتے۔ اگر کوئی شخص ایسے واہیات خرافات کا ہم پر یا ہمارے بزرگوں پر بہتان باندھے وہ بے اصل ہے اور اس کی طرف توجہ بھی مناسب نہیں۔ اس لئے کہ حضرت کا افضل البشر اور تمامی مخلوقات سے اشرف اور جمیع پیغمبروں کا سردار اور سارے نبیوں کا امام ہونا ایسا قطعی امر ہے جس میں ادنی مسلمان بھی تردد نہیں کرسکتا۔(۱۸)

شفاعت کبریٰ

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منصب شفاعت کے بارے میں مولانا اللہ یار خان رقم طراز ہیں:

شفاعت کبریٰ صرف ہمارے رسول اکرمؐ کا حصہ ہے میدان قیامت میں تمام مخلوق گھبرا کر حضور اکرمؐ کے پاس آجائے گی پھر آپ باذن الٰہی سفارش کریں گے پھر باقی انبیاءؑ، ملائکہ، اولیائے کرامؒ اور صلحائے امت شفاعت کریں گے، جس کے حق میں اللہ تعالیٰ انھیں اجازت دے گا۔(۱۹)

آنحضرتؐ کا علم

مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کے بارے میں بھی ایک سوال کا جواب دیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

ہم زبان سے قائل اور قلب سے معتقد اس امر کے ہیں کہ سیدنا رسول اللہؐ کو تمامی مخلوقات سے زیادہ علوم عطا ہوئے ہیں جن کو ذات وصفات اور تشریعات یعنی احکام عملیہ وحکم نظریہ اور حقیقت ہائے حقہ اور اسرار مخفیہ وغیرہ سے تعلق ہے کہ مخلوق میں سے کوئی بھی ان کے پاس تک نہیں پہنچ سکتا۔ نہ مقرب فرشتہ اور نہ نبی رسول اور بے شک آپ کو اولین وآخرین کا علم عطا ہوا اور آپ پر حق تعالیٰ کا فضل عظیم ہے ولیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کو زمانہ کی ہر آن میں حادث وواقع ہونے والے واقعات میں سے ہر ہر جزئی کی اطلاع وعلم ہو کہ اگر کوئی واقعہ آپ کے مشاہدۂ شریفہ سے غائب رہے تو آپ کے علم اور معارف میں ساری مخلوق سے افضل ہونے اور وسعت علمی میں نقص آجائے اگر چہ آپ کے علاوہ کوئی دوسرا شخص اس جزئی سے آگاہ ہو جیسا کہ سلیمان علیہ السلام پر وہ واقعہ عجیبہ مخفی رہا کہ جس سے ہدہد کو آگاہی ہوئی۔ اس سے سلیمان علیہ السلام کے اعلم ہونے میں نقصان نہیں آیا۔ چنانچہ ہدہد کہتی ہے کہ میں نے ایسی خبر پائی جس کی آپ کو اطلاع نہیں اور شہر سبا میں سے میں ایک سچی خبر لے کر آئی ہوں۔ (۲۰)

ذکر میلاد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلاد مبارک کے ذکر کے بارے میں اہل سنت دیوبندی مسلک کے علماء کا نظریہ اہل سنت بریلوی مسلک کے علماء سے قدرے مختلف ہے۔ اس سلسلے میں ایک سوال کے جواب مولانا خلیل احمد سہارنپوری لکھتے ہیں:

سیدنا رسول اللہؐ کی ولادت شریف کا ذکر صحیح روایات سے ان اوقات میں جو عبادات واجبہ سے خالی ہوں، ان کیفیات سے جو صحابہ کرامؓ اور ان اہل قرون ثلثہ کے طریقے کے خلاف نہ ہو جن کے خیر ہونے کی شہادت حضرت نے دی ہے، ان عقیدوں سے جو شرک وبدعت کے موہم نہ ہوں، ان آداب کے ساتھ جو صحابہ کی اس سیرت کے مخالف نہ ہوں جو حضرت کے ارشاد ما انا علیہ واصحابی کی مصداق ہے، ان مجالس میں جو منکرات شرعیہ سے خالی ہوں سبب خیر وبرکت ہے بشرطیکہ صدق نیت اور اخلاص اور اس عقیدہ سے کیا جائے کہ یہ بھی منجملہ دیگر اذکار حسنہ کے ذکر حسن ہے، کسی وقت کے ساتھ مخصوص نہیں۔ پس جب ایسا ہوگا تو ہمارے علم میں کوئی مسلمان بھی اس کے ناجائز یا بدعت ہونے کا حکم نہ دے گا۔ (۲۱)

"التفهيمات الالٰهيه" میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کا ایک وصیت نامہ مذکور ہے، اس میں پانچویں وصیت میں فرماتے ہیں:

آنحضرتؐ کے صحابہؓ کے حق میں نیک اعتقاد رکھنا چاہیے اور زبان پر ان کے مناقب کے سوا اور کوئی ذکر نہیں آنا چاہیے۔ اس مسئلے میں دو گروہوں نے غلطی کی ہے۔

ایک گروہ یہ گمان کرتا ہے کہ صحابہؓ کے سینے آپس میں صاف تھے اور ان کے درمیان جھگڑے نہیں ہوتے تھے۔ یہ سرتاپا وہم ہے، کیونکہ مشہور روایات ان کے باہمی جھگڑوں کی شہادت دیتی ہیں اور ان روایات کا انکار نہیں ہوسکتا۔

دوسرے گروہ نے جب دیکھا کہ یہ سب چیزیں صحابہؓ سے منسوب ہیں تو ان کے خلاف انھوں نے زبان لعن وطعن کھولی اور اس طرح وہ ہلاکت کی وادی میں جا گرے۔

مجھ فقیر کے دل میں یہ بات ڈالی گئی ہے کہ اگرچہ آپؐ کے صحابہ معصوم نہیں تھے اور ہوسکتا ہے کہ ان میں سے بعض عوام صحابہؓ سے ایسی چیزیں صادر ہوئی ہوں کہ اگر ویسی چیزیں دوسروں سے صادر ہوتیں تو وہ جرح وطعن کے مستوجب بنتے، لیکن ہمیں ان کی لغزشوں کے بارے میں زبان روکنے کا حکم دیا گیا ہے اور ان کی جرح وطعن سے عبادت کے طور پر منع کیا گیا ہے۔ اس میں ایک مصلحت ہے اور وہ مصلحت یہ ہے کہ اگر صحابہؓ کی جرح وطعن کا دروازہ کھول دیا گیا تو آنحضرتؐ سے روایت کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا اور سلسلۂ روایت منقطع ہونے سے ملت کا شیرازہ درہم برہم ہوجائے گا...... مزید براں جیسے آپؐ کے صحابہؓ کے حق میں اچھا اعتقاد رکھنا چاہیے، اسی طرح آپؐ کے اہل بیتؓ کا عقیدت مند ہونا چاہیے اور ان میں سے جو صالح تھے، ان کی اور زیادہ تعظیم کرنی چاہیے۔ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا. (۲۲)

مولانا اللہ یار خان امہات المومنین اور اولا درسول کے بارے میں رقم طراز ہیں:

حضور اکرمؐ کی ازواج مطہرات اور اولاد سب قابل صد تعظیم ہیں، اولاد میں سے حضرت فاطمہؓ اور ازواج میں حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہؓ کی شان سب سے بلند ہے۔ (۲۳)

اہل بیت سے محبت کے حوالے سے مولانا ظفر اللہ شفیق نے ہمارے ایک سوال کے جواب میں یوں تحریر کیا:

دیو بندی مسلک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت کرام کا بہت احترام پایا جاتا ہے اور ہم ان سے بے پناہ محبت کرتے ہیں اور ان کی محبت کو ہم قرآن حکیم اور احادیث نبوی کی روشنی میں واجب جانتے ہیں۔ جیسا کہ علامہ آلوسی نے روح المعانی میں لکھا ہے:

''پوری امت مودت اہل بیت کی مکلف ہے۔'' (۲۴)

تفسیر روح المعانی کے بارے میں یہ بات اہم ہے کہ یہ تفسیر حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے لے کر حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ تک تمام دیو بندی علماء و مفسرین کا مرجع ہے۔

محبت اہل بیت کے حوالے سے مولانا مفتی محمد شفیع کی یہ عبارت بھی ہمارے مسلک کی ترجمان ہے:

''حب اہل بیتؓ کا اظہار جزو ایمان ہے۔ان پر وحشیانہ مظالم کی داستان بھلانے کے قابل نہیں۔حضرت حسینؓ اوران کے رفقاء کی مظلومانہ اوردردانگیز شہادت کا واقعہ جس کے دل میں رنج وغم اوردرد پیدانہ کرے وہ مسلمان کیا انسان بھی نہیں۔'' (۲۵)

زمانۂ خلافت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد زمانۂ خلافت کے بارے میں مولانا محمد طاہر مسعود لکھتے ہیں:

حضور اکرمؐ کے بعد تیس سال تک خلافتِ راشدہ کا زمانہ ہے جس کو خلافت نبوت بھی کہا گیا ہے، ان تیس سالوں میں آپؐ کے چار جلیل القدر صحابہ،''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' بالترتیب خلیفہ بنے۔ان چار خلفاء کے فیصلوں کو قبول کرنا اوران کی سنتوں پر عمل کرنا، ایسا ہے جیسا کہ حضور اکرمؐ کی سنتوں پر عمل کرنا اور آپؐ کے فیصلوں کو قبول کرنا۔(۲۶)

نزول عیسیٰؑ

مسلمانوں میں یہ عمومی عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے انھیں زندہ اٹھالیا تھا، وہ آسمانوں پر موجود ہیں، قیامت کے نزدیک وہ آسمان سے نازل ہوں گے، جیسا کہ مولانا اللہ یار خان کی اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے:

حضرت عیسیٰؑ نے آسمان سے نازل ہونا ہے، جیسا کہ متواتر احادیث سے ثابت ہے لیکن وہ نئے نبی نہیں ہیں۔اگر سابقہ تمام انبیاء کرام دنیا میں آجائیں تب بھی محمد رسول اللہ آخری نبی یعنی خاتم الانبیاء ہیں۔(۲۷)

حضرت عیسیٰؑ کی زندگی اوراُن کے قرب قیامت میں ظہور کے بارے میں مولانا محمد طاہر مسعود لکھتے ہیں:

قیامت کی علاماتِ کبریٰ میں سے تیسری علامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں سے نازل ہونا اور دجال کو قتل کرنا ہے۔نزول عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ قرآن کریم، احادیث متواترہ اوراجماع امت سے ثابت ہے۔اس کی تصدیق کرنا اوراس پر ایمان لانا فرض ہے اور مسلمان ہونے کے لیے ضروری ہے، اس عقیدے کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا۔(۲۸)

امام مہدی

عقائد کی کتابوں میں امام مہدی کا ذکر بھی خاص طور پر کیا گیا ہے۔اس عقیدے کی بنیاد وہ روایات ہیں جو کثرت سے تمام مکاتب فکر کی کتابوں میں وارد ہوئی ہیں۔ یہ روایات قیامت کی علامات کے باب میں بھی آئی ہے۔انہی روایات میں نزول عیسیٰؑ کا ذکر بھی ہے۔اس عقیدے کے وضاحت مفتی محمد طاہر مسعود ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> قیامت کی علاماتِ کبریٰ میں سب سے پہلی علامت حضرت امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ہے۔ احادیث مبارکہ میں حضرت امام مہدی علیہ السلام کا ذکر بڑی تفصیل سے آیا ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کی اولاد سے ہوں گے۔ نام محمد، والد گرامی کا نام عبداللہ ہوگا۔ آنحضرتؐ سے بہت مشابہت ہوگی، پیشانی کھلی اور ناک بلند ہوگی، زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے، پہلے ان کی حکومت عرب میں ہوگی پھر ساری دنیا میں پھیل جائے گی،سات سال تک حکومت کریں گے۔

اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے کہ زیر بحث روایات میں ''مہدی'' کا لفظ لغوی معنی میں استعمال نہیں ہوا بلکہ ایک خاص فرد کے لیے آیا ہے،مولانا مفتی محمد طاہر مسعود بیان کرتے ہیں:

> یہاں مہدی سے مراد وہ خاص شخص ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا ہے۔امام مہدی مدینہ منورہ میں پیدا ہوں گے،آخری زمانہ میں جب مسلمان ہر طرف سے مغلوب ہو جائیں گے،مسلسل جنگیں ہوں گی،شام میں بھی عیسائیوں کی حکومت قائم ہو جائے گی،ہر جگہ کفار کے مظالم بڑھ جائیں گے،عرب میں بھی مسلمانوں کی باقاعدہ پرشوکت حکومت نہیں رہے گی،خیبر کے قریب تک عیسائی پہنچ جائیں گے اور اس جگہ تک ان کی حکومت قائم ہو جائے گی، بچے کھچے مسلمان مدینہ منورہ پہنچ جائیں گے،اس وقت حضرت امام مہدی علیہ السلام مدینہ منورہ میں ہوں گے۔لوگوں کے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوگا کہ اب امام مہدی علیہ السلام کو تلاش کرنا چاہیے،ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کو امام بنالینا چاہیے۔اس زمانے کے نیک لوگ،اولیاءاللہ اور ابدال سب ہی امام مہدی کی تلاش میں ہوں گے۔بعض جھوٹے مہدی بھی پیدا ہو جائیں گے،امام اس ڈر سے کہ لوگ انھیں حاکم اور امام نہ بنالیں مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ آجائیں گے اور بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے ہوں گے،حجرِ اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان میں ہوں گے کہ پہچان لئے جائیں گے اور لوگ ان کو گھیر کر ان سے حاکم اور امام ہونے کی بیعت کرلیں گے۔اسی بیعت کے دوران ایک آواز آسمان سے آئے گی جس کو تمام لوگ جو وہاں موجود ہوں گے،سنیں گے،وہ آواز یہ ہوگی،''یہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اور حاکم بنائے ہوئے امام مہدی ہیں۔(۲۹)

اسی امر کی وضاحت مفتی محمد زین العابدین کرنالوی نے بھی کی ہے، وہ کہتے ہیں:

جس مقدس مہدی کا ذکر احادیث مبارکہ میں بکثرت ملتا ہے اوران کی آمد کی خوشخبری سید الانبیاؐ نے دی ہے اس سے مراد وہ مہدی ہیں جو ابھی پیدا نہیں ہوئے بلکہ حضرت فاطمہؓ کی اولاد میں پیدا ہوں گے اور وہ رسول پاکؐ کے ایک نیک امتی ہوں گے۔ ان کا ظہور احادیث متواترہ سے اور امت کے اجماع سے تفصیلاً ثابت ہے اوران کے آئندہ عدم ظہور کا مدعی منکر اور گمراہ ہے۔(۳۰)

تصوف وصوفیہ

صوفیہ کے سلسلوں سے وابستگی اور اشغال صوفیہ میں مشغولیت کے حوالے سے مولانا خلیل احمد سہارنپوری لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک مستحب ہے کہ انسان جب عقائد کی درستی اور شرع کے مسائل ضروریہ کی تحصیل سے فارغ ہو جائے تو ایسے شیخ سے بیعت ہو جو شریعت میں راسخ القدم ہو، دنیا سے بے رغبت ہو، آخرت کا طالب ہو، نفس کی گھاٹیوں کو طے کر چکا ہو، خوگر ہو نجات دہندہ اعمال کا اور علیحدہ ہو تباہ کن افعال سے، خود بھی کامل ہو دوسروں کو بھی کامل بنا سکتا ہو، ایسے مرشد کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اپنی نظر اس کی نظر میں مقصود رکھے اور صوفیہ کے اشغال یعنی ذکر وفکر اور اس میں فناء تام کے ساتھ مشغول ہو اور اس نسبت کا اکتساب نعمت عظمیٰ اور غنیمت کبریٰ ہے جس کو شرع میں احسان کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے اور جس کو یہ نعمت میسر نہ ہو اور یہاں تک نہ پہنچ سکے اس کو بزرگوں کے سلسلہ میں شامل ہو جانا ہی کافی ہے۔(۳۱)

مولانا خلیل احمد سہارنپوری انبیاؑء اور دیگر صلحاء سے توسل کے حوالے سے ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک دعاؤں میں انبیاء وصلحاء واولیاء وشہداء وصدیقین کا توسل جائز ہے، ان کی حیات میں یا بعد وفات، بایں طور کہ کہے یا اللہ میں بوسیلہ فلاں بزرگ کے تجھ سے دعا کی قبولیت اور حاجت براری چاہتا ہوں، اسی جیسے اور کلمات کہے۔(۳۲)

توسل کا کونسا طریقہ جائز ہے اور کونسا ناجائز؟ اس سلسلے میں مولانا محمد طاہر مسعود وضاحت کرتے ہیں:

توسل کا معنی ہے کسی کو وسیلہ اور ذریعہ بنانا۔ انبیاء کرام علیہم السلام، صلحاء واولیاء، صدیقین وشہداء واتقیاء کا توسل جائز ہے، یعنی ان کے وسیلہ سے دعا مانگنا جائز ہے۔ توسل نیک ہستیوں کی زندگیوں میں بھی جائز ہے اوران کی وفات کے بعد بھی جائز ہے۔ توسل کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا کرے کہ یا اللہ! میں آپ کے فلاں ولی کے وسیلے سے اپنی دعا کی قبولیت چاہتا ہوں اور اپنی حاجت برآری کا خواستگار ہوں، یا اسی جیسے دوسرے کلمات کہے۔

بزرگوں کو وسیلہ بنانے کے بجائے براہ راست انہی سے حاجات مانگنا اور ان کو مشکل کشا سمجھنا شرک ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات، اس کی صفات، اس کے اسمائے حسنیٰ اور اعمال صالحہ مثلاً نماز، روزہ، برالوالدین، صدقہ، ذکر، تلاوت قرآن، درود شریف اور اجتناب معاصی وغیرہ سے توسل جائز ہے۔ جیسے نیک اعمال کا توسل جائز ہے، ایسے ہی نیک اور برگزیدہ ہستیوں کا توسل بھی جائز ہے، کیونکہ ذوات یعنی نیک لوگوں کا توسل درحقیقت اعمال ہی کا توسل ہے۔(۳۳)

سلوک وتصوف سے وابستگی کے بارے میں دارالعلوم دیوبند نے اپنا مسلک ان مختصر الفاظ میں بیان کیا ہے:

اسی کے ساتھ بطریق اہل سلوک جو رسمیات اور رواجوں اور نمائشی حال وقال سے مبرا اور بری ہے، تزکیۂ نفس واصلاح باطن بھی اس [دارالعلوم] کے مسلک میں ضروری ہے۔(۳۴)

ملائکہ کے بارے میں عقیدہ

قرآن وحدیث میں ملائکہ کا ذکر کثرت سے آیا ہے، چنانچہ علمائے کرام نے اہم عقائد بیان کرتے ہوئے ملائکہ کے بارے میں بھی اپنا عقیدہ بیان کیا ہے۔مولانا اللہ یار خان اس سلسلے میں اپنا عقیدہ یوں بیان کرتے ہیں:

ایک مخلوق نوری ہے جو ہماری نظر سے غائب ہے اس کو فرشتہ کہتے ہیں۔ یہ صفت نر و مادہ سے پاک ہیں۔ان کی غذا ذکر الٰہی ہے۔ یہ گناہ سے پاک ہیں۔اللہ کی نافرمانی نہیں کر سکتے۔ان کے مختلف فرائض مقرر ہیں جن کی ادائیگی میں کبھی غفلت نہیں کرتے۔چار فرشتے امتیازی حیثیت رکھتے ہیں: جبرائیلؑ، میکائیلؑ، اسرافیلؑ اور عزرائیلؑ۔(۳۵)

جن

قرآن حکیم میں مختلف انداز سے جنّات کا ذکر آیا ہے، چنانچہ عقائد کی بہت سی کتابوں میں علماء نے اس کے بارے میں بھی اپنی رائے ظاہر کی ہے۔مولانا اللہ یار خان ''جن'' کے بارے میں اپنا نظریہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے ایک مخلوق آگ سے پیدا کی ہے جو ہماری نظروں سے پوشیدہ ہے۔اسے جن کہتے ہیں۔ان میں نر و مادہ ہوتے ہیں۔ان کی اولاد بھی ہوتی ہے۔ان میں نیک وبد ہر طرح کے ہوتے ہیں۔(۳۶)

عقیدہ آخرت

اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ایک عقیدۂ آخرت ہے، اس کی اہمیت اور ماہیت کے بارے میں مولانا اللہ یار خان

یوں وضاحت کرتے ہیں:

دنیا دار العمل ہے، یہ زندگی ایک مہلت ہے جس میں اچھے یا برے عمل کیے جاتے ہیں۔ان اعمال کی جزا سزا کے لئے ایک دن مقرر ہے جسے روز جزا کہتے ہیں۔اس روز ہر شخص کو اس کے کیے کا بدلہ مل کے رہے گا۔جو لوگ اس دنیا میں اللہ کا بندہ بن کر زندگی گزارتے رہے، وہ انعامات الٰہی کے مستحق ہوں گے، ان کا ٹھکانہ جنت ہوگا۔اللہ کے نافرمانوں کی جگہ جہنم ہوگی۔ہم جس طرح جنت و دوزخ کے موجود ہونے پر ایمان رکھتے ہیں اسی طرح جنت کے انعامات اور دوزخ کے عذاب پر بھی ایمان ہے۔جنت و دوزخ کے ثواب و عذاب فانی نہیں، ابدی ہیں، مگر حادث ہیں۔وزن اعمال کا عقیدہ برحق ہے جو میدان قیامت میں ہوگا۔پل صراط کا عقیدہ برحق ہے جس پر سے مخلوق کو گزرنا ہوگا۔انسان ان ہی قبروں سے اٹھیں گے جن میں دفن کیے گئے تھے۔حشر حیوانوں کا بھی ہوگا۔ان کے اعمال کے لئے نہیں بلکہ اپنا عدل و انصاف ظاہر کرنے کے لئے۔سوال و جواب نکیرین ''من ربک، من نبیک، وما دینک'' برحق ہے، یہ اسی قبر میں ہوتے ہیں جس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے۔عذاب و ثواب قبر روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے۔(۳۷)

اجتہاد

اہل سنت دیوبندی مکتب فکر اجتہاد کی بنیاد کتاب و سنت اور اجماع و قیاس کو قرار دیتا ہے جو کہ فقہ حنفی کے اصول فقہ سے عبارت ہیں۔ان کی روشنی میں اجتہاد کا طریقہ کار کیا ہوگا اور اس کے علاوہ اس سلسلے میں دیگر لوازمات اور احکام کے استنباط و استخراج کی حکمت عملی کیا ہوگی، اس سلسلے میں دار العلوم دیوبند کا نقطہ نظر کچھ یوں ہے:

علمی حیثیت سے یہ ولی اللٰہی جماعت ''اہل سنت والجماعت'' ہے جس کی بنیاد کتاب و سنت اور اجماع و قیاس پر قائم ہے، اس کے نزدیک تمام مسائل میں اول درجہ نقل و روایت اور آثار سلف کو حاصل ہے، جس پر پورے دین کی عمارت کھڑی ہوئی ہے، اس کے یہاں کتاب و سنت کی مرادات محض قوت مطالعہ سے نہیں بلکہ اقوال سلف اور ان کے متوارث مذاق کی حدود میں محدود رہ کر نیز اساتذہ اور شیوخ کی صحبت و ملازمت اور تعلیم و تربیت ہی سے متعین ہوسکتی ہیں، اسی کے ساتھ عقل و درایت اور تفقہ فی الدین بھی اس کے نزدیک فہم کتاب و سنت کا ایک بڑا اہم جز ہے۔وہ روایات کے مجموعے سے شارع علیہ السلام کی غرض و غایت کو سامنے رکھ کر تمام روایات کو اسی کے ساتھ وابستہ کرتا ہے اور سب کو درجہ بدرجہ اپنے اپنے محل پر اسی طرح چسپاں کرتا ہے کہ وہ ایک ہی زنجیر کی کڑیاں دکھائی دیں، اس لئے جمع

بین الروایات اور تعارض کے وقت تطبیق احادیث اس کا خاص اصول ہے، جس کا منشا یہ ہے کہ وہ کسی ضعیف سے ضعیف روایت کو بھی چھوڑنا اور ترک کر دینا نہیں چاہتا، جب تک کہ وہ قابل احتجاج ہو، اسی بنا پر اس جماعت کی نگاہ میں نصوص شرعیہ میں کہیں بھی تعارض اور اختلاف سے مبرا رہ کر ایک ایسا گلدستہ دکھائی دیتا ہے جس میں ہر رنگ کے علمی و عملی پھول اپنے اپنے موقع پر کھلے ہوئے نظر آتے ہیں۔(۳۸)

مزید برآں مذکورہ بالا چار عناصرِ اجتہاد کی حیثیت کو یوں متعین کیا گیا ہے:

پھر ان تمام بنیادی عناصر کی بنیاد واساس کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع امت اور قیاس مجتہد ہے، جن میں سے پہلی دو حجتیں تشریعی ہیں جن سے شریعت بنتی ہے اور آخر کی دو حجتیں تفریعی ہیں جن سے شریعت کھلتی ہے، پہلی دو حجتیں منصوصات کا خزانہ ہیں جو روایتی ہیں، جن کے لئے سند وروایت ناگزیر ہے اور دوسری دو حجتیں درایتی ہیں جن کے لئے تربیت یافتہ عقل وفہم اور تقویٰ شعار ذہن وذوق ناگزیر ہے، اس لئے یہ مسلک اعتدال نقلی بھی ہے اور عقلی بھی، روایتی بھی ہے اور درایتی بھی، مگر اس طرح کہ نہ عقل سے خارج ہے نہ عقل پر مبنی، بلکہ عقل ونقل کی متوازن آمیزش سے بایں اندازہ برپا شدہ ہے کہ نقل اور وحی اس میں اصل ہے اور عقل اس کی ہمہ وقتی خادم اور کارپرداز ہے۔(۳۹)

اجتہاد کی حقیقت اور اجتہاد کا دروازہ کھلا ہونے نیز اس کی شرائط کے بارے میں مولانا محمد طاہر مسعود لکھتے ہیں:

اجتہاد اس خاص قوت استنباط کا نام ہے، جس کے ذریعہ آدمی قرآن وحدیث کے خفیہ ودقیق احکام ومعانی اور اسرار وعلل کو انشراحِ صدر کے ساتھ حاصل کر لیتا ہے کہ عام لوگوں کی یہاں تک رسائی ممکن نہیں ہوتی۔ امور قطعیہ واجماعیہ میں اجتہاد نہیں ہوتا اور ایک مجتہد کا اجتہاد دوسرے مجتہد پر حجت نہیں ہوتا۔

اجتہاد کا دروازہ بند نہیں، نئے پیش آمدہ مسائل میں اجتہاد ہو سکتا ہے۔ اجتہاد کے لئے اہل اجتہاد ہونا اور ان تمام شرائط کا پایا جانا جو ایک مجتہد کے لئے ضروری ہیں، شرط ہے۔ مزید برآں اجتہاد میں انفرادیت کی بجائے اجتماعیت کی راہ اختیار کرنی چاہیے، یعنی تمام اہل اجتہاد مل کر نئے پیش آمدہ مسائل کا حل نکالیں۔(۴۰)

تقلید

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے اجتہاد کی اباحت کا قائل ہونے کے باوجود اہل سنت دیوبندی مسلک حضرت امام ابوحنیفہؒ کی تقلید پر باقی ہے اگر چہ اُن کے نزدیک اہل سنت کے چار ائمہ میں سے کسی ایک کی تقلید کی جا سکتی ہے لیکن وہ حضرت امام ابوحنیفہ کی تقلید پر اصرار کرتے ہیں، جیسا کہ مولانا خلیل احمد سہارنپوری لکھتے ہیں:

اس زمانہ میں نہایت ضروری ہے کہ چاروں اماموں میں سے کسی ایک کی تقلید کی جائے بلکہ واجب ہے کیونکہ ہم نے تجربہ کیا ہے کہ آئمہ کی تقلید چھوڑنے اور اپنے نفس وہوا کے اتباع کرنے کا انجام الحادوزندقہ کے گڑھے میں جاگرنا ہے۔ اللہ پناہ میں رکھے اور بایں وجہ ہم اور ہمارے مشائخ تمام اصول وفروع میں امام المسلمین ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مقلد ہیں۔ خدا کرے اسی پر ہماری موت ہو اور اسی زمرہ میں ہمارا حشر ہو۔ (۴۱)

اتحاد بین المسلمین

دیگر مسالک کے علماء کی طرح ہم نے اتحاد بین المسلمین کے حوالے سے اہل سنت دیوبندی مسلک کے علماء کے افکار بھی معلوم کیے۔ اس سلسلے میں مفتی غلام الرحمٰن کا کہنا تھا:

> معروضی حالات، ذہنی سطح اور عقل وفکر کے تفاوت کی وجہ سے علمی اختلافات ناگزیر ہیں لیکن یہ اختلافات اختلافِ رائے کی حد تک ہونے چاہئیں۔ اسے باہمی افتراق وانتشار، نزاع اور جھگڑوں کا ذریعہ بنانا دانشمندی نہیں۔ ہر شخص کو اظہارِ رائے کا حق حاصل ہے، اس لیے اگر کوئی اختلاف کرے تو جذباتی رنگ سے اُس کو رد نہ کیا جائے۔ جذباتیت کی بجائے سنجیدگی، معقولیت اور دلائل کی روشنی میں افہام وتفہیم ہونا چاہیے تاکہ خیر کی بجائے شر اور فائدہ کی بجائے نقصان نہ ہو۔

مسلمانوں کے درمیان اتحاد کے حوالے سے علمائے کرام اس امر میں واضح ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ سب مسلمان اختلاف رائے ختم کر کے ایک ہو جائیں کیونکہ سب جانتے ہیں کہ ایسا ہونا ممکن نہیں، جیسا کہ مفتی غلام الرحمٰن کی مذکورہ بالا گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے۔ مولانا محمد خان شیرانی بھی اسی امر پر زور دیتے ہوئے برداشت اور ہم آہنگی کا راستہ تجویز کرتے ہیں:

> مسلمانوں کے مختلف مسالک کے مابین اتحاد کا اگر معنی یہ ہے کہ فکر وعمل دونوں میں یکسانیت آجائے تو یہ ممکن نہیں۔ ہر ایک اپنی رائے اور مسلک پر قائم ہوتے ہوئے اُسے حرف آخر نہ سمجھے، دوسروں سے اسے لڑائی کا باعث نہ گردانے تو یہ صحیح ہے۔

مسلمانوں میں اتحاد اور قربت پیدا کرنے کیلئے بعض دردمندوں کے نزدیک ایک راستہ یہ ہے کہ دینی مدارس کی فضا اور نصاب اس طرح سے بنایا جائے کہ ہر مدرسے میں دیگر مسالک کے افراد بھی داخلہ لے سکیں، مولانا انوار الحق نے اپنے مدرسے دار العلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک کی پالیسی بیان کرتے ہوئے کہا:

> اگر کوئی بریلوی نظریات کا حامل طالب علم آئے تو ہم اُسے ضرور داخلہ دیں گے۔ کئی بریلوی خاندانوں کے بچے ہمارے ہاں پڑھتے ہیں۔ جماعت اسلامی کے ضلعی امیر کا بیٹا بھی ہمارے ہاں زیر تعلیم ہے۔

مولانا نور الحق قادری کا بیٹا اور بھائی بھی ہمارے پاس زیرِ تعلیم رہے ہیں۔

مولانا انوار الحق نے مزید کہا:

ایک اور بریلوی عالم دین ہیں جن کی حیات آباد میں بہت بڑی مسجد ہے اور اُن کا ایک مدرسہ بھی ہے، اُن کا بیٹا بھی ہمارے پاس زیرِ تعلیم رہا ہے۔ ہمارے ہاں داخلے میں ایسی کوئی پابندی نہیں ہے جس مرضی مسلک کا طالب علم آنا چاہے، آجائے۔

اس موقع پر مولانا راشد الحق نے جو دارالعلوم حقانیہ میں مدرس ہیں نیز مولانا سمیع الحق کے صاحبزادے ہیں، اضافہ کرتے ہوئے کہا:

بے شک کوئی اہل تشیع ہو، ہماری طرف سے کوئی پابندی نہیں ہے۔

ظاہر ہے کہ اس سلسلے میں پھر ایک ایسے نصاب کی ضرورت پر بات ہوگی کہ جو تمام مسالک کے مابین مشترک ہو یا پھر تمام مسالک کی ضروریات کا خیال رکھا جائے۔ البتہ سب سے اہم بات ایسی فضا کا پیدا کیا جانا ہے کہ جس میں تمام مسالک کے طلبہ کے لیے اپنائیت موجود ہو، اس سلسلے میں اپنے مدرسے کی مثال دیتے ہوئے مولانا انوار الحق نے کہا:

ہمارے درس میں بھی کسی مسلک کے خلاف کوئی بات نہیں ہوتی۔ میں 46 سال سے پڑھا رہا ہوں کبھی اس کا تصور بھی نہیں کہ میں اہل تشیع کے خلاف بات کروں۔

جب ہم نے یہ کہا کہ ایک تأثر یہ ہے کہ ہر مسلک کے مدرسے میں دیگر مسالک کے خلاف ذہن تیار کئے جاتے ہیں تو مولانا راشد الحق نے کہا:

پراپیگنڈا ہے کہ دینی مدارس میں طلبہ کے ایک دوسرے کے خلاف ذہن بھرے جاتے ہیں۔

البتہ مدارس میں جہاد کی تعلیم دیے جانے کے موضوع پر بھی مولانا انوار الحق نے اس موقع پر ایک جملے کا اضافہ کیا:

رہی بات جہاد کی تو وہ اسلام کا جز ہے اور اس کے بارے میں قرآنی آیات ہیں وہ تو استاد بیان کرے گا۔

تکفیر

کسی شخص کو کس بنیاد پر کافر قرار دیا جا سکتا ہے یا ایک مسلمان کی تکفیر کے بارے میں کیا حکم ہے، یہ موضوع ہمیشہ سے مسلمانوں میں بڑی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ بعض گروہ معمولی باتوں پر بھی تکفیر کا فتویٰ صادر کر دیتے ہیں۔ اس سلسلے مولانا اللہ یار خان اپنا نظریہ اختصار کے ساتھ یوں بیان کرتے ہیں:

ہم کسی مسلمان کو کافر نہیں کہتے۔ جب تک وہ ضروریات دین میں سے کسی ایک کا منکر نہ ہو۔ (۴۲)

اس ضمن میں یہ سوال بھی اہمیت رکھتا ہے کہ کیا کوئی مسلمان ارتکاب گناہ کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے یا نہیں، اس سوال کا جواب مولانا اللہ یار خان کی اس عبارت میں موجود ہے:

ارتکاب گناہ کی وجہ سے ہم کسی مسلمان کو کافر نہیں کہتے۔ البتہ گناہ گار بغیر توبہ کے مر گیا تو پھر بھی سزا بھگت کر جنت میں جائے گا۔ (۴۳)

مولانا محمد خان شیرانی نے اس مسئلے کی وضاحت کرتے ہوئے کہا:

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایمانیات مجمل ہیں مثلاً شرک قبیح ہے یا بدعت قبیح ہے۔ قرآن وسنت سے یقینی طور پر یہ اجمال ثابت ہے۔ ان کی تفصیلات اجتہادی اور ظنی ہیں، ایمانیات میں شمار نہیں ہوتیں۔ اگر کوئی مسلمان کسی عمل کو شرک یا بدعت سمجھے تو نہیں کرے گا اور نہ ہی کرنا چاہیے لیکن اگر وہ اپنے اجتہاد یا معلومات کے مطابق کسی عمل کو شرک یا بدعت نہ سمجھے تو پھر اس کی اپنی مرضی ہے۔ نیز ہر اجتہاد کی پابندی خود مجتہد پر تو واجب ہے لیکن اس کے اجتہاد کو دوسروں پر تحمیل کرنا اس کا حق نہیں۔ فتوے ہمیشہ تحمیل کے میدان میں لگتے ہیں، عمل کے میدان میں نہیں لگتے۔ اگر کوئی مجتہد خود اپنے اجتہاد پر عمل کرے اور دوسروں پر تحمیل نہ کرے تو فتوے کی نوبت نہیں آئیگی۔ فتوے کی نوبت تب آئے گی جب کوئی مجتہد یا عالم یہ کہے کہ میرے اجتہاد یا علم کو ضرور مان لو۔ تقلیدی ایمان دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ اگر کوئی شک ڈلوانے والا ٹکرا جائے تو اس کے ایمان میں تزلزل آئے گا۔ یہ ایمان بہ اتفاق علماء قابل قبول نہیں لیکن اگر ایک شخص اس تقلیدی ایمان میں اتنا مضبوط و مستحکم ہو کہ کسی بھی صورت اس میں تزلزل واقع نہ ہو تو اس کو بھی امام ابوحنیفہؒ کے سوا دوسرے آئمہ کرام ایمان تسلیم نہیں کرتے۔ خود امام ابو حنیفہ بھی مقلد کے ساتھ اپنے ایمان کی دلیل نہ ہونے کی وجہ سے اسے گناہگار سمجھتے ہیں۔ نیز علم کلام کے جتنے اختلافات ہیں وہ ذات باری اور صفات باری کے بارے میں ہیں جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ کی مصنوعات میں غور کرو، ذات میں نہیں۔ اللہ جل شانہ فرماتے ہیں: لیس کمثلہ شئی۔ (۴۴)

انسان کی مصنوعات کسی اور سیارے کی مخلوق کے پاس پہنچ جائیں جبکہ وہ خود انسان کی ذات اور صفات سے واقف نہ ہو، اور اس کی ذات اور صفات کا اندازہ اس کی مصنوعات سے لگائے تو ہر اندازہ غلط ہو گا۔ اس کا ایک ہی جواب ہو گا کہ یہ سب انسان کی بنائی ہوئی مصنوعات ہیں خود انسان ان جیسا نہیں، یہی جامع جواب ہو گا۔ تفصیلات میں جس قدر جائیں گے غلط ہو گا۔

نیز یہ کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مطابق ایمان بسیط ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ انسان کے پاس جو دو چیزوں کا نقد سرمایہ ہے، جان اور مال اور وہ ان دونوں میں منافع کی غرض سے تصرف کرتا ہے تو

یہ ہے ''تجارت'' جبکہ ایمان یہ ''عقد بیعۃ'' ہے انسان کی جانب سے جان اور مال کا، اللہ کے ساتھ اور اعمال ''تسلیم مبیعۃ'' ہے لہذا ایمان ''عقد بیعۃ'' بسیط ہے، اعمال اس کا جز نہیں ہیں۔ البتہ ایمان ''تسلیم مبیعۃ'' ہے جو قیمت کے لیے شرط ہے۔

توحید اور شرک اصولی باتیں ہیں، مثلاً قرآن حکیم میں ہے:

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ (۴۵)

یعنی تمام انسانیت کا دو باتوں پر اتفاق ہے ایک خلق یعنی نیست سے ہست کرنا اور دوسرا رزق یعنی زندگی کے وسائل کی فراہمی، یہ دونوں اللہ سے مختص ہیں۔ اس کے ساتھ اللہ جل شانہ فرماتے ہیں کہ دو مزید باتیں ماننی پڑیں گی۔ ایک ہدف اور دوسرا استعمال، یہ ہدایات کے اس مجموعے میں اللہ نے بتائے ہیں جس کا نام قرآن ہے۔ اگر اشتباہ ہے تو قرآن کے بارے میں ہوسکتا ہے کہ یہ خالق کی جانب سے ہے یا بندے نے خود بنایا ہے۔ اس کی آزمائش کا راستہ یہی ہے کہ کوئی سورت اس جیسی بنا لاؤ۔ جب ثالث کی نوبت آئے گی کہ تمھاری بنائی ہوئی سورت اس کی ہم پلہ ہے یا نہیں تو وہ مجھ پر نہ چھوڑیں چونکہ میں فیصلہ کروں گا تو فیصلہ پھر اسی راستے سے بھیجوں گا تو پھر اسی مشکل میں رہو گے، جس میں اس وقت ہو لہذا اپنی معاونت اور ثالثی کے لیے بھی ''**وَ ادْعُوْا شُهَدَآءَ كُمْ**''(۴۶) جو تمھارے خطبوں اور قصیدوں کے نمبر لگاتے ہیں، ان سے فیصلہ لو اگر وہ آپ سے کہیں کہ تمھارا بنایا ہوا سورہ اس سورہ کے ہم پلہ ہے تو تب بھی نہ مانو لیکن نہ کرسکو اور رہتی دنیا تک نہ کرسکو گے پھر تو مان لو کہ جو میں خالق ورازق ہوں اپنے خلق ورزق کے ہدف اور استعمال کا مجموعہ میں نے بھیجا ہے۔ اب اگر کوئی شخص یہ یقین رکھے اور اقرار کرے کہ خلق اور رزق دونوں اللہ کے ہیں، ہدف اور استعمال وہی خالق و رازق مجھے بتائے گا اور اس نے بتایا ہے، ہدایات کا مجموعہ یہ کتاب ہے جو قرآن ہے اور اس کا عملی نمونہ نبی ﷺ کی سیرت اور سنت ہے، اب اس کے بعد کیا اسے ہم موحد کہیں گے یا اس سے انتظار کروائیں گے کہ فلاں مجتہد یا عالم نے ہدایت کے اس مجموعے سے اور نبی ﷺ کی سیرت وسنت سے جس قسم کا ذہن زندگی کی روش کے لیے بنایا ہے اگر من وعن اسے تسلیم کرو گے تو موحد رہو گے ورنہ مشرک بن جاؤ گے؟ تو یہ توحید وشرک اللہ کی الوہیت میں ہوگا یا عالم کے علم میں ہوگا۔

حواشی

(۱) اللہ یار خان، مولانا: عقائد و کمالات علمائے دیوبند (ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دارالعرفان، منارہ، ۱۹۹۹) ص ۲۴ و ۲۵

(۲) اللہ یار خان، مولانا: عقائد و کمالات علمائے دیوبند (ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دارالعرفان، منارہ، ۱۹۹۹) ص ۹ و ۱۰

[اس عبارت میں موجود آیت کا حوالہ: زمر: ۳۹۔۷]

(۳) اللہ یار خان، مولانا: عقائد و کمالات علمائے دیوبند (ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دارالعرفان، منارہ، ۱۹۹۹) ص ۱۰ تا ۱۳

(۴) سہانپوری، خلیل احمد، مولانا: المُهَنَّدُ عَلَى المُفَنَّدُ (المیز ان ناشران وتاجران کتب، لاہور، ۲۰۰۵ء) ص ۳۸

(۵) اللہ یار خان، مولانا: عقائد و کمالات علمائے دیوبند (ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دارالعرفان، منارہ، ۱۹۹۹) ص ۱۵

(۶) اللہ یار خان، مولانا: عقائد و کمالات علمائے دیوبند (ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دارالعرفان، منارہ، ۱۹۹۹) ص ۱۵ و ۱۶

(۷) سہانپوری، خلیل احمد، مولانا: المُهَنَّدُ عَلَى المُفَنَّدُ (المیز ان ناشران وتاجران کتب، لاہور، ۲۰۰۵ء) ص ۴۰

(۸) اللہ یار خان، مولانا: عقائد و کمالات علمائے دیوبند (ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دارالعرفان، منارہ، ۱۹۹۹) ص ۱۶

(۹) محمد طاہر مسعود، مولانا مفتی: عقائدِ اہل سنت والجماعۃ، مدلل، (خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ، کندیاں، ۲۰۰۹ء) ص ۹۰

(۱۰) اللہ یار خان، مولانا: عقائد و کمالات علمائے دیوبند (ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دارالعرفان، منارہ، ۱۹۹۹) ص ۱۶۔۱۷

(۱۱) اللہ یار خان، مولانا: عقائد و کمالات علمائے دیوبند (ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دارالعرفان، منارہ، ۱۹۹۹) ص ۱۷

(۱۲) اللہ یار خان، مولانا: عقائد و کمالات علمائے دیوبند (ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دارالعرفان، منارہ، ۱۹۹۹) ص ۱۸

(۱۳) اللہ یار خان، مولانا: عقائد و کمالات علمائے دیوبند (ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دارالعرفان، منارہ، ۱۹۹۹) ص ۱۸ و ۱۹

(۱۴) اللہ یار خان، مولانا: عقائد و کمالات علمائے دیوبند (ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دارالعرفان، منارہ، ۱۹۹۹) ص ۱۹، ۲۰

(۱۵) سہانپوری، خلیل احمد، مولانا: المُهَنَّدُ عَلَى المُفَنَّدُ (المیز ان ناشران وتاجران کتب، لاہور، ۲۰۰۵ء) ص ۳۰

(۱۶) سہانپوری، خلیل احمد، مولانا: المُهَنَّدُ عَلَى المُفَنَّدُ (المیز ان ناشران وتاجران کتب، لاہور، ۲۰۰۵ء) ص ۲۷

(۱۷) سہانپوری، خلیل احمد، مولانا: المُهَنَّدُ عَلَى المُفَنَّدُ (المیز ان ناشران وتاجران کتب، لاہور، ۲۰۰۵ء) ص ۳۹

(۱۸) سہانپوری، خلیل احمد، مولانا: المُهَنَّدُ عَلَى المُفَنَّدُ (المیز ان ناشران وتاجران کتب، لاہور، ۲۰۰۵ء) ص ۴۳

(۱۹) اللہ یار خان، مولانا: عقائد و کمالات علمائے دیوبند (ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دارالعرفان، منارہ، ۱۹۹۹) ص ۱۴

(۲۰) سہانپوری، خلیل احمد، مولانا: المُهَنَّدُ عَلَى المُفَنَّدُ (المیز ان ناشران وتاجران کتب، لاہور، ۲۰۰۵ء) ص ۴۵

(۲۱) سہانپوری، خلیل احمد، مولانا: المُهَنَّدُ عَلَى المُفَنَّدُ (المیز ان ناشران وتاجران کتب، لاہور، ۲۰۰۵ء) ص ۵۳
(۲۲) محمد سرور، پروفیسر: ارمغان شاہ ولی اللہؒ (سندھ ساگر اکادمی، لاہور، ۱۹۹۷ء) ص ۵۱۶ و ۵۱۷
(۲۳) اللہ یار خان، مولانا: عقائد وکمالات علمائے دیوبند (ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دارالعرفان، منارہ، ۱۹۹۹) ص ۲۱
(۲۴) آلوسی، علامہ: روح المعانی (مکتبہ امدادیہ، ملتان) ج ۲۵ ص ۳۱
(۲۵) عبدالرؤف، مفتی: مجالس مفتی اعظم (ادارۃ المعارف، کراچی) ص ۷۶
یاد رہے کہ "مجالس مفتی اعظم" کے مرتب ومولف مولانا عبدالرؤف سکھروی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع کے خلیفہ ہیں۔
(۲۶) محمد طاہر مسعود، مولانا مفتی: عقائدِ اہل سنت والجماعۃ، مدلل، (خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ، کندیاں، ۲۰۰۹ء) ص ۱۶۶ و ۱۶۹
(۲۷) اللہ یار خان، مولانا: عقائد وکمالات علمائے دیوبند (ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دارالعرفان، منارہ، ۱۹۹۹) ص ۱۷
(۲۸) محمد طاہر مسعود، مولانا مفتی: عقائدِ اہل سنت والجماعۃ، مدلل، (خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ، کندیاں، ۲۰۰۹ء) ص ۱۱۳
(۲۹) محمد طاہر مسعود، مولانا مفتی: عقائدِ اہل سنت والجماعۃ، مدلل، (خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ، کندیاں، ۲۰۰۹ء) ص ۱۰۷ و ۱۰۸
(۳۰) کرنالوی، محمد زین العابدین، مفتی: عقائد اہل السنۃ والجماعۃ، ص ۲۱۳
(۳۱) سہانپوری، خلیل احمد، مولانا: المُهَنَّدُ عَلَى المُفَنَّدُ (المیز ان ناشران وتاجران کتب، لاہور، ۲۰۰۵ء) ص ۳۵
(۳۲) سہانپوری، خلیل احمد، مولانا: المُهَنَّدُ عَلَى المُفَنَّدُ (المیز ان ناشران وتاجران کتب، لاہور، ۲۰۰۵ء) ص ۲۹
(۳۳) محمد طاہر مسعود، مولانا مفتی: عقائدِ اہل سنت والجماعۃ، مدلل، (خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ، کندیاں، ۲۰۰۹ء) ص ۱۶۴ و ۱۶۵
(۳۴) http://www.darululoom-deoband.com/urdu/aboutdarululoom/matter/
(۳۵) اللہ یار خان، مولانا: عقائد وکمالات علمائے دیوبند (ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دارالعرفان، منارہ، ۱۹۹۹) ص ۲۳
(۳۶) اللہ یار خان، مولانا: عقائد وکمالات علمائے دیوبند (ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دارالعرفان، منارہ، ۱۹۹۹) ص ۲۳
(۳۷) اللہ یار خان، مولانا: عقائد وکمالات علمائے دیوبند (ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دارالعرفان، منارہ، ۱۹۹۹) ص ۲۲۔۲۳
(۳۸) http://www.darululoom-deoband.com/urdu/aboutdarululoom/matter/
(۳۹) http://www.darululoom-deoband.com/urdu/aboutdarululoom/matter/
(۴۰) محمد طاہر مسعود، مولانا مفتی: عقائدِ اہل سنت والجماعۃ، مدلل، (خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ، کندیاں، ۲۰۰۹ء) ص ۲۰۰ و ۲۰۱
(۴۱) سہانپوری، خلیل احمد، مولانا: المُهَنَّدُ عَلَى المُفَنَّدُ (المیز ان ناشران وتاجران کتب، لاہور، ۲۰۰۵ء) ص ۳۴
(۴۲) اللہ یار خان، مولانا: عقائد وکمالات علمائے دیوبند (ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دارالعرفان، منارہ، ۱۹۹۹) ص ۲۶
(۴۳) اللہ یار خان، مولانا: عقائد وکمالات علمائے دیوبند (ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دارالعرفان، منارہ، ۱۹۹۹) ص ۱۳ و ۱۴
(۴۴) (شوریٰ: ۴۲-۱۱)
(۴۵) (البقرۃ: ۲-۲۱) (۴۶) (البقرۃ: ۲-۲۳)

امتیازی مسائل

اہل سنت دیوبندی مسلک اور بریلوی مسلک فقہی لحاظ سے دونوں حنفی ہیں اس لئے احکام شریعت عبادات میں سے ہوں یا معاملات میں، ان دونوں کا کوئی اصولی فرق نہیں ۔اسی طرح قدیم کلامی منہج دونوں کا ایک ہی ہے اور دونوں اس لحاظ سے اشعری نظریات کے حامل ہیں ۔تاہم دونوں کے درمیان بعض مسائل میں اختلاف پیدا ہوا جس کی وجہ سے تاریخ کے ایک خاص مرحلے میں دو الگ گروہ معرض وجود میں آئے ۔اس کا کچھ حال ہم دونوں سے متعلق ابواب کے پہلے حصے میں بیان کر چکے ہیں ۔اس حصے میں ہم اُن مسائل کا تذکرہ کرتے ہیں، جن پر دیوبندی مسلک کی طرف سے زیادہ اصرار کیا جاتا ہے۔

دفاع زیغ وضلالت

اہل سنت (دیوبندی) نے عام مسلمانوں کے ہاں رائج بعض چیزوں کو شرک و بدعت قرار دیا اور بعض رسوم کو جاہلانہ رسوم سے تعبیر کیا۔اس سلسلے میں اُن کا مسلک بریلوی مسلک سے جدا معلوم ہوتا ہے۔ہم نے اس حوالے سے اُن کا اصولی مسلک دارالعلوم دیوبند کی ویب سائٹ سے حاصل کیا ہے، جس میں ''دفاع زیغ وضلالت'' کے زیر عنوان اُن کا مسلک یوں بیان کیا گیا ہے:

> یعنی متعصب گروہ بندوں اور اربابِ زیغ کے اٹھائے ہوئے فتنوں کی مدافعت، مگر وقت کی زبان و بیان میں اور ماحول کی نفسیات کے شعور کے ساتھ وقت ہی کے مانوس وسائل کے ذریعہ جس سے اتمامِ حجت ہو، نیز مجاہدانہ روح کے ساتھ ان کے استیصال کی مساعی کہ اس کے بغیر ازالۂ منکرات اور معاندین کی دست برد سے شریعت کا تحفظ ممکن نہیں، اس میں ردِ شرک و بدعت، رد الحادو دہریت، اصلاحِ رسومِ جاہلیت اور حسب ضرورت تحریری یا تقریری مناظرے اور تغیر منکرات سب شامل ہیں، ظاہر ہے کہ یہ شعبہ اعلاء کلمة الله بفحوائے لتكون كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا اور اظہار دین بفحوائے ''لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ'' اور عام نظمِ ملت سے متعلق ہے۔(۱)

اسی موضوع پر نامور اہل سنت عالم مولانا محمد اسحاق محدث دہلوی جنھیں دیوبندی مکتب فکر میں انتہائی احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ رسول اللہ کی سنت، خلفائے راشدینؓ کی طرز زندگی اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ کا طریقہ جو اہل سنت و جماعت کی معتبر کتابوں میں موجود ہے، معلوم کر کے اسے شادی، غمی اور اس کے علاوہ زندگی کے ہر معاملے میں جاری کریں اور اس سلسلے میں کسی کی ملامت کی پروا نہ کریں۔

چنانچہ سیدنا عبادۃ بن صامتؓ بیان کرتے ہیں کہ: **بایعنا رسول اللہ ﷺ علی السمع و الطاعة. فی العسر و الیسر. و المنشط و المکرہ. و علی اثرة علینا. و علی ان لاننازع الامر اهله. و علی ان نقول بالحق اینما کنا. لانخاف فی اللہ لومة لائم.**

ہم نے رسول اللہؐ کے ساتھ [امور ذیل پر] بیعت کی اس پر کہ تنگی، راحت و رنج اور فراخی میں بلکہ اپنی حق تلفی کی صورت میں بھی حکام کی اطاعت کریں۔ اس پر کہ صاحب اقتدار طبقہ سے اقتدار چھیننے کی کوشش نہ کریں۔ اس پر کہ ہم جہاں کہیں بھی ہوں حق بات کہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کسی کی ملامت کی پروا نہ کریں۔

اور اسی [یعنی سنت اور طریقہ سلف] کے خلاف جاہلیت کی تمام رسموں کو خواہ وہ شرک و بدعت ہوں، خواہ گناہ کبیرہ یا صغیرہ ہوں سب کو یکسر موقوف کر دینا چاہیے کیونکہ سیدنا غضیف بن حارث ثمالی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:

مااحدث قوم بدعة الا رفع مثلها من السنة فتمسّک بسنة خیر من احداث بدعة

جب بھی کسی قوم نے دین میں کوئی بدعت ایجاد کر لی ان سے اس کی مانند سنت اٹھالی گئی، اس لیے سنت پر مضبوطی سے عمل پیرا ہونا دین میں بدعت نکالنے سے بہتر ہے۔ (۲)

میت کو بدنی و مالی عبادت کا ثواب

یہ سوال عام مسلمانوں میں بہت اہمیت کا حامل ہے کہ کیا میّت کو بدنی اور مالی عبادت کا ثواب پہنچتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

علمائے حنفیہ کے نزدیک بدنی اور مالی عبادت کا ثواب میت کو پہنچ جاتا ہے، چنانچہ ہدایہ میں ہے: **ان الانسان له أن یجعل عمله لغیره صلوةً او صوماً أو صدقةً او غیرها عند أهل السنة و الجماعة** (۳)

''آدمی کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی کسی عبادت کا ثواب کسی دوسرے آدمی کو دے دے، خواہ وہ عبادت نماز، روزہ ہو یا صدقہ وغیرہ۔ اہل السنّت والجماعت کا یہی مسلک ہے۔ (۴)

ایصال ثواب کے لیے دن کی تخصیص

عام طور پر ہمارے معاشرے میں رائج ہے کہ کسی کی وفات کے بعد اُسے ایصال ثواب کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے جاتے ہیں اور اس مقصد کے لیے دنوں کی تخصیص بھی کی جاتی ہے۔اس سلسلے میں مولانا محمد اسحٰق دہلوی سے سوال کیا گیا کہ: ''رواج ہے کہ تیسرے روز لوگ جمع ہو کر تعزیت کے لیے میت کے گھر جاتے ہیں اور وہاں مل کر کلمہ طیبہ اور سورۃ الاخلاص پڑھ کر میت کو ایصال ثواب کرتے ہیں اور شیرینی بانٹتے ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں؟ نیز ایصال ثواب کے لیے تیسرا، دسواں، بیسواں اور چالیسواں مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں؟'' تو انھوں نے اس کا جواب یوں دیا:

اہل میت کے پاس تعزیت کرنی یعنی ان کو صبر کی تلقین کرنی تو جائز ہے۔۔۔مگر تیسرے دن لوگوں کو اکٹھا کرنا اور قرآن پاک یا کسی ایک سورۃ کے ختم کے لیے نیک لوگوں اور قاریوں کو جمع کرنا اور اجتماعی صورت میں جمع ہو کر پڑھنا، پڑھانا مکروہ ہے۔جیسا کہ نصاب الاحتساب میں ہے کہ:

ان ختم القرآن جهرابالجماعة ويسمى بالفارسية سيپاره خواندن مكروه.

بلند آواز سے لوگوں کے اجتماع کے ساتھ قرآن ختم کرنا، جسے فارسی زبان میں سیپارہ پڑھانا کہتے ہیں، بلاشبہ مکروہ ہے۔

اسی طرح تیسرا اور دسواں وغیرہ مقرر کرنا اور ان دنوں میں کھانا تیار کرنا اور قرآن پڑھنے والوں کو کھانے کی دعوت دینا بھی مکروہ ہے، جیسا کہ فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ:

ويكره اتخاذ الطعام فى اليوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الى القبر فى المواسم واتخاذ الدعوة بقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم اولقراءة سورة الانعام والاخلاص ويكره اتخاذ الضيافة من اهل الميت لانه شرع فى السرور، لافى الحزن وهى بدعة مستقبحة

اور پہلے اور تیسرے دن اور ہفتہ کے دن کھانا تیار کرنا اور خاص موقعوں پر کھانا پکا کر قبروں پر لے جانا اور ختم قرآن کے لیے نیک لوگوں اور قاریوں کو جمع کرنا یہ سب مکروہ ہے۔ایسے موقع پر، اہل میت کی ضیافت لینی مکروہ ہے کیونکہ ضیافت خوشی کے موقع پر جائز ہے، نہ کہ غم کے موقع پر یہ بدعت سیئہ ہے۔

اور نوادر الفتاویٰ میں ہے کہ جو دعوت میت کے لیے کی جاتی ہے تیسرے دن یا ساتویں دن یا ماہ وار یا سالانہ اس کا قبول کرنا مکروہ ہے، ایسا کھانا علماء کے لیے خاص طور پر مکروہ ہے۔(۵)

قبروں پر قرآن خوانی

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے دیوبندی مسلک کے علماء نے بعض مرسومات کے خلاف آواز اٹھائی۔ ان میں سے ایک قرآن خوانی کے لئے حفاظ کو قبروں پر بٹھانا بھی شامل ہے۔ ہمارے ملک میں یہ رواج اب بھی موجود ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں شاہ محمد اسحاق دہلوی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

اس مسئلے میں فقہی روایات مختلف ہیں۔ بعض کتب فقہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حافظوں کو (اجرت پر قرآن پڑھنے کے لیے) قبر پر بٹھانا مکروہ ہے۔ اس صورت میں نہ پڑھنے والے کو ثواب ملتا ہے اور نہ میت کو ثواب پہنچتا ہے۔ جیسا کہ خزنیة الروایات میں ہے۔

وفی شاھان: اجرة القرآن مثل ان یستاجر رجلالیقرأ القرآن علی رأس القبر قیل: ھذہ القراء ة لایستحق بھاالثواب لاللمیت ولا للقاری.

اور فتاوی شاہان میں ہے کہ قرآن پڑھنے کی اجرت مثلاً کسی آدمی کو اجرت پر قرآن پڑھنے کے لیے قبر پر متعین کرے تو اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس سے نہ میت کو ثواب ملتا ہے اور نہ ہی پڑھنے والے کو۔

اور نصاب الاحتساب میں ہے کہ:

اتخاذالقاری عند القبربدعة، ولا معنی بصلة القاری بقراء ته له، لم یفعله أحد من الخلفاء والصحابة.

قاری کو قبر پر مقرر کرنا بدعت ہے اور قاری کے اپنی قرأت سے احسان کرنے کا کوئی معنی نہیں۔ خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے بھی یہ کام نہیں کیا۔

لیکن درمختار کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر پر حافظوں کا بٹھانا مکروہ نہیں، چنانچہ اس میں ہے:

لایکرہ اجلاس القارئین عندالقبروھو المختار.(٦)

قرآن پڑھنے والوں کو قبر کے پاس بٹھانا مکروہ نہیں اور یہی مختار ہے۔

لیکن اختلاف کی صورت میں اصول فقہ کے قواعد کے مطابق احتیاط پر عمل کرنا چاہیے۔(٧)

عرس اور فقراء کو اُس روز کھانا کھلانا

مسلمانوں کا ایک بہت بڑا طبقہ بعض روحانی بزرگوں کے عرس کا دن مقرر کرتا ہے۔ اس سلسلے میں اسے عام طور پر بریلوی مسلک کے علماء کی تائید حاصل ہے، تاہم یہاں پر یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کے بارے میں اہل سنت دیوبندی مسلک کے علماء کا کیا نظریہ ہے۔ اس سلسلے میں عرس کے دن کا تعین اور اس روز فقراء کو کھانا کھلانے کے حوالے سے ایک سوال کے جواب

میں شاہ محمد اسحاق دہلوی لکھتے ہیں:

عرس کا دن مقرر کرنا جائز نہیں جیسا کہ مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں کہ: **لایجوز ما یفعله الجهال بقبور الاولیاء والشهداء من السجود و الطواف حولها واتخاذ السرج والمساجد الیها ومن الاجتماع بعد الحول کالأعیاد ویسمونه عُرساً.**

جاہل لوگ جو ناشائستہ افعال اولیاء اور شہداء کی قبروں پر کرتے ہیں، سب ناجائز ہیں، مثلاً قبروں پر سجدہ کرنا، ان کے گرد طواف کرنا، ان پر چراغ اور شمعیں جلانا، ان کے رخ مسجدیں بنانا اور عیدوں کی طرح قبروں پر اجتماع کرنا جسے عرس کہتے ہیں۔ [یہ سب ناجائز ہیں]۔

اور ایصال ثواب کی نیت سے وقت اور دن کی تخصیص کیے بغیر [محتاجوں اور غریبوں میں] کھانا تقسیم کرنا جائز ہے اس کو کسی نے نہیں روکا، البتہ وہ کھانا جو میت کے بعد تیار کرتے ہیں اور اس کے حصے کرکے گھر گھر پہنچاتے ہیں اور اسے بھاجی کہتے ہیں اس کا کوئی اعتبار نہیں، اس کھانے میں ثواب ملنے کی کوئی امید نہیں، چنانچہ شیخ عبدالحق جامع البرکات میں فرماتے ہیں کہ:

وہ کھانا جو اس ملک میں لوگ سال یا چھ ماہ یا چالیس روز کے بعد پکاتے ہیں اور اسے برادری میں تقسیم کرتے ہیں اور اسے بھاجی کہتے ہیں اس کا کوئی اعتبار نہیں، اسے نہ کھانا ہی بہتر ہے۔

اسی طرح شیخ الاسلام نے شیخ عبدالحق کی اس عبارت سے استدلال کرتے ہوئے بعینہ اس عبارت کو کشف الغطاء میں درج کیا ہے اور جو بعض روایات میں ہے کہ میت کی روح بعض راتوں مثلاً جمعہ کی رات، شب برأت اور عرفہ [نو ذوالحجہ] کی رات وغیرہ میں اپنے گھر آتی ہے یہ روایات صحاح میں نہیں ہیں [اسی طرح حدیث کی دوسری معتبر کتب میں بھی اس کا وجود نہیں] اور جب تک روایات صحیح، مرفوع اور متصل الاسناد نہ ہوں وہ قابل اعتبار نہیں، اگرچہ بعض لوگوں نے اپنی کتابوں میں نقل کردیا ہے بلکہ علمائے محدثین مثلاً علامہ علی قاری اور شیخ الاسلام وغیرہ نے ایسی روایات کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (۸)

پختہ قبریں بنانا

پختہ قبریں بنانے کا مسئلہ بھی مسلمانوں میں معرکۃ الآرا مسائل میں سے ہے۔ پاکستان میں موجود دینی مسالک میں سے اہل سنت دیوبندی اور اہل حدیث اسے درست نہیں سمجھتے۔ چنانچہ شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

قبر کو پختہ بنانا، اس پر گنبد تعمیر کرنا، اس کے گرد چار دیواری اور چبوترہ بنانا جائز نہیں، چنانچہ حدیث

میں ہے کہ:

نهى رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم أن يجصص القبر وأن يبنىٰ عليه وأن يقعد عليه. (۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ قبر کو چونے اور گچ سے پختہ کیا جائے اور اس پر گنبد وغیرہ بنایا جائے اور اس پر بیٹھا جائے۔

اور مواہب الرحمٰن میں ہے کہ:

ويحرم البناء على القبر للزينة ويكره للاحكام بعد الدفن.

اور قبر پر زینت کے لیے گنبد وغیرہ تعمیر کرنا حرام ہے اور دفن کے بعد مضبوطی اور پختگی کی غرض سے یہ کام کرنا مکروہ ہے۔(۱۰)

عورتوں کا قبروں پر جانا

شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی نے مردوں اور عورتوں کے قبروں پر جانے کے مسئلے کا بھی جواب دیا ہے۔ اُنھوں نے مردوں کے بارے میں لکھا ہے:

مردوں کے لیے قبر پر جانا جائز ہے بشرط یہ کہ وہ سنت طریقہ کے مطابق جائیں مگر عورتوں کے لیے قبروں پر جانا جائز نہیں۔(۱۱)

عورتوں کے قبروں پر جانے کے مسئلے کا اُنھوں نے تفصیل سے جائزہ لیا اور آخر کار اس نتیجے پر پہنچے ہیں:

اور عورتوں کے لیے زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ ان کے لیے قبروں پر جانا حرام ہے چنانچہ **غنية المستملي** میں ہے کہ:

ويستحب زيارة القبور للرجال وتكره للنسآء.

اور مردوں کے لیے زیارتِ قبور مستحب ہے لیکن عورتوں کے لیے مکروہ ہے۔

اور مجالس واعظیہ میں ہے کہ:

وأما النسآء فلا يحل لهن أن يخرجن الى المقابر، روى عن أبى هريرةؓ انه عليه السلام قال: لعن الله زوارات القبور

لیکن عورتوں کے لیے قبرستان میں جانا جائز نہیں کیونکہ سیدنا ابو ہریرۃؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قبروں پر جانے والی عورتوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

اور سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ:

لعن رسول الله ﷺ زائرات القبور والمتخذين عليها المساجد والسرج.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبروں پر جانے والی عورتوں اور قبروں پر مسجدیں بنانے والے اور چراغ جلانے والے مردوں پر لعنت فرمائی۔(۱۲)

اور نصاب الاحتساب میں ہے کہ:

سئل القاضی عن جواز خروج النسوة الی المقابر و الفساد فی مثل هذا فقال: لا تسئل عن الجواز و الفساد فی مثل هذا و انما تسئل عن قدر ما يلحقها من اللعن. و اعلم انها كلما نوت الخروج كانت فی لعنة الله و ملئكته عليهم السلام و اذا خرجت تلحقها الشياطين من كل جانب و اذا اتت فی لعنة الله كذلك حتى تعود و فی حديث: ايما امراة خرجت الى مقبرة تلعنها ملئكة السموٰت السبع و ملئكة الارضين السبع فتمشی فی لعنة الله و ايما امرأة دعت للميت بخير فی بيتها يعطيها الله تعالى ثواب حجة و عمرة. و روى عن سلمان و ابى هريرة رضى الله عنهما انه ﷺ ذات يوم خرج من المسجد فوقف على باب داره فاتت ابنته فاطمة رضى الله عنها فقال لها: من اين جئت؟ فقالت: خرجت الى منزل فلانة التى ماتت. فقال: هل ذهبتِ قبرها؟ فقالت: معاذ الله ان افعل شيئا بعدما سمعت منك ما سمعت. فقال: لو ذهبتِ قبرها لم تريحى رائحة الجنة.

قاضی سے پوچھا گیا کہ عورتوں کا قبرستان میں جانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس فعل کی خرابی سے متعلق؟ تو انھوں نے کہا کہ اس فعل کے جواز اور اس کی خرابی کے متعلق نہ پوچھو بلکہ یہ پوچھو کہ قبرستان میں جانے والی عورتوں پر کس قدر لعنت برستی ہے؟ یقین جانو جب عورت قبرستان جانے کا ارادہ کرتی ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کی لعنت شروع ہو جاتی ہے اور جب نکل پڑتی ہے تو ہر طرف سے شیاطین اس کے پیچھے ہو لیتے ہیں اور جب قبر پر پہنچتی ہے تو میت کی روح بھی اس پر لعنت کرتی ہے اسی طرح واپسی میں بھی وہ گھر پہنچنے تک لعنت میں رہتی ہے اور ایک حدیث میں ہے جو عورت قبرستان جاتی ہے اس پر ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمین کے فرشتے لعنت کرتے ہیں اور جب عورت اپنے گھر ہی میں بیٹھ کر میت کے حق میں دعاء کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ایک حج اور عمرہ کا ثواب دے گا۔(۱۳)

حواشی

(۱) http://www.darululoom-deoband.com/urdu/aboutdarululoom/matter/3.gif

(۲) دہلوی، محمد اسحاق، محدث: مسائل اربعین، ترجمہ: ابواحمد حسین سجاد بخاری (مکتبہ دار العلوم تعلیم القرآن، راولپنڈی، ۲۰۰۸ء) ص ۱۹ تا ۲۱

(۳) (هداية ۱ :۲۷٦ ، كتاب الحج باب الحج عن الغير)

(۴) دہلوی، محمد اسحاق، محدث: مسائل اربعین، ترجمہ: ابواحمد حسین سجاد بخاری (مکتبہ دار العلوم تعلیم القرآن، راولپنڈی، ۲۰۰۸ء) ص ۱۱۲

(۵) دہلوی، محمد اسحاق، محدث: مسائل اربعین، ترجمہ: ابواحمد حسین سجاد بخاری (مکتبہ دار العلوم تعلیم القرآن، راولپنڈی، ۲۰۰۸ء) ص ۱۲۱ و ۱۲۲

(٦) در مختار مع رد المختار ۱ :٦٦٨

(۷) دہلوی، محمد اسحاق، محدث: مسائل اربعین، ترجمہ: ابواحمد حسین سجاد بخاری (مکتبہ دار العلوم تعلیم القرآن، راولپنڈی، ۲۰۰۸ء) ص ۱۲۳ و ۱۲۴

(۸) دہلوی، محمد اسحاق، محدث: مسائل اربعین، ترجمہ: ابواحمد حسین سجاد بخاری (مکتبہ دار العلوم تعلیم القرآن، راولپنڈی، ۲۰۰۸ء) ص ۱۲۷ و ۱۲۸

(۹) صحيح مسلم، كتاب الجنائز [۱۱] باب النهى عن تجصيص قبر و البناء عليه [۳۲] حديث: ۹۴ [۹۷۰]

(۱۰) دہلوی، محمد اسحاق، محدث: مسائل اربعین، ترجمہ: ابواحمد حسین سجاد بخاری (مکتبہ دار العلوم تعلیم القرآن، راولپنڈی، ۲۰۰۸ء) ص ۱۲۹

(۱۱) دہلوی، محمد اسحاق، محدث: مسائل اربعین، ترجمہ: ابواحمد حسین سجاد بخاری (مکتبہ دار العلوم تعلیم القرآن، راولپنڈی، ۲۰۰۸ء) ص ۱۳۸

(۱۲) دہلوی، محمد اسحاق، محدث: مسائل اربعین، ترجمہ: ابواحمد حسین سجاد بخاری (مکتبہ دار العلوم تعلیم القرآن، راولپنڈی، ۲۰۰۸ء) ص ۱۳۹ و ۱۴۰

[وضاحت: جس عربی عبارت سے استشہاد کیا گیا ہے وہاں پر عورتوں کے لیے زیارت قبور کا مکروہ ہونا ظاہر ہوتا ہے جبکہ ماقبل کی عبارت میں اسے حرام لکھا گیا ہے، ہم نے نقل کی درستی کے پیش نظر عبارت من وعن پیش کر دی ہے۔]

(۱۳) دہلوی، محمد اسحاق، محدث: مسائل اربعین، ترجمہ: ابواحمد حسین سجاد بخاری (مکتبہ دار العلوم تعلیم القرآن، راولپنڈی، ۲۰۰۸ء) ص ۱۴۱ و ۱۴۲

عصری مسائل

غیر مسلموں سے روابط

مختلف مسالک کے علماء کرام سے گفتگو کرتے ہوئے ہم نے دیگر ادیان کے ماننے والوں سے روابط اور تعلقات کی نوعیت پر بات کی، علاوہ ازیں ان کا اس بارے میں نظریہ معلوم کیا کہ غیر مسلم اقلیتوں سے ہمیں اسلامی معاشرے میں کیسا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ مولانا محمد خان شیرانی سے جب ہم نے اس موضوع پر بات کی تو انھوں نے ادیان کے فلسفے اور آسمانی مذاہب کے مابین ہم آہنگی کے پہلوؤں کی طرف بھی اشارہ کیا، اسی طرح انھوں نے اقلیتوں کے ساتھ حسن سلوک پر بھی زور دیا، ان کے اپنے الفاظ ملاحظہ ہوں:

> تمام آسمانی مذاہب اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ انسان خالق اور کائنات کے درمیان ایک مخلوقِ وسط ہے۔ اس مخلوق کا ایک رابطہ خالق کے ساتھ ہے اور دوسرا کائنات کے ساتھ۔ اوپر والا رابطہ خالق سے اور نیچے والا مخلوق سے۔ اوپر والے رابطے کو صلوٰۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ صلوٰۃ گھڑ دوڑ میں شامل دوسرے گھوڑے کو کہتے ہیں، جس کا ماتھا پہلے گھوڑے کی پشت سے مس ہوتا ہے۔ وہ نہ آگے جاتا ہے اور نہ پیچھے رہتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا خالق سے رابطہ کامل تعظیم اور اطاعت کا ہوتا ہے۔ وہ نہ اللہ سے آگے نکلے اور نہ پیچھے ہٹے۔ اس اصول صلوٰۃ کے لئے آسمانی کتابوں میں مختلف مصادیق اور اظہار کے مختلف طریقے ہیں۔ بنیادی اصول ایک ہے۔ اس کی عملی شکلیں تھوڑی بہت بدلی ہوئی ہیں۔ مثلاً عیسائی مسلک میں نماز کا طریقہ الگ ہے اور یہودی مسلک میں الگ ہے۔ ہمارے ہاں سب طریقوں کا مجموعہ ہے۔ کھڑا ہونا، جھک جانا اور سجدے میں جانا سب ہمارے طریقے میں شامل ہے۔ یہ صلوٰۃ کی آخری شکل ہے جو جامع ہے۔
>
> اسی طرح انسان کے کائنات سے رابطے کو ''زکوٰۃ'' کہتے ہیں۔ یہ بھی تمام ادیان میں ہے۔ یعنی شفقت و ہمدردی کی بنیاد پر سہارا دینا اور پرورش کرنا۔ کسی کو سہارا کیسے دیا جائے؟ اس کی نوعیت سب کے نزدیک مختلف ہے۔ اس سلسلے میں یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے ہاں مختلف صورتیں ہیں۔ اصول یکساں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ.(۱)

کہیے: اے اہل کتاب! آؤ اُس ایک کلمہ پر اکٹھے ہو جائیں جو ہمارے اور تمھارے درمیان مساوی ہے۔

یعنی ہمارے اور اُن کے درمیان جو مشترک نکتہ ہے اس پر اکٹھے ہونے کی دعوت ہے اور وہ ہے اللہ پر ایمان یعنی تعظیم واطاعت صرف اللہ کی ہو۔ اے اہل کتاب آپ بے شک اپنی شریعت کے مطابق عمل کریں اور ہم اپنی شریعت کے مطابق۔ گویا جب تک یہ دوسرے کے راستے میں حائل نہ ہو جائیں، لڑائی جھگڑے کی کوئی بات نہیں۔ تعظیم اور فرمان صرف اللہ کا ہو، پھر چاہے آپ کسی بھی شریعت پر کاربند ہوں، کوئی جھگڑا نہیں۔

کسی مذہب میں زنا کرنا، ناحق خون بہانا، چوری کرنا، شراب پینا، لحم خنزیر کھانا جائز نہیں۔ لوگوں میں لڑائی حکومتوں کے اقتدار کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب چاہے وہ ادیان کی بنیاد پر لڑوائیں، اقوام کی، مذہب کی، علاقوں کی بنیاد پر یا افکار کی بنیاد پر۔ پبلک کی کسی سے لڑائی نہیں، نہ ہندو کے ساتھ، نہ عیسائی کے ساتھ۔ یہاں لڑائیاں مصنوعی بنائی جاتی ہیں۔ ہمارے ہاں سکھ، عیسائی اور ہندو رہتے ہیں۔ وہ جہاں رہتے ہیں، لوگ اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں کہ ان کی عزت وآبرو اور مال وجان کی حفاظت کی جائے۔ اختلافات پیدا کیے جاتے ہیں، ورنہ اقلیتوں کے ساتھ عملی طور پر مل جل کر رہنے کے بارے میں پاکستان میں کوئی مسئلہ نہیں۔ مذاہب کی تعلیمات کے مطابق سبزے کو بغیر ضرورت کے نہیں کاٹا جا سکتا، زمین کو بغیر ضرورت کے نہیں کریدا جا سکتا اور پتھر کو بھی بلا ضرورت نہیں کوٹا جا سکتا۔ لہٰذا کسی غیر مسلم انسان کے ساتھ اسلام کسی ظلم کا روادار کیسے ہو سکتا ہے۔

مولانا محمد خان شیرانی نے اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے عقیدے کی آزادی پر بھی زور دیا علاوہ ازیں انھوں نے قانونی مساوات کو بھی ضروری قرار دیا، انھوں نے کہا:

> اسلامی نظم اجتماعی کا بنیادی مقصد ظلم کا خاتمہ ہوتا ہے۔ اللہ کی حدود کے اندر رہنے سے انسان کی انسان پر بالادستی قائم نہیں ہوتی بلکہ قانون کی بالادستی قائم ہوتی ہے۔ اس دائرے کو توڑنے سے انسان انسان کے کندھوں پر سوار ہو جاتا ہے۔ ذاتی عقیدے کے میدان میں کوئی جبر نہیں لیکن جب کوئی نظام میں رکاوٹ بنے تو پھر عقیدے کی تمیز نہیں ہوتی، کوئی کافر ہے یا مسلمان دونوں کو طاقت سے روکا جائے گا۔ ایسے میں کافر محارب کہلائے گا اور مسلمان باغی۔

اس موضوع پر مفتی غلام الرحمٰن بھی سینئر مولانا محمد خان شیرانی کی تائید کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ عالمی سطح پر سائنسی اور سماجی ترقی کی بنیاد پر بڑھتے ہوئے انسانی روابط اور باہمی ضروریات میں ایک دوسرے کے تعاون کے ناگزیر ہونے پر بھی ان کی نظر ہے۔ وہ کہتے ہیں:

ہمیں ایک معاشرے میں رہنا ہے اور یہ ایک انسانی معاشرہ ہے، یہ حیوانوں اور درندوں کا معاشرہ نہیں۔ یہ انسانی معاشرہ ہے اور انسان مدنی الطبع ہے۔ آج تو دنیا ایک گلوبل ویلج کی شکل اختیار کرتی جارہی ہے۔ پوری دنیا آپ کے دروازے پر دستک دے رہی ہے۔ مسلمان غیر مسلمان سب اس معاشرے کا حصہ ہیں۔ جب آپ دوسروں کے ساتھ اُٹھیں بیٹھیں گے تو پھر اس کی حدود ہیں... غیر مسلم کے ساتھ حسن سلوک بھی باعث ثواب ہے۔ اسلام کا یہ نظریہ ہے کہ کسی گورے کو کالے پر، عربی کو عجمی پر کوئی فوقیت نہیں۔ انسان ہونے میں سب برابر ہیں۔

دیگر مما لک سے روابط

دیگر مما لک سے تعلقات کی نوعیت کیا ہونی چاہیے اس سوال کے جواب میں مولانا محمد خان شیرانی نے پہلے مسلمان حکمرانوں کے بارے میں بھی اپنی رائے کا اظہار کیا اور اس کے بعد غیر مسلم حکومتوں سے تعلقات کے بارے میں اپنا نقطہ نظر بیان کیا، انھوں نے کہا:

> حکومت اسلامی ہونا الگ چیز ہے اور حکمرانوں کو مسلمان کے طور پر پکارا جانا دوسری چیز ہے۔ اس وقت جن مما لک کو ہم اسلامی مما لک کہتے ہیں ان کے حکمران دراصل مسلمان نام سے پکارے جاتے ہیں۔ حکومتیں اسلامی اس وقت ہوں گی جب وہاں پر مجموعی ملکی نظام اسلام کے اصولوں پر استوار ہو یا وہاں کا قانون قرآن وسنت کی تعلیمات کی بنیاد پر قائم ہو۔ بین الاقوامی معاہدوں میں جکڑے ہونے کی بنیاد پر ان کا اپنا اختیار کم ہے۔ ان حکمرانوں کی یا تو اپنی رائے بھی وہی ہوتی ہے یا پھر اپنی رائے میں آزاد نہیں ہوتے۔ آپ کے دین کے راستے میں اگر کوئی رکاوٹ نہ بنے تو اس سے لڑائی کی کوئی تک نہیں۔ محارب چاہے غیر مسلم نہ ہو لیکن نظام سے محارب ہو جیسے بُغاۃ [باغی گروہ] جو مسلمان تو ہوتے ہیں لیکن نظام کے راستے میں رکاوٹ بنتے ہیں، ان سے لڑنا پڑتا ہے ورنہ کسی مسلمان ریاست کی کسی دوسری ریاست سے کوئی لڑائی نہیں ہوتی۔

نصاب مدارس کو جامع تر بنانے کی ضرورت

مختلف مسالک کے دینی رہنما اور دینی مدارس کے اہل حل وعقد دینی مدارس کے نصاب کے بارے میں مختلف سیمناروں اور مذاکروں میں اسے بہتر بنانے کی تجاویز پیش کرتے رہتے ہیں۔ اس موضوع پر غور وفکر کا سلسلہ قیام پاکستان سے بہت پہلے سے جاری ہے۔ اس حوالے سے کئی ایک کتابیں بھی سامنے آچکی ہیں۔ حکومتی حلقوں کی جانب سے بھی اس موضوع پر بات

ہوتی رہتی ہے۔مولانا محمد خان شیرانی نے اس موضوع پر بات کرتے ہوئے کہا:

تیسری صدی کی ابتدا میں ہند، ایران اور یونان کے فلسفے کا ترجمہ ہوا۔اس سے علم کو ترقی حاصل ہوئی۔اسلامی حکومت کے زوال کی وجہ سے ہمارے ہاں سرکاری زبان تبدیل ہوگئی۔اس کی وجہ سے ہمارے مدارس کے فارغ التحصیل ماہرین کی کھپت نہ رہی۔رفتہ رفتہ ہمارے نظام تعلیم سے تجربے کا عنصر نکل گیا۔ہمارے ادارے دینی تعلیم تک محدود ہوکر رہ گئے۔حکومتوں کے زیر اثر فنی ادارے تشکیل پائے۔یہ ایک انتہا پر جاتے رہے اور وہ دوسری انتہا پر۔بعدازاں وہ اس لئے کامیاب ہوگئے کہ انھوں نے فلسفے کو مذہب کے مقابل لا کھڑا کیا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ مذہب خالق کا فرمان ہے تو کائنات اسی خالق کا عمل ہے۔جب فرمان اور عمل ایک کا ہو تو اس میں کوئی تضاد نہیں ہوسکتا۔تضاد بظاہر نظر بھی آئے تو وہ دراصل ہوتا نہیں۔یہ تو ہوسکتا ہے کہ ہم صحیح معنی میں سمجھ نہ سکیں۔لہٰذا تضاد نہیں تھا، انھوں نے پیدا کیا۔رفتہ رفتہ فلسفے کا علم بھی ہمارے نظامِ تعلیم سے نکل گیا اور صرف مذہبی تعلیم باقی رہ گئی۔جب دنیا دلیل و عقل کی بات کرے اور ہم فتوے کی بات کریں تو یہ عجیب بات ہے۔لہٰذا ہماری رائے یہ ہے کہ مدارس کے اتحاد کے ساتھ ساتھ ان کے نصاب کو بھی عصری تقاضوں کے مطابق جامع تر بنانے کی ضرورت ہے۔

اس حوالے سے مولانا انوار الحق حقانی نے بھی اپنا نقطہ نظر بیان کیا ہے۔انھوں نے اپنے مدرسے میں عصری علوم کی تدریس کے بارے میں بھی بیان کیا نیز بتایا کہ مدارس کے نصاب پر نظر ثانی کا ایک نظام ان کے ہاں پہلے سے قائم ہے۔ان کی بات انہی کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے:

ہمارے جدید نصاب میں علوم عصریہ بھی ضروری ہیں، بغیر کسی دباؤ (Pressure) کے اور بغیر کسی کی تلقین (Dictation) کے ہم نے خود سے اس کی ضرورت محسوس کی ہے۔مستقل ایک نصاب کمیٹی ہے۔مولانا رفیع عثمانی اُس کے صدر ہیں اور اُس میں پندرہ سے بیس ممبر ہیں۔وہ مسلسل کام کرتے رہتے ہیں۔حالات کے مطابق نظر ثانی کرتے ہیں۔ہمارا نصاب جامد و ساکت نہیں ہے۔ہم نے فقہ کو استدلالی کردیا ہے۔تمام بڑے مدارس میں کمپیوٹر ہیں اور داخلے کے لیے میٹرک کی شرط عائد کردی گئی ہے۔

قدیم اور جدید علم کلام

ماضی میں جب مسلمانوں کا دیگر قوموں اور تہذیبوں سے سامنا ہوا تو انھیں ان کے افکار سے بھی واقفیت ہوئی۔دیگر اقوام کے دانشوروں کی کتب کے ترجمے ہوئے اور یوں خود اسلام کے بنیادی عقائد و افکار پر نئے سوالات پیدا ہوئے۔انہی

سوالات کے جواب کے لیے علمائے عقائد نے کلام شروع کیا اور مختلف نظریات معرض وجود میں آنے لگے، یوں علم کلام اور اس کے ساتھ ساتھ نئے کلامی مکاتب فکر پیدا ہونے لگے۔ ان کی معرکہ آرائیاں تاریخ اسلام کا حصہ ہیں۔ ایک طویل عرصے سے جب سے مغرب میں نئے فلسفے نے انگڑائی لی ہے اور سائنس نے ایک نئی دنیا دریافت کرنا شروع کی ہے تو مذہب کو نئے سوالات پیش آنے لگے ہیں۔ بہت سے علماء اس امر کی طرف ایک عرصہ پہلے سے توجہ دلاتے رہے ہیں۔ کلام جدید پر عالم اسلام کے طول وعرض میں بہت سی کتب معرض وجود میں آئی ہیں۔ ان پر گہری نظر ڈالی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ کلام جدید میں بھی علمائے اسلام کی مختلف روشیں اور جہتیں ہیں۔ بہر حال کلام جدید کی کیا اہمیت ہے؟ اس پر مفتی غلام الرحمٰن نے یوں تبصرہ کیا:

> عصر حاضر اور ماضی قریب میں جس طرح دوسرے علوم وفنون میں ترقی ہوئی اور جدید نظریات اور نت نئے تصورات سامنے آئے اِسی طرح علم الکلام میں بھی جدید اور نئے مسائل پیدا ہوئے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی نے ایسی ایسی اُلجھنیں پیدا کردی ہیں کہ علم الکلام قدیم میں اُس کا حل صراحت اور وضاحت کے ساتھ نہیں پایا جاتا، اس لیے ضرورت ہے کہ جیسے ہم قدیم علم الکلام پڑھتے پڑھاتے ہیں تو اس کے ساتھ ساتھ جدید علم الکلام سے بھی نسلِ نو کو واقف کرائیں۔
>
> علم الکلام قدیم سے تو ہمیں چھٹکارا ممکن نہیں کیونکہ ہمارے اکابر کی کتابوں (جو ہمارا اصل علمی سرمایہ ہے) میں اُس وقت کے علم الکلام کی اصطلاحات بکثرت استعمال ہوئی ہیں اور اُن کا اندازِ بیان اور طرزِ استدلال قدیم علم الکلام کی موشگافیوں سے پُر ہے، اس لیے اگر ہم قدیم علم الکلام سے ناواقف رہیں تو اپنے بیش بہا علمی ذخائر سے ہمارا رابطہ منقطع ہو جائے گا اور ہم اُن سے استفادہ کے اہل نہ رہیں گے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اُس سے استفادہ کیے بغیر ہم حق وباطل میں تمیز نہیں کر سکتے۔ اس لیے قدیم علم الکلام سے واقفیت اپنی جگہ اہم اور ضروری ہے لیکن ساتھ یہ بھی ایک نا قابلِ انکار حقیقت ہے کہ چونکہ زمانہ بدلنے سے لوگوں کی ذہنیت، سوچ اور فکر کے زاویوں میں بڑی تبدیلی آئی ہے اس لیے معاصر افکار ونظریات کے پہچاننے اور اسلام کا حق مؤقف دنیا کے سامنے واضح کرنے کے لیے صرف قدیم علم الکلام پر اکتفاء غفلت یا تجاہلِ عارفانہ کے سوا کچھ نہیں، آج دنیا گلوبل ویلج میں تبدیل ہوگئی ہے، دنیا کے کونے کونے کی خبریں لمحوں میں پہنچ جاتی ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ علماء ومبلغین قدیم علم الکلام کے ساتھ ساتھ جدید علم الکلام سے بھی اچھی طرح واقف ہوں، تبھی دینِ اسلام کی خدمت حسن وخوبی کے ساتھ کی جاسکے گی۔
>
> اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ جدید دور کے افکار ونظریات جن زبانوں میں ہیں وہ زبانیں بھی سیکھی جائیں کیونکہ زبان سیکھے بغیر واقفیت ممکن نہیں۔

دینی اور جدید علوم کا ارتباط

اس امر کا احساس بہت سے علماء میں پایا جاتا ہے کہ کسی زمانے میں مسلمانوں کے تعلیمی ادارے سائنسی، عقلی اور نقلی علوم کے جامع ہوتے تھے۔ پھر کیا ہوا کہ دینی مدارس ایک خاص نصاب تعلیم تک محدود ہو گئے، اس کا تاریخی پس منظر اور جدید علوم کا دینی علوم سے ارتباط مفتی غلام الرحمٰن کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے:

> دینی اداروں میں عصری علوم کی تعلیم و تدریس کے متعلق مختلف حلقوں میں جو شکوک و شبہات پائے جاتے ہیں اور اس حوالے سے دینی مدارس کو موردِ اعتراض ٹھہرایا جاتا ہے، درحقیقت اس کی اصل وجہ دینی اداروں کے اصل اہداف اور مقاصد سے ناواقفیت ہے۔ اگر کوئی شخص دینی اور عصری اداروں کے اصل اہداف کو جاننے کے بعد مدارس کے کردار پر منصفانہ نظر ڈالے گا تو اُسے مدارس پر اعتراض کرنے کا کوئی جواز نظر نہیں آئے گا۔
>
> حقیقت یہ ہے کہ دینی اداروں کے قیام کا مقصد علومِ وحی کی حفاظت، خدمت اور پرچار ہے۔ دینی مدارس اس لیے قائم ہوتے ہیں کہ وہ معاشرے کی دینی رہنمائی کے لیے رجالِ کار اور رُوحانی اطباء مہیا کریں۔ الحمد للہ! اس لحاظ سے دینی مدارس اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ معاشرے میں جتنے دینی مناصب ہیں: خواہ وہ امامت ہو، خطابت ہو، قرآن وحدیث کی تدریس ہو، دینی مسائل کے حل کے لیے شعبہ افتاء ہو، عصری اداروں میں دینیات کی تعلیم ہو، یا اس کے علاوہ کوئی اور شعبہ؛ یہ تمام مناصب دینی مدارس کے فضلاء نے سنبھالے ہیں اور بطریقۂ احسن ذمہ داریاں نبھا رہے ہیں۔ اب اگر کوئی مدارس سے یہ شکایت کرے کہ اس میں ڈاکٹر، انجینئر، ماہرینِ اقتصادیات یا سائنس دان پیدا نہیں ہوتے تو یہ مقاصد سے ناواقفیت ہے اور یا ضد وعناد اس کے سوا کچھ نہیں۔
>
> دوسری طرف عصری اداروں کے قیام کا مقصد عصری اور دنیاوی علوم کے ماہرین پیدا کرنا ہے لیکن عصری علوم میں مہارت تب مفید ثابت ہوتی ہے جب اس کے ساتھ دینی تربیت بھی ہو، اس لیے عصری درسگاہوں کے نصاب میں بقدرِ ضرورت ٹھوس دینی علوم شامل کرنا وقت کی ضرورت ہے کیونکہ جب عصری تعلیم یافتہ شخص کے اندر خوفِ خدا اور دین داری نہ ہو تو اُس کا علم و ہنر ملک وقوم کے لیے مفید کم، مضر زیادہ ہوتا ہے۔ ضروری ہے کہ عصری اداروں سے ڈگری لینے والا دینی لحاظ سے خوب تربیت یافتہ ہو۔ سائنس روحانی چھتری کے زیرِ سایہ ہو تو اس کا سیکھنا سکھانا عبادت شمار ہوگا۔ اگر سائنس سیکھنے سے ایمان کی سطح بلند ہو تو یہ عبادت ہے۔ جس علم سے بھی ایمان کی سطح بلند ہو وہ علم دین اور مذہب کے زمرہ میں داخل ہوگا۔ چنانچہ امام بخاریؒ ’’باب أنا اعلمکم باللہ‘‘ کتاب الایمان میں ذکر کرتے ہیں۔

بظاہر تو علم کی بحث ہے اس لیے کتاب العلم میں لانا چاہیے تھا لیکن آپ کتاب الایمان میں لا کر اس طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ جس علم سے ایمان میں اضافہ ہو وہی علم کہلانے کا مستحق ہے۔ چنانچہ پھر ڈاکٹر اللہ تعالیٰ کی صفت ''الشافي'' کا مظہر ہوگا، انجینئر اللہ تعالیٰ کی صفت ''المصور'' کا مظہر ہوگا، حاکم اللہ تعالیٰ کی صفت ''الحاکم'' کا مظہر ہوگا، تاجر اللہ تعالیٰ کی صفت ''الرازق'' کا مظہر ہوگا اور یہ سب زمین میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہوں گے۔

اسی طرح مدارس کو بھی اپنے اصل اہداف پیش نظر رکھتے ہوئے بقدرِ ضرورت عصری علوم سے چشم پوشی اختیار نہیں کرنی چاہیے۔ ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ زندگی کے سفر میں اہلِ مدارس دنیا سے پیچھے رہ جائیں۔ ایسا کرنا خودکشی کے مترادف ہوگا۔ اس حوالے سے رہنمائی کے لیے ایسے ہوشیار رہبر کی ضرورت ہے جو دینی اقدار کو بھی محفوظ رکھے اور ساتھ ساتھ عصری تقاضوں کو بھی ملحوظ رکھے۔

دہشت گردی

دنیا میں دہشتگردی کا موضوع آج کل بہت نمایاں ہے۔ دہشتگردی کے خاتمے کے لئے پاکستان کے اردگرد بھی عالمی سطح کی جنگ جاری ہے۔ پاکستان کی اندر دہشتگردی کے جتنے واقعات گذشتہ ایک دہائی میں ہوئے اُس نے اس ملک کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ بدقسمتی سے بعض انتہا پسند اور دہشتگرد گروہ اسلام کا نام استعمال کرتے ہیں۔ اس صورت حال پر مفتی غلام الرحمٰن نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

> اسلام امن وسلامتی کا مذہب ہے۔ اسلام دہشت گردی اور انتہا پسندی کی کوئی اجازت نہیں دیتا۔ آج کل ہمارا معاشرہ جس دہشت گردی سے دوچار ہے یہ درحقیقت خفیہ ہاتھ کروا رہے ہیں۔ اس میں پس پردہ وہ لوگ ملوث ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو دہشت گردی کرنے سے دہشت گردی کروانے کا جرم بہت سنگین اور قابلِ مؤاخذہ ہے۔

اہل سنت (دیوبندی) کے معروف عالم دین مولانا سمیع الحق نے اسلام کے سلامتی کے پیغام کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

> ۔۔۔ لفظ ''مسلم'' کا ایک اور سبق بھی ہے کہ اسلام سلامتی ہے۔ مسلم کا یہ معنیٰ ہے کہ اس کی طرف سے کائنات کے ہر فرد کو سلامتی حاصل ہے۔ اسی طرح ''مومن'' کو دیکھیے تو اس کا معنیٰ یہ بھی ہے کہ اس سے ہر ایک کو امان ہے۔ ملّت ابراہیمی کے پیروؤں کا اعلان ہوتا ہے کہ ہم مسلم ہیں اور ہماری جانب سے سب کو سلامتی حاصل ہے، ہم مومن ہیں اور ساری دنیا کو امن دینا چاہتے ہیں۔ ہم کسی کو ڈسیں گے نہیں، خاندان کا آدمی ہے یا محلے کا، شہر کا، حکومت کا ہے، ملک کا ہے، ہر ہر فرد کو مسلمان کی طرف سے

امان حاصل ہے۔تو مسلمان وہ ہے کہ ساری مخلوق اس کی زبان کے ضرر سے، ہاتھ سے اور پاؤں سے محفوظ رہے۔ **المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده** ۔اسی طرح فرمایا گیا **المومن من امنه الناس على دمائهم و اموالهم**۔مومن وہ ہے کہ لوگ اس کی طرف[سے]امن میں رہیں کہ ہماری جان کو، مال کو، عزّت کو اور آبرو کو وہ ترچھی نگاہ سے بھی نہ دیکھے گا۔(۲)

خواتین کے حقوق

خواتین کے حقوق کے بارے میں اپنا دینی نقطہ نظر بیان کرتے ہوئے مولانا مفتی غلام الرحمٰن نے کہا:

مغرب اسلام پر حقوقِ نسواں کے حوالے سے الزام لگاتا ہے اور اپنے آپ کو حقوقِ نسواں کا بڑا علمبردار کہتا ہے حالانکہ یورپ نے عورت کو جو حق دیا ہے وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اسے گھر کی باعزت زندگی سے نکال کر شمع محفل بنا کر اپنی خواہشات کا نشانہ بنا دیا ہے۔ اس کے مقابلے میں اسلام نے عورت کو گھر کی ملکہ بنایا ہے۔اسے عزت مآب ماں، لختِ جگر بیٹی اور قابلِ قدر بہن جیسے رشتوں سے نوازا ہے۔اس کی عفت و حیا کو محفوظ رکھنے کے لیے اس کے اخراجات اور نان نفقہ کی ساری ذمہ داری مردوں پر ڈالی ہے۔بچپن سے لے کر بڑھاپے تک زندگی کے ہر مرحلے میں عورت کا نفقہ کہیں باپ پر، کہیں بھائی پر، کہیں شوہر پر اور کہیں بیٹے پر لازم ہوتا ہے۔اِسے قیمتی موتی اور گوہرِ نایاب کا درجہ دے کر گھر کی چار دیواری میں محفوظ رہنے کا حکم دیا ہے تاکہ اس کی طرف کوئی میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت بھی نہ کر سکے۔یہی عورت کی فطری خلقت کا تقاضا اور صنفِ نازک کے اصل حقوق ہیں۔

ہم نے مفتی صاحب سے کہا کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام کے بعض قوانین میں مردوں اور عورتوں کے مابین مساوات کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا گیا، ہم نے خاص طور پر وراثت اور گواہی کے مسئلے کی مثال دی۔علاوہ ازیں ہم نے ان سے عرض کیا کہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ قرآن حکیم میں ایک صورت میں عورتوں کو مارنے کی اجازت بھی دی گئی ہے تو انھوں نے کہا:

معاشرہ سو فیصد مساوات سے قائم نہیں ہوتا۔معاشرے کے قیام کے لیے ایک دوسرے کی احتیاج بھی ہونی چاہیے، نصاب بھی کچھ اوپر نیچے کا ہونا چاہیے۔شریعت نے جہاں میراث کے حوالے سے خاتون کو کم حصہ دیا ہے وہاں اس کی ذمہ داری مردوں پر ڈالی ہے۔شادی سے پہلے باپ پر، شادی کے بعد خاوند پر، اسی طرح بھائیوں پر کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔عورت پر تو کسی کی مالی ذمہ داری عائد نہیں کی لہٰذا شریعت اسے جو کچھ دے رہی ہے یہ تو "Pocket Money" ہے۔

گواہی کے مسئلے میں، یہ کہاں کا انصاف ہے کہ خواتین عدالتوں میں گواہی کے لیے پھرتی رہیں۔مرد کو

چاہیے کہ جا کر گواہی دے۔ اس معاشرے میں گواہی دینا کوئی آسان کام نہیں۔ یہ تو دردِ سر ہے، شکر ہے کہ اس کی آدھی گواہی رکھی گئی ہے۔ جہاں تک "واضربوھن" کا تعلق ہے یہ تعذیب نہیں بلکہ تادیب ہے، تادیب میں بنیادی طور پر ہمدردی کا جذبہ ہوتا ہے۔ یہ ناز برداری ہے۔

حواشی

(۱) آل عمران: ۳-۶۴

(۲) سمیع الحق، مولانا: خطباتِ حق (جامعہ دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، سنہ ندارد) ص ۲۳۵

عمومی معلومات

وفاق المدارس

دیوبندی مسلک سے وابستہ مذہبی مدارس کے وفاق کا نام وفاق المدارس العربیہ پاکستان ہے۔اس کے بارے میں جو معلومات اس کی سرکاری ویب سائٹ سے حاصل کی گئی ہیں،اس کا خلاصہ یہ ہے:

اس کا مسلک عقائد اہل سنت والجماعت اور فقہ حنفی کے مطابق ہوگا۔اس کا صدر دفتر ملتان میں ہے:اس کے اغراض ومقاصد مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ملحقہ جامعات ومدارس عربیہ کے جملہ درجات بشمول تکمیل وتخصص وتدریب المعلمین والمعلمات کے لئے جامع نصاب تعلیم مرتب کرنااور امتحانات میں کامیاب طلباء وطالبات کو(سندیں)جاری کرنا۔

۲۔مدارس عربیہ وجامعات میں باہمی اتحاد وربط پیدا کرنے کی کوشش اوران کومنظّم کرنا۔

۳۔مروجہ نصاب تعلیم میں جدید دینی تقاضوں کے مطابق مناسب وموزوں تصرف کرنا اور حسب ضرورت کتب طبع کرانا۔

۴۔وہ مدارس وجامعات جواس وفاق سے الحاق کریں،ان میں نصاب تعلیم،نظام تعلیم اورامتحانات میں باقاعدگی،یکجہتی اور ہم آہنگی پیدا کرنا۔

۵۔جدید عصری تقاضوں کے مطابق تعلیمات اسلامیہ کی ترویج اور نشرواشاعت اوراہم موضوعات پر مستنداور تحقیقی کتابیں تالیف وتصنیف کرانا۔

۶۔مدارس دینیہ وجامعات کے تحفظ وترقی اور معیار تعلیم کو بلند کرنے کے لئے صحیح اور موثر ذرائع اختیار کرنا۔

۷۔تربیت المعلمین والمعلمات کا موثر ومناسب انتظام کرنا۔

یہ ایک غیر سیاسی تنظیم ہے،اس کے دستور کے مطابق وفاق نہ کوئی سیاسی موقف اختیار کرے گا نہ ملکی سیاست کے کسی مسئلہ میں اظہار رائے کرے گا اور نہ ہی اس بارے میں ملحقہ مدارس وجامعات کو کوئی ہدایت جاری کرے گا۔اس کے صدر مولانا سلیم اللہ خان ہیں اور ناظم اعلیٰ مولانا قاری حنیف جالندھری ہیں۔اس کا بااختیار ترین ادارہ اس کی مجلس شوریٰ ہے۔یہ ادارہ 10 مارچ 1982 کو قائم

ہوا، تقریباً اٹھارہ ہزار مدارس اس سے منسلک ہیں۔اسے پاکستان کے مدارس کی سب سے بڑی تنظیم قرار دیا جاسکتا ہے۔
http://www.wifaqulmadaris.org/

دفتر تعلیمات دارالعلوم حقانیہ کے سربراہ اور وفاق المدارس پاکستان کے نائب صدر مولانا انوار الحق سے ہم نے اس وفاق المدارس کے تحت امتحان دینے والی طالبات کے بارے میں پوچھا تو اُنھوں نے کہا:

دو سال سے امتحان میں شریک ہونے والی طالبات کی تعداد طلبہ سے زیادہ ہے۔گذشتہ سال تقریباً ایک لاکھ چالیس ہزار امیدواروں نے امتحان دیا، ان میں سے طالبات کی تعداد ستر، پچھتر ہزار کے درمیان ہے۔

مولانا محمد خان شیرانی نے اس موضوع پر بات کرتے ہوئے مدارس کے مشترکہ نصاب کی تجویز پیش کی۔علاوہ ازیں انھوں نے جدید علوم کو بھی اس نصاب میں شامل کرنے کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا:

دیو بندی مسلک کا ایک وفاق المدارس ہے۔مدارس اپنی سندات بھی جاری کرتے ہیں۔سرکاری سطح پر وفاق المدارس کی سند قبول کی جاتی ہے۔یہ سند مختلف درجوں کے لئے مختلف ہوتی ہے۔مختلف مکاتب فکر کے اپنے اپنے ''وفاق'' ہیں۔کوشش کی جارہی ہے کہ سب کو ملا کر ایک کردیا جائے۔ایسا کرنا اسی صورت میں بہتر ہے جب اس کا نصاب بھی بہتر ہو جائے۔ابتدائی دور میں دینی اداروں میں دینی اور تجرباتی علوم دونوں شامل ہوتے تھے۔قدیم علوم کے ذریعے انسان فنی مسائل پر دسترس حاصل کرتا ہے اور یہ دلیل کے حامل ہوتے ہیں۔جدید علوم تجربے کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔چاہیے تو یہ تھا کہ جن چیزوں کی ہمارے اداروں میں کمی ہے اُسے پورا کیا جاتا۔

آبادی

دیگر مسالک کی طرح پاکستان میں دیوبندی مسلک کی تعداد کا مسئلہ بھی غیر واضح ہے۔لہٰذا اس سلسلے میں جو کچھ بیان کیا جائے گا اُسے ایک اندازہ ہی کہا جاسکتا ہے۔دیوبندی مسلک کی پاکستان میں تعداد کے حوالے سے بات کرتے ہوئے مولانا انوار الحق کا کہنا تھا:

سرحد اور بلوچستان میں تو زیادہ تر دیوبندی ہی ہیں۔بلوچستان میں صرف کوئٹہ میں کچھ دوسرے مسلک کے لوگ ہیں۔باقی سارے بلوچستان میں دیوبندی ہیں۔پنجاب میں بھی ففٹی ففٹی ہوں گے۔سندھ میں بھی اسی طرح ہے۔سب سے زیادہ مدارس دیوبندیوں کے ہیں اور ان میں بہت سے ایسے ہیں جن میں طلبہ کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔دیگر مسالک کے مدارس میں آپ کو اتنی تعداد نہیں ملے گی۔دیوبندی مسلک کے لوگوں میں علوم دینیہ حاصل کرنے کا ذوق وشوق دیگر مکاتب فکر کی نسبت سب سے زیادہ ہے۔

اهلحدیث

ابتدائی کلمات

مسلک اہل حدیث کے حوالے سے ضروری مطالعات اور ان پر مبنی مطالب کے ابتدائی خاکے کی تیاری کے بعد راقم نے پہلی ملاقات ۱۳ اپریل ۲۰۰۹ کو مولانا محمد خالد سیف سے اسلامی نظریاتی کونسل میں ان کے دفتر میں کی اور اس خاکے کی ایک کاپی ان کے سپرد کی تاکہ وہ مطالعہ کے بعد ضروری رہنمائی فرماسکیں۔ آپ مسلک اہل حدیث میں ایک قابل قدر علمی مقام کے حامل ہیں۔ انھوں نے کچھ عرصہ بعد اس مسودے میں کچھ اصلاح تجویز کی نیز بعض اہل حدیث علماء اور اکابر سے ملاقات کا مشورہ بھی دیا۔

۲۴ جون ۲۰۰۹ء کو مرکزی جمعیت اہل حدیث کے سربراہ جناب سینیٹر پروفیسر ساجد میر سے اسلام آباد میں ایک ملاقات ہوئی۔ راقم نے انھیں زیر نظر پراجیکٹ کا تعارف کروایا اور اس سلسلے میں ان سے تعاون کی درخواست کی، انھوں نے اہل حدیث کے بارے میں تیار شدہ مسودہ لاہور ان کے دفتر میں ای میل کرنے کے لیے کہا۔ یہ مسودہ حسب فرمائش بھجوا دیا گیا۔ طویل عرصہ انتظار کے بعد جب جواب موصول نہ ہوسکا تو پھر ان سے پارلیمنٹ لاجز اسلام آباد میں ان کے کمرہ نمبر ۱۰۶۔ جے میں ۱۶ اکتوبر ۲۰۰۹ء کو صبح کے وقت ملاقات کی گئی۔ اس ملاقات میں کونسل کے سیکرٹری (تب) ریاض الرحمٰن بھی راقم کے ہمراہ تھے۔ مذکورہ مسودہ پھر سے ان کی خدمت میں بالمشافہ پیش کیا گیا۔ تاہم ان کی طرف سے کوئی جواب موصول نہ ہوسکا۔ البتہ مرکزی جمعیت اہل حدیث کی ویب سائٹ سے بعض مطالب کے حوالے سے ضرور استفادہ کیا گیا ہے۔

جناب محمد خالد سیف کی تجویز پر پروفیسر ڈاکٹر سہیل حسن سے ۲ نومبر ۲۰۰۹ء کو ان کے دفتر، ادارہ تحقیقات اسلامی فیصل مسجد، اسلام آباد میں ملاقات کی گئی۔ زیر نظر موضوع کے حوالے سے ان سے تفصیلی تبادلہ خیال کیا گیا۔ اس گفتگو کو ان کی اجازت سے ریکارڈ کرلیا گیا اور بعد ازاں اسے لکھ کر ان کی خدمت میں پیش کیا گیا اور ان کی تائید حاصل کی گئی۔ علاوہ ازیں اہل حدیث کے افکار و عقائد اور دیگر ضروری معلومات پر مبنی تیار شدہ مسودہ بھی ان کی خدمت میں پیش کیا گیا تاکہ ان سے رہنمائی حاصل کی جاسکے۔ انھوں نے انتہائی شفقت فرمائی اور اس پر بھی ایک نظر ڈالی اور ضروری رہنمائی فرمادی۔

۱۱ جنوری ۲۰۱۰ء کو لاہور میں حافظ ابتسام الٰہی ظہیر سے ان کی رہائش گاہ واقع جوہر ٹاؤن پر ملاقات ہوئی۔ اہل حدیث کے افکار و عقائد اور دیگر متعلقہ موضوعات پر ان کا انٹرویو اس موقع پر ان کی اجازت سے ریکارڈ کیا گیا۔ حافظ ابتسام الٰہی ظہیر

پاکستان میں اہل حدیث کی دوسری اہم تنظیم جمعیت اہل حدیث پاکستان کے ناظم اعلیٰ، ادارہ ترجمان السنہ کے ڈائریکٹر جنرل اور مرکز اہل حدیث لارنس روڈ لاہور کے خطیب اور انچارج ہیں۔علاوہ ازیں وہ ماہنامہ الاخوۃ کے چیف ایڈیٹر بھی ہیں۔انھوں نے بڑی محبت کا مظاہرہ کیا۔۱۱جنوری ۲۰۱۰ء کو حافظ ابتسام الٰہی ظہیر کے تعاون سے ہی جناب مولانا حافظ عبدالرحمٰن مدنی سے ان کے دفتر واقع جے بلاک ماڈل ٹاؤن، لاہور میں ملاقات ہوئی۔آپ اہل حدیث کے نامور عالم ،انٹرنیشنل جیوڈیشل انسٹیٹیوٹ کے ڈائریکٹر جنرل اور علمی مجلّہ ماہنامہ محدث کے مدیر اعلیٰ ہیں جو مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام شائع کیا جاتا ہے۔آپ سے اہل حدیث کے امتیازات اور عقائد ونظریات کے حوالے سے تفصیلی گفتگو ہوئی جو آپ کی اجازت سے ریکارڈ کر لی گئی۔

۲۸ فروری ۲۰۱۰ء کو اسلام آباد میں اہل حدیث کے ایک ممتاز راہنما مولانا مقصود احمد سلفی سے ملاقات ہوئی۔وہ ماہنامہ نداء الاسلام پشاور کے چیف ایڈیٹر اور ''اسلام امن کا دین'' اور دیگر کتب کے مصنف ہیں۔انھیں مسلک اہلحدیث پر لکھے گئے مسودے پر ایک نظر ڈالنے اور ضروری راہنمائی کی درخواست کی۔انھوں نے کمال مہربانی سے یہ کام سرانجام دیا۔ان کی فراہم کی گئی معلومات سے بھی اس حصے میں استفادہ کیا گیا ہے۔پھر یہ سارا مواد لاہور میں مجلس تحقیق اسلامی اور مولانا حافظ ابتسام الٰہی ظہیر نیز پشاور میں مولانا مقصود احمد سلفی کو ای میل کیا گیا۔علاوہ ازیں اس کی ایک کاپی پروفیسر ڈاکٹر سہیل حسن کی خدمت میں روانہ کی گئی۔مولانا مقصود احمد سلفی اور جناب ڈاکٹر سہیل حسن نے تائیدی مکتوبات روانہ کر دیے۔جناب حافظ عبدالرحمٰن مدنی نے پہلے حصے میں کچھ اضافے اور ترامیم تجویز کیں۔جن کی روشنی میں ضروری اضافہ اور ترمیم کر دی گئی ہے۔اس سلسلے میں خاص طور پر ان کی اپنی عبارات میں کی گئی کمی بیشی کو من وعن شامل کر لیا گیا ہے۔اسی طرح مولانا حافظ ابتسام الٰہی ظہیر نے بھی اس باب کے متن میں تحریری طور پر چند تبدیلیاں تجویز کیں جنھیں ان کی صوابدید کے مطابق شامل کر لیا گیا ہے۔حافظ ابتسام الٰہی ظہیر راقم کے دفتر واقع اسلام آباد میں یکم جون ۲۰۱۰ء کو تشریف لائے جہاں انھوں نے اہل حدیث سے متعلق پیش نظر باب پر نظر ثانی فرمائی۔ان کی تجویز کردہ اصلاحات کے مطابق ترامیم کر دی گئی ہے۔اسی موقع پر انھوں نے توثیق بھی عنایت کی جو کتاب کے آخری حصے میں شامل ہے۔

مسلک اہل حدیث کے بارے میں پیش نظر باب مذکورہ بالا علمی شخصیات کے افکار ونظریات پر مبنی ہے۔علاوہ ازیں اہل حدیث کی جن کتب اور ماٰخذ سے استفادہ کیا گیا ہے ان کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے۔

تعارفی امور

برصغیر میں اہل حدیث

اہل حدیث کے علماء کا نظریہ یہ ہے کہ ''یہ کوئی نئی تحریک نہیں ہے بلکہ کتاب وسنت کی وہی تحریک ہے جو عہد نبوی اور عہد صحابہ سے چلی آرہی ہے۔'' (۱) ان علمائے کرام کا عمومی طرز استدلال یہ ہے کہ جہاں پر آنحضرتؑ کے صحابہ کرامؓ پہنچے وہاں پر آپ کی حدیث پہنچی، گویا یہ اصحاب حدیث تھے جنھوں نے کسی سرزمین پر قدم رکھا تو وہاں مکتب اہلحدیث وجود میں آگیا۔ اس طرز استدلال کی رو سے برصغیر پاک وہند میں بھی سب سے پہلے مسلمانوں کا مسلک اہل حدیث ہی وارد ہوا۔ چنانچہ حافظ محمد زکریا شاہد اعوان اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

> برصغیر میں اسلام کے یہ اولین نقوش ۱۵ھ میں اس خطہ ارضی پر ابھرے اور پھر تاریخ کے ایک خاص تسلسل کے ساتھ پوری تیزی سے لحہ بہ لحہ ابھرتے اور نمایاں ہوتے چلے گئے۔ یہ اولین نقوش وآثار اس پُرعظمت کارواں کے ہیں جنھیں اصحاب حدیث اور ''اہلحدیث'' کے عظیم الشان لقب سے پکارا جاتا ہے۔ یہی وہ پہلا کارواں تھا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے صرف چار سال بعد برصغیر میں وارد ہوا۔ دوسرا کاروانِ حدیث تابعین کا، تیسرا محمد بن قاسم اوران کے رفقائے عالی قدر کا اور چوتھا کاروان تبع تابعین کا تھا۔ یہ پاکباز لوگ جہاں قدم رکھتے گئے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ہمرکاب رہی۔ یہی ان کی زندگی کا حاصل، یہی ان کا اوڑھنا بچھونا، اسی کے احکام ان کے شب وروز کا معمول تھا اور یہی ان کا مقصد زیست اور یہی ان کا طرہ امتیاز تھا۔ یہ چار جلیل القدر کارواں جنھوں نے اپنے دور میں برصغیر کے مختلف علاقوں میں مساعی جمیلہ سرانجام دیں، یہی وہ ذی مرتبت حضرات ہیں جنھوں نے یہاں پہلے قال اللہ وقال الرسول صلی اللہ علیہ کی مسرت انگیز اور بہجت افزا صدائیں بلند کیں۔ (۲)

عبدالرشید عراقی بھی برصغیر میں اہلحدیث کی تاریخ کا آغاز کچھ اسی طرح کرتے ہیں۔ ''برصغیر میں مسلمانوں کی آمد'' کے زیر عنوان وہ رقم طراز ہیں:

> برصغیر (پاک وہند) میں اسلامی علوم کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی اس ملک میں مسلمانوں کی آمد،

مسلمانوں نے جب یہاں قدم رکھا تو اپنے ہمراہ وہ تہذیب وتمدن بھی لائے جوانھیں بذریعہ اسلام حاصل ہوا تھا۔خلفائے راشدین کے زمانے ہی سے برصغیر میں مسلمانوں کی آمد شروع ہوگئی تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دورخلافت میں حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی بحرین اورعمان کے گورنر تھے۔ انھوں نے حضرت حکم بن ابی العاص اور حضرت مغیرہ بن ابی العاص رضی اللہ عنھم کی قیادت میں ایک فوج ہندوستان بھیجی تھی لیکن اس کو کماحقہ،کامیابی حاصل نہ ہوئی۔

علامہ ابن حزمؒ (م ۴۵۳ھ) فرماتے ہیں۔

وعثمان منهم خيار الصحابته ولاة رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم الطائف وغزا فارس وثلاثة من بلاد الهند وله فتوح۔

یعنی حضرت عثمانؓ افضل صحابہ میں سے ہیں۔آپ کواللہ کے رسول صلی اللہ وآلہ وسلم نے طائف کا گورنر مقرر کیا تھا جن کی سرکردگی میں حضرت حکم ومغیرہؓ نے فارس اور ہندوستان کے تین شہر والوں سے جنگیں لڑیں اور فتح یاب ہوئے۔(۳)

پہلی صدی ہجری میں خلیفہ عبدالملک بن مروان (م ۹۶ھ) کے عہد خلافت میں محمد بن قاسم ثقفی نے برصغیر پر حملہ کیا اور ملتان تک کا علاقہ فتح کرلیا۔جس کی بنا پر اسلام کے پہنچنے کی راہ ہموار ہوگئی اور اہل علم وعلمائے حدیث کی آمد شروع ہوگئی۔(۴)

مولانا عبدالرحمٰن مدنی کی رائے ہے کہ اہل حدیث کا لغوی معنی ہے 'حدیث وسنت' کو ماننے والے اوران کی رائے میں مسلمانوں کی آمد کا مندرجہ بالا پس منظر اس لغوی معنی کے اعتبار سے ہے۔

تاہم دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ وسطی ایشیا سے آنے والے مسلمان فاتحین عمومی طور پر حنفی مسلک کے پیروکار تھے جس کا سب سے بڑا اظہار اورنگ زیب عالمگیر کے حکم سے مرتب کردہ ''فتاویٰ عالمگیری'' سے ہوتا ہے لہٰذا محققین اہلحدیث عام طور پر برصغیر میں مسلک اہلحدیث کی بنیاد حضرت شاہ ولی اللہ کی جدوجہد میں تلاش کرتے ہیں، چنانچہ مولانا محمد اسمٰعیل سلفی لکھتے ہیں:

> پیش نظر گذارشات میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی مساعی اوران کے نتائج فکر کا تذکرہ اس نگاہ سے ہے کہ مغل دور کے اواخر میں جب جمود کی گھٹائیں ہند کے افق پر چھائی ہوئی تھیں اورنگزیب عالمگیر جیسا نیک دل بادشاہ زیادہ سے زیادہ یہی کوشش کرسکا کہ اس نے فتاویٰ ہندیہ کی صورت میں علماء کے ذریعہ اسلام کی خدمت کی۔
>
> شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ، ان کے رفقاء اوران کے متوسلین نے اس اندھیرے میں ایک روشنی کے مینار

کی طرف توجہ دلائی اور وہ فقہاء و محدثین کا طریق تھا۔شاہ صاحب ہندوستان کی حنفیت اور ابن حزم کی ظاہریت کو فقہاء و محدثین کے دامن میں پناہ دینا چاہتے تھے۔(۵)

مرکزی جمعیت اہل حدیث نے بھی برصغیر میں تحریک اہل حدیث کی اٹھان کو شاہ ولی اللہ کے خاندان کی مساعی سے جوڑا ہے۔چنانچہ جمعیت کے تعارف میں یہ عبارت موجود ہے:

اہل علم جانتے ہیں کہ انیسویں صدی کا دور اسلامیان ہند کے لیے ہر اعتبار سے کربناک اور المناک دور تھا۔ پنجاب میں سکھ اور باقی ہندوستان میں انگریز قابض تھے۔ایسی حالت میں اہل حدیث کو اعزاز حاصل ہے کہ انھوں نے تحریک مجاہدین کی طرح ڈالی۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے بڑے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے گہرے غور و فکر کے بعد یہ فتویٰ صادر کیا کہ ہندوستان دار الحرب بن چکا ہے لہٰذا مسلمانوں کو مسلح جہاد کرنا چاہیے۔اس کے لیے آپ نے سید احمد شہید کو امیر مقرر فرمایا اور سید اسمٰعیلؒ شہید کو ان کا ساتھی بنا دیا۔مجاہدین کی جماعت تیار کی، انھیں مناسب تربیت دی، پھر مجاہدین کا یہ لشکر راجپوتانہ، سندھ، بلوچستان اور افغانستان سے ہوتا ہوا پشاور پہنچا اور بہت سے قبائل اس مہم میں شامل ہو گئے۔(۶)

بالآخر یہی بات ممتاز احمد عبداللطیف بھی کہتے ہیں:

یہ تحریک کوئی نئی تحریک نہیں ہے بلکہ کتاب و سنت کی وہی تحریک ہے جو عہد نبویؐ اور عہد صحابہؓ سے چلی آرہی ہے لیکن برصغیر میں قرون اولی کے بعد کتاب و سنت کی ترویج و اشاعت اور تحریک اہلحدیث کی باضابطہ تشکیل کی تاریخ کا آغاز بارھویں صدی ہجری سے ہوا جس میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۴ھ-۱۱۷۶ھ) کی تدریسی اور تحریری خدمات اور کارناموں کا بڑا عمل دخل رہا۔اگرچہ حالات وظروف نے ان پر تصوف کا رنگ باقی رکھا، جیسا کہ ان کی اپنی کتاب ''تفہیمات الٰہیہ'' اور دیگر کتابوں میں یہ فرمانا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اطلاع دی ہے کہ میں اپنے زمانے کا امام اور مجدد ہوں اور لوگوں کو میری اتباع کرنی چاہیے۔اس طرح کی باتیں کشف والہام کے حاملین ہی کیا کرتے ہیں جو تصوف کی منزلوں میں سے ایک منزل ہے۔(۷)

مولانا عبدالرحمٰن مدنی نے اس بات کو اپنے انداز سے یوں بیان کیا ہے:

برصغیر پاک و ہند میں شاہ ولی اللہ کی تحریک نے قرآن مجید کی تفسیر و تعبیر کے سلسلے میں جو انداز اختیار کیا وہ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ایک حصے کے مطابق قرآن کی تفسیر و تعبیر میں حدیث و سنت کا مقام حتمی ہے۔ان وسعتوں کو جانا اور پہچانا جانا چاہیے جو اس میں موجود ہیں اور جو آئمہ فقہاء ہیں ان کا مطالعہ

اس لئے کیا جائے کہ اصل میں وہ تمام کے تمام پہلو جو کتاب وسنت کے اندر موجود ہیں انھیں آئمہ نے اپنے اپنے فتووں اور آراء میں ظاہر کیا ہے۔اس حصے کے نزدیک شاہ ولی اللہ کی تحریک کی جو وسعت تھی وہ حقیقت میں قرآن وسنت ہی کی ایک وسعت تھی۔ یہ ذہن کافی وسعت والا ہے اور اس کے مطابق آئمہ فقہاء میں سے ہر اُس شخص کی بات لی جاسکتی ہے جس کی بات کتاب وسنت سے تائید حاصل کرتی ہو۔ شاہ ولی اللہ کے ایک پوتے شاہ اسماعیل شہید ہیں اور دوسرے بڑے بیٹے شاہ عبدالعزیز کے نواسے شاہ محمد اسحاق ہیں۔شاہ اسماعیل شہید نے علمی اور تبلیغی کام تو کیا لیکن اس دور میں حکومت الٰہی کے قیام کی جو کوششیں ہوئیں وہ زیادہ تر اُس طرف نکل گئے ان کے بڑے بیٹے شاہ عبدالعزیز (جوان کے بعد صاحب فتویٰ بھی تھے) ان کے نواسے محمد اسحاق دہلوی نے تدریس کے ذریعہ سے کتاب وسنت کی وسعت کا یہ مشن جاری رکھا۔کتاب وسنت قیامت تک پیش آمدہ تمام مسائل کو حل کرتی ہے۔دہلی میں انھوں نے جو مسند قائم کر رکھی تھی اسے ''مسند شاہ اسحاق'' کہتے ہیں۔۱۸۴۲ء میں شاہ اسحاق دہلوی ہندوستان چھوڑ کر حرمین شریفین ہجرت کر گئے تو ان کی مسند خالی ہوگئی۔جس پر مولانا سید نذیر حسین دہلوی بیٹھے۔انھوں نے وہی دعوت دی کہ کتاب وسنت تمام پیش آمدہ مسائل کا واحد حل ہے جس میں اجتہاد کے ذریعے تمام وسعتیں حاصل کی جاسکتی ہیں۔آئمہ فقہاء کی آراء انہی وسعتوں کی ایک جھلک ہے جو اپنے اپنے زمانے میں سامنے آتی رہیں۔

مولانا عبدالرحمٰن مدنی کو یہ قبول کرنے میں کوئی باک نہیں کہ ''۱۸۵۷ء سے پہلے نہ کوئی اپنے آپ کو بریلوی کہلاتا تھا، نہ دیوبندی اور نہ اہل حدیث۔صرف یہ تھا کہ ایک طرف سنی ہیں اور ایک طرف شیعہ ہیں۔''

بعض علماء برصغیر میں اٹھنے والی نئی فکری تحریک کو حضرت شیخ احمد سرہندی الملقب بہ مجدد الف ثانی کی اکبر بادشاہ کے ''دین الٰہی'' کے خلاف کی جانے والی جدوجہد سے جوڑتے ہیں۔چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن مدنی کہتے ہیں:

> شیعہ سنی کی آپس میں قربت پیدا کرنے کے لیے اکبر نے ''دین الٰہی'' تیار کیا تھا۔جس کے ذریعے اُس نے نہ صرف شیعہ سنی کو قریب کرنے کی کوشش کی بلکہ ہندوازم کو اور مسلمانوں کے ہاں سے صوفی ازم کو لے کر دین الٰہی بنالیا۔اس دین الٰہی میں جو عقیدہ وعمل پیش کیا گیا وہ اسلامی تعلیمات کے مخالف تھا جن میں بادشاہ کو ظل الٰہی قرار دے کر سجدہ کرنے کو کہا گیا تھا لہٰذا اس کی روک تھام کے لیے مجدد الف ثانی نے بڑا جہاد کیا اور یہ مؤقف اختیار کیا کہ ایک طرف شریعت ہے اور ایک طرف صوفیانہ نکتے یا طریقے ہیں۔صوفیانہ نکتے کو وہ ابن عربی کی کتاب فصوص الحکم کی مناسبت سے ''فص'' کہتے تھے جس کی جمع ''فصوص'' ہے۔اُن کا مشہور مقولہ ہے: ''فصوص کو نصوص کے تابع کرو۔'' نصوص سے اُن کی مراد

کتاب وسنت کی تعلیمات ہیں اور فصوص سے مراد صوفیانہ نکتے ہیں۔ مجدد الف ثانی کی تحریک زیادہ تر عقائد کی طرف رہی اگر چہ انھوں نے غالیانہ تصوف کی اصلاح کے لیے تصوف کا انداز نہیں چھوڑا۔ گویا تصوف کی اصلاح تصوف سے ہوئی۔ بلکہ یہ انداز شاہ ولی اللہ سے شاہ اسماعیل شہید تک کارفرما رہا۔ شاہ اسماعیل شہید کی کئی کتابیں ''عبقات'' وغیرہ تصوف کے موضوع پر ہیں- اسی طرح شاہ ولی اللہ کی کئی تصنیفات لمعات، سطعات، ہمعات وغیرہ تصوف کے موضوع پر ہیں یہی حضرات تفہیمات الٰہیہ، تصوف کی حقیقت اور صراط مستقیم کے ذریعہ غالی تصوف کی اصلاح کرتے ہیں۔

جہاں تک ممتاز احمد عبداللطیف کے اس خیال کا تعلق ہے کہ ''حالات وظروف نے ان [شاہ ولی اللہ] پر تصوف کا رنگ باقی رکھا'' اس کی توجیہ مولانا عبدالرحمٰن مدنی نے اپنے ان الفاظ میں کی ہے:

> کسی فکر کی اصلاح کی ابتدا ہمیشہ عوام کے ہاں معروف طریقوں ہی سے ہوتی ہے۔ ولی اللہی دور میں 'تصوف' دین داری کا نام تھا لہٰذا انہوں نے اصلاح کے لیے 'تصوف' کا لفظ نہیں چھوڑا البتہ شریعت کی طرف پیش رفت کے لیے قرآن وحدیث کی ترویج کا پروگرام بنایا چنانچہ شاہ ولی اللہ نے برصغیر کی سرکاری زبان 'فارسی' میں قرآن کریم کا ترجمہ کردیا جسے اتنا خطرناک سمجھا گیا کہ جامد فقہ کے حاملین نے شاہ ولی اللہ پر کفر کا فتویٰ لگا کر ان پر قاتلانہ حملہ کروادیا کہ انھوں نے عوام کے لیے قرآن میں غور وفکر عام کردیا ہے۔ اسی طرح جب شاہ اسماعیل شہید نے کتاب وسنت کی رو سے عوامی عقائد واعمال کی اصلاح کی کوشش کی تو اُن پر بھی قاتلانہ حملے ہوئے۔ اصل میں ان حضرات کی کتاب وسنت کے مطالعہ کے ذریعے ساری کوشش اسلام کو خالص کرنے کی تھی۔ مقصد یہ تھا کہ اسلام کے حوالہ سے جو نئی چیزیں پیدا ہوتی رہتی ہیں، اسلام کو ان سے اس طرح خالص کیا جائے کہ وہ بے آمیز ہوجائے اور دوسری طرف جمود کو توڑنے کے لئے فقہ کو قرآن وحدیث پر پیش کر کے اجتہادی وسعتیں پیدا کی جائیں۔ حاصل یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ کے خوشہ چینوں نے دو انداز اختیار کیے ایک تو مسند شاہ اسحاق دھلوی کے جانشین سید نذیر حسین کے ذریعے سے فقہ کو کتاب وسنت پر پیش کرنے کا انداز اور دوسرا طریقہ دارالعلوم دیوبند نے اختیار کرلیا کہ 'فقہ حنفی' ہی کتاب وسنت کے مطابق ہے۔

تاہم حافظ ابتسام الٰہی ظہیر اس رائے سے متفق نہیں ہیں انھوں نے اس سلسلے میں اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

> آغاز اسلام میں مسلمان کتاب وسنت کے متون سے استفادہ کرتے تھے اور کسی بھی تقلیدی گروہ کا وجود نہ تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے بھی اسلام کی ابتدائی تین صدیوں میں تقلید کی نفی کی ہے اور یہی وجہ ہے کہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کو اسلاف یا سلف الصالح کہا جاتا ہے اور اہل حدیث ان کے

فہم کو بعد میں آنے والے ادوار کے علماء کے فہم پر ترجیح دیتے ہوئے سلفی کہلواتے ہیں۔اس لئے اہل الرائے سے عرصہ پیشتر اہل الحدیث یعنی قرآن وسنت سے براہ راست استفادہ کرنے والوں کا گروہ موجود تھا۔

امتیازات

یہیں سے برصغیر میں اہل حدیث اور احناف کی الگ الگ تاریخ کا آغاز ہوتا ہے۔اس کا پس منظر مولانا عبدالرحمٰن مدنی کے نزدیک کچھ یوں ہے:

مولانا سید نذیر حسین دہلوی مدرسہ دیوبند کی تشکیل سے ۲۵ سال قبل ۱۸۴۲ء میں مسند شاہ محمد اسحاق پر بیٹھے، ان کے توسط سے کتاب وسنت کی وسعتوں کا جب یہ نقطہ نظر پھیلنے لگا تو برصغیر کے حنفی 'مدرسہ دیوبند' میں پڑھایا جانے والا ایک نصاب صرف فقہ حنفی پر مشتمل تھا۔جس کے ساتھ اس کے اصول بھی تفصیل سے پڑھائے جاتے تھے۔یہ اصول فقہ حنفی کی تائید کے لئے اس طرح استعمال کیے جاتے کہ ان کے ذریعے یہ ثابت کردیا جائے کہ فقہ حنفی ہی کتاب وسنت کی راجح ترین تعبیر ہے۔

جبکہ مسند شاہ محمد اسحاق کے جانشین سید نذیر حسین دہلوی کا انداز یہ تھا کہ جب تدریس حدیث میں فقہ حنفی کے مسائل زیر بحث آتے تو یہ واضح کرتے کہ بہت سے مسائل کتاب وسنت کے مطابق نہیں ہیں۔یہی کام تحریر کے ذریعہ سے نواب صدیق حسن خان نے کیا۔وہ بھوپال کی ملکہ کے شوہر تھے۔انھوں نے علما کی ایک بڑی تعداد بھی اکٹھی کر رکھی تھی، جو وہ لکھتے اس میں یہی انداز اختیار کیا جاتا تھا کہ کتاب وسنت کا اجتہاد دیگر فقہوں پر بھی حاوی ہے۔یا بالفاظ دیگر بہت سے مسائل میں فقہ حنفی مرجوح ہوتی ہے۔

اہل حدیث کے دیگر مسالک سے امتیازات کو حافظ ابتسام الٰہی ظہیر اپنے الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں:

براڈ بیس (Broad Base) پر اگر بات کریں تو امت مسلمہ میں چھ مسالک پائے جاتے ہیں۔انہی چھ مسالک میں ذیلی مسالک بھی آجاتے ہیں۔چار مسالک وہ ہیں جو سنی مسلک کے تقلیدی مکاتب فکر (Schools of Thought) سے تعلق رکھتے ہیں۔ان میں مالکیہ، حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ شامل ہیں اور ان کے علاوہ ایک شیعہ مسلک ہے جو تقلیدی صورت میں ہے۔وہ سمجھتے ہیں کہ بارہ آئمہ معصومین ہیں۔ان پانچ مسالک کے علاوہ چھٹا مسلک اہل حدیث ہے۔اس کا مجموعی طور پر امتیاز دیگر مسالک سے یہ ہے کہ دیگر تمام مسالک چاہے وہ اہل سنت میں ہوں یا اہل تشیع میں، اُن کے ہاں کسی نہ کسی امام یا اماموں کے ایک گروہ کی رائے کی روشنی میں دین کو سمجھنا واجب ہے، اگر واجب نہیں

توکم از کم اسے وہ مستحب کے درجے پر ضرور سمجھتے ہیں، اگر چہ عمومی طور پر واجب ہی سمجھتے ہیں یعنی جو دین کی Interpretation یا تعبیر انھوں نے کی ہے وہ ان کے نزدیک حجت کی حیثیت رکھتی ہے جبکہ مسلک اہل حدیث اس اعتبار سے جداگانہ سوچ کا حامل ہے۔ مسلک اہل حدیث کا نقطۂ نظر ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین کرام یا تبع تابعین عظام کہ جو سلف الصالحین کی پہلی تین نسلیں ہیں وہ کسی تقلیدی سکول آف تھاٹ کی براہ راست پیرو نہیں تھیں بلکہ ان کے سامنے قرآن حکیم کی آیات یا احادیث طیبہ کی نصوص تھیں۔ ان کے معانی پر وہ اپنے اعمال کی بنیاد رکھتے تھے۔ مسلک اہل حدیث یہ ہے کہ اگر کسی مسئلے میں اختلاف ہو جائے تو اس میں وہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فہم میں جسے نصوص کی دلیل سے اقرب پاتے ہیں اسے اختیار کر لیتے ہیں، جس نے اپنی بات کی تائید میں کسی نص صریح کو پیش کیا ہے تو اُسے اہمیت دیتے ہیں اور اگر مسئلہ اجتہادی نوعیت کا ہو تو پھر قرآن وسنت کے متون میں اس کے نظائر کو ڈھونڈتے ہیں اور اگر کوئی نظیر نہ ملے تو پھر اس میں کسی ایک کی رائے کو اہمیت دیتے ہیں۔ اس کی ایک مثال پیش کرتا ہوں کہ رضاعت کبیر کے مسئلے پر اہل حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا کی رائے پر دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم کی رائے کو اہمیت دیتے ہیں کیونکہ وہ اقرب الی النص ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے:

وَ الْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَھُنَّ حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ. (۸)

ماؤں کو چاہیے کہ بچوں کو دو سال کامل دودھ پلائیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا سالم کے واقعے کی وجہ سے رضاعتِ کبیر کی قائل تھیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر صحابہؓ کی نظر میں یہ ایک استثنائی واقعہ تھا۔ اس لئے اس کو عمومیت نہیں دی جانی چاہیے۔ بنیادی طور پر اگر صحابہ کرامؓ میں کسی مسئلے میں اختلاف ہو جائے تو اس کی نظیر قرآن وسنت میں موجود ہو تو اسے اختیار کیا جائے گا اور اگر اہل بیت عظام، امہات المومنین اور مہاجرین و انصار کے درمیان اجماع ہو تو اس میں ہمارے لیے اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں۔ اہل حدیث کا دیگر مسالک سے یہ بھی اختلاف ہے کہ باقی مسالک کے نزدیک نص کی عدم موجودگی میں اجتہادی معاملات میں اتھارٹی رکھنے والے علماء کی آراء کو اور ماضی کے اجتہادات کو فوقیت دی جانی چاہیے۔ ہمارے نزدیک ایسے مسئلے میں جدید اجتہاد کرنے کی گنجائش اس لئے موجود ہے کہ ماضی کے اجتہادات کے زمانے میں موجود علوم کے مقابلے میں کئی نئے علوم ہمارے سامنے زیادہ بڑی تعداد میں آچکے ہیں۔

برصغیر میں اہل حدیث کا جماعتی تشخص

ہندوستان میں اہلحدیث نے ۱۹۰۶ء میں باقاعدہ ایک جماعت کی شکل اختیار کی۔ یہ وہی سال ہے جب آل انڈیا مسلم لیگ کی بھی بنیاد رکھی گئی۔ البتہ اہل حدیث جماعتی شکل گیری کی اپنی تاریخ کو شاہ اسماعیل شہید سے شروع کرتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ ان کے افکار ہیں جن کا باقاعدہ اظہار ان کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' سے ہوتا ہے۔ مولانا عبدالرحمٰن مدنی کے بقول جسے دنیا بھر کے اہلحدیث اور سلفی حضرات اپنے عقائد کی بنیادی کتابوں میں سے تسلیم کرتے ہیں اور دوسری وجہ ان کا جماعتی صورت میں جہاد کے لیے قیام ہے۔ چنانچہ ممتاز احمد عبداللطیف لکھتے ہیں:

> لیکن ان [شاہ ولی اللہ] کی مساعی جمیلہ اور تقلید شخصی کے بجائے امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے فقہی اقوال میں جمع و تطبیق کی دعوت سے برصغیر میں عمل بالکتاب والسنہ کی بنیاد پڑ گئی۔ آگے چل کر جس بنیاد پر دو شخصیتوں نے کتاب وسنت کی حسین وجمیل عمارت کھڑی کی اور اسی کا نام موجودہ تحریک اہل حدیث ہند ہے۔
>
> (۱) پہلی شخصیت شاہ محمد اسماعیل شہید (ش:۱۸۳۱ء) کی جو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے پوتے ہیں اور جنھوں نے دہلی، لکھنو اور سرحد وکشمیر کے در و بام، میدانی علاقوں اور سنگلاخ پہاڑوں پر جہاد کا نعرہ بلند کرنے کے ساتھ وہاں کے باسیوں کے اندر کتاب وسنت کی روح پھونک دی۔ اس نسبت سے ان کے قافلہ میں چاہے نہ چاہے، شعوری یا غیر شعوری طور پر کتاب وسنت کے متوالوں کو محمدی کے نام سے پکارا جانے لگا بلکہ انھوں نے اس سے پہلے ہی کتاب وسنت کی ترویج واشاعت کے لئے ایک جماعت کی بنا ڈال دی تھی چنانچہ مولانا عبیداللہ سندھی فرماتے ہیں:
>
> جب مولانا محمد اسماعیل شہید نے حجۃ اللہ البالغہ امام عبدالعزیز سے پڑھی تو اپنے جد امجد کے طریقہ پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ انھوں نے اپنی ایک خاص جماعت بھی تیار کی جو حجۃ اللہ البالغہ پر عمل کرے۔ یہ لوگ شافعیہ کی طرح رفع یدین اور آمین بالجہر کرتے تھے۔ جیسا کہ سنن میں مروی ہے۔ اس سے دہلی کے عوام میں شورش پھیلتی رہی مگر حزب ولی اللہ کا کوئی عالم مولانا اسماعیل شہید اور ان کی جماعت پر معترض نہ ہو سکتا تھا۔ (۹)

خود سید احمد بریلوی شہید اپنے قافلہ سے فرماتے:

> حدیث صحیح کے بالمقابل کسی بھی مجتہد کی تقلید ہرگز مت کرو اور اہل حدیث کو اپنا پیشوا بناؤ، ان سے محبت وعقیدت رکھو، نیز تقلید از گردن خود باید انداخت، اپنی گردن سے تقلید پرستی کا قلادہ اتار پھینکو اور لشکر محمدی سے منسلک ہو جاؤ۔ (۱۰)

(۲) دوسری شخصیت سید نذیر حسین محدث دہلوی کی ہے جنھوں نے نصف صدی تک شاہ ولی اللہ کی مسند تدریس پر فائز رہ کر کتاب وسنت کی شمع برصغیر کے ہر علاقے میں بلکہ بیرون ملک تک روشن کردی۔

ان دونوں بزرگ ہستیوں کے ارشد تلامذہ کے دلوں میں ایک اجتماعی پلیٹ فارم کے قیام کا جذبہ ہمیشہ کارفرما رہا۔

سید نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگرد رشید مولانا محمد حسین بٹالوی نے اس جماعت کے افراد کو ہندوستان پر قابض فرنگیوں کے چنگل اور جبر واستبداد سے نکالنے اور بچانے کے لئے حکومت وقت کے نزدیک وہابی نام کے بجائے اہل حدیث نام انتخاب کر کے پیش کیا کیونکہ فرنگیوں، ہندوؤں اور خود جماعت کے مخالف مسلمانوں نے اس جماعت کا رشتہ نجد کی وہابی تحریک سے جوڑ کر اس کو بیخ وبن سے اکھاڑنا چاہا کہ فرنگیوں کے نزدیک وہابی کا لفظ باغی کے ہم معنی تھا۔

لیکن اس جماعت کی اعلیٰ پیمانے پر باضابطہ تشکیل کی دو کوششیں ہوئیں۔ پہلی کوشش کے بارے میں مولانا محمد فضل الرحمٰن سلفی لکھتے ہیں:

مولانا (عبدالعزیز رحیم آبادی) مرحوم اگر ایک طرف تبلیغ اور مسلک عمل بالحدیث کی نشر واشاعت میں مشغول تھے تو دوسری طرف جماعت کو ایک لڑی میں پرو کر رکھنے کی بھی فکر میں تھے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں جب بھی اس دور کے علمائے کرام کسی مقام پر اکٹھا ہوتے تو اس اہم مسئلہ پر بحث وتمحیص ضرور ہوتی اور اس کی صورتوں پر غور ہوتا۔ اس سلسلہ میں اس وقت جبکہ آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس قائم نہیں ہوئی تھی ایک اجتماع مدرسہ احمدیہ آرہ میں اتفاقی طور پر ہو گیا تو وہیں یہ مسئلہ چھیڑا گیا اور آخر یہ طے پایا کہ سردارِ جماعت کا انتخاب ہونا چاہیے۔ چنانچہ حضرت مولانا ابو محمد ابراہیم صاحب آروی بالاتفاق سردار منتخب کر لئے گئے۔ اس انتخاب کا تعلق تنظیم جماعت سے تھا۔ تحریک مجاہدین کی طرف سے امیر الگ موجود تھے۔۔۔ مولانا آروی مرحوم جب ہجرت کر کے مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو جس طرح مدرسہ احمدیہ کے اہتمام کا کام مولانا کو سونپ گئے یہ سرداری بھی حوالہ کر گئے۔ اس لئے مولانا آروی کے بعد اس ذمہ داری کو انجام دیتے رہے۔۔۔ یہاں تک کہ مولانا مرحوم خود اپنے رب سے جا ملے۔ (۱۱)

دوسری کوشش کے روح رواں ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری ہوئے جنھوں نے اپنے ہفت روزہ اخبار ''اہل حدیث'' کے ذریعے بار بار جماعت کے افراد، خاص کر علماء کو جماعت کی تنظیم کی دعوت دی۔ جیسے اخبار کے مجریہ ۵/ اکتوبر ۱۹۰۶ کے اندر آپ نے تحریر فرمایا:

اگر آپ حضرات اس تحریک کے موید ہیں تو بہت جلد اس کے متعلق اپنی آراء سے مطلع فرمائیں تا کہ آرہ کے جلسہ میں جو ماہ شوال میں ہونے والا ہے، جس میں علماء اہل حدیث کی خاصی جمعیت ہوتی ہے یہ تجویز پیش ہو کر پاس ہو جائے اور مناسب قواعد وضوابط تیار ہو کر اہل حدیث کانفرنس کی بنیاد رکھی جائے۔ (۱۲)

اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے جماعت کے ربانی علماء نے اپنی خوشی کا اظہار کیا اور بھر پور الفاظ میں تائید کی۔ جیسے مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی نے لکھا:

> ۲۶ را کتوبر ۱۹۰۶ء کے اخبار اہلحدیث میں آپ نے اعلان فرمایا: پرچہ اہل حدیث میں کانفرنس کا مضمون میں نے دیکھا، میں اور میرے احباب اس میں متفق ہیں، بلاشبہ اچھی تجویز ہے۔ جناب حافظ عبداللہ صاحب کو بھی اتفاق ہے، جناب شاہ عین الحق صاحب اور مولوی عبدالحکیم صاحب بھی علی ہذا القیاس اتفاق کریں گے۔ والسلام (۱۳)

اور مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی نے تحریر فرمایا:

> اہل حدیث کانفرنس کی بابت جو رائے قرار پائی ہے اس کے ساتھ میں بھی اتفاق کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کا اچھا اثر بخشے، نہایت خوشی کی بات یہ ہے کہ جلسہ مذاکرہ علمیہ آرہ بھی عنقریب ہے۔ اس اہل حدیث کانفرنس کا انعقاد اس جلسہ میں ضرور بالضرور ہونا چاہیے، ورنہ اس سے اچھا موقع پھر نہیں ملے گا۔ (۱۴)

اس طرح جماعت کی باضابطہ تنظیم وتشکیل کے لئے جب ہر طرف سے تائید ہوئی تو اس کے لئے مدرسہ احمدیہ آرہ کے مذاکرہ علمیہ کے جلسہ کو مناسب سمجھا گیا جو ۲۲۔۲۳ دسمبر ۱۹۰۶ء کو منعقد ہونے والا تھا۔ چنانچہ مولانا محمد فضل الرحمٰن سلفی لکھتے ہیں:

> ۲۲ اور ۲۳ دسمبر ۱۹۰۶ء جلسہ مذاکرہ علمیہ کے انعقاد کی تاریخ مقرر ہوئی تھی۔ اس موقع پر ہندوستان کے تمام چوٹی کے علمائے اہل حدیث کا اجتماع ہوا اور باتفاق آراء کانفرنس کی تجویز منظور ہوگئی اور حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری کانفرنس کے صدر منتخب ہوئے۔ اسی مجلس میں پورے ہندوستان میں تنظیم جماعت کی ذمہ داری تین افراد پر ڈالی گئی جس کے میر کارواں مولانا (عبدالعزیز رحیم آبادی) مرحوم تھے۔ باقی دو افراد مولانا ثناء اللہ صاحب اور مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی تھے۔ (۱۵)

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے دستور اساسی کے مقدمہ میں اس کارروائی کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

> اس تحریک کی پرزور تائید ہوئی اور آخر ماہ دسمبر ۱۹۰۶ مدرسہ احمدیہ آرہ صوبہ بہار کے سالانہ جلسہ کے موقع پر ''اہل حدیث کانفرنس'' نام کی ایک مجلس منعقد ہوئی جس میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس'' کی تاسیس

عمل میں آئی اور فخر الامثال، بقیۃ السلف امام علامہ حافظ عبداللہ غازی پوری کانفرنس کے صدر اور نازش مسلک سلف شیر پنجاب حضرت مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری ناظم مقرر ہوئے اور ایک باضابطہ پروگرام کے تحت تبلیغی دورے شروع ہوئے اور دین خالص کی نشر واشاعت کا کام جاری ہوا اور الحمدللہ ان کی جدو جہد بارآور ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی کوششیں مشکور فرمائیں۔ اس سے مسلک سلف اور تحریک اہل حدیث کو بڑا عروج وفروغ حاصل ہوا۔ (۱۶)

دعوت کا کام جلسہ مذاکرہ علمیہ اور آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کے پلیٹ فارم سے عوامی سطح پر ہوتا رہا لیکن شومیِ قسمت کہ مدرسہ احمدیہ آرہ جو جماعت کا سب سے پہلا باضابطہ علمی ادارہ ۱۸۸۰ء میں قائم ہوا تھا ناگفتہ بہ حالات کی بنا پر بند ہو گیا۔ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی نے اسے دربھنگہ منتقل کر کے احمدیہ سلفیہ میں ضم کر دیا جو آج تک دارالعلوم احمدیہ سلفیہ لہریہ سرائے دربھنگہ کے نام سے علمی فریضہ انجام دے رہا ہے۔ ساتھ ہی سلف کی یادگار مذاکرہ علمیہ کا جو جلسہ آرہ میں ہوا کرتا تھا وہ بھی یہاں منتقل ہو کر دعوت کا فریضہ انجام دینے لگا جس کا جلسہ آج بھی ہر تین سال پر ہوا کرتا ہے۔

مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی کو دہلی کی جماعت کے اکابر تجار سے بڑے گہرے تعلقات تھے جن میں جناب عبدالرحمٰن اور عطاالرحمٰن برادران خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مولانا نے ان کے سامنے دہلی میں جماعت کے ایک مرکزی ادارے کے قیام پر زور دیا جوان کی وفات (۱۹۱۸ء) کے بعد دہلی کے محلّہ ہندوارہ میں دارالحدیث رحمانیہ کے نام سے ۱۹۲۱ء میں قائم ہوا۔

اس تیز گامی سے جماعت کے دعوتی اور علمی کام بھرپور طریقے پر انجام پاتے رہے کہ ۱۹۴۷ء میں ملک دوحصوں میں تقسیم ہو گیا۔ ملک کی ہر چیز ٹوٹ پھوٹ کر بکھر گئی۔ انسانی جانوں کی ہلاکت و بربادی کے ساتھ اداروں اور تنظیموں کی بنیادیں بھی ہل گئیں اور برسوں ان کے اندر استقرار نہ آسکا۔ تحریک اہلحدیث بھی بدیہی طور پر اس تاریخی عمل کا بری طرح شکار ہوئی۔ تحریک کے بانی اور مناظر قائد ابوالوفاء ثناء اللہ کا پریس، اکلوتا بیٹا عطا اللہ، کتب خانہ، اہل حدیث اخبار سب کچھ فسادیوں کی نذر ہو گیا۔ مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ جو تحریک کا مرکزی ادارہ تھا وہ بھی بند ہو کر غیروں کے قبضہ میں چلا گیا اور اس کا کتب خانہ جامعہ ملیہ دہلی کو منتقل ہو گیا۔ محدث وقت شمس الحق ڈیانوی کی حویلی میں علاقے کے مسلمانوں نے پناہ لی۔ ان کے کتب خانے کے اوراق کو پناہ گزینوں نے اپنے پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے بطور جلاون استعمال کیا۔ باقی ماندہ سرمایہ بعد میں چل کر پٹنہ کی خدا بخش لائبریری کا حصہ بنا۔ پتہ نہیں اس طرح کے کتنے زخم جماعت کو لگے۔ زخم بھرتے بھرتے برسوں لگ گئے کہ

علامہ عبدالوہاب آروی کی رہنمائی میں تحریک کے غیور علماء نے ان ٹوٹے دلوں، زخم خوردہ سینوں اور بکھرے دانوں کو سمیٹنے کی کوشش کی۔ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کا اجلاس ہونا شروع ہوا۔ جس میں ۱۹۶۱ء کے نوگڈھ کا اجلاس جماعت کی نشاۃ ثانیہ کے لئے سنگ میل ثابت ہوا۔ اس کی قراردادوں کا سب سے عمدہ ثمرہ جامعہ سلفیہ بنارس ہے، جس کی بنیاد ۱۹۶۳ء میں پڑی اور تعلیم کا آغاز ۱۹۶۶ء میں ہوا۔ کانفرنس کے مختلف اجلاسوں میں جماعتی تنظیم کے لئے لائحہ عمل مرتب کیا گیا۔ دعوتی اور علمی کاموں کے فروغ کے لئے کوششیں کی گئیں۔ وقت کے تقاضے کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اس کانفرنس کو مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند کا نام دے دیا گیا۔ جمعیت کے دستور اساسی کے مقدمہ میں درج ہے:

تنظیم اور تسہیل کار کے لئے گاہے بگاہے یہ ضرورت محسوس ہوتی رہی کہ دستور جمعیت میں ضروری حذف واضافہ یا ترمیم ہو۔ اسی ضرورت کے پیش نظر آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے اجلاس ہائے مجلس عاملہ منعقدہ ۱۸۔۲۰ جنوری ۱۹۵۷ء بمقام دہلی۔ اجلاس منعقدہ ۲۴۔۲۶ نومبر ۱۹۶۲ء بمقام دہلی، اجلاس منعقدہ ۳۰ اگست ۱۹۷۱ء بمقام بنارس اور اجلاس منعقدہ ۱۲۔۱۳ اپریل ۱۹۷۷ء بمقام دہلی میں کئی بار ترمیمات پیش ہو کر منظور ہوئیں۔ اس دوران آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کو ''مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند'' سے موسوم کیا گیا اور انھیں خطوط پر کام چلتا رہا۔ (۱۷)

اب اس نئے نام اور دستور کے مطابق پورے ہندوستان میں جمعیت کا کام ہونے لگا۔ دہلی میں اس کا مستقل دفتر، جریدہ ترجمان، مکتبہ ترجمان اور دیگر شعبہ جات اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہیں۔ الحمدللہ لمنته۔ (۱۸)

اس تاریخ کا آغاز کچھ ملتے جلتے الفاظ میں مرکزی جمعیت اہل حدیث نے یوں کیا ہے:

حضرت میاں نذیر حسین محدث دہلویؒ کے بالواسطہ یا بلاواسطہ ارشد تلامذہ کا ہی یہ قافلہ تھا جنھوں نے ۱۹۰۶ء میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کی داغ بیل ڈالی۔ ان سب حالات کے باوجود ۱۹۰۶ء سے قبل ہندوستان میں اہل حدیث کی ان معنی میں کوئی باقاعدہ تنظیم نہ تھی۔ جو تمام شعبہ ہائے حیات پر محیط ہو۔ ہمارے اسلاف وزعماء کا جہاں بھی بطور خطیب، مدرس یا شیخ الحدیث قیام ہوتا وہاں علاقہ بھر کے اہل حدیث شعوری طور پر ان کے مطیع ہوتے اور انھیں اپنا رہنما یا امیر تسلیم کرتے اور قرآن وحدیث کی روشنی میں ان کے بتائے ہوئے راستہ پر گامزن رہتے۔ اس کی بہترین مثال حضرت شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی، استاذ پنجاب حضرت حافظ عبدالمنان وزیر آبادی، حضرت عبداللہ غزنوی اور حضرت الامام سید عبدالجبار غزنوی اور دیگر بزرگ ہیں رحمهم الله تعالیٰ۔

برصغیر میں بیسویں صدی عیسوی کا آغاز، تنظیمات، تحریکات اور جماعتوں کا دور تصور کیا جاتا ہے۔ جب انگریز نے ہندوستان کے دروبست، تمام ملکی نظم ونسق اور وسائل پر پوری طرح تسلط حاصل کرلیا تو ملک کے مختلف طبقوں، مذہبی اور سیاسی گروہوں نے اپنا تشخص قائم رکھنے اور سیاسی، مذہبی ومعاشی مقاصد کے حصول کے لیے ملک میں مختلف ناموں سے اپنی تنظیمیں قائم کرنا شروع کردیں تاکہ اجتماعی طور پر ان کی آواز موثر ثابت ہوسکے تو ۱۹۰۶ء میں سب سے پہلے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے یہ شدت سے محسوس کیا کہ ہندوستان میں اہل حدیث کی بھی ایک باقاعدہ اور موثر تنظیم ہونی چاہیے۔ اسی احساس کے پیش نظر آپ نے اپنے موقر جریدہ ہفت روزہ ''اہل حدیث'' امرتسر میں ۱۵ اکتوبر ۱۹۰۶ء کے شمارے میں یہ تجویز پیش کی اور ملک بھر کے اہل حدیث علماء وزعماء کو اس پر غور وفکر کی دعوت دی۔ اس پر ملک بھر سے اس تجویز کو بیحد پذیرائی حاصل ہوئی۔ چنانچہ خداداد بصیرت کے حامل اور دوررس نگاہوں کے مالک ہمارے اکابر نے ۲۳ دسمبر ۱۹۰۶ء کو صوبہ بہار کے شہر آرہ میں ''آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس'' کی بنیاد رکھی۔ اس جماعت کے اولین بانیوں میں حضرت مولانا حافظ محمد عبداللہ غازی پوریؒ، حضرت مولانا شمس الحق ڈیانویؒ مصنف عون المعبود، حضرت مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ مصنف تحفۃ الاحوذی، حضرت مولانا محمد حسین بٹالویؒ، حضرت الامام سید عبدالجبار غزنویؒ، شیخ الاسلام مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ پرتاب گڑھی، مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری، مولانا ثناء اللہ امرتسری، امام العصر مولانا حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، مولانا عبدالحق پھلواری، مولانا شرف الدین محدث دہلوی، حافظ عبداللہ آروی، مولانا عبدالحکیم پٹنہ اور ہندوستان کے جید اہل حدیث علماء وزعماء شامل تھے۔ حتیٰ کہ استاذ پنجاب حضرت مولانا حافظ عبدالمنان وزیرآبادی معذوری نظر کے باوجود تاسیسی اجلاس میں تشریف لے گئے۔ جماعت کی قیادت کے لیے جن شخصیات پر سب سے پہلے اکابرین کی نظر انتخاب پڑی وہ نہ صرف برصغیر کی معتبر علمی شخصیات تھیں بلکہ عالم اسلام کے بھی وہ مقتدیٰ تھے۔ حضرت مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری (متوفی ۲۲ نومبر ۱۹۱۸ء) کو صدر اور شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری (متوفی ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء) کو ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا۔ (۱۹)

پاکستان میں اہلحدیث کی تنظیمیں

پاکستان میں اہلحدیث کی تنظیم سازی کا آغاز فیصل آباد میں جامعہ سلفیہ کے قیام سے ہوا۔ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ممتاز احمد عبداللطیف لکھتے ہیں:

ملک کی تقسیم کے بعد اسی طرح کی کوشش پاکستان میں ہوئی۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان کا قیام عمل میں آیا اور اس پلیٹ فارم سے مولانا محمد حنیف ندوی، مولانا سید داؤد غزنوی، مولانا محمد اسماعیل سلفی اور دیگر ربانی علماء کی کوششوں سے جامعہ سلفیہ فیصل آباد کا سنگ بنیاد اپریل ۱۹۵۵ء میں رکھا گیا۔ ۱۹۵۷ء میں فیصل آباد کی اہل حدیث جامع مسجد میں اس کی تعلیم کا عارضی آغاز ہوا اور ۱۹۵۸ء میں اس ادارے کو اسکی اصل بلڈنگ میں منتقل کر دیا گیا۔ گویا اس طرح تقسیم ہند کے بعد تحریک کے متوالوں نے تحریک کے دیگر کاموں کے ساتھ ساتھ دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے دو بدل جامعہ سلفیہ بنارس اور جامعہ سلفیہ فیصل آباد کی شکل میں اپنی نئی پود کی آبیاری کے لئے پیش کر دیے۔ (۲۰)

مرکزی تنظیم کے طور پر جمعیت اہل حدیث آج بھی قائم اور متحرک ہے۔ اس کے امیر پروفیسر سینیٹر ساجد میر ہیں۔ تاہم اس تنظیم کے متوازی یا مخالف دیگر اہلحدیث تنظیمیں بھی وجود میں آتی رہیں جن میں سے بعض اپنی محدود مدتِ حیات پوری کر کے ختم ہو گئیں لیکن بعض تنظیمیں آج بھی ملک بھر میں پوری قوت سے موجود ہیں۔ اس صورت حال کا جائزہ پروفیسر سہیل حسن یوں لیتے ہیں:

> اہل حدیث کی بنیادی اور مرکزی تنظیم ''مرکزی جمعیۃ اہل حدیث'' ہے۔ اس کے ناظم اعلیٰ پروفیسر ساجد میر صاحب ہیں۔ زیادہ تر اہل حدیث ادارے اور مدارس اسی سے وابستہ ہیں۔ کچھ اختلافات کی بنیاد پر علامہ احسان الٰہی ظہیر کے صاحبزادے ابتسام الٰہی ظہیر نے بھی جمعیت اہل حدیث کے نام سے ایک تنظیم قائم کر رکھی ہے۔ ان کا اپنا رسالہ ہے، مرکز ہے اور وہ بھی کچھ دینی امور سرانجام دیتے ہیں۔
>
> تیسری تنظیم روپڑی حضرات کی ہے۔ اس کا نام ''جماعت اہل حدیث'' ہے۔ فرق صرف یہ تھا کہ ایک تنظیم صدارت کی قائل تھی اور دوسری امارت کی۔ اس سے کشمکش پیدا ہوئی، ایک تنظیم کہتی تھی صدر ہونا چاہیے اور دوسری کہتی تھی امیر ہونا چاہیے۔ یہاں سے اختلاف پیدا ہو گیا۔ کوششیں ہوتی رہیں کہ انھیں ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا جا سکے لیکن کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ ان تنظیموں کے مراکز پنجاب میں ہیں۔
>
> سندھ میں بھی ایک تنظیم ہے جسے ''غربائے اہل حدیث'' کہا جاتا ہے۔ اس کے پہلے سربراہ مولانا عبدالستار تھے، پھر مولانا عبدالغفار ہوئے، آج کل مولانا عبدالرحمٰن سلفی صاحب ہیں۔ ان کے ہاں بھی امارت اور بیعت کا سلسلہ ہے۔
>
> ایک اور صاحب اٹھے تھے مسعود احمد صاحب، انھوں نے جماعت مسلمین کے نام سے ایک تنظیم بنائی۔

انھوں نے اپنے آپ کو ایک انقلابی تحریک کے طور پر پیش کیا۔ دوسروں کے بارے میں انھوں نے کہا کہ یہ پوری طرح حدیث پر عمل نہیں کرتے۔ حدیث پر عمل درآمد کے حوالے سے وہ انتہا پسند تھے۔ انھوں نے دیگر اہل حدیث کے بارے میں کہا کہ ان کے پیچھے نماز نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا انھوں نے اپنی مسجدیں بھی الگ کرلیں اور عیدگاہ بھی۔ اس طرح وہ بالکل ایک انتہا پر پہنچ گئے۔ وہ خود انتقال کر گئے ہیں، ان کے کچھ ساتھی ہیں جو اس تنظیم کو چلا رہے ہیں لیکن اپنی انتہا پسندی کی وجہ سے یہ لوگ زیادہ موثر نہیں رہے۔ اس تنظیم کا آغاز کراچی سے ہوا تھا۔

ایک اور ڈاکٹر مسعود تھے۔ انھوں نے ایک تنظیم ''حزب اللہ'' بنائی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ نام اللہ کی طرف سے ہے۔ وہ بہت ہی سخت تھے۔ انھوں نے کئی ایک کتابیں لکھیں۔ انھوں نے توحید کے مسئلے پر محمد ابن عبدالوہاب جیسے شخص کو بھی نہیں بخشا۔ وہ ان سے بھی ایک قدم آگے تھے۔ وہ تنظیم بھی باقی نہیں رہی۔ کچھ تھوڑے بہت لوگ ہوں گے۔ ایسی تنظیمیں باقی نہیں رہ سکتیں۔ انتہا پسندی عموماً خراب کرتی ہے۔

ان تنظیموں کے علاوہ جہاد کے حوالے سے تنظیمیں بنیں۔ خاص طور پر حافظ سعید احمد صاحب کی ''لشکر طیبہ'' قابل ذکر ہے۔ اس کے بارے میں جب مسائل پیدا ہوئے تو انھوں نے جماعۃ الدعوۃ کے نام سے اسے تبدیل کر دیا۔ انھوں نے زیادہ کوششیں جہاد کے لئے مختص کر رکھی ہیں۔ کہیں کہیں وہ مرکزی جمعیت اہل حدیث کے ساتھ اکٹھے ہو جاتے ہیں لیکن انھیں زیادہ اختلاف یہی ہے کہ یہ لوگ جہاد کے لئے کوششیں نہیں کرتے۔ البتہ ان کے بھی اپنے مدرسے اور مراکز ہیں۔ انھوں نے ملک کے مختلف حصوں میں مدرسے قائم کیے ہیں۔ یہ کچھ تیز گام حضرات ہیں جن ے قدم کچھ آگے ہی چلتے ہیں۔

اس مقام پر یہ بات واضح کر دینا مفید ہے کہ ابھی حال ہی میں جماعت اہل حدیث کے امیر حافظ زبیر احمد ظہیر اپنے ساتھیوں سمیت مرکزی تنظیم اہل حدیث میں شامل ہو گئے ہیں جبکہ اس جماعت کے ناظم اعلیٰ مقصود احمد سلفی اور صوبہ سرحد کے امیر مولانا سید حسن شاہ اپنا الگ کام کر رہے ہیں۔

حافظ ابتسام الٰہی ظہیر کے بقول اس وقت ''تین نمایاں تنظیمیں ہیں، مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان، ہماری جماعت جمعیت اہل حدیث پاکستان اور جماعت الدعوۃ پاکستان، یہ تین نمایاں تنظیمیں ہیں جن کا پورے ملک میں نیٹ ورک موجود ہے۔ باقی چھوٹی موٹی اصلاحی تنظیمیں موجود ہیں۔''

انھوں نے مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کے مقابلے میں الگ سے جماعت بنانے کی وجہ ان الفاظ میں بیان کی:

بنیادی طور پر بات یہ ہے کہ ہمارا جو وجھۃ النظر تھا وہ یہ تھا کہ ملک کے اندر دینی جماعتوں کا ایک سیاسی کردار بھی ہونا چاہیے اور اس سلسلے میں ہمیں ان بلاکس (Blocks) کے مقابلے میں کھڑا ہونا چاہیے جو

سیکولرزم، کیپٹلزم یا جاگیردارانہ نظام کے علمبردار ہیں۔ہم یہ سمجھتے تھے کہ اگر مذہبی جماعتیں بھی ان قسم کی جماعتوں کی حاشیہ برادر بن جائیں تو ملک کے اندر اسلامی نظام کے مستقبل کے امکانات محدود ہو جائیں گے، لیکن بدنصیبی سے مرکزی جمعیت اہل حدیث کے سربراہ کا وجهۃ النظر یہ تھا کہ ہم سیکولر یا روایتی سیاسی پارٹیوں کے ساتھ زیادہ مل جل کر چلیں گے تو شاید اس طرح اپنے مقاصد حاصل کر سکتے ہیں۔میں سمجھتا ہوں روایتی سیاسی پارٹیوں کے ساتھ مذہبی جماعتیں ایک ذیلی تنظیم کا کردار ادا کرنا شروع کر دیں تو پھر اسلام کے اپنے سیاسی نظام کے سیاسی طریقے سے نفاذ کے راستے میں بڑی رکاوٹیں کھڑی ہو سکتی ہیں۔

حافظ ڈاکٹر ابتسام الٰہی ظہیر نے اس سوال کے جواب میں کہ دونوں تنظیموں میں سے زیادہ مقبولیت کسے حاصل ہے یہ دعویٰ کیا کہ ''اہل حدیث میں اگر آپ عوامی رجحان کی بات کریں تو اس میں ہمیں [جمعیت اہل حدیث پاکستان کو] تفوق حاصل ہے لیکن اگر علماء کے رجحان کی بات کریں تو اس میں دو آراء موجود ہیں علماء کا ایک بڑا طبقہ اُن کے ساتھ بھی ہے اور علماء کی ایک معقول تعداد ہمارے ساتھ بھی ہے۔''

❁❁❁❁❁

حواشی

(۱) ممتاز احمد عبداللطیف: تحریک اہلحدیث کا تاریخی پس منظر (نئی دہلی، دار النشر والتالیف، ۲۰۰۴ء) ص ۴۸

(۲) http://ww.ahlehadith.com/dataile7a9.php?mid=70&sid=6

(۳) (جمهرة انساب العرب ص ۲۶۶)

(۴) عراقی، عبدالرشید: برصغیر (پاک و ہند) میں علمائے اہلحدیث کے علمی کارنامے (لاہور: علم و عرفان پبلشرز، ۲۰۰۱ء) ص ۳۰

(۵) سلفی، محمد اسمٰعیل: تحریک آزادی فکر اور شاہ ولی اللہ کی تجدیدی مساعی (لاہور: مکتبہ نذیریہ، سنہ ندارد) ص ۴۹

(۶) http://www.ahlehadith.org/urdu/urdu/Taraf-Dastoor/Taraf/1.gif

(۷) ممتاز احمد عبداللطیف: تحریک اہلحدیث کا تاریخی پس منظر (نئی دہلی، دار النشر والتالیف، ۲۰۰۴ء) ص ۴۹۔۴۸

(۸) بقرہ: ۲۔۲۳۳

(۹) (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک طبع ثانی ص ۱۰۵ بحوالہ اہلحدیث اور سیاست۔ص: ۵۹)

(۱۰) (صراط مستقیم۔ص: ۶۳ بحوالہ ضمیر کا بحران۔ص: ۳۹۱)

(۱۱) (مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی حیات وخدمات۔ص:۵۵۔۵۶)
(۱۲) (دستور اساسی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند۔ص۵)
(۱۳) (مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی حیات وخدمات۔ص:۵۸)
(۱۴) (اہل حدیث ۱۴ر دسمبر ۱۹۰۶ بحوالہ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، حیات وخدمات۔ص:۵۵۔۵۶)
(۱۵) (مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، حیات وخدمات۔ص:۵۹)
(۱۶) (دستور اساسی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند۔ص:۵)
(۱۷) (دستور اساسی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند۔ص:۶)
(۱۸) ممتاز احمد عبداللطیف: تحریک اہلحدیث کا تاریخی پس منظر (نئی دہلی، دارالنشر والتالیف، ۲۰۰۴ء) ص ۵۲ تا ۵۶
(۱۹) http://www.ahlehadith.org/urdu/urdu/taraf-Dastoor/tarof/2gif
(۲۰) ممتاز احمد عبداللطیف: تحریک اہلحدیث کا تاریخی پس منظر (نئی دہلی، دارالنشر والتالیف، ۲۰۰۴ء) ص ۵۶

نوٹ: نامکمل حوالہ جات متعلقہ کتاب سے نقل کیے گئے ہیں۔ جبکہ مکمل حوالہ جات مرتب کے زیر مطالعہ کتاب یا مواد سے متعلق ہے۔ (مرتب)

عقائد وافکار

اسلام کی حقیقت

شیخ عبداللہ بن زید المحمود اپنی کتاب ''عقیدۃ الاسلام والمسلمین'' میں اسلام کی حقیقت کے بارے میں اپنا نظریہ یوں بیان کرتے ہیں:

اسلام وہ فیاض، سہل پسند بہتر دین ہے جس میں نہ تنگی ہے نہ بندش اور نہ وہ گراں ہے اور نہ ہی وہ مسلمان کی عقل کو تمدن وترقی سے روکتا ہے اور نہ مباح تجارت کو پھیلانے پر پابندی لگاتا ہے بلکہ اسلام تو ترقی کا زینہ اور کامیابی کا ذریعہ ہے۔ اُس کی بنیاد تو فرمانبرداری ہے اور اس کا ستون نماز ہے اور اُس کے باقی ارکان زکوٰۃ اور رمضان کا روزہ اور بشرط استطاعت زندگی میں ایک بار بیت اللہ کا حج ہے۔ اللہ نے ان ارکان کو اسلام کی بنیاد قرار دیا ہے بلکہ یہی اسلام ہے جیسا کہ حدیث جبرئیل میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ حضرت جبرئیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: اے محمدؐ! اسلام کی بابت مجھے کچھ بتائیے، آپ نے جواب دیا کہ اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کا روزہ رکھو اور بیت اللہ تک جا سکتے ہو تو حج کرو، حضرت جبرئیل نے کہا ''سچ کہا۔'' (مسلم) اور صحیحین میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا اور حج اور رمضان کا روزہ۔

یہ ارکان جہاں اسلام کی بنیاد ہیں وہیں مسلمانوں اور کافروں اور متقیوں اور فاجروں کے درمیان حد فاصل بھی ہیں اور ایمان کی صحت کی جانچ کے لیے یہ کسوٹی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انھیں ارکان ہی کے ذریعہ سچے مسلمان اور کافر وفاسق ونافرمان کے درمیان تمیز ہوتی ہے کیوں کہ اسلام کی بھی ایک روشنی ہے اور راستے کے مناروں کی طرح اسلام کے بھی روشن مینارے ہیں جس سے صاحب اسلام پہچان لیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو محض اس کے زبانی دعویٰ اسلام پر نہیں چھوڑ دیتا بلکہ اس کے ایمان کی صحت کی اچھی طرح جانچ ہوتی ہے۔ (۱)

اللہ پر ایمان دین اسلام کا ''رکن اوّل'' ہے۔اس کے بارے میں اہلحدیث کے عقیدے کا خلاصہ ہم شیخ عبداللہ بن عبدالحمید اثری کی کتاب سے نقل کرتے ہیں:

> اللہ عزوجل پر ایمان کا معنی ہے: اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات اقدس کے بارے میں قطعی اور یقینی تصدیق تمام صفات کمال اور عظمت والی صفات عالیہ کے ساتھ اُس کے متصف ہونے پر یقین محکم، عبادت میں صرف اسی کو ایک اللہ وحدہ لاشریک لہ کا حق دار جاننا اور ماننا، اس یقین محکم وایمان باللہ کے ساتھ دل کا اس قدر کامل اطمینان حاصل ہونا کہ اس کا اثر انسان کی عملی زندگی میں نمایاں نظر آئے اور اللہ عزوجل کے احکام واوامر کا التزام اور اس کے منع کردہ کاموں اور چیزوں سے مکمل اجتناب عملی زندگی میں دکھائی دے۔ یہ وضاحتی شروط ہی دراصل عقیدۂ اسلامیہ کی بنیاد اور اس کا خلاصہ ہیں۔ یہی دین اسلام کی اصل اول ہے اور عقیدہ کے تمام ارکان کی نسبت بھی اسی اصل اول کی طرف ہے اور سب کے سب ارکان ایمان اسی اصل کے تابع بھی ہیں۔
>
> ......پس اللہ رب العالمین، خالق ومالک کائنات ارض سماء وما بینہما کی ہر ہر معاملے میں وحدانیت اور عبادت کے لیے صرف اسی کے ہی حقدار ہونے پر یقین محکم وایمان راسخ کا مکمل مفہوم پایا جانا ایمان باللہ ہے۔اس لیے کہ اُس کی ذات اقدس میں کسی قسم کا شک نہیں ہے اور اللہ عزوجل کی ذات اقدس کے اپنے عرش عظیم پر مستوی ہوتے ہوئے تمام کائنات کے سب جہانوں کے ایک ایک فرد کے ہر ہر حصے اور ذرے ذرے کا علم رکھنا، ہر ہر چیز پر مکمل قدرت رکھنا اور تمام جہانوں کے تمام امور کی مکمل وغیر ناقص تدبیر کرنا: فطرت، عقل، شریعت اور محسوسات کے ذریعے پوری طرح ادراک وعلم میں آتی ہے۔
>
> اللہ عزوجل کی ذات وصفات عالیہ اور حاکمیت ارض وسماء وما بینہما میں اُس کی وحدانیت، شعور اور غیر شعور والی تمام مخلوقات سے سرزد تمام قسم کی عبادات میں اسی کو الوہیت اور اُس جیسے اسمائے حسنیٰ وصفات عظمیٰ میں کسی اور کے شریک ومعاون نہ ہونے پر یقین محکم وایمان جازم بھی ایمان باللہ العزیز الحکیم ہے اور یہ ایمان باللہ کی تکمیل توحید خالص کی تینوں اقسام کے اقرار، ان پر مکمل عقیدہ رکھنے اور ان کا علم حاصل کرنے سے ہوتی ہے اور یہ اقسام درج ذیل ہیں:
>
> ۱۔توحید ربوبیت
>
> ۲۔توحید اُلوہیت
>
> ۳۔توحید الاسماء والصفات (۲)

قرآن پر ایمان لانا، ایمان باللہ کا جز ہے

شیخ عبداللہ بن زید المحمود نے اللہ کی ربوبیت پر ایمان کے موضوع پر بات کرتے ہوئے قرآن پر ایمان لانے کو ایمان باللہ کا جز قرار دیا ہے اور قرآن کے بارے میں اپنے کلامی نظریے کا اظہار بھی کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

بیشک قرآن اللہ کا کلام ہے، مخلوق نہیں ہے، ارشاد ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُO عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَO بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ(۳)

اس کو امانت دار فرشتہ لے کر آیا، آپ کے قلب پر تا کہ آپ بھی ڈرانے والوں میں ہو جائیں، صاف عربی زبان میں۔

قُلْ نَزَّلَهُ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ(۴)

فرما دیجئے کہ اس کتاب کو روح القدس نے آپ کے رب کی طرف سے ٹھیک اُتارا ہے۔

تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ O كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ O بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ(۵)

یہ کلام رحمان و رحیم کی طرف سے اُتارا گیا ہے، یہ ایک کتاب ہے جس کی آیتیں صاف صاف بیان کی گئی ہیں، یہ عربی ہے ایسے لوگوں کے لیے جو دانشمند ہیں بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہے، اکثر لوگوں نے روگردانی کی پھر وہ سنتے ہی نہیں ہیں۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ(۶)

اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف وحی کیا روح کو اپنے حکم سے اور آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب اور ایمان کیا ہے لیکن ہم نے اس کو نور بنا دیا جس کے ذریعہ ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں اور بیشک آپ راہ دکھاتے ہیں صراط مستقیم کی طرف۔

معلوم ہوا کہ قرآن اللہ سبحانہ، وتعالیٰ کا کلام ہے، جس پر ایمان لانا ضروری ہے اللہ کا ارشاد ہے:

وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا(۷)

اور اللہ نے موسیٰ سے خاص طور پر کلام کیا۔

نیز فرمایا:

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَ قَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ

مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ(۸)

کیا تم امید رکھتے ہو کہ یہ یہود تمھارے کہنے سے ایمان لائیں گے حالانکہ ان میں سے کچھ ایسے گذرے ہیں جو اللہ کا کلام سنتے تھے پھر سمجھ کر اُس کو بدل ڈالتے تھے اور خوب جانتے بھی تھے۔

قرآن اس لیے بھی کلام اللہ ہے کہ وہ اللہ کی صفت کمال ہے اور اللہ تعالیٰ کمال کے ساتھ موصوف ہے اور نقص وعیب سے پاک ہے اس لیے اُس کا کلام بھی مخلوق نہیں ہے۔

اب جو شخص کلام اللہ کو جھٹلائے یا کہے کہ قرآن مخلوق ہے یا یہ ایک ایسی چیز ہے جو خود بخود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر اتر آئی ہے تو ایسا کہنے والا کتاب اللہ کی تکذیب کر رہا ہے اور اللہ نے اپنے رسولوں کو جو دین دے کر بھیجا ہے سب کو جھٹلا رہا ہے اور یہ اس سرکش ظالم کے قول کی تائید ہے جس کی بابت قرآن نے یوں نقل کیا ہے:

اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ O سَاُصْلِيْهِ(۹)

اور یہ قرآن آدمی کا کہا ہوا ہے، میں اس کو جہنم میں داخل کروں گا۔(۱۰)

ایمان بالرسل

اس موضوع پر ہم شیخ عبداللہ بن عبدالحمید اثری کی عبارت سے استفادہ کرتے ہیں۔وہ لکھتے ہیں:

اہل السنۃ والجماعۃ کے لوگ اس بات پر ایمان جازم، یقین محکم اور پختہ عقیدہ واعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں کی طرف خوشخبریاں دینے والے اور اللہ کے عذاب اور اُس کی پکڑ سے ڈرانے والے ہر دور میں نبی اور رسول بھیجے تھے، جو دین حق کی طرف دعوت دینے والے داعی الی اللہ، بنی نوع انسان کی صراطِ مستقیم کی طرف صحیح راہنمائی کرنے والے اور انھیں کفر وضلالت کی گمراہی والے اندھیروں سے نکال کر نورِ ہدایت کی طرف لے کر آنے کا کام کرتے تھے۔

چنانچہ ان کی دعوت۔۔۔امتوں، ملتوں اور قوموں کو بت پرستی اور شرک وخرافات سے بچانے اور ان قوموں کی سوسائٹیوں کو دہشت گردی، فساد فی الارض اور حرام چیزوں اور حرام افعال کو حلال سمجھنے سے روک کر ان کی تطہیر ہوتی تھی۔ چنانچہ اس ضمن میں بلاشک وشبہ اللہ کے پیغمبروں نے رسالت ونبوت کو لوگوں تک پورا پورا پہنچا دیا۔اس امانت کا پورا پورا حق ادا کر دیا۔اپنی اپنی امت کو پوری پوری نصیحت کر دی اور انھوں نے اللہ کی راہ میں جہاد وجہد کا پورا پورا حق ادا کر دیا تھا۔ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ایسے واضح اور ظاہر معجزات عطا ہوئے تھے کہ جو ان کی صداقت پر دلالت کرتے تھے اور جو

شخص ان انبیاء کرام و رسل عظام علیہم الصلوۃ والسلام میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرے تو اُس نے گویا اللہ عزوجل اور تمام کے تمام رسولوں کے ساتھ کفر اور ان کا انکار کیا۔(۱۱)

محمد رسول اللہؐ کی فضیلت تمام نبیوں پر

شیخ عبداللہ اثری پیغمبر اسلام کی تمام نبیوں پر فضیلت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے بعض نبیوں اور رسولوں کو دوسرے انبیاء ورسل پر فضیلت دی تھی اور تمام امت اسلامیہ محمدیہؐ کا اس بات پر اجماع ہے کہ: رسول، انبیاء سے افضل ہوا کرتے تھے اور پھر یہ کہ تمام رسول بھی باہم ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے تھے۔ تمام رسولوں اور نبیوں میں سب سے افضل اولوالعزم رسول تھے۔ جو کہ پانچ ہیں یعنی: سادا تنا نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ بن مریم اور محمد صلی اللہ علیھم وبارک وسلم تسلیماً کثیرا دائماً ابدا۔ اور پھر تمام انبیاء ورسل اور اولوالعزم پیغمبروں میں سب سے افضل نبی الاسلام، خاتم الانبیاء والمرسلین ورسول رب العالمین، رحمۃ للعالمین محمد بن عبداللہ القرشی الہاشمی صلی اللہ علیہ وعلی جمیع الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واز واجہ واصحابہ اجمعین ہیں۔

اللہ عزوجل آپ کی تعریف وتوصیف میں فرماتے ہیں:

ا۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا(۱۲)

محمدؐ تم میں سے کسی مرد کا باپ نہیں ہے۔ البتہ وہ اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہے اور پیغمبروں کا ختم کرنے والا اور اللہ تعالیٰ سب کو جانتا ہے۔

ب۔ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝(۱۳)

(اے پیغمبرؐ) کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھولا اور ہم نے تیرا بوجھ تجھ پر سے اتار دیا جس نے تیری پیٹھ توڑ رکھی تھی اور ہم نے تیرا نام بلند کر دیا۔

اہل السنہ والجماعۃ اہل الحدیث سلفی جماعت حقہ کے لوگ ان تمام رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں کہ جن کے نام اللہ عزوجل نے لیے ہوں یا جن کے نام نہ بھی لیے ہوں اور تمام انبیاء کرامؑ میں سب سے اول، پہلے پیغمبر جناب آدمؑ تھے اور سب سے آخر میں آنے والے اللہ عزوجل کے حبیب وخلیل نبی خاتم المرسلین محمد رسول اللہؐ تھے اور تا قیامت آپ کی نبوت ورسالت قائم ہے اور آپ ہی سب سے افضل رسول ہیں۔

تمام رسولوں پر ایمان، ایمان مجمل ہے اور ہمارے خاتم الرسل نبی رحمت محمد بن عبداللہؐ پر ایمان، ایمان مفصل ہے کہ جو دیگر تمام انبیاء سے ہٹ کر آپؐ کی مکمل اتباع واطاعت کا تقاضا کرتا ہے اور علی وجہ التفصیل اس پورے دین کی مکمل اطاعت واتباع کا بھی جو آپؐ اللہ کی طرف سے لے کر آئے تھے۔(۱۴)

معراج

شیخ عبداللہ بن زید المحمود واقعہ معراج کے بارے میں اپنا عقیدہ یوں بیان کرتے ہیں:

اور علماء کے صحیح قول کے مطابق آپ کی معراج رُوح اور جسم دونوں کے ساتھ ہوئی تھی، چنانچہ موقع ومحل اور طرز کلام بتارہا ہے کہ آپ کی معراج کی خبر میں آپ کے عظیم الشان معجزہ کا ذکر کیا گیا ہے۔قرآن مجید نے ثابت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ورسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد حرام، نیز کہا گیا کہ مقام حجر اور کچھ لوگوں نے کہا اُم ہانی کے گھر سے راتوں رات مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی اور معراج کا یہ معجزہ عادت انسانی کے بالکل برخلاف ہے، معجزہ کی حقیقت اس کے نام سے ظاہر ہے۔وہ لوگوں کو اپنے مقابلے اور اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز کردیتا ہے اور جو شخص اسے لاتا ہے معجزہ اس کی نبوت کی تصدیق کرتا ہے۔کہا جاتا ہے کہ آپ کے پاس براق لایا گیا جو گھوڑے سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا، براق برق سے مشتق ہے کیونکہ وہ بھی برق ہی جیسی سرعت کا حامل تھا۔اس معراج کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مسجد اقصیٰ اور آسمان سے اپنی آیات اور اپنی مخلوقات کے عجائبات کا مشاہدہ کرائے، آپ جب مسجد اقصیٰ پہنچے تو وہاں انبیاء کرام کو نماز پڑھائی۔آپ کی یہ نماز ان کی روحوں کے ساتھ ادا ہوئی تھی کیوں کہ یہ سب انبیاء اپنے اپنے زمانے میں مرکز زمین میں دفن ہوئے تھے، پھر وہاں سے آپ کو حضرت جبرئیل کے ساتھ آسمان پر لے جایا گیا، جبرئیل نے آسمان دنیا کا دروازہ کھلوایا تو ان سے پوچھا گیا یہ کون ہیں؟ انھوں نے کہا: جبرئیل۔پھر پوچھا: آپ کے ساتھ کون ہے؟ کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پوچھا گیا: کیا ان کے پاس پیغام بھیجا گیا تھا؟ کہا: ہاں۔تب انھوں نے کہا: خوش آمدید، کتنا اچھا آنے والا آیا اور اس کے بعد ہر آسمان کے دروازے کو اسی طرح کھلوایا گیا۔یہاں تک کہ سدرۃ المنتہیٰ تک آپ کی رسائی ہوئی۔خدا نے آپ پر پانچ وقت کی نمازیں فرض کیں اور ان کے لیے وضو کا حکم دیا اور فرمایا کہ یہ پانچ وقت کی نمازیں ہیں لیکن ان کا ثواب پچاس وقت کی نمازوں کے برابر ہے، اس لیے کہ خدا ایک نیکی کا دس گنا اجر دیتا ہے۔کتاب وسنت کی صراحت اور علمائے امت کے صحیح قول سے یہ ثابت ہوتا ہے

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات، باری تعالیٰ کے دیدار کا شرف حاصل نہیں ہوا، اس لیے کہ دنیا کی اس زندگی میں حق تعالیٰ کا دیدار دشوار ہے۔(۱۵)

سایۂ رسولؐ

یہ بات عام طور پر مشہور ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہیں تھا اس سلسلے میں اہلحدیث کے عالم مولانا محمد یحییٰ گوندلوی اپنا نقطۂ نظر اپنے دلائل کے ساتھ یوں ذکر کرتے ہیں:

نبی کو نور من نور اللہ ماننے والوں نے ایک بداہت اور حقیقت کا انکار کیا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا۔ ان کے خیال میں اگر سایہ مان لیا جائے تو نور من نور اللہ کا عقیدہ باطل ٹھہرتا ہے جس وجہ سے انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ کا ہی انکار دیا ہے۔ حالانکہ اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی مخلوق بشر ہیں اور جو بھی مخلوق ہے اس کا سایہ ہے خالق کائنات نے فرمایا:

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَ الشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَ هُمْ دٰخِرُوْنَ(۱۶)

کیا وہ اس کی طرف نہیں دیکھتے جو چیز بھی اللہ نے پیدا کی ہے تو اس کے سایے دائیں اور بائیں اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے لوٹتے ہیں اور وہ عاجزی کرنے والے ہیں۔

اس آیت کریمہ نے واضح کر دیا ہے کہ جو چیز بھی مخلوق ہے اس کا سایہ ہے۔ اس میں تو کسی کو بھی انکار نہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی مخلوق تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم احاطہ خلق سے باہر نہیں ہیں اور جو بھی احاطہ خلق میں شامل ہے اس کا بلاشبہ سایہ ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں:

فبینما انا یوماً بنصف النهار اذاانابظل رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم مقبل(۱۷)

ایک دن (میں نے دیکھا) کہ دوپہر کے وقت رسول اللہ کا سامنے سے سایہ آرہا ہے۔

اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ:

فبينا هي ذات يوم قاعدة بنصف النهار اذراء ت ظله(۱۸)

کہ حضرت عائشہ ایک دن دوپہر کے وقت بیٹھی ہوئی تھیں تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ کو دیکھا۔(۱۹)

حیات انبیاء علیہم السلام

انبیائے کرام علیہم السلام کی موت کیا دیگر انسانوں کی موت سے مختلف ہے، یہ سوال بھی مذہبی حلقوں میں عام طور پر زیرِ بحث رہتا ہے اس سلسلے میں اہلحدیث کا نقطۂ نظر بھی جاننا مفید ہے۔ مولانا محمد یحیٰ گوندلوی اپنا نظریہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> موت کے بارہ میں عام اصول کے تحت انبیاء بھی اسی طرح شامل ہیں جیسا کہ عام انسان ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سوائے اپنی ذات کے کسی اور کو اس اصول سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا۔
>
> كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ O وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ O(۲۰)
>
> جو بھی اس پر ہے فانی ہے اور تیرے رب بزرگی اور عزت والے کا چہرہ باقی رہے گا۔
>
> حیات جاوداں صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے باقی تمام کو فنا ہے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک عام قاعدے کے تحت تمام انبیاء کی موت کا اعلان کیا ہے۔(۲۱)

انھوں نے اپنے نظریے کی تائید میں ان آیات کو بھی پیش کیا ہے:

> مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ(۲۲)
>
> مسیح تو صرف اللہ کے رسول تھے ان سے قبل رسول فوت ہو گئے۔
>
> وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ(۲۳)
>
> محمد صرف اللہ کے رسول ہیں ان سے پہلے رسول گزر (فوت) چکے ہیں۔

ان آیات پر تبصرہ کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں:

> ان دونوں آیات سے واضح ہوا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے جتنے بھی رسول آئے تھے وہ اپنی طبعی عمر گزار کر عدم کے مسافر ہوئے اور تمام نے موت کا پیالہ پی لیا ہاں البتہ حضرت مسیحؑ آسمان کی طرف زندہ اٹھائے گئے تھے۔ قرب قیامت کے وقت ان کا اس دنیا میں نزول ہوگا اور وہ باقی ماندہ زندگی جب بسر کر لیں گے تو موت ان کو بھی پالے گی اور وہ بھی فوت ہو جائیں گے۔(۲۴)

اس کے بعد مولانا محمد یحیٰ گوندلوی آنحضرتؐ کی وفات کے حوالے سے اس آیت کا بھی تذکرہ کرتے ہیں:

> اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَ مَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا(۲۵)
>
> کیا پس اگر آپ مر جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم اپنی ایڑھیوں کے بل پھر جاؤ گے اور جو شخص بھی اپنی ایڑھیوں کے بل پھر جائے وہ اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔(۲۶)

آخرت میں اللہ رب العزت کا دیدار

اس سلسلے میں شیخ عبداللہ المحمود لکھتے ہیں:

ہمارا ایمان ہے کہ اہل ایمان آخرت میں اللہ رب العزت کا دیدار کریں گے، اللہ کا ارشاد ہے:

وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ○ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (۲۷)

بہت سے چہرے اُس دن بارونق ہوں گے، اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے۔

اور حدیث صحیح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، آپ لوگ اپنے رب کو اسی طرح دیکھیں گے جس طرح چاندنی رات میں چاند کو دیکھتے ہیں، جس کے دیکھنے میں کوئی کشمکش محسوس نہیں کرتے، لہٰذا ہو سکے تو آفتاب نکلنے اور ڈوبنے سے قبل کی نماز سے تھکومت، یعنی فجر اور عصر کی نماز۔

رہی بات دنیا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی تو اس میں اختلاف ہے اور قول راجح یہ ہے کہ دنیا میں کوئی بھی اللہ کو نہیں دیکھ سکتا، اللہ نے اپنے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بابت فرمایا ہے کہ موسیٰ نے کہا:

رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ قَالَ لَنْ تَرٰنِیْ (۲۸)

میرے رب مجھے دکھادے کہ میں تیری طرف نظر کروں۔ فرمایا تم مجھ کو ہرگز نہ دیکھ سکو گے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا، کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ کہا نہیں، نور کو میں نے دیکھا ہے یعنی ایک دبیز نور اس کے درمیان حائل رہا جو دنیا میں اللہ کو دیکھنے سے روکتا ہے اور حضرت عائشہؓ کا بیان ہے، جس نے تم سے کہا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو اُس نے بہت بڑا بہتان آپ پر باندھا اور انھوں نے یہ آیت پڑھی:

لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ وَ هُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ وَ هُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ (۲۹)

اور نگاہیں اس کو پا نہیں سکتیں اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے اور وہ بڑا باریک بین باخبر ہے۔ (۳۰)

ملائکہ کرام پر ایمان

اس موضوع پر شیخ عبداللہ المحمود لکھتے ہیں:

اللہ اور ملائکہ پر ایمان لانا بھی اصول ایمان میں سے ہے، اللہ کا ارشاد ہے:

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَ لٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِکَةِ وَ الْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ (۳۱)

نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنے چہروں کو مشرق اور، مغرب کی طرف پھیرو، بلکہ نیکو کار وہ ہے جو اللہ پر اور

قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتاب الٰہی اور نبیوں پر ایمان لے آئے۔

نیز فرمایا:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ.(۳۲)

ایمان لایا رسول اس کتاب پر جو اُس کے رب کی طرف سے اس کی طرف نازل کی گئی اور سب ایمان والے بھی، سب کے سب ایمان لائے اللہ پر اور اُس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر۔

معلوم ہوا کہ ملائکہ پر ایمان شاخ ہے اللہ عزوجل پر ایمان لانے کی اور اُن مقدس کتابوں پر ایمان لانے کی جو اللہ عزوجل نے اپنے انبیاء اور رسولوں پر نازل کی ہیں۔

اور فرشتے غیبی مخلوق ہیں، صاحب عقل ہیں، اللہ نے ان کو اپنی خدمت اور، عبادت کے لیے پیدا کیا ہے، جیسے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ ان میں عقل وشعور تو ہے لیکن شہوت نہیں وہ اللہ کے معزز بندے ہیں، اللہ جو کچھ ان کو حکم دیتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جس کا ان کو حکم دیا جاتا ہے اور اللہ کے حکم واراد ے سے اپنی شکلیں بدلتے ہیں جیسے حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ایسے آدمی کی شکل میں آئے جس کے کپڑے خوب سفید اور بال انتہائی کالے تھے۔ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اصول دین پوچھے اور صحابۂ کرام اس کی گفتگو سنتے رہے۔ جب وہ واپس گیا تو آپ ؐ نے فرمایا: یہ جبرئیل تھے جو تمھیں تمھارا دین سکھانے آئے تھے۔ ایک مرتبہ انھیں دحیہ بن خلیفہ الکلبی کی صورت میں بھی دیکھا گیا اور ایک مرتبہ آپ ؐ نے ان کو ان کی اس ہیبت ناک شکل میں دیکھا جس میں ان کو پیدا کیا گیا ہے، ارشاد الٰہی ہے: وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۔(۳۳) اور آپ نے ان کو ایک مرتبہ اور دیکھا ہے سدرۃ المنتہٰی کے پاس۔ فرشتوں پر ایمان لانا اُن کے دیکھنے پر موقوف نہیں ہے کیوں کہ وہ غیبی دنیا کے لوگ ہیں اور اللہ نے ان متقی بندوں کی تعریف کی ہے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں لہٰذا وجود باری تعالیٰ پر ایمان لانا ایمان بالغیب ہے۔ اسی طرح فرشتوں پر بھی ایمان لانا ایمان بالغیب ہے اور مرنے کے بعد حساب وکتاب کے لیے اٹھنا اور جنت ودوزخ پر ایمان لانا بھی ایمان بالغیب ہے۔(۳۴)

آخرت کے دن پر ایمان لانا

شیخ عبداللہ محمود آخرت کے عقیدے کی ضرورت اور اہمیت پر بات کرتے ہوئے کہتے ہیں:

آخرت کے دن پر ایمان اعمال کی اصلاح و درستگی فرائض اور فضائل کی پابندی اور منکرات ورزائل سے اجتناب کی بنیاد ہے، یہی ایمان دل میں اللہ کی محبت اور اطاعت کے ذریعہ اس کے تقرب کی جڑیں مضبوط کرتا ہے، انسان کی زندگی کو بہتر نظام کا پابند کرتا ہے، اس طرح کہ وہ اپنے گناہوں سے ڈرنے لگتا ہے اور نیکیوں کے ثواب کا امیدوار ہوتا ہے لیکن قیامت کے دن کے ثواب وعذاب، جنت ودوزخ کی تصدیق نہ کرنے سے اکثر برے اعمال کا ظہور ہوتا ہے اور جو شخص بھی اللہ اور اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اُس کے رسولوں اور قیامت کے دن کا انکار کرتا ہے وہ کھلی ہوئی گمراہی میں پڑ گیا ہے کیونکہ جو شخص ڈرے گا وہ آخر شب ہی میں چل پڑے گا اور جو اندھیرے منہ نکل جائے گا وہ منزل تک پہونچ جائے گا اور جو اللہ سے ڈرے گا اس کے غضب کے قریب بھی نہ جائے گا اور جو اللہ سے ڈرے گا وہ من مانے کام نہیں کرے گا اور اگر قیامت کا وجود برحق نہ ہوتا تو آج دنیا کا یہ حال نہ ہوتا۔ کیوں کہ مومن جانتا ہے کہ دنیا ابتلا اور امتحان اور فنا اور زوال کا مقام ہے۔(۳۵)

شفاعت

روز قیامت میں شفاعت کا مسئلہ اہل اسلام میں معرکۃ الآرا مسائل میں سے ہے۔عام طور پر اس کی تفصیلات میں اختلافات زیادہ ہیں۔اس موضوع کی اہمیت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ تقریباً تمام مسالک کے معتبر علماء نے اس موضوع پر اظہار خیال کیا ہے یہاں تک کہ بعض نے خاص اس موضوع پر کتب لکھی ہیں۔ہم یہاں پر اہلحدیث کے عالم مولانا محمد یحییٰ گوندلوی کا نقطۂ نظر قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں:

> ہمارا ایمان اور عقیدہ ہے کہ قیامت کے روز انبیا صالحین، شہداء، علماء اور فرشتے اللہ تعالیٰ کی اجازت سے گناہگاروں کے لیے شفاعت کریں گے، بالخصوص حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مختلف قسم کی شفاعتیں کریں گے۔(۱) شفاعت کبریٰ جس شفاعت سے اولوالعزم رسول بھی گھبرائیں گے ہمارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ شفاعت کریں گے جیسا کہ فرمایا:
>
> قیامت کے دن لوگ حضرت آدم علیہ اسلام سے شفاعت کرنے کی التجا کریں گے تو وہ انکار کردیں گے پھر لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام وموسیٰ علیہ السلام کے پاس سے ہوتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کے پاس آئیں گے وہ بھی انکار کردیں گے اور کہیں گے تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ، لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حمد وثناء کے اس وقت وہ کلمے سکھائے گا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اب یاد نہیں ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ

وسلم ان کلمات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کریں گے اور سجدہ میں گر پڑیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا جائے گا سر اٹھائیں اور جو کہنا چاہتے ہیں کہہ دیں، اسے سنا جائے گا اور سوال کریں پورا کیا جائے گا اور سفارش کریں قبول ہوگی تو میں کہوں گا: اے اللہ! میری امت میری امت۔ تو حکم ہوگا کہ جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہے اس کو جہنم سے نکال لے۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح چار مرتبہ سجدہ میں گریں گے اور ہر مرتبہ یہی حکم ہوگا کہ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہے اس کو جہنم سے نکال لے مگر چوتھی مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے التجا کریں گے کہ اے اللہ! مجھے ہر اس شخص کے بارہ میں اجازت دیجئے جس نے **لا الہ الا اللہ** کہا ہے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ تیرے لیے نہیں ہے مجھے اپنی عزت، جلال، کبریائی اور عظمت کی قسم میں ضرور اس کو نکالوں گا جس نے **لا الہ الا اللہ** کہا۔(۳۶)(۳۷)

صوفیا اور اولیاء

اس موضوع پر بات کرتے ہوئے پروفیسر ڈاکٹر سہیل حسن نے اپنا نظریہ ان الفاظ میں بیان کیا:

اللہ کے جو نیک بندے تھے وہ تو دین کے خادم تھے۔ انھوں نے دین کی خدمت کی۔ ان میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ مجھے کچھ سمجھا جائے یا مجھے کوئی خاص مقام دیا جائے۔ اس لحاظ سے ہر کوئی قبول کرے گا کہ یہ لوگ اللہ کے دین کے خادم تھے۔ انھوں نے محنتیں کیں اور دین کے لئے کوششیں کیں۔ انھیں ان کی حد، شخصیت اور حیثیت سے بڑھا دینا صحیح نہیں۔ البتہ ان کا احترام ہم پر لازم ہے۔ ہمیں ان کا احترام کرنا چاہیے لیکن ان کے مزارات بنا دینے کے ہم قائل نہیں ہیں۔ جیسے اللہ کے دیگر بندوں کو دفن کیا جاتا ہے انھیں بھی دفن کیا جانا چاہیے۔

جب ہم کسی کے لئے دعا کرنے جائیں تو ان کے لئے بھی دعا ہو جائے گی۔ ان کے الگ مزارات بننے سے یہ قباحت پیدا ہو رہی ہے کہ وہاں شرک کے اڈے بن گئے ہیں۔ ان سے لوگ منتیں مانگتے ہیں، انھیں سجدے کرتے ہیں، ان کے نام پر نذر نیاز کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انھیں تصرف کا کوئی حق ہے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو انھوں نے نہیں کہی تھیں اور یہ چیزیں ان کی تعلیمات میں ہمیں نہیں ملتی ہیں۔ ایسی چیزوں کو ان کے ذمے کر دیا جاتا ہے۔ یہ چیزیں غلو ہیں۔ ان سے رسول اللہؐ نے منع فرمایا ہے۔ ایسے بزرگوں کی قبر کو سجدہ گاہ نہیں بنانا چاہیے لیکن ان کی قبور کے پاس مسجد بنانا اور اس میں نماز پڑھنا درست ہے۔

شیخ عبداللہ اثری کرامات اولیاء کی تصدیق کرتے ہیں۔ وہ اس موضوع کے کئی پہلوؤں پر اظہار خیال کرتے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے:

اہل السنۃ والجماعۃ اہل الحدیث کے سلف صالحین کے اصول عقیدہ میں سے ایک اصل اولیاء اللہ کی کرامات کی تصدیق بھی ہے اور کرامت کا معنی ہوتا ہے کہ: اللہ خالق السموات والارض اپنے بعض صالح، موحد بندوں کے ہاتھوں پر خوارق عادت کوئی کام ان کے اکرام کے لیے جاری کردے۔ جیسا کہ اس موضوع پر کتاب وسنت نے کچھ باتوں کی خبر دی ہے۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ○ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○(۳۸)

سن رکھو جو لوگ اللہ کے ولی (دوست) ہیں نہ ان کو ڈر ہوگا نہ غم۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیز گاری اختیار کیا کرتے تھے۔ ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی خوشی ہے اور آخرت میں بھی۔ اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں یہی بڑی کامیابی ہے۔

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

ان اللہ تبارک وتعالیٰ قال: من عادی لی ولیا فقد آذنتہ بالحرب

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی رکھے گا، میں اسے یہ خبر کیے دیتا ہوں کہ میں اُس سے لڑوں گا۔ (۳۹)

اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ. (۴۰)

مسجد حرام کے متولی تو وہی ہو سکتے ہیں جو پرہیز گار ہوں (شرک سے بچتے ہوں) لیکن ان میں اکثر (لوگ) یہ نہیں جانتے۔

جبکہ شعبدے بازی، ہاتھ کی صفائی اور کرتب سازی وجادوگری شیطان کی طرف سے ہوتی ہے اور اس کا سبب کافرانہ اعمال اور اللہ کی نافرمانیاں ہوتی ہیں۔ یہ گمراہ لوگوں کے ساتھ مختص ہوتی ہے۔۔۔

اہل السنۃ والجماعۃ سلفی جماعت حقہ کے اہل ایمان اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ دنیا میں جادو کا بھی وجود ہے اور جادوگر بھی پائے جاتے ہیں۔ (۴۱)

البتہ وہ شخصیات جنھیں اولیاء اللہ کہا جاتا ہے ان کے اقوال وافعال کی حیثیت کے بارے میں بھی اہلحدیث کا موقف جاننا ضروری ہے کیوں کہ اس کے بغیر بات مکمل نہیں ہوتی۔ اس سلسلے میں ہم مولانا محمد یحییٰ گوندلوی کی عبارت نقل کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

اولیاء اللہ کا ادب واحترام نہایت ضروری ہے اور ان کی گستاخی جائز نہیں۔ مگر ان کے اقوال وافعال

شریعت کا درجہ نہیں رکھتے اوران سے اختلاف ممکن ہے اوراختلاف کی صورت میں ان کے اقوال وافعال کو کتاب وسنت کے میزان اور ترازو میں تولا جائے گا جو کتاب وسنت کے موافق وہ سرآنکھوں پر اور جو خلاف ان کا ترک واجب ہے۔ اولیاء اللہ معصوم نہیں ہیں کہ ان سے خطا اور غلطی سرزد نہ ہو تقاضاء بشریت کے تحت ان سے خطا کا ہو جانا عین ممکن ہے۔

ولی کی پہچان اور شناخت کتاب وسنت کی پیروی ہے اور ایسے شخص کو ہم ولی اللہ تسلیم نہیں کرتے جو قرآن وحدیث کے ظاہر کے خلاف چلتا ہو اس کی شکل وصورت اور وضع قطع سنت کے موافق نہ ہو اور خصوصاً اس کا عقیدہ اسلام کے اصلی اور حقیقی عقائد کے منافی ہو بلکہ ولی اللہ وہی ہوسکتا ہے جس کا عقیدہ اور عمل قرآن وحدیث کے موافق ہو اور وہ ایمان اور تقویٰ سے لیس ہو۔ (۴۲)

قبروں کے ساتھ معاملہ

اہلحدیث کے نزدیک اہم موضوعات میں سے قبروں کے ساتھ مسلمانوں کے معاملہ بھی ہے۔ اس ضمن میں مولانا شاہ اسماعیل شہید تذکیرالاخوان میں لکھتے ہیں:

یادرکھو قبروں کی زیارت بلا کسی شرط، تاریخ، سال، وقت اور اجتماع کے مردوں کے لیے سنت ہے تاکہ موت یاد آئے، آخرت کا خیال پیدا ہو، دنیا سے بے رغبتی ہو علاوہ اس نیت کے کسی اور نیت سے قبروں کی زیارت کرنا، وہاں دور دور سے سفر کی مشقت اٹھا کر جانا یا دن اور وقت اور تاریخ کی شرط لگانا، قبروں پر میلہ یا عرس منانا، وہاں چراغ جلانا، قبروں ی وجہ سے قبرستان میں مسجد بنانا، عورت کا قبروں کی زیارت کو جانا، قبروں پر چادریں چڑھانا، انھیں پکا بنانا، مقبروں پر یا قبروں پر مرنے والوں کی تاریخیں، ان کے نام یا قرآن پاک کی آیتیں لکھ دینا، قبروں پر گنبد بنانا، ایک بالشت سے اونچی قبر بنانا، قبر کے پاس اچھی بات سمجھ کر نماز پڑھنا، قبروں کا مجاور بننا، قبروں کا وہی ادب واحترام کرنا جو مسجدوں کے ساتھ مخصوص ہے، قبروں کے پاس خوشی کے اور کھیل کود کے کام اس خیال سے کرنا کہ مردوں کو خوشی ہوگی یا ثواب ہوگا سب مکروہ، حرام اور بدعت ہیں جو لوگ یہ کام کرتے ہیں ان میں سے اکثر کی یہ غرض ہوتی ہے کہ وہ بزرگوں کو اپنا حاجت روا اور مشکل کشا جانتے ہیں اور ان سے مرادیں مانگتے ہیں لہٰذا ان کو خوش کرنے کے لیے یہ کام کیے جاتے ہیں حالانکہ حاجت روا اور مشکل کشا خدا کے سوا کوئی نہیں۔ یہ بزرگ تو خود اللہ کے محتاج ہیں اور جب زندہ تھے تو ہر بات میں خدا ہی کے محتاج تھے ان کی بزرگی اسی وجہ سے تھی کہ وہ ہر بات خدا سے

طلب کرتے تھے اور خدا کے سوا کسی اور کو مشکل کشا نہیں جانتے تھے پھر بھلا وہ کس طرح مشکل کشا ہو سکتے ہیں۔ مسلمانوں نے یہ باتیں یہودیوں اور عیسائیوں سے لی ہیں۔ یہ لوگ اپنے پیغمبروں اور بزرگوں کے مرنے کے بعد ان کی قبریں پکی بنا کر اسی قسم کی عبادت کیا کرتے تھے۔ (۴۳)

صحابہ کرامؓ کے بارے میں موقف

صحابہ کرامؓ کے بارے میں اپنے نظریے کا اظہار کرتے ہوئے ڈاکٹر ابتسام الٰہی ظہیر نے کہا:

صحابہ کرامؓ کے بنیادی طور پر دو بڑے طبقات ہیں اور اگر ان کو میں پھیلاؤں تو تمام صحابہ کرامؓ تین طبقات میں شامل ہیں۔

پہلا طبقہ صحابہ کرامؓ کا جو انتہائی قابل احترام ہے وہ ہے جس کے بارے میں رسول اللہؐ نے [حکم خدا سے] فرمایا:

لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى. (۴۴)

یعنی میں دعوت دین کے بدلے میں کسی اجر کا طالب نہیں ہوں سوائے اس کے کہ میرے قریبی عزیزوں سے حسنِ سلوک کیا جائے۔

حضور اکرمؐ کے اعزا و اقربا یا اہل بیت عظام کا مقام انتہائی طور پر ملحوظ خاطر رہنا چاہیے۔

''الْقُرْبٰى'' کے تعین کے بارے میں اہل حدیث کی رائے اہل تشیع سے تھوڑی سی مختلف ہے۔ اہل تشیع کے نزدیک اہل بیت اطہار وہ لوگ ہیں جو سیدنا مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں جبکہ اہل حدیث کے نزدیک اس میں امہات المومنین بھی شامل ہیں۔ گویا امہات المومنین اور اولادِ علی دونوں اس میں شامل ہیں اور ان دونوں کا احترام ہمارے لیے واجب ہے۔

اگر اہل بیت اور امہات المومنین میں فرق کر لیا جائے تو صحابہ کرامؓ کا دوسرا طبقہ امہات المومنین پر مشتمل ہوگا ،جن کی امتیازی شان یہ ہے کہ وہ مومنوں کی ماؤں کے قائم مقام ہیں، مدارج کے اختلاف کے باوجود۔

تیسرا طبقہ مہاجرین و انصار صحابہؓ کا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ نے قرآن میں کہا ہے:

اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ. (۴۵)

۔۔۔اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔

یہ تینوں طبقے، میں سمجھتا ہوں، اس اعتبار سے اعلیٰ ترین طبقے ہیں کہ آگ اُن کو نہیں چھو سکتی اور نہ ہی اُن کے تلامذہ اور اصحاب کو چھو سکتی ہے۔ اس اعتبار سے امت میں کوئی کتنا ہی بلند قامت کیوں نہ ہو جائے نہ وہ اہل بیت کے مقام کو پہنچ سکتا ہے، نہ امہات المومنین اور نہ ہی مہاجر و انصار کے مقام کو پہنچ سکتا ہے۔

مسالک کا اختلاف اور اتحاد بین المسلمین

اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں میں دین فہمی اور استنباط احکام کے حوالے سے مختلف مسالک پائے جاتے لیکن اس کے باوجود بنیادی نظریات وعقائد میں خاصی ہم آہنگی موجود ہے۔امت اسلامی کے ذمہ دار علماء امت کے درمیان تفرقہ انگیزی کی ہر صورت کی مخالفت کرتے ہیں۔انتہا پسندی اور تکفیری منہج ان علمائے کرام کے نزدیک غلط اور ناپسندیدہ ہے۔اس حوالے سے ہم نے مختلف علمائے اہل حدیث کا موقف جانا تو ہمیں خاصی بالغ نظری اور وسعت فکر دیکھنے کو ملی۔ان کے افکار وخیالات ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں:

مولانا حافظ عبدالرحمٰن مدنی نے اس حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

صورت یہ ہے کہ جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا ہے، اگر آپ ایک جج کے پاس لے جائیں تو وہ ایک فیصلہ دیتا ہے اور دوسرے جج کے پاس لے جائیں تو ممکن ہے وہی فیصلہ دے دے یا اس سے کچھ مختلف فیصلہ دے دے لیکن اس سے کوئی فساد پیدا نہیں ہوتا۔

اسی طرح جب کسی کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا ہے وہ درپیش مسئلے میں کسی عالم کی طرف رجوع کرتا ہے تو کوئی فساد پیدا نہیں ہوتا لیکن فساد اُس وقت ہوتا ہے جب وہ اس سلسلے میں علمی میدان کے اندر مختلف فقہا کو لے کر آئے۔جب وہ مختلف فقہا کو دیکھتا ہے تو اس کے اندر جو شخص وجہ کو دیکھتا ہے اُسے اس اختلاف کی وجہ سمجھ میں آجاتی ہے، وہ جان لیتا ہے کہ ایک نے یہ رائے اختیار کی تو اس کی وجہ یہ تھی اور دوسرے نے یہ رائے اختیار کی تو اس کی وجہ یہ تھی۔یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کا یہ قول ہے کہ کسی کے لئے یہ بات جائز نہیں کہ اُس کو اگر میری وجہ علم کا علم نہ ہو تو وہ میرے قول سے فتوی دے۔ان کے الفاظ یہ ہیں:

لا بجوز لاحد ان یفتی بکلامی حتی یعرف دلیلی

کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ میری گفتگو سے کوئی فتویٰ دے جب تک اُسے میری دلیل کا علم نہ ہو۔

اس سے وہ یہی بتانا چاہتے ہیں کہ جب وجہ معلوم ہو جاتی ہے تو پھر آئمہ کا اختلاف اصولی اختلاف نہیں رہ جاتا۔وہ اصل میں یوں ہو جاتا ہے کہ ایک چیز کے کئی پہلو ہیں۔ایک مسئلہ ایک وقت پیش ہوا تو اس وقت یہ پہلو ملحوظ رکھا گیا، دوسری دفعہ پیش ہوا تو اس وقت کوئی دوسرا پہلو ملحوظ رکھا گیا۔ہم سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کا اگر یہ انداز ہو گا تو پھر اتحاد قائم ہو گا۔اس میں اگر کوئی فقہی اختلاف ہو تو اس کی حیثیت بالکل وہی ہے جو عدالتوں کے فیصلوں کی ہوتی ہے۔اس سے کوئی فساد پیدا نہیں ہوتا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جب علمی اختلاف ہوتا ہے تو پھر اس میں شدت نہیں رہ جاتی۔

بہت سے مسائل ایسے ہوتے ہیں جو کسی کی عقل اور علم سے بالاتر ہوتے ہیں۔مثال کے طور پر نور و بشر

کا مسئلہ ہے۔ یہ اصل میں ہماری عقل سے بالاتر مسئلہ ہے۔ اسے عوام میں الجھا دیا گیا۔ جب اس کلامی مسئلے کو عوام میں الجھا دیا گیا تو ایک انتہا میں ایک گروہ اِدھر اور ایک انتہا میں ایک گروہ اُدھر کھڑا ہو گیا۔ حالانکہ آپ گہرا غور کیجئے تو دونوں باتیں درست ہیں۔ نبی کریمؐ آدم کی اولاد میں سے ہیں، عبداللہ کے بیٹے ہیں اور آمنہ کے لال ہیں، ہیں تو انسان ہی لیکن نبی اکرمؐ جس طرح روشنی پھیلا رہے ہیں اس لحاظ سے سرچشمۂ نور ہیں۔ یہ صرف تعبیر کا فرق ہے لیکن عوام تو یہ بات نہیں سمجھتے۔

اسی طرح ایک اور مسئلہ ہے۔ نبی اکرمؐ کا ایک ارشاد ہے کہ سب سے پہلے مجھے نبوت دی گئی حالانکہ اس وقت ابھی آدم کی تخلیق مکمل نہیں ہوئی تھی۔ الفاظ یہ ہیں:

کنت نبیّا و آدم بین الجسد و الروح(۴۶)

یعنی آدم کے جسم میں ابھی روح داخل نہیں ہوئی تھی کہ میں اس وقت بھی نبی تھا۔

یہ حدیث صحیح ہے۔ اب دیکھیے اس کا کیا مفہوم ہے یعنی نبی کریمؐ ابھی پیدا نہیں ہوئے جبکہ آپ ایک طرف آدم کی اولاد میں سے ہیں لیکن نبوت آپ کو پہلے مل گئی۔ یہ ایسے ہے جیسے آدم کی اولاد میں سے کسی کی نبوت کا ڈیکلریشن ہو گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ پوری انسانیت کو ایک سمت دینا تھی۔ اس لیے جتنے نبی آتے رہے اُن سے نبی کریمؐ کی نبوت کا اقرار کروایا جاتا رہا اور یہ بات قرآن میں موجود ہے۔

ہوا یہ کہ عوام کو باریک مسائل میں الجھا دیا گیا اور اس بنا پر عوام فتنے کا شکار ہو گئے اور یہ سارا کام ۱۸۵۶ کے بعد ہوا ہے۔ اس سے پہلے یہ فتنہ تھا ہی نہیں۔ شاہ ولی اللہ سے پہلے سنی سنی تھے، شیعہ شیعہ تھے۔ صرف ایک خلافت کا مسئلہ اختلافی تھا۔ اس کی بنا پر دو مکتب فکر تھے لیکن فقہی اختلاف بہت کم تھا۔ مثلاً جتنے اثنا عشری فقہِ شافعی کے قریب ہیں اُتنے حنفی فقہِ شافعی کے قریب نہیں۔ فقہی اختلاف تو آپس میں ہے ہی بہت کم۔ اس لیے یہ فتنہ سارا اس وقت پیدا ہوتا ہے جب ہم عوام کو اس فتنے میں الجھا دیتے ہیں۔ یہ فرقہ بندی ضد سے پیدا ہوتی ہے۔ علماء کی باتیں ہوتی ہیں، وہ عوام کو تقسیم کر دیتے ہیں۔

انھوں نے عبادات و معاملات کو الگ الگ کرتے ہوئے دونوں شعبوں میں قربت اور ہم آہنگی کا جائزہ لیا۔ انھوں نے مزید کہا:

اہل حدیث، دیوبندی، بریلوی اور شیعہ کے اختلافات دراصل تین چیزوں میں ہیں۔ عبادات میں، وہ بھی کچھ جزوی اختلافات ہیں۔ سب کے نزدیک نماز میں پہلے قیام، پھر رکوع، پھر قومہ اور سجدہ ہے۔ تمام کے نزدیک پانچ نمازیں ہیں۔ تھوڑا بہت اختلاف ہے مثلاً شیعہ کہتے ہیں کہ بغیر عذر کے ظہر اور عصر کو ملا کر پڑھ سکتے ہیں جبکہ اہل حدیث کہتے ہیں کہ عذر کی صورت میں ملا کر پڑھ سکتے ہیں۔ اس طرح کے معمولی

معمولی اختلافات ہیں۔

ہم نے اُن اختلافات کو اہمیت دی ہوئی ہے حالانکہ تعمیر مملکت یا تعمیر ملت کے اندر ہمارے اجتماعی معاملات آتے ہیں۔ ہمارے اجتماعی امور یعنی ہماری معاشرت، ہماری معیشت، سیاست اور قانون۔ یہ امور نظام اسلامی سے متعلق ہیں تو پھر ہم نظام اسلامی میں اکٹھے کیوں نہیں ہو جاتے جبکہ یہاں کوئی بھی فقہی اختلاف نہیں ہے۔ اس پر پہلے اکٹھے ہوں۔ جب اس پر اکٹھے ہو گئے تو اس کے اثرات باقی چیزوں پر بھی پڑیں گے۔

میرے اندر ایک جذبہ ہے کہ کاش ہم زبان سے اتحاد ملت کی بات کرنے کے بجائے اس کا عملی مظاہر کریں اور میں خود ایسا ہی کر رہا ہوں۔ تمام مکاتب فکر کی نمائندگی پر مشتمل ادارے بنانے میں میرا نمایاں کردار ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کے ہاں گروہ بندی بہت خطرناک ہے اس لیے ہم تو تمام مکاتب فکر کے پیچھے خود نماز پڑھتے ہیں اور جب وہ یہاں ہمارے ہاں آتے ہیں تو اُن کو امام بناتے ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر سہیل حسن نے اپنے انفرادی تجربات اور اپنے والد گرامی قدر مولانا عبدالغفار حسن مرحوم کے واقعات حیات کے حوالے سے اس موضوع پر تفصیل سے اظہار خیال فرمایا۔ انھوں نے انتہائی سوز دل کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

اسلامی مسالک کے مابین اصل اختلاف تاویل وتفسیر کا ہے۔ ہم نے قرآن وحدیث سے ایک طرح سے حکم لیا ہے، ہم اس پر عمل کر رہے ہیں دوسرے نے دوسری طرح سے لیا ہے وہ اس پر عمل کر رہے ہیں۔ اس میں جتنی ہم آہنگی ہو سکتی ہے وہ اچھی ہے اور جہاں نہیں ہو سکتی وہاں اپنے نقطۂ نظر پر عمل کریں۔ اختلاف میں کوئی حرج نہیں لیکن تناؤ، قتل وغارت اور تشدد کی کیفیت نہیں ہونی چاہیے۔

کسی کی تکفیر کرنا اور دوسرے کے قتل کے جواز کا فتوی دینا بالکل غلط طرز عمل ہے۔ ایسا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ اگر تم دوسرے کو کافر کہتے ہو تو تم دونوں میں سے ایک تو کافر ہے، اگر وہ نہیں تو پھر تم ہو۔ کسی کو کافر کہہ دینا کوئی آسان بات نہیں ہے۔ اسی لئے ایک مسلمان ریاست میں رہتے ہوئے اس طرح کی تکفیری منہج یا تکفیری طرز عمل انتہائی غلط ہے۔

ریاست کو دیکھنا چاہیے کہ کوئی شخص حد سے بڑھ رہا ہے اور اس میں تکفیرانہ ذہنیت آرہی ہے تو اس کا سد باب کرنا چاہیے۔ جب قانون کے اعتبار سے سب برابر ہیں تو کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ کہتا رہے کہ فلاں کافر ہے اور فلاں کافر ہے، اسے مار ڈالو۔ اس طرح تو ایک دوسرے کے خلاف جنگ برپا ہو جائے گی اور قتل وغارت بڑھے گی۔ یہ خطرناک طرز عمل ہے۔

میں کراچی میں بھی رہا ہوں اور ۲۵ برس سے اسلام آباد میں ہوں۔ باہمی اختلافات کا ایسا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔اس کے اسباب پر غور کرنا چاہیے۔نہ شیعہ سنی کا کوئی مسئلہ تھا، نہ حنفی دیوبندی اور بریلوی تھا۔سب مل جل کر رہتے تھے۔کراچی میں شیعہ فیملی بھی ہمارے دوستوں میں سے تھی۔آنا جانا، لین دین چلتا رہتا تھا۔ایسے تعلقات تھے کہ ہم نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا یہ کچھ اور ہیں۔ہم آپس میں بھائی بہن کی طرح تھے۔ہم بچے اکٹھے کھیلتے تھے۔خواتین کو خالہ، ممانی کہتے تھے۔بڑی محبت سے رہتے سہتے تھے۔ان کی بچیاں بھی ہمارے گھر میں آتی تھیں۔تہواروں کے موقع پر ایک دوسرے کو کھانا بھیجتے تھے۔بعد میں معاشرے میں غلط چیزیں پیدا ہوگئیں۔یہ امن اور آشتی کا معاشرہ تھا۔اس کو ایسا بگاڑ دیا گیا کہ اب گویا ہم ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھ بھی نہیں سکتے، ایک دوسرے کے ساتھ بات بھی نہیں کر سکتے۔ایسی چیزیں کہاں سے آئی ہیں۔

اتحاد کے لئے اسلامی نظریاتی کونسل کا فورم ایک اچھا، بڑا اور بہترین فورم ہے۔اس میں سب کو مناسب نمائندگی دی جانا چاہیے۔

میرے والد اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر تھے۔علامہ طالب جوہری بھی ممبر تھے۔ایک مرتبہ میرے والد صاحب نے کہا کہ ایک رپورٹ ہے اس کے سلسلے میں طالب جوہری صاحب سے ملنا ہے۔میں انھیں لے گیا۔وہ ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ملاقات ہوئی۔اس موضوع پر ڈسکشن ہوئی۔طالب جوہری صاحب کہنے لگے کہ میں سگریٹ پینے کا عادی ہوں لیکن مولانا کے احترام میں نہیں پی رہا۔یہ ایک دوسرے کے احترام کی روایت تھی۔والد صاحب کا خود جانا اور ان کا والد صاحب کے احترام میں سگریٹ نہ پینا، یہ باہمی احترام کی علامت تھی۔

تمام مکاتب فکر کا آپس میں ایسا ہی تعلق قائم تھا۔بریلوی، دیوبندی، شیعہ، اہل حدیث سب کا باہمی احترام کا تعلق تھا۔میرے والد صاحب فیصل آباد میں بھی رہے۔وہاں بھی ان کا سب سے تعلق تھا۔انھیں اس سلسلے میں طعنے بھی سننے پڑتے تھے لیکن انھوں نے اس مشن کو نہیں چھوڑا۔ان بزرگوں کے طرز عمل پر چلیں تو قربتیں پیدا ہوسکتی ہیں۔مختلف چیزوں پر آپس میں ہم بات چیت کر سکتے ہیں۔

حافظ ابتسام الٰہی ظہیر نے اس موضوع پر خاصی کھل کر بات کی اور اپنی گفتگو کے دوران میں جو مسائل روزمرہ اختلافات کا باعث بنتے ہیں ان کی طرف بھی اشارہ کیا اور اس سلسلے میں مفید حکمت عملی بھی تجویز کی۔وہ کہتے ہیں:

میں سمجھتا ہوں کہ امت کے اتحاد کے لئے سب سے پہلے اور اہم ترین بات یہ ہے کہ کسی بھی مکتب فکر کے سڑک چھاپ علماء کی رائے کو نظرانداز کر دیا جائے اور دوسری بات یہ ہے کہ حسن ظن سے کام لیتے

ہوئے اگر کوئی شخص ایسی بات کہتا ہے جس سے اُس کے مسلک میں کوئی پیش رفت معلوم ہوتی ہے تو اُس پر اعتماد کیا جائے، بدگمانی کا مظاہرہ نہ کیا جائے اور نہ ہی تجسس کا عمل آگے بڑھایا جائے ''وَّلاَ تَجَسَّسُوا ''(۴۷) کے تحت میں سمجھتا ہوں کہ تجسس درست نہیں اور نہ ہی اس کو کسی مصلحت یا مداہنت کے کھاتے میں ڈال کر اسے رد کرنے کی کوشش کی جائے کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی بڑی مثبت رائے سامنے آتی ہے لیکن اس رائے کو اس لیے نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ اُسے مصلحت یا مداہنت کا نام دے دیا جاتا ہے یا یہ کہا جاتا ہے کہ اس میں کچھ کتمان کیا گیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مجموعی اعتبار سے اس رجحان کی حوصلہ شکنی ہونی چاہیے۔ ماضی قریب میں، میں نے جناب محمد حسین اکبر [ایک شیعہ عالم دین] کے ساتھ ایک سیمینار میں شرکت کی تھی، اس میں انھوں نے یہ بات کہی تھی کہ بسم اللہ کی باء سے لے کر والناس کی سین تک ہم قرآن کو محفوظ و مامون اور غیر متبدل مانتے ہیں۔ میں نے اسی وقت یہ بات کہی تھی کہ ہم مولانا کی اس بات کا احترام بھی کریں گے اور اُن پر اعتماد بھی کریں گے۔ انھوں نے یہ بات بھی کہی تھی کہ شیعہ کتب میں کچھ روایات ایسی ہیں جو اس رائے کے خلاف جاتی ہیں لیکن ہم ان روایات سے احتجاج نہیں کر رہے یا استنباط نہیں کر رہے تو اہل سنت بھی ان سے استنباط نہ کریں تو میں نے کہا کہ یہ ٹھیک ہے اور اگر آپ کے ذمہ دار علماء عوامی سطح پر یہ بات کہتے ہیں تو ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ ایسی روایات سے استنباط کریں یا ان سے احتجاج کریں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر اس رجحان کو فروغ مل جائے تو اس سے خود بخود اتحاد امت کی راہ ہموار ہو سکتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اہل سنت کی اہل تشیع سے متعلق بدگمانی ہے کہ اہل تشیع صحابہ کرامؓ سے متعلق منفی رائے رکھتے ہیں۔ انھوں نے اس کا بھی اس دن ازالہ کیا۔ حافظ کاظم رضا نقوی صاحب بھی وہاں موجود تھے۔ انھوں نے اس موقع پر یہ بھی کہا کہ ازواج النبیؐ امہات المومنین ہیں یعنی مومنین کی مائیں ہیں۔ میں نے کہا کہ اگر یہ بات ہے تو آل علی تو پہلے ہی مسلمانوں کے لیے یکساں اہمیت اور تقدس کے مقام پر فائز ہیں تو پھر انشاء اللہ، اللہ کے فضل و کرم سے یہود و نصاریٰ ہی ہمارے مخالف رہ جاتے ہیں پھر امت مسلمہ میں سے کسی کو ایک دوسرے کے لئے آپس میں بغض و کینہ رکھنے کی ضرورت نہیں۔

ڈاکٹر ابتسام الٰہی ظہیر نے امت مسلمہ میں تفرقے کے خاتمے کے لیے بعض اہم تجاویز پیش کیں۔ انھوں نے فرمایا:

امت مسلمہ کے تفرقے کے خاتمے کے لیے چند نکات بیان کرنا چاہوں گا۔ امت مسلمہ میں اختلافات کے خاتمے کے لئے سب سے زیادہ اہم چیز یہ ہے کہ قرآن فہمی اور حدیث فہمی کو عوامی سطح پر رواج دینا چاہیے۔ قرآن و سنت کا فہم صرف علماء کی مسندوں اور منبروں تک محدود نہیں رہنا چاہیے بلکہ جس طرح

دیگر علوم تک عوام نے رسائی حاصل کی ہے اسی طرح ان کی قرآن وسنت کے علوم وفنون تک رسائی ہونی چاہیے اور ان کو کچھ نہ کچھ اپنی زندگی کا حصہ ان کے مطالعے میں ضرور صرف کرنا چاہیے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مختلف مکاتب فکر کے درمیان اُس قسم کے مکالمے کی بنیاد پڑنی چاہیے جس قسم کے مکالمے کی روش دیگر امور کے اندر مختلف فیلڈز کے سپیشلسٹ لوگوں کے درمیان موجود ہے۔ طب کے ماہرین مختلف Schools of Thought سے تعلق رکھنے کے باوجود ایک صحت مند مکالمے پر یقین رکھتے ہیں اور اُن کے آپس میں سیمینار اور فورم بھی ہوتے ہیں لیکن یہ چیز جب ہمارے علماء کی سطح پر آتی ہے تو اکیڈیمک رہنے کی بجائے جذباتی صورت اختیار کر لیتی ہے Academic نہیں رہتی، بسا اوقات معنی کی بجائے لفظوں کو پکڑنے والی بات بن جاتی ہے اور حروف کو پکڑ کر باتوں کا بتنگڑ بنانے کی روش اختیار کر لی جاتی ہے، یہ بات نہیں ہونی چاہیے۔ مثلاً میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کہتا ہوں اور میرے سامنے بیٹھا ہوا ایک شیعہ ''علیہ السلام'' کہتا ہے اس کا ہمارے مکالمے پر اثر نہیں ہونا چاہیے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر کوئی شخص اپنے لب ولہجہ کے اعتبار سے زیادہ شستگی نہیں رکھتا جو دوسرے کی زبان میں ہے تو اس کے لفظوں کی عدم شستگی کو اس کے دماغ کی خرابی پر محمول نہیں کرنا چاہیے یا اس کی بدنیتی پر محمول نہیں کرنا چاہیے۔ جب مکالمہ ہو تو سننے والوں کو دلائل کی روشنی میں مسئلے کو لینا چاہیے۔ صرف ظاہری احترام تک بات نہیں رہنا چاہیے۔ علمی مباحث کو فروغ ملنا چاہیے۔ سمجھنے سمجھانے اور سیکھنے سکھانے کا عمل آگے بڑھنا چاہیے اور اس طرح مختلف کمیونٹیز میں انتہا پسندی کا خاتمہ ہو سکے گا۔ سیکھنے کے طور پر چھوٹے چھوٹے مسائل بھی زیرِ بحث آنے چاہئیں مثلاً رفع یدین کا مسئلہ Discuss ہو یا آمین کا مسئلہ Discuss ہو، طلاق ثلاثہ کا مسئلہ Discuss ہو اس سے فرق نہیں پڑے گا بلکہ اس سے عوام میں شعور کی ایک سطح بھی بلند ہو گی اور عوام کو فیصلہ کرنے میں آسانی ہو گی۔ اسے انا کا مسئلہ بنانے کی ضرورت نہیں اور ایک صحتمندانہ گفتگو جس طرح میڈیسن میں ہو سکتی ہے، انجینئرنگ میں ہو سکتی ہے، سوشل سائنسز میں ہو سکتی ہے مذہب میں بھی اسے جاری رہنا چاہیے۔

مسئلہ تکفیر

شیخ عبداللہ بن عبدالحمید اثری نے اپنی کتاب ''الوجیز فی عقیدۃ السلف الصالح اھل السنۃ والجماعۃ'' میں مسئلہ تکفیر کے بارے میں اپنا نظریہ تفصیل سے بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

عقیدۂ سلف صالحین اہل السنہ والجماعۃ اہل الحدیث کے اصول میں سے ایک اصلِ ثالث یہ بھی ہے کہ

:''وہ اہل اسلام میں سے کسی بھی خاص شخص کو کافر قرار نہیں دیتے کہ جو ایسے گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے جس سے کفارہ لازم آتا ہو۔ الا یہ کہ: اُس حجت ودلیل کے قائم ہو جانے کے بعد کہ جس دلیل و حجت کا تارک (صراحتاً) کفر کر رہا ہو۔ چنانچہ(۱)......اس ضمن میں شروط بھی وافر پائی جائیں۔(۲)......اس کے کفر میں داخل ہونے کی تمام رکاوٹیں بھی دور ہو جائیں۔(۳)......اپنے کسی فہم کا مطلب بیان کرنے والے اور جاہل آدمی سے شک وشبہ بھی زائل ہو جائے۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ ایسا پوشیدہ امور میں ہوگا کہ جو کشف و بیان کے محتاج ہوں، بخلاف ظاہری امور کے۔ جیسے کہ: اللہ عزوجل کی ذاتِ اقدس کے وجود کے متعلق دانستہ طور پر انکار کرنا اور نبی مکرمؐ کی تکذیب کرنا اور آپؐ کی ختم نبوت اور تا قیامت صرف آپ کی ہی رسالت کا جان بوجھ کر انکار کرنا۔

اور یہ کہ اہل السنۃ والجماعۃ سلفی جماعت حقہ کے لوگ ایسے آدمی کو کافر قرار نہیں دیتے کہ جو کفریہ الفاظ وافعال ادا کرنے پر مجبور ہو اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مکمل طور پر مطمئن ہو اور نہ ہی وہ مسلمانوں میں سے کسی شخص کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر قرار دیتے ہیں اگر چہ اس گناہ کا تعلق کبائر سے ہی کیوں نہ ہو۔ مگر یہ ہے کہ یہ گناہ شرک ہو۔ پس ایسی حالت میں وہ ایسے کسی گناہ کا ارتکاب کرنے والے پر کفر کا فیصلہ نہیں کرتے۔ بلکہ بلا شک وشبہ وہ اس پر فسق اور ایمان کے ناقص ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ الا یہ کہ جب تک اس کا گناہ اس پر کفر کے فتویٰ کو جائز نہ کر دے۔ اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا(۴۸)

بے شک اللہ شرک کو تو بخشنے والا نہیں اور شرک کے سوا (جو گناہ ہیں) جس کو چاہے بخش دے (اور جس کو چاہے نہ بخشے، عذاب کرے) اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا اس نے بڑا گناہ باندھا۔

اور دوسرے مقام پر اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی قدر ہے:

قُلْ يٰعِبَادِیَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ(۴۹)

(اے پیغمبرؐ) کہہ دے (اللہ عزوجل فرماتے ہیں:) میرے بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، اللہ کی مہربانی سے ناامید نہ ہو، کیونکہ اللہ سب گناہوں کو (شرک کے سوا) بخش دیتا ہے، بے شک وہی (بڑا) بخشنے والا مہربان ہے۔

اوراہل السنہ والجماعۃ،سلفی جماعت حقہ کے لوگ کسی بھی آدمی پر کسی بھی گناہ کی وجہ سے کفر کا حکم صادر نہیں کرتے جب تک کہ وہ کتاب وسنت سے اس بات پر دلیل نہیں لے لیتے کہ: یہ فعل واقعتاً کفر کا فعل وقول ہے اور جب بندے کی موت اسی حالت میں واقع ہو جائے یعنی کسی بھی عالم کو ایسی کوئی بھی دلیل نہ مل سکے کہ جس فعل وقول کا اُس نے ارتکاب کیا تھا وہ صراحتاً کفر تھا تو اس کا معاملہ اللہ رب العالمین کے سپرد ہوگا۔ اگر وہ چاہے تو اس کو عذاب دے اور اگر چاہے تو وہ اس کو معاف کر دے۔ اہل السنہ والجماعۃ سلفی جماعت حقہ کا یہ موقف ومنہج ان گمراہ فرقوں کے بالکل خلاف وبرعکس ہے کہ جو کبیرہ گناہ کے مرتکب پر کفر کا فتویٰ صادر کرتے ہیں۔ اس لیے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

ایما امری قال لاخیه: یا کافر، فقدبائبها احدهما ان کان کما قال: والا رجعت علیه وقال :من دعارجلابالکفر، اوقال:عدوالله! ولیس کذلک الاحارعلیه(۵۰)

جس شخص نے اپنے (مسلمان) بھائی کو، اے کافر! کہہ کر پکارا تو دونوں میں سے ایک پر کفر آ جائے گا۔ اگر وہ شخص کہ جسے اُس نے کافر کہہ کر پکارا ہے وہ واقعتاً کافر ہے، تو پھر ویسا ہی ہے جیسا اُس نے کہا، بصورت دیگر یہ کفر پکارنے والے پر لوٹ آئے گا اور پھر فرمایا کہ: جو شخص کسی کو کافر کہہ کر پکارے یا کہے؛ اواللہ کے دشمن! حالانکہ وہ ایسا نہیں ہے تو کفر اس پکارنے والے پر پلٹ آئے گا۔

ابوذر غفاریؓ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے خود سماعت کی؛ رسول اللہؐ فرماتے تھے:

لا یرمی رجل رجلا بالفسوق، ولا یرمیه بالکفر، الاارتدت علیه، ان لم یکن صاحبه کذلک.

وقال: ومن قذف مومنا بکفر: فهو کقتله.

وقال: اذاقال الرجل لاخیه: یا کافر فقدباء به احدهما. (۵۱)

''کوئی بھی (مسلمان) آدمی کسی دوسرے (مسلمان) آدمی پر راہ حق سے انحراف کی تہمت نہ دھرے اور نہ ہی اُس پر کفر کی تہمت دھرے۔ اگر وہ حقیقت میں کافر وفاسق نہ ہوا تو خود کہنے والا فاسق اور کافر ہو جائے گا۔''

اور پھر فرمایا کہ: اور جو کسی مسلمان آدمی پر کفر کی تہمت لگائے گا (اور وہ کافر نہ ہو) تو ایسا ہے جیسے اس کا خون کیا۔'' اور آپؐ نے یہ بھی فرمایا: ''جب کسی آدمی نے اپنے (مسلمان) بھائی کو، اے کافر! کہا تو دونوں میں سے ایک ضرور کافر ہوگا۔''

اوراہل السنۃ والجماعۃ سلفی جماعت حقہ، اہل بدعت پر معصیت یا کفر کا مطلق طور پر حکم لگانے اور کسی معین شخص پر کہ جس کا اسلام بالیقین ثابت ہو۔۔۔اور اس سے کسی بدعت کا ارتکاب

ہو جائے۔۔۔اس طرح کا کوئی حکم لگانے کے درمیان ہمیشہ فرق کیا کرتے ہیں، کہ ایسا شخص تو بلا شک وشبہ گناہ گار ہو گیا یا پھر راہ حق سے انحراف کرنے والا (فاسق) یا پھر کافر۔ چنانچہ۔۔۔اس آدمی پر وہ ان تینوں میں سے کوئی بھی حکم تب تک نہیں لگاتے حتیٰ کہ اس پر حق واضح ہو جائے اور وہ بھی دلیل و حجت قائم کر کے اور شک وشبہ کا ازالہ کر کے اور اس معاملہ کا تعلق خفیہ امور سے ہے نہ کہ ظاہری امور سے۔ پھر وہ کسی معین آدمی کی تکفیر نہیں کرتے مگر یہ کہ جب اُس میں کفر والی تمام شروط متحقق ہو جائیں اور اس ضمن میں تمام موانع دور ہو جائیں۔

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ: میں نے خود سماعت کیا؛ رسول اللہؐ نے فرمایا:

کان رجلان فی بنی اسرائیل متواخیین،فکان احدهما یذنب، والاخر مجتهد فی العبادة، فکان لایزال المجتهدیری الاخر علی الذنب، فیقول: اقصر، فوجده یوما علیٰ ذنب:فقال له:اقصر،فقال:خلنی وربی ابعثت علیٰ رقیبا؟فقال:والله لا یغفرالله لک.اولا یدخلک الله الجنة! فقبض اروا حهما،فاجتمعاعند رب العالمین، فقال لهذا المجتهد:اکنت بی عالما، او کنت علی مافی یدی قادرا؟وقال للمذنب:اذهب فادخل الجنة برحمتی، وقال للآخر:اذهبوبه الی النار. قال ابوهریرة: والذی نفسی بیده! لتکلم بکلمة اوبقت دنیاه وآخرته. (۵۲)

''بنواسرائیل میں دو آدمی باہم بھائی بھائی بنے ہوئے تھے۔ان میں سے ایک گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتا تھا جب کہ دوسرا آدمی عبادت میں بہت محنت کرنے والا تھا۔ چنانچہ عبادت میں محنت کرنے والا اپنے دوسرے ساتھی کو ہمیشہ گناہ کرتے ہوئے دیکھتا تو اُس سے کہتا: باز آجاؤ۔ایک دن اس نے اسے ایک گناہ کرتے ہوئے پکڑ لیا۔اس سے وہ کہنے لگا: باز آجاؤ۔ وہ شخص اُس عبادت گزار سے کہنے لگا: آپ میرے اور میرے رب کے درمیان مداخلت نہ کریں۔کیا آپ میرے اوپر نگران بنا کر بھیجے گئے ہیں؟ وہ عبادت گزار کہنے لگا: اللہ کی قسم! اللہ تمھیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔یا اس نے یوں کہا کہ: اللہ تعالیٰ تمھیں کبھی بھی جنت میں داخل نہیں کرے گا اور پھر جب دونوں فوت ہو گئے تو وہ دونوں اللہ رب العالمین کے ہاں اکٹھے ہوئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس محنتی عبادت گزار سے کہا: کیا تجھے میرے متعلق علم تھا؟ یا تُو اس پر کہ جو میرے ہاتھ میں اختیار ہے اُس پر قدرت رکھتا ہے؟ اور پھر گنہگار سے فرمایا: جاؤ تم میری رحمت سے جنت میں داخل ہو جاؤ اور دوسرے کے بارے میں فرمایا: اسے جہنم میں

لے جاؤ۔ سیدنا ابو ہریرہؓ فرماتے تھے: اُس ذاتِ اقدس کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اُس شخص نے ایک ایسی بات کی جس نے اُس کی دنیا بھی تباہ کر دی اور اُس کی آخرت بھی۔'' (۵۳)

کلامی نقطۂ نظر

برصغیر میں اہل حدیث کی تحریک سے قبل اہل سنت کلام میں اشعری اور ماتریدی کے پیروکار تھے۔ جیسا کہ ہم نے دارالعلوم دیوبند کا کلامی نقطۂ نظر اور مشرب بیان کیا ہے۔ حنفی حضرات اب بھی اسی کلامی منہج کے پیروکار ہیں۔ ابتدائی طور پر اہل حدیث علماء نے اس باب پر کوئی دوسرا نقطۂ نظر اختیار نہ کیا لیکن رفتہ رفتہ انھوں نے عقائد اور کلام میں امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم کی روش اختیار کر لی جیسا کہ ڈاکٹر سہیل حسن بیان کرتے ہیں:

اب بھی عقائد میں اہل حدیث امام ابن تیمیہ کی پیروی کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پھر انھیں اشعری یا معتزلی عقیدہ ترک کرنا پڑتا ہے۔ امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم کا عقیدہ ہی سلفی عقیدہ ہے۔ اس لئے اہل حدیث عقائد میں ان کا منہج اختیار کرتے ہیں۔ جب اہل حدیث تحریک شروع ہوئی تو ابتدا کے اہل حدیث کلامی اعتبار سے اشعری تھے۔ مثلاً مولانا ثناء اللہ امرتسری کا نام لیا جا سکتا ہے۔ جب یہاں سے لوگ سعودی عرب پڑھنے کے لئے جانے لگے تو آہستہ آہستہ انھوں نے سلفی عقیدہ ہی اپنا لیا۔

حافظ عبدالرحمٰن مدنی نے برصغیر میں کلامی نقطہ ہائے نظر کا تاریخی پس منظر بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

برصغیر پاک و ہند میں جو سنی اسلام آیا وہ افغانستان سے آیا اور جو شیعہ اسلام آیا وہ ایران سے آیا۔ اس طرح دو طرف سے اسلام کے آنے کی بنا پر یا یہاں سنی تھے یا شیعہ۔ شیعوں کا نقطۂ نظر کلام میں معتزلی ہے اور سنی نقطۂ نظر ماتریدی ہے چونکہ دراصل یہ سنٹرل ایشیا سے افغانستان کے راستے سے آیا ہے اور سنٹرل ایشیا میں دو کلامی نقطۂ نظر تھے۔ ایک تھا اشعری اور دوسرا ماتریدی۔ حنفی زیادہ تر ماتریدی کو مانتے تھے کیونکہ ماتریدی شاگردوں میں امام ابو حنیفہ کی کڑی ہیں اور ابوالحسن اشعری دوسرے سلسلے کی کڑی ہیں۔ اس طرح دوسرے شافعی وغیرہ فقہا اُن کو مانتے تھے۔ قرون وسطیٰ کے دور میں یہ چیز پائی جاتی ہے لیکن ایک نقطۂ نظر یہ تھا کہ اشعریت ہو، ماتریدیت ہو یا کوئی صوفی طریقہ ہو دراصل یہ تمام چیزیں انسانی تجربات اور انسانی غور و فکر پر مبنی ہیں۔ انسانی فکر سے جو تشریحات ملتی ہیں اگر کتاب و سنت اُن کی تائید کرتی ہے تو لے لی جائیں ورنہ اُن کے بارے میں خاموشی اختیار کی جائے۔ اصل میں اشعری و ماتریدی نے بہت سی چیزیں ایسی لکھی ہیں جن کے بارے میں کتاب و سنت خاموش ہے۔

دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جن چیزوں کے بارے میں کتاب و سنت خاموش ہے کتاب و سنت اسے ہماری عقل

سے بالاتر سمجھتی ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ عرش پر ہیں اور عرش پر ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ بھی ہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ عرش پر ہیں یا ہر جگہ ہے۔ یہ کلام اللہ میں ہے۔ اس کے بارے میں سلفی نقطۂ نظر یہ ہے کہ عربی زبان میں کلام موجود ہے، اس کا مفہوم تو آپ سمجھتے ہیں لیکن آپ اس کی تشریح نہ کریں۔ آپ کہیں کہ ہم دونوں چیزوں کو مانتے ہیں۔

اس سلسلے میں شیعہ ان کی رائے کو بجا نہیں سمجھتے کیونکہ وہ تمام امور میں معتزلہ کی تائید نہیں کرتے۔ حسن وقبح عقلی جیسے بعض مسائل میں امامیہ اور معتزلہ کے مابین ایک حد تک ہم آہنگی ضرور پائی جاتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ امامیہ کلام میں معتزلہ کے تمام افکار کی تائید کرتے ہیں بلکہ انھوں نے معتزلہ پر بہت سے مقامات پر تنقید کی ہے۔ اس امر کی طرف کچھ اشارہ شیعہ اثنا عشریہ سے متعلق باب میں کیا گیا ہے۔

ابن تیمیہ اور ابن قیم کے ساتھ اہل حدیث کی ہم آہنگی کا پس منظر بیان کرتے ہوئے حافظ عبدالرحمٰن نے ان سے اختلاف کے امکان کو بھی باقی رکھا ہے، وہ کہتے ہیں:

> قرون وسطی میں اس کی جو زیادہ تشریح ہوئی ہے وہ ابن تیمیہ اور ابن قیم نے کی ہے، ہیں تو وہ بھی انسانی تشریحات۔ انھوں نے جہاں اپنی تشریحات کی ہیں وہاں ہم انھیں نہیں مانتے لیکن جہاں وہ کہتے ہیں کہ دیکھیں قرآن وسنت کے اندر جو تشریح ہے اس سے آگے نہ بڑھیے، آپ یہیں رُک جایئے [اسے ہم قبول کرتے ہیں]۔ مثال کے طور پر جیسے میں نے ذکر کیا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہیں یا اللہ تعالیٰ عرش پر ہیں۔ انھوں نے کہا کہ اصل بات یہ ہے کہ اللہ عرش پر ہیں لیکن دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے لیے فاصلہ مخلوق ہے اور اللہ اپنی مخلوق کا پابند نہیں ہے اور یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہونے کے ساتھ ساتھ ہمارے ساتھ بھی ہو اور یہ اُس کے لئے محال نہیں ہے۔ اس لیے آپ یہ کہیں کہ اللہ عرش پر نہیں ہے، یہ غلط ہے۔ اللہ کے بارے میں صرف وہ تشریح کی جانی چاہیے جو کتاب وسنت کے اندر ہے۔ جو کتاب وسنت کے اندر نہیں ہے اس میں ٹامک ٹوئیاں نہ ماریں۔ قرآن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو آنکھیں پا نہیں سکتیں۔ آنکھیں اللہ کو دیکھ تو سکتی ہیں لیکن اس مادی جسم کے ساتھ نہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کا قیامت کے دن دیدار ہوگا اور وہاں اللہ کو باقاعدہ مسلمان دیکھا کریں گے۔ ایک دن باقاعدہ مقرر ہوگا جس دن مسلمان اُسے دیکھنے کے لئے جائیں گے لیکن وہ ہماری جیسی آنکھیں نہیں ہوں گی۔
>
> میں اصل میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے ہاں جو کلامی نقطۂ نظر پیدا ہوا وہ یہ ہے کہ سید نذیر حسین دہلوی نے بذریعہ تقریر اور نواب صدیق حسن خان نے بذریعہ تحریر اس بات پر زور دیا ہے کہ جو بات کہو وہ کتاب وسنت کے مطابق ہو اور فقہ کا جو مسئلہ کتاب وسنت کے مطابق ہو اُس کو مانو۔

بعض اہلحدیث علماء سرے سے علم الکلام کی نفی کرتے ہیں اور وہ عقائد کے اثبات کے لیے عقلی طریقوں پر انحصار کو غلط قرار دیتے ہیں چنانچہ مولانا محمد یحییٰ گوندلوی لکھتے ہیں:

جن لوگوں نے عقائد کے اثبات میں علم کلام (منطق اور فلسفہ وغیرہ) کو بنیاد بنایا ہے اور کتاب وسنت کے بجائے عقلیات کو اصول قرار دیا ہے نقل کے بجائے آراء وقیاس اور جدل کے طریق کو اپنایا ہے وہ ہمیشہ ہی حیرت اور پریشانی میں مبتلا رہے ہیں کیونکہ یہ طریق نہایت غلط ہے مشرکین نے انبیاء کی دعوت کو ٹھکرانے کے لیے یہ طریق اختیار کیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور دیگر انبیاء کی اقوام کی گمراہی کا ذکر کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ:

وَجَادَلُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ (۵۳)

انھوں نے باطل کے ذریعہ جھگڑا کیا تاکہ وہ باطل سے حق کو مٹا دیں۔ (۵۴)

اجتہاد

اہلحدیث کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اگر نصوص میں کوئی رہنمائی واضح طور پر میسر نہ آئے تو پھر اجتہاد کا راستہ اختیار کیا جانا چاہیے اور اس سلسلے میں صحابۂ کرام اور اسلاف کے طرزِ عمل سے استفادہ کیا جانا چاہیے۔ چنانچہ مولانا محمد اسماعیل سلفی لکھتے ہیں:

شروع شروع میں لفظ ''اہلحدیث'' کا مقصد یہ تھا کہ اجتہادی اُمور میں تقلید اور جمود کو دین میں پنپنے کا موقع نہ دیا جائے بلکہ صحابہ اور ائمہ اسلام کے اجتہاد سے وقت کے مصالح کے مطابق فائدہ اٹھایا جائے اور فقہی فروع میں جمود اور فرقہ پروری کی حوصلہ افزائی نہ ہونے پائے۔ اصل نظر کتاب اللہ اور آنحضرتؐ کی سنت پر مرکوز رہے۔

کتاب وسنت میں اگر کسی مسئلہ یا وقتی حادثہ کے متعلق صراحت موجود نہ ہو تو اس کا فیصلہ محض کسی شخصی رائے کے مطابق نہ ہو۔ یا کسی علاقہ کے علماء اپنے مخصوص افکار امت پر نہ ٹھونس دیں بلکہ اصل مطمح نظر صحابہ اور اسلاف کرام کی وسعت نظر ہو، جمود اور شخصیت پروری سے اُمت میں ضیق نہ پیدا کیا جائے۔

جب نصوص نہ ہوں، کتاب وسنت میں احکام صراحۃً نہ ملیں تو رائے یا اجتہاد کے سوا چارہ نہیں۔ صحابہ نے بھی اجتہاد فرمایا۔ آئمہ اربعہ اور دوسرے آئمہ مجتہدین نے بھی بوقتِ ضرورت اجتہاد فرمایا۔ وقت کے ضروری مسائل کو اجتہاد ہی سے سمجھنے اور حل کرنے کی کوشش ہونی چاہیے۔ اہلحدیث اور فقہاء مذاہب سب ہی نے اجتہاد کیا اور قیاس شرعی یا میزانی۔۔۔ وقت کے مسائل میں مخلصی کی راہ پیدا فرمائی۔

حافظ ابن حزم اور امام داؤد ظاہری کا قیاس سے بالکل صرف نظر کا نظریہ آئمہ حدیث میں مقبول نہ ہوسکا

اور فقہا عراق میں تو اس کی گنجائش ہی کہاں تھی۔ اس لیے آئمہ حدیث اور فقہاء عراق میں قیاس سے استفادہ یا نظائر میں احکام کی وحدت کا جہاں تک تعلق ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ بوقت ضرورت قیاس کو سب درست سمجھتے ہیں بلکہ ضروری! (۵۵)

اہل سنت میں رائج مذاہب فقہ کی تقلید اور اجتہاد کی ضرورت کے حوالے سے اہلحدیث نے متعدد کتب تحریر کی ہیں۔ مثلاً مولانا ثناء اللہ امرتسری کی کتاب اجتہاد وتقلید، حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کی کتاب القول السدید فی حکم الاجتہاد والتقلید، مولانا ابو یحییٰ محمد شاہ جہان پوری (م ۱۳۳۸ھ) کی کتاب الارشاد الی سبیل الرشاد فی بحث التقلید والاجتہاد اور مولانا محمد حنیف ندوی کی کتاب مسئلہ اجتہاد۔

یوں معلوم ہوتا ہے کہ مولانا حنیف ندوی نے ایک قدم آگے بڑھایا ہے وہ مسائل کی تعلیل ومصالح پر بھی بات کرتے ہیں۔ اس کا ذکر ہم آگے کریں گے۔ استنباط حکم میں زمان ومکان کی تاثیر پر بات کرتے ہوئے حافظ عبدالرحمٰن مدنی نے فرمایا:

> پہلے جو آئمہ گزرے ہیں اپنے اپنے دور کے مطابق اُن کے فتوے تھے اور بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ وہی حالات ہوتے ہیں اور وہی فتویٰ لاگو ہوجاتا ہے اور بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ حالات بدل گئے ہوتے ہیں اور جب حالات بدل گئے ہوتے ہیں تو ظاہر ہے فتویٰ بدل جاتا ہے۔ زمان ومکان اجتہاد میں اثر انداز ہوتے ہیں لیکن شریعت میں نہیں۔ ہم جب یہ کہتے ہیں کہ شریعت اتنی جامع ہے کہ وہ قیامت تک پیش آنے والے حالات کا حل دے سکتی ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ شریعت میں حل موجود ہے لیکن وہ حل اجتہاد کے ذریعے سمجھا جائے گا۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اجتہاد کا معنی ہے کہ شریعت کو بدل دو۔ میں اس نقطۂ نظر کی تردید کرنا چاہتا ہوں۔

اجتہاد کی ضرورت پر ڈاکٹر سہیل حسن نے بھی کھل کر بات کی اور اس کی ضرورت کو مثال کے ذریعے سے واضح کیا۔ انھوں نے کہا:

> جب ہم نے تقلید کو چھوڑ دیا اور قرآن وحدیث کا رخ کرلیا تو چونکہ ہر چیز منصوص نہیں ہوتی اس لئے کچھ نہ کچھ تو اجتہاد کرنا ہی پڑے گا۔ ہم اس چیز کے قائل ہیں کہ اجتہاد اسلام میں ہے، وہ باقی رہے گا اور قیامت تک باقی رہے گا۔ اجتہاد کا باب بند نہیں ہوا اور اجتہاد کا سلسلہ ختم نہیں ہوا ہے۔ اجتہاد کے حوالے سے یہ بات اہم ہے کہ زمان ومکان کے عناصر نصوص کے سمجھنے میں یا ان کے مطالب کے تعین میں مددگار ہوتے ہیں۔ ایک حدیث میں نبی کریم نے فرمایا:
>
> ”لا تستقبلوها ولا تستدبروها...“ (۵۶)
>
> یعنی قضائے حاجت کے دوران میں نہ قبلہ کی طرف رخ کرو اور نہ پشت البتہ مشرق ومغرب کی طرف

رخ کرلیا کرو۔

یہ آپؐ نے مدینہ منورہ کے حوالے سے فرمایا۔ وہاں چونکہ مکے کا رخ جنوب کی طرف ہے اور مدینہ مکے سے شمال کی طرف، اس لئے اس کی طرف رخ یا پشت کرنا منع ہوگیا اور مشرق ومغرب کی طرف جائز ہوگیا۔ اب اگر اسے ہم اپنے علاقے پاکستان کے لحاظ سے دیکھیں تو ایسا نہیں ہوسکتا۔ یہاں اپنے علاقے کے لحاظ سے ہمیں سمجھنا ہوگا کہ یہاں پر قضائے حاجت کے دوران میں استقبال یا استدبار جائز نہیں۔ یہاں شمالاً جنوباً بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح رمی جمارات کے لئے پہلے جو ستون موجود تھے ان کی جگہ بلند بلند دیواریں بنادی گئی ہیں تا کہ لوگوں کو رمی جمارات کرتے ہوئے سہولت رہے تو یہ بھی اجتہاد ہی کی ایک صورت ہے۔

جب اجتہاد کی بات ہوتی ہے تو مقاصد شریعت کا ذکر ضرور آتا ہے۔ خود مقاصد شریعت کا موضوع ایسا ہے کہ جس کے بارے میں افکار میں ارتقاء اور وسعت کا اندازہ اس موضوع پر آنے والی تازہ بہ تازہ کتابوں سے کیا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ خود مقاصد شریعت کے موضوع پر اجتہاد کا سلسلہ جاری ہے۔ مقاصد شریعت کے بارے میں بات کرتے ہوئے ڈاکٹر سہیل حسن نے فرمایا:

> اہل حدیث مقاصد شریعت اور حکم کی حکمت کو پیش نظر رکھنے اور اسی حکمت کے پیش نظر قرآن وسنت سے استنباط کے قائل ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں خاص طور پر اس پر تحقیق کی ہے اور مقاصد شریعت پر بات کی ہے اور خود میں نے اپنے والد محترم سے بھی اس پر بات سنی ہے اور انھوں نے ''مقاصد شریعہ'' کے زیر عنوان ایک مضمون بھی لکھا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ وہ حجۃ اللہ البالغہ سے چند چیزیں پڑھایا بھی کرتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم بالکل ظاہریت پر نہ چلے جائیں بلکہ مقصد کو بھی دیکھیں کہ کیا ہے۔ کئی ایک مسائل ایسے آجاتے ہیں جن میں اصل چیز ان کے مقصد ہی کو پیش نظر رکھنا ہوتا ہے۔

مقاصد شریعت کے حوالے سے ڈاکٹر سہیل حسن کا نظریہ جاننے کے بعد احکام میں تعلیل ومصالح کی ضرورت کے بارے میں معروف اہلحدیث دانشور مولانا محمد حنیف ندوی کا بیان بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے، وہ کہتے ہیں:

> بہر آئینہ اسلام کے مزاج سے متعلق جو یہ دورائیں پیدا ہوئی ہیں، دیکھنا یہ ہے کہ ان میں کون صحیح ہے اور کون صحیح نہیں ہے۔ سب سے پہلے اس سلسلہ میں دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ قرآن وسنت نے جس پیغام کی طرف دعوت دی ہے اس کی عمارت کن بنیادوں پر اٹھائی گئی ہے۔ کیا وہ عقل وفکر اور سوچ سمجھ کے داعیات کو اکساتا اور ابھارتا ہے یا غیر مشروط اطاعت ورضا کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس سے ٹھیک ٹھیک اندازہ

ہو سکے گا کہ خود اس کی ساخت اور بناوٹ میں کن عناصر کا دخل ہے، کیوں کہ اگر اسلام کی حیثیت محض یہ قرار پاتی ہے کہ اس میں تعلیل ومصالح کا ہونا ضروری نہیں، بلکہ وہ تو محض اطاعت کا تقاضا کرتا ہے، تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ کون لوگ، اس کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں اور کون انکار وضلالت کے عمیق گڑھوں میں گرتے ہیں تو اس کے لیے یہ قطعی غیر ضروری اور غیر مناسب ہو جاتا ہے کہ وہ لوگوں کو غور وفکر کی دعوت دے اور پھر جب وہ نہ مانیں تو ان کی کم عقلی اور بے وقوفی پر انھیں مطعون کرے۔(۵۷)

وہ ایک قدم اور آگے بڑھتے ہیں اور حرفیت پسندی کے خطرناک نتائج کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

اس انداز فکر کا منطقی نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلام میں اور دوسرے مذاہب میں سچائی اور صداقت کا جو عقلی امتیاز ہے، وہ اٹھ جائے گا اور ہم یہ نہیں ثابت کر سکیں گے کہ اس کی اخلاقی ومعاشرتی پابندیاں یا اس کا اقتصادی وسیاسی چوکھٹا دوسروں سے بہتر ہے۔ کیوں کہ جہاں تک صلاحیتوں کے آزمانے کا تعلق ہے اور آزمائش واختیار کا معاملہ ہے، اس میں معقول اور غیر معقول تکلیفات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بلکہ اس کے تو الٹا یہ معنی ہوں گے کہ وہ نظام اطاعت جس کی طرف ہم لوگوں کو بلاتے ہیں، جتنا غیر معقول ہوگا اسی نسبت سے اس کے ماننے والوں کے جذبہ اطاعت وپیروی کا زیادہ امتحان ہو سکے گا، کیونکہ ایک معقول بات اور ایسا حکم جو سمجھ میں آسکتا ہے، اس کے ماننے میں تو طبعی طور پر وہ رکاوٹ نہیں ہو سکتی جو ایسے حکم کے ماننے میں ہو سکتی ہے جو سوچ سمجھ کی دسترس سے باہر ہو۔

اس سے بھی آگے بڑھ کر ایک اور بڑا اعتراض اس ڈھب کے تصور پر یہ ہو سکے گا کہ اگر اسلام کے فرائض وواجبات اور اوامر ونواہی کی بنیاد غیر عقلی بنیادوں پر رکھی گئی ہے تو پھر محاسبۂ اعمال کے لیے کیا وجہ جواز باقی رہ جائے گی۔ کیوں کہ اللہ کا ایک بندہ یہ کہہ کر اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہایت آسانی سے مخلصی حاصل کر سکے گا کہ میرے پاس آپ کے پیغام کو جانچنے اور یہ معلوم کرنے کا آخر کون سا جچا تلا ذریعہ اور معیار تھا جس سے یہ معلوم ہو سکتا کہ یہ فی الواقعہ آپ ہی کا پیغام تھا، بندوں کی اپنی گھڑنت نہ تھی۔(۵۸)

البتہ تعلیل ومصالح کے حوالے سے مولانا محمد حنیف ندوی کے نظریے سے مولانا عبدالرحمٰن مدنی کو اتفاق نہیں۔ ان کی رائے میں مولانا ندوی نے اپنی کتاب ''مسئلہ اجتہاد'' میں ٹھیٹھ سلفی نظریے کی ترجمانی نہیں کی، یہی وجہ ہے کہ سلفیوں کی طرف سے ان کے جوابات بھی لکھے گئے ہیں۔ اجتہاد کے بارے میں ہم نے حافظ ابتسام الٰہی ظہیر سے بھی بات کی انھوں نے اس کے حوالے سے اپنے علمی نظریے کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

قرآن وسنت کے وہ امور جو طے شدہ ہیں ان میں تو ہم اجتہاد کے قائل نہیں مثلاً پردے اور سود کا مسئلہ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ پردے کے مسئلے پر اجتہاد ہونا چاہیے یا بعض لوگ کہتے ہیں کہ سود کے

مسئلے پر اجتہاد ہونا چاہیے ایسے مسائل پر ہم اجتہاد کے قائل نہیں ہیں لیکن کچھ ایسے امور، ماضی میں علماء نے جن کے بارے میں فیصلے کیے ہیں، چاہے وہ فیصلے پچاس سال پہلے کے ہوں یا دوسو سال پہلے کے اگر جدید تقاضوں کے مطابق ان پر نظر ثانی کی ضرورت پیش آئے تو ہم سمجھتے ہیں کہ اس میں کوئی ہرج نہیں۔ جیسے ٹیسٹ ٹیوب بے بی کا مسئلہ ہے۔اس میں علماء کی دو آراء ہیں۔اس میں مرد کا مادہ اور عورت کے بیضہ کو ملایا جاتا ہے۔ میں اسے جائز سمجھتا ہوں کیونکہ اس میں نہ تو اس کے شجرۂ نسب پر کوئی حرف آتا ہے اور نہ ہی اس میں ان کے نسب میں طعن کے کوئی امکانات پیدا ہوتے ہیں جبکہ اس سے معاشرے کو صحت اور افزائش نسل کے اعتبار سے فائدہ ہوتا ہے۔ہم سمجھتے ہیں کہ زمان ومکان کے تقاضوں کے مطابق اجتہاد قیامت تک جاری رہنا چاہیے۔ میرا آج کا اجتہاد ہوسکتا ہے کل کے لوگوں کے لئے حجت نہ ہو، زمان ومکان کے تقاضوں کے اعتبار سے بھی اور شاید کوئی بہتر دلیل میسر آنے کے اعتبار سے بھی۔

حواشی

(۱) شیخ عبداللہ بن زید المحمود، عقیدۃ الاسلام والمسلمین ، اردو ترجمہ: مختار احمد ندوی، اسلامی عقائد (لاہور: دار الکتب السلفیۃ، ۲۰۰۷) ص ۱۶

(۲) اثری شیخ، عبداللہ بن عبدالحمید :عقیدہ، ایمان اور منہج اسلام (ترجمہ :ابو یحییٰ محمد زکریا زاہد) س (لاہور، مکتبۃ الکتاب، سنہ ندارد) ص ۱۰۵

(۳) الشعراء۔۲۶: ۱۹۵

(۴) النحل۔۱۶: ۱۰۲

(۵) حم۔۴۱: ۴

(۶) الشوریٰ۔۴۲: ۵۲

(۷) النساء۔۴: ۱۶۴

(۸) البقرۃ۔۲: ۷۵

(۹) المدثر۔۷۴: ۲۶

(۱۰) شیخ عبداللہ بن زید المحمود، عقیدۃ الاسلام والمسلمین ، اردو ترجمہ: مختار احمد ندوی، اسلامی عقائد (لاہور: دار الکتب

السلفیۃ،۲۰۰۷)ص۲۷و۲۸

(۱۱)اثری شیخ،عبداللہ بن عبدالحمید:عقیدہ،ایمان اورمنہج اسلام(ترجمہ:ابویحییٰ محمد زکریا زاہد)س(لاہور،مکتبۃ الکتاب،سنہ ندارد)ص۱۸۹

(۱۲)الاحزاب۔۴۰

(۱۳)الم نشرح۔۱تا۴

(۱۴) اثری شیخ، عبداللہ بن عبدالحمید :عقیدہ،ایمان اورمنہج اسلام (ترجمہ :ابو یحییٰ محمد زکریا زاہد)س(لاہور،مکتبۃ الکتاب،سنہ ندارد)ص۱۹۴تا۱۹۷

(۱۵) شیخ عبداللہ بن زید المحمود،عقیدۃ الاسلام والمسلمین ،اردو ترجمہ: مختار احمد ندوی،اسلامی عقائد(لاہور: دار الکتب السلفیۃ، ۲۰۰۷)ص۱۶۵۔۱۶۶

(۱۶)(النحل:۱۶۔۴۸)

(۱۷) (مسند احمد ص۱۳۲ج۶)

(۱۸) (مجمع الزوائد ص۳۲۳ج۴)

(۱۹) گوندلوی،محمد یحیی ،مولانا:عقیدہ اہلحدیث(مرکزی جمعیت اہلحدیث قلعہ دیدار سنگھ ضلع گوجرانوالہ)ص:۲۸۹

(۲۰)(الرحمٰن ۲۶و۲۷)

(۲۱) گوندلوی،محمد یحیی ،مولانا:عقیدہ اہلحدیث(مرکزی جمعیت اہلحدیث قلعہ دیدار سنگھ ضلع گوجرانوالہ)ص:۳۳۱

(۲۲)(المائدہ۵:۷۵)

(۲۳)(آل عمران:۳۔۱۴۴)

(۲۴)(مرکزی جمعیت اہلحدیث قلعہ دیدار سنگھ ضلع گوجرانوالہ،عقیدہ اہلحدیث شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد یحییٰ گوندلوی(ص۳۳۱و۳۳۲)

(۲۵)(عمران:۳۔۱۴۴)

(۲۶)(مرکزی جمعیت اہلحدیث قلعہ دیدار سنگھ ضلع گوجرانوالہ،عقیدہ اہلحدیث شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد یحییٰ گوندلوی(ص۳۳۵)

(۲۷)قیامۃ۔۷۵:۲۳

(۲۸)اعراف۔143:7

(۲۹)الانعام۔۶:۱۰۳

(۳۰) شیخ عبداللہ بن زید المحمود،عقیدۃ الاسلام والمسلمین ،اردو ترجمہ: مختار احمد ندوی،اسلامی عقائد(لاہور: دار الکتب السلفیۃ، ۲۰۰۷)ص۲۹

(۳۱)البقرۃ۔۲:۱۷۷

(۳۲)البقرۃ۔۲:۲۸۵

(۳۳)النجم۔۱۳و۱۴

(۳۴) شیخ عبداللہ بن زید المحمود،عقیدة الاسلام والمسلمین ، اردو ترجمہ:مختار احمد ندوی،اسلامی عقائد(لاہور:دارالکتب السلفیۃ، ۲۰۰۷)ص۔۳۰

(۳۵) شیخ عبداللہ بن زید المحمود،عقیدة الاسلام والمسلمین ،اردو ترجمہ:مختار احمد ندوی،اسلامی عقائد(لاہور:دارالکتب السلفیۃ، ۲۰۰۷)ص۳۴و۳۵

(۳۶)(بخاری ص۱۱۹ج۲)

(۳۷)(مرکزی جمعیت اہلحدیث قلعہ دیدار سنگھ ضلع گوجرانوالہ،عقیدہ اہلحدیث شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد یحیٰ گوندلوی(ص۳۷۱۔۳۷۲)

(۳۸) یونس۔۶۲ تا۶۴

(۳۹)(رواہ البخاری رکتاب الرقاق رحدیث:۶۵۰۲)

(۴۰)الانفال۔۳۴

(۴۱) اثری شیخ، عبداللہ بن عبدالحمید :عقیدہ،ایمان اورمنہج اسلام (ترجمہ :ابو یحیٰ محمد زکریا زاہد)س(لاہور،مکتبۃ الکتاب،سنہ ندارد) ص۳۲۴تا۳۲۷

(۴۲)(مرکزی جمعیت اہلحدیث قلعہ دیدار سنگھ ضلع گوجرانوالہ،عقیدہ اہلحدیث شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد یحیٰ گوندلوی (ص۳۰۹۔۳۱۰)

(۴۳)شاہ اسمٰعیل شہید:تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان(لاہور:امجد اکیڈمی،سنہ ندارد)ص۲۱۲و۲۱۳

(۴۴)شوریٰ۔۲۳

(۴۵)توبہ۔۱۰۰

(۴۶) یہ حدیث مسند احمد کے علاوہ مستدرک حاکم نیشاپوری میں بھی روایت ہوئی ہے۔امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے بھی اپنے انتخاب میں اسے باقی رکھا ہے۔مسند احمد وغیرہ کی عبارت یوں ہے کہ راوی کہتا ہے:

قلت:یا رسول اللہ متی کنت نبیاً،

قال: کنت نبیاً وآدم بین الروح والجسد

امام ترمذی نے اسے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔ترمذی کی عبارت کچھ یوں ہے:

قالو:یارسول اللہ متی وحیث لک النبوۃ؟

قال: وآدم بین الروح والجسد (مرتب)

(۴۷)حجرات۔۱۲

(۴۸)النساء۔۴۸

(۴۹)الزمر:۵۳

(۵۰)(رواھما مسلم رکتاب الایمان رحدیث نمبر ۲۱۶،۲۱۷)

(۵۱) (رواہ البخاری رکتاب الادب رحدیث:۶۰۴۵،۶۰۴۷،۶۱۰۳)

(۵۲)(صحیح سنن ابی داؤد للالبانی رکتاب الادب رباب النھی عن البغی حدیث:۴۹۰۱)

(۵۳)اثری شیخ، عبداللہ بن عبدالحمید :عقیدہ،ایمان اورمنہج اسلام (ترجمہ :ابو یحییٰ محمد زکریا زاہد)س(لاہور،مکتبۃ الکتاب،سنہ ندارد)ص ۲۸۵ تا ۲۹۰

(۵۴)(المومن:۴۰۔۵)

(۵۵)(مرکزی جمعیت اہلحدیث قلعہ دیدار سنگھ ضلع گوجرانوالہ،عقیدہ اہلحدیث شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد یحییٰ گوندلوی(ص نمبر۵۷)

(۵۶)سنن نسائی میں اس موضوع پر جو روایت آئی ہے اس کی عبارت یوں ہے:

عن أبی أیوب ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال:"لا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروھا الغائط او بول ولکن شرقوا أوغربوا.

النسائی:السنن(بیروت:داراحیاء التراث العربی،سنہ ندارد)الجزالاول،ص۲۲و۲۳ (مرتب)

(۵۷)زاہدہ نوید پرنٹرز،لاہور،مسئلہ اجتہاد مولانا محمد حنیف ندوی،اشاعت دوم اگست ۲۰۰۶ء،ص ۱۵

(۵۸)زاہدہ نوید پرنٹرز،لاہور،مسئلہ اجتہاد مولانا محمد حنیف ندوی،اشاعت دوم اگست ۲۰۰۶ء،ص ۱۵

نوٹ: جو حوالہ جات نامکمل ہیں وہ متعلقہ کتب میں اسی طرح درج ہیں۔جن کتب کے حوالہ جات مرتب نے دیے ہیں وہ مکمل ہیں۔بیشتر آیات کے حوالہ جات بھی مرتب نے مکمل کیے ہیں۔

امتیازی مسائل

روز مرہ کے عبادی مسائل اور احکام میں اہل حدیث کے چند امتیازی مسائل ہیں جن کی طرف اشارہ کرنا یہاں مناسب ہوگا۔

نماز میں کھڑے ہونے اور ہاتھ باندھنے کا طریقہ

اہلحدیث کے ہاں نماز میں کھڑے ہونے اور دوران قیام ہاتھ باندھنے کا طریقہ اس ملک کے احناف سے مختلف ہے۔اس کی وضاحت اہلحدیث کے علماء نے اپنے دلائل کے ساتھ مختلف کتب میں کی ہے۔ہم یہاں پر معروف اہلحدیث عالم حافظ عبداللہ محدث روپڑی کا فتویٰ ان کی کتاب سے نقل کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

> نماز کے لیے قبلہ رو اس طرح کھڑا ہو کہ پاؤں اور کندھوں کا فاصلہ برابر ہو تا کہ اگر دوسرے کے ساتھ ملے تو نیچے اوپر سے سارا مل سکے اور نظر پاؤں کی جگہ رہے تو بہتر ہے۔اگر پاؤں سے ہٹ جائے تو سجدہ کی جگہ سے آگے نہیں بڑھنی چاہیے۔اپنے دل کو پورا خدا کی طرف متوجہ کرے اور اللہ اکبر کہہ کر نماز کی نیت باندھے اور انگلیاں کشادہ رکھ کر ہتھیلیوں کو قبلہ رخ کر کے کانوں تک یا کندھوں تک دونوں ہاتھ اٹھائے پھر بایاں ہاتھ نیچے اور دایاں اوپر سینہ پر رکھے اور اس کے بعد ثناء یا دعا پڑھے۔(۱)

رفع الیدین

اہلحدیث کے امتیازات میں سے ایک رفع الیدین عندالرکوع ہے۔تاہم وہ چار مقامات پر رفع الیدین کے قائل ہیں۔اس کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا حافظ محمد گوندلوی (۱۳۱۵ھ۔۱۴۰۵ھ) لکھتے ہیں:

> اہلحدیث کا مذہب ہے کہ رفع الیدین مواضع اربعہ میں مشروع و ثابت ہے، احادیث صحیحہ وصریحہ اس بارہ میں اپنے مدلول پر واضح ہیں، ان کے خلاف جو کچھ ہے وہ صحت تک نہیں پہنچا۔(۲)

مولانا گوندلوی نے خاص اسی مسئلہ پر تقریباً ۲۰۰ صفحات پر مشتمل ایک کتاب لکھی ہے۔وہ لکھتے ہیں:

> احادیث صحیحہ میں مندرجہ ذی المواضع میں رفع یدین کا ذکر ہے، تکبیر تحریمہ، رکوع کو جاتے وقت، رکوع

سے اٹھتے وقت، تیسری رکعت کو اٹھتے وقت۔(۳)

تاہم ان کا زیادہ اصرار تکبیر تحریمہ، رکوع کو جاتے اور اٹھتے وقت رفع الیدین پر ہے۔وہ کہتے ہیں:

ان تین مواضع میں رفع یدین حضورؐ سے تواتر اً ثابت ہے۔(۴)

جمع بین صلاتین

اہلحدیث کے ہاں جمع بین صلاتین کے بارے میں احکام احناف سے کچھ مختلف ہیں۔اس سلسلے میں امامیہ سے بھی ان کا کچھ اختلاف ہے اگر چہ اہلحدیث کے بعض علماء کا اس سلسلے میں نقطۂ نظر امامیہ سے ہم آہنگ ہے تاہم عمومی نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتے ہوئے علامہ ابوالبرکات احمد نے جو فتویٰ جاری کیا ہے اس میں انھوں نے اپنے دلائل کی طرف بھی کچھ اشارہ کر دیا ہے۔وہ کہتے ہیں:

> مسافر کے لیے قسم (تقدیم وتاخیر) کی جمع احادیث سے ثابت ہے اور حضر میں جمع صوری ثابت ہے۔ ہاں بارش کی حالت میں صحابہ کرام سے جمع تقدیم ثابت ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش کے لیے حضر میں جمع تقدیم یا تاخیر ثابت نہیں ہے۔احادیث میں مدینہ میں بغیر خوف یا دوسری روایت میں بغیر مطر (بارش) کے جمع بین الظہر والعصر یا جمع بین المغرب والعشاء آیا ہے۔اس کے متعلق محققین علماء کا خیال ہے کہ یہ جمع صوری ہے۔اس کی تائید میں نسائی کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ (جو اس حدیث کے راوی ہیں) کی وضاحت موجود ہے۔
>
> اس واسطے اس روایت کو جمع صوری ہی پر محمول کرنا درست ہے۔اگر چہ بعض علماء نے اس کا اور معنٰی بھی بیان کیا ہے۔(۵)

آمین بالجہر

نماز میں قرأت فاتحہ کے بعد اہل سنت کے ہاں آمین بالجہر یا بالاخفا کہنے کے مسئلے پر اختلاف ہے۔اہلحدیث کا اصرار ہے کہ آمین بالجہر کہنا چاہیے۔معروف اہلحدیث عالم مولانا عبداللہ روپڑی اپنے ایک فتویٰ میں اپنا نقطۂ نظر اپنے دلائل کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

> بخاری میں حدیث ہے۔اذاامن الامام فامنوا۔یعنی جب امام آمین کہے تو تم آمین کہو۔اس حدیث میں آمین کا حکم فرمایا اور بالجہر کہنا بھی ثابت ہوگیا۔کیونکہ مقتدی جب امام کی آمین پر آمین کہے تو سُن کر ہی کہے گا اور اُس کو کیا پتہ کہ امام نے آمین کہی ہے یا نہیں کہی۔سو امام کو چاہیے کہ آمین اُونچی کہے۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے۔

واذاقال غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَ لَا الضَّآلِّيۡنَ فقولو آمين

یعنی جب امام غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَ لَا الضَّآلِّيۡنَ کہے تو تم آمین کہو۔

اور اس کے معنی ہرگز نہیں ہو سکتے کہ جب امام غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَ لَا الضَّآلِّيۡنَ کہے تو تم آہستہ آمین کہو۔ کیونکہ امام کے آہستہ پڑھنے کی صورت میں مقتدی کو کیسے علم ہوسکتا ہے کہ امام نے غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَ لَا الضَّآلِّيۡنَ کس وقت پڑھا ہے بلکہ اس کے یہ معنیٰ ہیں کہ جب امام غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَ لَا الضَّآلِّيۡنَ اونچی پڑھے تو تم آمین کہو۔ پس ثابت ہوا کہ آمین امام کو اونچی کہنی چاہیے۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے صلوا کمارایتمونی اصلی یعنی جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھو، اسی طرح نماز پڑھو۔ تو گویا آپ نے فرمایا کہ تم آمین اونچی کہو۔ (۶)

قرآت فاتحہ خلف الامام

باجماعت نماز ادا کرتے ہوئے کیا ماموم کو بھی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کی تلاوت کرنا چاہیے یا نہیں، اس سلسلے میں بھی اہل حدیث کا دیگر مسالک سے کچھ اختلاف ہے۔ چنانچہ مولانا محمد اسماعیل سلفی کہتے ہیں:

یقیناً اہلحدیث کے نزدیک راجح یہی ہے کہ سورۂ فاتحہ امام و مقتدی سب پر فرض ہے۔ (۷)

بلند آواز سے نماز جنازہ

نماز جنازہ کے بلند آواز سے پڑھنے کے جواز اور عدم جواز کا مسئلہ بھی معرکۃ الآرا مسائل میں سے ہے۔ اہلحدیث اس کے بالجہر پڑھنے کے جواز کے قائل ہیں چنانچہ ایک سوال کے جواب میں مولانا یوسف ابراہیمی حافظ عبداللہ روپڑی کی تائید سے لکھتے ہیں:

جنازہ بلند آواز سے پڑھنا جائز ہے۔

مسلم جلد اول ص ۳۱۱ میں حدیث ہے: عوف بن مالک نے بیان کیا:

صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم على جنازه فحفظت من دعائه وهو يقول اللهم اغفرله وارحمه .الخ

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہری آواز سے جنازہ پڑھا ہے۔ اس کا

عید میلاد النبیؐ

جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے اور اہلسنت بریلوی مسلک کے علماء کی رائے بھی ہے، پاکستان میں اکثریت ان مسلمانوں کی ہے جو عوامی سطح پر عید میلاد النبیؐ خاص اہتمام اور شان وشوکت سے مناتے ہیں۔اہل حدیث کا نقطۂ نظر اس حوالے سے کچھ مختلف ہے۔اس سلسلے میں ان کی ترجمانی کرتے ہوئے مولانا محمد اسمٰعیل السّلفی اپنے دلائل کچھ اس انداز سے پیش کرتے ہیں:

> شریعت کو کسی بڑے سے بڑے انسان کی موت وحیات سے اس طرح کی کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ عبادت اور ثواب سمجھ کر اس طرح سالگرہ منائی جائے اور عید میلاد منعقد کی جائے۔ یا نوحہ و ماتم کر کے اظہار غم کیا جائے آخر اتنے انبیاء واصفیاء عالم شہود میں آئے اور بے شمار نہایت بے دردی سے شہید کر دیے گئے اب اگر ہم ایک ایک کی عید میلاد منائیں یا ایک ایک کا ماتم کریں تو دن میں کئی بار تو میلاد کی محفلیں سجانا پڑیں اور کئی بار غم واندوہ کا اہتمام کرنا پڑے۔

یہی وجہ ہے کہ آپ کی رسالت کا تیئس ۲۳ سال کا زمانہ اور خلافت کا تیس ۳۰ سال کا عرصہ ایک نگاہ سے دیکھ جائیں کہیں بھی آپ کو ایسی کوئی تقریب نظر نہیں آئے گی۔نہ خود شارع علیہ السلام نے اپنی سالگرہ منائی اور نہ اپنے اکابر واجداد کی کوئی عید میلاد منعقد کی اور نہ ہی صحابہ کرام نے ایسا کوئی ڈھونگ رچایا سوائے دو عیدوں کے وہاں کوئی تیسری عید نظر نہیں آتی۔عید میلاد کا اہتمام تو کجا ان میں سے کسی کو یہ خیال بھی نہیں آیا کہ یہ بھی کوئی ثواب کا کام ہے حالانکہ ہم محبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں صحابہ کرام کی گردِ راہ تک بھی نہیں پہنچ سکتے۔

عید میلاد کو سب سے پہلے سلطان ابو سعید علی بن سبکتگین نے چھٹی صدی ہجری میں شروع کیا بعد میں جب مصر پر سنیوں کا غلبہ ہوا تو۔۔۔ پھر سلطان مظفر نے چھٹی صدی ہجری کے آخر میں اس کو شروع کیا۔سلطان مذکور بہت سادہ لوح اور جذباتی آدمی تھا۔میلاد کی تقریب منانے کے لیے ماہ صفر میں تیاری شروع کر دیتا۔ ہر قسم کے قوال گانے بجانے اور غزل خوان واعظ اکٹھے ہو جاتے اور بے شمار قسم کے کھانے پکائے جاتے۔ پھر رفتہ رفتہ یہی فتنہ طول پکڑتا ہوا عید بن گیا۔ بعدازاں جب زناکاری اور بدمعاشی جیسے نتائج بد سامنے آئے تو سلطان کو یہ تقریب بند کردینی پڑی۔

ہندوستان میں جہاں اور بہت سی بدعتیں فتوحات اسلامیہ کے بعد آئیں محفل میلاد بھی اپنے تمام لوازم کے ساتھ سارے ملک میں چھا گئی۔ جاہل ملاؤں اور خود غرض سیدوں نے اس کی نزاکت شان سے

فائدہ اٹھاتے ہوئے اس بدعت کو خوب ہوا دی۔ قرآنی آیات کی تحریف اور ترمیم کر کے احادیث کے عمومات کو غلط موقعہ پر محمول کرتے ہوئے اس کے جواز کی کوشش کی گئی۔ محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر جذبات کو اس قدر اچھالا گیا کہ یہ رسم ایک میلا اور ہنگامہ و تماشہ بن کر رہ گئی۔(۹)

طلاق کا طریقہ

احناف اور اہلحدیث میں طلاق کے مسئلے پر اہم اختلاف پایا جاتا ہے۔ جزوی طور پر یہ اختلاف امامیہ اور اہلحدیث میں بھی موجود ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اہلحدیث کے امتیازی مسائل کا ذکر کرتے ہوئے ہم اس حوالے سے بھی ان کا نقطۂ نظر پیش کریں۔ اس سلسلے میں ہم مولانا مختار احمد ندوی کی عبارت پیش کرتے ہیں جنھوں نے ناظم جمعیت اہل حدیث بمبئی کی حیثیت سے طلاق ہی کے موضوع پر احمد آباد بھارت میں نومبر ۱۹۷۳ء میں منعقد ہونے والے ایک سیمینار میں اہلحدیث کی نمائندگی کی، وہ کہتے ہیں:

> جب میاں بیوی میں ایسی نا اتفاقی پیدا ہو جائے جس سے خاندان کی تباہی اور زندگی کے امن وسکون کو بربادی کا خطرہ لاحق ہو اور زوجین کے درمیان حدود اللہ کا قیام ناممکن ہو جائے تو شوہر کو اختیار ہے کہ بیوی کو اُس طہر کی حالت میں ایک طلاق دے جس میں اُس نے بیوی سے مقاربت نہ کی ہو۔ یہ ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور عدت کے اندر شوہر کو رجعت کا حق حاصل ہوگا۔ یہ تین ماہ کی مدت ہے جس میں زوجین اور ان کے اقرباء و متعلقین کو اُن کے مستقبل کے بارے میں سنجیدگی سے غور وفکر کرنے کا موقع ملے گا۔ اگر سدھار کی کوئی صورت نہیں بنتی اور طلاق ضروری ہی ہے تو دوسرے طہر میں دوسری طلاق دے۔ یہ دوسری طلاق بھی رجعی ہوگی اور اب بھی شوہر کو عدت کے اندر رجعت کا اور عدت کے بعد تجدید نکاح کا حق حاصل ہے۔ سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۲۹ میں ارشاد ہے:
>
> اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡتَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ
>
> طلاق (رجعی) دو مرتبہ ہے اور دونوں مرتبہ یا تو معروف طریقہ پر عورت کو روک لیا جائے یا عمدہ طریقہ سے چھٹکارا کر دیا جائے۔
>
> آگے ارشاد ہے:
>
> فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ(۱۰)
>
> پھر اگر تیسری بار طلاق دے دی (یعنی تیسرے طہر میں) تو وہ اُس شوہر کے لیے اُس وقت تک حلال

نہ ہوگی جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کر لے۔
یہ تیسری آخری طلاق بائن ہوگی جس سے زوجین کے درمیان دائمی تفریق واقع ہو جائے گی۔
اللہ تعالیٰ نے طلاق کو بدفعاتِ ثلاثہ دینے کی ہدایت دے کر جو حکمت اور سہولت ملحوظ رکھی ہے وہ اُسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب ہدایات ربانی کے مطابق طلاق دی جائے اور یہ جب ہی ممکن ہے جب طلاق باری باری دو طہروں میں دی جائے۔ اس قرآنی ہدایت کو نظرانداز کر کے اگر بیک لفظ و بیک مجلس تینوں طلاقیں ایک ساتھ دے دی جائیں اور انھیں تسلیم بھی کر لیا جائے تو جہاں یہ ایک فعل معصیت ہے وہیں کتابُ اللہ کے ساتھ ایک ''مذاق'' بھی ہے۔ ساتھ ہی رجعت کا جو حق اللہ نے دیا تھا اُس کی بربادی بھی ہے۔ (۱۱)

بدعت کا مفہوم

پاکستان میں عامۃ المسلمین کے ہاں بعض مذہبی مرسومات اور روایات پر اہلحدیث علماء نے سخت تنقید کی ہے اور انھیں بدعت سیئہ کے زمرے میں شمار کیا ہے۔ اس سلسلے میں اہلحدیث کے نظریات کا خلاصہ مولانا محمد یحییٰ گوندلوی کے الفاظ میں کچھ یوں ہے:

ایسا دینی امر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے منقول نہ ہو وہ بدعت ہے بلاشبہ جشن میلاد، گیارھویں، خوشی وغمی کے غیر شرعی رسوم، قبروں پر قبے اور عمارتیں، مزاروں کا طواف، ان پر نذر و نیاز، اچھاڑ اور چڑھاوے اور اذان سے قبل مروجہ اور مصنوعی صلوٰۃ اور دیگر بہت سے امور بدعات ہیں بلکہ ان میں بعض امور تو بدعت کے ساتھ شرک سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

سحقاً سحقاً لمن بدل بعدی (۱۲)

اس کے لیے دوری ہے دوری ہے جس نے میرے بعد دین کو بدل ڈالا۔
شرک کے ہوتے ہوئے جس طرح توحید قائم نہیں رہتی اسی طرح بدعت سے سنت کا وجود ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں آپس میں ضد ہیں اور بدعتی بدعت پر عمل کرنے کی وجہ سے سنت پر عمل کرنے سے محروم ہو جاتا ہے جیسا کہ ہم اپنے دور کے بدعتی حضرات کو دیکھتے ہیں کہ ان کے اعمال کا اکثر مدار بدعات پر ہے اور سنت ان سے روٹھ چکی ہے (اعاذنا اللّٰہ من ذلک) (۱۳)

رسول اکرمؐ کے نور یا بشر ہونے کے موضوع پر مسلمانوں کے مختلف مسالک میں مختلف آرا پائی جاتی ہیں۔ مولانا محمد اسماعیل سلفی آنحضرتؐ کے نور ہونے کی توجیہ اپنے انداز سے کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

جس معنی میں قرآن کو اللہ تعالیٰ نے نور کہا ہے وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا اس نور پر ایمان لاؤ جس کو ہم نے اتارا ہے۔ اسی معنی میں ہم پیغمبر علیہ السلام کے نور کے قائل ہیں۔ اگر قرآن کریم کے نور سے زمین و آسمان روشن نہیں ہوتے اور نہ ہی قرآن کا نور شمس و قمر کے نور سے مشابہ ہے کہ اس قرآن کی موجودگی میں سورج اور چاند کی کوئی ضرورت نہ رہے تو اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور غیر جسمانی اور معنوی ہے جس پر کبھی ظلمت غلبہ نہیں کر سکتی۔ نور نبوت کا تعلق زمین و آسمان سے نہیں، جسم اور بدن سے نہیں اس کا تعلق قلب سے ہے، دماغ اور عقل سے ہے اخلاقِ فاضلہ اور صفات حسنہ سے ہے۔ ایسا نور جو دنیا اور عقبیٰ دونوں جگہ روشنی کرے۔ ایسا نور جو کفر و شرک، بدعت و جہالت، تقلید و رسوم پرستی کے اندھیروں سے نکال کر شریعت بیضاء ملت غراء صراطِ مستقیم اور توحید و سنت کی شاہراہوں تک پہنچا دے۔ یہ سورج کا نور، یہ چاند کی روشنی تو بڑھتی اور گھٹتی ہے، پیدا ہوتی اور فنا ہوتی ہے، موجود بھی ہو تو اس سے دنیا کا صرف ایک ہی حصہ روشن ہوتا ہے اور دوسرا ظلمت کدہ ہی رہتا ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی سے ایک عالم روشن ہے اور وہ بھی اس طرح کہ وہاں رات بھی دن کی طرح تابندہ ہے اس لیے آپؐ کے نور کو سورج اور چاند کے نور سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ (۱۴)

اس سے تو کسی کو انکار نہیں کہ قرآن حکیم میں رسول اللہؐ کو بشر قرار دیا گیا ہے لیکن آپؐ کے نور ہونے کے خصوصی تصور کے ساتھ بشریت کا مفہوم کیا ہے، اس پر مختلف مسالک کے علماء نے اپنا نقطۂ نظر بیان کیا ہے۔ اہلحدیث عالم مولانا محمد یحییٰ گوندلوی پہلے تمام انبیاء کی نوع و جنس کے حوالے سے اپنا مسلک اور اس کے دلائل بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

قرآن اور احادیث متواترہ کے نصوص سے تمام انبیاء ذات، جنس اور مولد کے لحاظ سے بشر ہیں اور منصب رسالت کے اعلیٰ و ارفع مقام پر صرف بشر ہی فائز یاب ہوتے ہیں، نوریوں میں سے کوئی نہیں ہوا۔

مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَهُ اللّٰهُ الْکِتٰبَ وَ الْحُکْمَ وَ النُّبُوَّةَ(۱۵)

وَمَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ(۱۶)

ان دونوں آیات سے واضح ہے کہ منصب رسالت کے لیے اللہ تعالیٰ نے بشر کا ہی انتخاب فرمایا ہے

جبکہ نوری تو بشر تک وحی لانے کی خدمت پر مامور تھے بذات خود لوگوں تک تبلیغ رسالت ان کا منصب نہیں تھا۔(۱۷)

اس کے بعد اگلے مرحلے میں وہ خاتم النبیینؐ کے بارے میں اپنا موقف پیش کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اصدق سے ہی اعلان کروایا ہے کہ:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ(۱۸)

کہہ دیجئے میں تو صرف تمھارے جیسا بشر ہوں۔

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا(۱۹)

کہہ دیجیے میرا رب پاک ہے میں تو صرف بشر رسول ہوں۔

یہ اور اس مضمون کی دیگر بہت سی آیات جو خصوصاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے متعلقہ ہیں سرعام کہہ رہی ہیں کہ خاتم النبیین افضل الرسل جنس کے اعتبار سے تمھارے جیسے بشر ہیں جنس کے لحاظ سے تمھارے اور ان کے درمیان کوئی فرق نہیں البتہ وحی اور رسالت کا فرق ضرور ہے کہ ان کی طرف وحی ہوتی ہے اور تمھاری طرف وحی نہیں ہوتی۔

اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ(۲۰)

کہ میری طرف وحی ہوتی ہے تمھارا الٰہ صرف ایک ہی ہے۔(۲۱)

قیام رمضان

جہاں تک رمضان المبارک میں نفلی عبادات کے لیے کثرت کی ترغیب کا تعلق ہے وہ مسلمانوں کے تمام مسالک میں موجود ہے۔ البتہ نماز تراویح کی باجماعت ادائیگی کے مسئلے میں شیعوں اور اہل سنت میں اختلاف ہے۔ اہل سنت کے ہاں نماز تراویح کی رکعتوں کی تعداد میں اختلاف ہے۔ اہلحدیث کے نزدیک یہ تعداد ۸ ہے جبکہ احناف کے نزدیک ۲۰ ہے۔ چنانچہ مولانا حافظ عبداللہ روپڑی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

ہاں تراویح اصل آٹھ سنت ہیں۔ کیونکہ دلیل اسی کو چاہے۔(۲۲)

مولانا اسماعیل سلفی نے اس سلسلے میں یوں وضاحت کی ہے:

بداھۃً معلوم ہے قیام رمضان مع وتر ۹۔۱۱۔۱۳ کا ذکر صحیح احادیث میں موجود ہے۔ بیس یا اس سے زیادہ کا تذکرہ کسی صحیح مرفوع حدیث میں نہیں آیا۔ بعض صحابہ، تابعین، بیس، اڑتیس، اکتالیس رکعت تک پڑھتے رہے۔ نوافل کی کثرت مستحسن ہے۔ زیادہ کو کسی نے برا نہیں کہا۔(۲۳)

حواشی

(۱) روپڑی، عبداللہ، حافظ: فتاویٰ اہلحدیث مرتب: ابوالسلام محمد صدیق (نعمانی کتب خانہ، اردو بازار لاہور۱۹۹۴ء) ج: اول، ص۶۴۰

(۲) گوندلوی، محمد، حافظ: التحقیق الراسخ فی ان احادیث رفع الیدین لیس لھا ناسخ (محمدی اکیڈمی، طبع دوم، منڈی بہاؤالدین، ۱۹۷۵ء) ص۴۶

(۳) گوندلوی، محمد، حافظ: التحقیق الراسخ فی ان احادیث رفع الیدین لیس لھا ناسخ (محمدی اکیڈمی، طبع دوم، منڈی بہاؤالدین، ۱۹۷۵ء) ص۳۶

(۴) گوندلوی، محمد، حافظ: التحقیق الراسخ فی ان احادیث رفع الیدین لیس لھا ناسخ (محمدی اکیڈمی، طبع دوم، منڈی بہاؤالدین، ۱۹۷۵ء) ص۳۶

(۵) ابوالبرکات، احمد فتاویٰ برکاتیہ (جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ، ۱۹۸۸ء) ص۴۷

(۶) روپڑی، عبداللہ، حافظ: فتاویٰ اہلحدیث مرتب: ابوالسلام محمد صدیق (نعمانی کتب خانہ، اردو بازار لاہور۱۹۹۴ء) ج: اول، ص۴۹۲

(۷) سلفی، محمد اسمٰعیل: تحریک آزادی فکر اور شاہ ولی اللہ کی تجدیدی مساعی (لاہور: مکتبہ نذیریہ، سنہ ندارد) ص۲۵۹

(۸) روپڑی، عبداللہ، حافظ: فتاویٰ اہلحدیث مرتب: ابوالسلام محمد صدیق (نعمانی کتب خانہ، اردو بازار لاہور۱۹۹۴ء) ج: دوم، ص۱۲۱

(۹) سلفی، محمد اسمٰعیل: فتاویٰ سلفیہ (اسلامک پبلشنگ ہاؤس، شیش محل روڈ، لاہور۱۹۸۷) ص۱۸۔۱۹

(۱۰) بقرہ: ۲۔۲۳۰

(۱۱) مجموعہ مقالات علمیہ دربارہ ایک مجلس کی تین طلاق (جمعیت اہلحدیث، لاہور، ایبک روڈ، لاہور) ص۸۶تا۸۷

(۱۲) (بخاری ص۱۰۴۵ ج۲)

(۱۳) گوندلوی، محمد یحییٰ، مولانا: عقیدہ اہل حدیث (مرکزی جمعیت اہلحدیث قلعہ دیدار سنگھ ضلع گوجرانوالہ) ص۲۹۳۔۲۹۴

(۱۴) سلفی، محمد اسمٰعیل: فتاویٰ سلفیہ (اسلامک پبلشنگ ہاؤس، شیش محل روڈ، لاہور۱۹۸۷) ص۱۷۔۱۸

(۱۵) عمران: ۳۔۷۹ (۱۶) الشوریٰ: ۴۲۔۵۱

(۱۷) گوندلوی، محمد یحییٰ، مولانا: عقیدہ اہلحدیث، (مرکزی جمعیت اہلحدیث قلعہ دیدار سنگھ، ضلع گوجرانوالہ)، ص۲۸۶

(۱۸) الکہف: ۱۸۔۱۱۰ (۱۹) (الاسراء: ۱۷۔۹۳)

(۲۰) (الکہف: ۱۸۔۱۱۰)

(۲۱) گوندلوی، محمد یحییٰ، مولانا: عقیدہ اہل حدیث (مرکزی جمعیت اہلحدیث قلعہ دیدار سنگھ ضلع گوجرانوالہ) ص۲۸۷

(۲۲) روپڑی، عبداللہ، حافظ: فتاویٰ اہلحدیث مرتب: ابوالسلام محمد صدیق (نعمانی کتب خانہ، اردو بازار لاہور۱۹۹۴ء) ج: دوم، ص۲۶۸

(۲۳) سلفی، محمد اسمٰعیل: تحریک آزادی فکر اور شاہ ولی اللہ کی تجدیدی مساعی (لاہور: مکتبہ نذیریہ، سنہ ندارد) ص۲۴۲

عصری مسائل

غیر مسلم ریاستوں سے تعلقات

عصر حاضر میں جب مسلمان اور غیر مسلم سب قومی ریاستوں میں منقسم ہیں تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک مسلمان ریاست کو غیر مسلم ریاستوں سے کس طرح کے تعلقات رکھنے چاہئیں۔ اس سلسلے میں ہم نے اہلحدیث کے مختلف علماء سے ان کے نظریات معلوم کیے۔ مولانا عبدالرحمٰن مدنی کا کہنا تھا:

اسلام کے نزدیک لڑائی کی بنیاد ظلم ہے، کفر نہیں۔ اس کے لئے اللہ نے کہا ہے کہ جو لوگ تمھارے ساتھ پرامن رہتے ہیں اُن کے ساتھ تم عدل وانصاف سے چلو، اُن کے حقوق کا پاس کرو۔ سورہ ممتحنہ میں موجود ہے:

لَا یَنۡھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیۡنَ لَمۡ یُقَاتِلُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ وَلَمۡ یُخۡرِجُوۡکُمۡ مِّنۡ دِیَارِکُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡھُمۡ.(۱)

یعنی جن لوگوں نے تم سے دین کے معاملے میں لڑائی نہیں کی اور تمھیں تمھارے گھروں سے نہیں نکالا اُن لوگوں سے احسان وسلوک رکھنے سے اللہ تمھیں منع نہیں کرتا۔

جبکہ دوسری طرف وہ ہیں جو تمھیں تمھارے گھروں سے نکالتے ہیں اور تم پر ظلم کرتے ہیں، ان کے ساتھ تم دوستی نہیں کر سکتے لہٰذا یہاں لڑائی کی بنیاد ظلم ہے اور فتنہ ہے، لڑائی کی بنیاد کفر نہیں ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر سہیل حسن نے اس پر مختصر سی بات کی، ان کا کہنا تھا:

ان کے ساتھ بھی برابری کی سطح پر تعلقات ہونے چاہئیں۔ تعلق فرینڈ کے طور پر ہونا چاہیے، ماسٹر کے طور پر نہیں۔ امریکہ ہمارا ماسٹر یا تھانیدار نہ بنے، اپنے احکام ہم پر مسلط نہ کرے اگر یوں ہو تو پھر ہی ہم عزت سے رہ سکتے ہیں، ورنہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں کہ ہر بات پر دستخط کر کے دے دیتے ہیں، اسی وجہ سے وہ ہمارے ماسٹر بنے ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر ابتسام الٰہی ظہیر نے غیر مسلم ریاستوں کی دو قسمیں کرتے ہوئے اپنے نظریہ کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

دنیا میں دو طرح کی غیر مسلم ریاستیں ہیں۔ ایک غیر مسلم ریاست ایسی ہے جو مسلمانوں کے مذہبی امور

کی انجام دہی میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ڈالتی، نہ اُن کے فرائض و واجبات کی ادائیگی میں رکاوٹ ڈالتی ہے اور نہ اُن کی عائلی زندگی کے اندر مداخلت کرتی ہے اور نہ ہی اُن کے خلاف کسی قسم کی سازش میں مبتلا ہوتی ہے، ایسی ریاست سے مسلمان ممالک کا اچھا اور خیر پر مبنی رابطہ ہونا چاہیے۔ ایسی ریاستوں سے ہمارا معاملہ ایسا نہیں ہونا چاہیے جس سے انھیں ہماری وجہ سے کسی قسم کی تکلیف کا سامنا کرنا پڑے۔ تاہم ریاستوں کی دوسری قسم وہ ہے جو مسلمانوں کی بیخ کنی یا نسل کشی میں مصروف ہوں اور جو مسلمانوں کے مذہبی امور میں رکاوٹیں کھڑی کریں اگر اُن کے ساتھ بھی آپ وہی معاملہ کریں گے جو اُن ریاستوں کے ساتھ رکھتے ہیں جہاں مسلمانوں کو آزادی ہے تو میں سمجھتا ہوں یہ مسلمانوں کے ساتھ بہت بڑی زیادتی ہوگی۔ ہمیں اپنے وسائل کی حد تک ان مسلمانوں کے حق میں پوری طرح آواز اٹھانی چاہیے اور اگر نظم اجتماعی اور ہماری ریاست کا منتظم اعلیٰ یا مقتدر طبقہ کوئی جہادی تحریک اٹھاتا ہے تو اس کی بھی توثیق ہونی چاہیے البتہ پرائیویٹ جہاد کی بجائے یہ کام ریاست کے سپرد ہونا چاہیے۔

ریاستی سطح پر مسلمانوں کے غیر مسلموں سے تعلقات کا موضوع اپنے مقام پر بہت اہم ہے لیکن مسلمانوں کے غیر مسلموں سے تعلقات کا معاملہ بھی کم اہم نہیں ہے۔ حافظ ابتسام الٰہی ظہیر نے اس پر بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ان کا کہنا تھا:

دیگر ادیان سے اسلام نے قربت کی حوصلہ افزائی نہیں کی لیکن انصاف کی حوصلہ افزائی کی ہے، مکالمے کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے:

وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ. (۲)

اہل کتاب سے احسن طریقہ سے مجادلہ کرو۔

یہ قرآن کا فیصلہ ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ:

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْـًٔا(۳)

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اہل کتاب شرک کی اس دلدل سے باہر نکلتے ہیں جس میں وہ گرے ہوئے ہیں پھر کلمہ واحدہ ''لا الٰہ الا اللہ '' کی بنیاد پر اُن سے ہماری افہام و تفہیم ہو سکتی ہے۔ اس میں تھوڑی سی بات سمجھنے کی یہ ہے کہ عیسائی اور یہودی دونوں لا الٰہ الا اللہ کو مانتے ہیں اور اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ God is one کے الفاظ تورات و انجیل میں تکرار کے ساتھ موجود ہیں لیکن انھوں نے اس کی غیر شرعی تاویل کی ہے۔ انھوں نے عجیب و غریب فارمولے بنا کر تھری کو ون Declare کرنے

کی کوشش کی ہے۔اس کی بنا پر وہ اپنی اصل بنیاد سے ہٹ گئے ہیں اگر وہ اپنی بنیاد پر واپس آ جائیں تو شرک ختم ہو جائے گا اور خود بخود ایک ایسی ہم آہنگی پیدا ہو جائے گی جس کی مدد سے باقی اختلافات کو حل کرنے میں بہت آسانیاں پیدا ہو جائیں گی۔

جدید علوم

جدید علوم کے بارے میں اہل مذہب کا نقطۂ نظر ۱۸ ویں صدی عیسوی سے ایک اہم موضوع رہا ہے۔ برصغیر میں سر سید احمد خان کی جدوجہد سے اس مباحثے نے زیادہ اہمیت اختیار کر لی۔ دوسری طرف دینی مدارس نے اپنے قدیمی متون پر اکتفا کر لی۔ تاہم علمائے اسلام نے جدید علوم کی ضرورت اور اہمیت کو بالکل نظر انداز بھی نہیں کیا۔ یہ الگ بات ہے کہ مذہبی مدارس کے نظام و نصاب میں ان علوم سے کس قدر استفادہ کیا گیا یا نہ کیا گیا۔ حافظ عبدالرحمٰن مدنی نے اس حوالے سے کہا:

اسلام صالحیت پر زور دیتا ہے اور صالحیت کے معنی فقط نیکی کے نہیں۔ صلاحیت بھی اسی سے ہے۔ صلاحیت کو فروغ دینا بھی صالحیت ہے اور صلاحیت کو فروغ دینے سے مراد انسانی صلاحیتوں کو فروغ دینا اور انسانی میدان میں ترقی کرنا خود اسلام کا تقاضا ہے۔ کائنات شناسی ہو یا کائنات کی چیزوں کو مسخر کرنا۔ بہت سی چیزیں ہماری آسائشوں کے لئے آ رہی ہیں۔ جہاز بن رہے ہیں، میزائل بن رہے ہیں۔ یہ تمام تمدنی ارتقا کا اظہار ہے۔ اسلام تمدنی ارتقا کا مخالف نہیں ہے۔ تہذیبی اقدار میں مداخلت پسند نہیں کرتا۔ مثلاً یہ قبول نہیں کرتا کہ مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یا یہ کہ حیادار اور بے حیا دونوں ایک ہیں۔ یہ نہیں مان سکتا کہ شرابی اور غیر شرابی ایک ہیں، جوئے باز اور جو جوا نہیں کھیلتا سب برابر ہیں۔ لہٰذا تہذیبی اقدار میں اسلام مداخلت کو قبول نہیں کرتا لیکن جہاں تک تمدن کا تعلق ہے اس کا تعلق مادی ارتقا سے ہے، اس میں جتنی بھی بہتری آ سکے اسلام اسے قبول کرتا ہے۔ مثلاً قرآن کہتا ہے وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ (۴) یعنی دفاعی دسترس جتنی بھی حاصل کر سکیں وہ قرآن کے منشا کے مطابق ہے۔

حافظ ابتسام الٰہی ظہیر نے مذہبی مدارس کے نصاب میں تبدیلی کی ضرورت پر زور دیا اور جدید علوم سے استفادے کی بات کی۔ ان کا کہنا تھا:

مدارس کے ارتقا کے لیے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اُن کے کم سے کم میرٹ کا تعین کرنا بہت ضروری ہے۔ ان کے نصاب میں بھی ارتقا آنا چاہیے۔ اس کے لیے میں سمجھتا ہوں کہ کچھ قدیم علوم اور کچھ جدید علوم اُس میں شامل ہونے چاہئیں۔ کچھ ایسی چیزیں ہیں جو ماضی میں تھیں لیکن ہم نے پھر انھیں

نظر انداز کر دیا۔ پہلے طب تھی، الجبرا تھا۔ طب اور الجبرا ہم نے نکال دیا۔ ہیئت اور ریاضی بھی تھی۔ انھیں پھر سے مدارس میں لانا چاہیے اور انھیں جدید نصاب کے تحت لانا چاہیے۔ اس میں کم از کم یہ بات ہے کہ ریاضی وغیرہ انسان کو حقیقت پسند بناتی ہے۔ Mathematics انسان کو formula based بناتی ہے۔ اس سے انسان ہٹ دھرم نہیں رہتا۔ اس میں 3 = 1+1+1 ہی ہوتا ہے 1 = 1x1 ہی ہوتا 2 نہیں ہوتا۔ ریاضی یہ بات انسان کو سکھاتی ہے۔ اس سے دلائل کی صلاحیت انسان میں بڑھ جاتی ہے۔

عالمی اداروں کی رکنیت

آج دنیا میں کوئی ریاست بھی عالمی اداروں سے قطع تعلق کر کے اور بے نیاز نہیں رہ سکتی۔ جب کہ دوسری طرف ان اداروں کی رکنیت اختیار کرنے سے بہت ساری شرائط بھی ہر ریاست پر عائد ہو جاتی ہیں اور وہ بہت سارے عالمی قوانین کی پابندی کا عہد کر لیتی ہے۔ بلکہ ہر ریاست عالمی اداروں کے تقاضوں کے مطابق اپنے ہاں قانون سازی بھی کرتی ہے۔ اس سلسلے میں اقوام متحدہ اور اس سے منسلک ادارے ہی اہم نہیں بلکہ بعض عالمی مالیاتی ادارے اور علاقائی سطح پر وجود میں آنے والے ممالک کے اتحاد اور فورم بھی خاصی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان سے تعلقات کا مسئلہ بہت نازک اور گہرا ہے۔ اس سلسلے میں ہمارے سوال کے جواب میں اہلحدیث علماء نے اپنا نقطۂ نظر بیان کیا۔ پروفیسر ڈاکٹر سہیل حسن کا کہنا تھا:

عالمی اداروں کی رکنیت کسی خاص مکتب فکر کا مسئلہ نہیں بلکہ پوری امت کا مسئلہ ہے، قرآن کہتا ہے:

وَ لَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ۔(۵)

یہود و نصاریٰ تم سے ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک کہ تم ان کے دین کی پیروی نہ کرو۔

اس وقت عالمی اداروں نے ایران کو کیوں پریشان کر رکھا ہے۔ ایران کے پاس ایٹمی قوت ہونی چاہیے اور اسے ایٹمی پاور ہونا چاہیے لیکن انھوں نے ایران کا ناطقہ بند کیا ہوا ہے۔ پاکستان کو دیکھیں کہ اس کا گھیراؤ کر کے بڑی طاقتوں نے کہاں تک پہنچا دیا ہے۔ یہ اسی کا شاخسانہ ہے کہ ہم ان کی ہر بات پر دستخط کرتے چلے جاتے ہیں اور ان کی ہر بات کو مانتے چلے جاتے ہیں۔

خود بڑی طاقتیں UNO کے چارٹر پر صحیح طرح سے عمل نہیں کرتیں۔ مسلمان ملکوں کو آپس میں متحد ہونا چاہیے۔ کوئی ایسا فورم ہونا چاہیے جس میں مسلمان اکٹھے ہوں اور وہاں پر کوئی ایسی قیادت ہو جو دوسروں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکے۔ OIC جیسے ادارے تو کاغذی شیر ہیں، یہ کچھ نہیں کر سکتے۔

مولانا عبدالرحمٰن مدنی نے مختصر اظہار خیال کیا۔ان کی رائے تھی:

جہاں تک اسلام کا تحفظ اور دفاع ہے یہ تو صرف کوئی اسلامی ادارہ ہی کرے گا۔کوئی سیکولر ادارہ اسلام کا دفاع نہیں کرے گا۔مثال کے طور پر اقوام متحدہ ہے۔وہ مسلمانوں کا دفاع کیسے کرے گا جبکہ اُن کے نزدیک جنس کا فرق ہی نہیں یعنی اُن کے نزدیک مرد اور عورت کا فرق ہی نہیں تو پھر وہ کیسے مسلمانوں کے حقوق کا دفاع کرے گا۔

حافظ ابتسام الٰہی ظہیر نے اس موضوع پر بات کرتے ہوئے کہا:

بنیادی طور پر بات یہ ہے کہ عالمی اداروں کے ساتھ معاہدے کرنے یا اُن کی رکنیت اختیار کرنے میں کوئی ہرج نہیں ہے لیکن اس کے اندر عالم اسلام کا نمائندہ ہونے کے ناتے اور مسلمانوں کا نمائندہ ہونے کے ناتے بھی مسلمان ملکوں کا رویہ موجودہ رویے سے جدا ہونا چاہیے۔موجودہ رویہ تو یہ ہے کہ ہم ہر چیز میں امریکہ اور برطانیہ وغیرہ کی منشا کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ان اداروں میں وہ اپنی مرضی منوانے میں کامیاب ہو رہے ہیں۔مسلمان ممالک کو اپنی خارجہ پالیسی اور اپنی ترجیحات کو کسی دوسرے کی Dictation پر استوار نہیں کرنا چاہیے بلکہ اپنے عوام اور اپنے ملک کے مفاد میں فیصلے کرنے چاہئیں اور انہی پر عملدرآمد کرنا چاہیے۔

مسلمان ریاستوں کے باہمی تعلقات

اس مسئلے میں کسی مسلک کے علماء میں کوئی اختلاف نہیں کے مسلمان ریاستوں کے باہمی تعلقات ترجیحی طور پر اچھے اور برادرانہ ہونے چاہئیں۔بلکہ اس سے بڑھ کر بیشتر علماء کا خیال یہ ہے کہ OIC نے مسلمانوں کو مایوس کیا ہے،اسے عالم اسلام کے ایک حقیقی اتحاد میں تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔مولانا عبدالرحمٰن مدنی نے اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

سب مسلمان ریاستوں کو آپس میں ایک ہونا چاہیے لیکن ہمارا دشمن مفادات کا ایسا ٹکراؤ پیدا کرتا ہے کہ ہر جگہ اُس نے مسئلے رکھے ہوئے ہیں۔یہاں کشمیر کا،اُدھر فلسطین کا مسئلہ پیدا کیا ہوا ہے اور اسی طرح ہر علاقے میں کوئی نہ کوئی مسئلہ ہے۔حتیٰ کہ سعودی عرب اور کویت کا کوئی نہ کوئی سرحدی اختلاف رہتا ہے اور اسی طرح بحرین اور ایران کا سرحدی اختلاف ہوگا۔اسی طرح اور علاقوں کے اندر سرحدی اختلافات ہیں۔وہ کوئی نہ کوئی مسئلہ اچھالتے رہتے ہیں تا کہ ان کی آپس میں صلح نہ ہو۔پھر لوگ اپنی ضد پوری کرنے کے لئے سودے بازی کرتے ہیں۔

ڈاکٹر سہیل حسن کی رائے تھی:

مسلمان حکومتوں کے ساتھ برابری کی سطح پر میل جول اور معاملہ ہونا چاہیے۔ اس میں کسی قسم کی اختلافی بات نہیں ہو سکتی۔

عورت کا مقام

عصر حاضر میں عالمی سطح پر جن موضوعات کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے ان میں حقوق نسواں بھی شامل ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام نے عورت کی انسانی حیثیت کو بحال کیا اور اس کے معاشرتی حقوق کے تحفظ کے لیے اقدامات کیے۔ اس سلسلے میں ہم نے اہلحدیث کے مختلف علمائے کرام سے بات کی اور ان کے افکار معلوم کیے۔ حافظ عبدالرحمٰن مدنی نے اسلام کی نظر میں عورت کے مقام کے موضوع پر بات کرتے ہوئے اپنے نقطۂ نظر کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

ہمارے نزدیک عورت انسانیت کا اعلیٰ حصہ ہے۔ جتنی ذمہ داریاں مرد کی ہیں اتنی ہی ذمہ داریاں عورت کی ہیں لیکن اللہ نے مرد کو عورت کی طرح پیدا نہیں کیا اور عورت کو مرد کی طرح نہیں پیدا کیا۔ کئی ایسی چیزیں ہیں جو عورت کی خوبیاں ہیں مرد کی برائیاں ہیں اور کئی ایسی چیزیں جو مرد کی خوبیاں ہیں اور عورت کی برائیاں ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ دونوں کا دائرہ کار الگ الگ ہے۔ میں واضح کرنے کے لئے ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ مرد کی رائے اگر اٹل ہو اور وہ اپنی رائے میں تبدیلی نہ لائے تو یہ مرد کی خوبی ہے لیکن اگر بیوی بھی اسی طرح سے ہو تو خاوند کی بات کیسے چلے گی۔ اُس کے اندر اللہ نے لچک رکھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے معاملات میں اور گھر میں بھی پائیدار رائے مردوں کی ہوتی ہے اور عورتوں کی رائے میں لچک ہوتی ہے۔ یہ مردوں کی خوبی ہے۔ اب میں ایک عورت کی خوبی بیان کرتا ہوں جو مرد کی برائی ہے۔ عورت کے اندر ناز و ادا ہے۔ یہ اگر عورت میں اچھی ہے تو وہ بڑی کامیاب بیوی ہے اور بڑی کامیاب عورت ہے اگر یہ بات مرد میں آ جائے تو اُسے کہتے ہیں ''زنانہ پن''۔

قرآن شریف میں ملائکہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ انھیں تم اللہ کی بیٹیاں بناتے ہو۔ عورت زیور میں پلتی ہے اور اپنے معاملے کو واضح کرنے سے ہمیشہ قاصر رہتی ہے۔ اَوَمَنْ یُّنَشَّؤُا فِی الْحِلْیَةِ وَهُوَ فِی الْخِصَامِ غَیْرُ مُبِیْنٍ(٦)

نزاع کے اندر اس کا موقف واضح نہیں ہوتا۔ یہ عورت کی خوبی ہے۔ اگر عورت کے اندر لچک نہ ہو تو نہ وہ بچے کو پال سکے اور نہ مرد کے ساتھ بیٹھ سکے۔ یہ عورت کی خوبی ہے اور لچکدار ہونا مرد کی برائی ہے۔

ڈاکٹر سہیل حسن نے اس موضوع پر بات کرتے ہوئے کہا:

قرآن وحدیث نے خواتین کو جو حقوق دیے ہیں ہم انھیں مانتے ہیں، وہ انھیں ملنے چاہئیں۔ان کے لئے گھر کا دائرہ کار اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے۔البتہ معاشرے میں جہاں ان کی ضرورت ہے وہاں انھیں آنا چاہیے۔مثلاً تعلیم اور طب کے شعبے ہیں، جہاں پر ان کی ضرورت ہے۔وہاں انھیں یقیناً ہونا چاہیے۔ ان شعبوں میں انھیں تعلیم دی جانا چاہیے۔البتہ پورے تحفظ کے ساتھ اور پورے حجاب میں، ان کی توہین نہ کی جائے۔خواہ مخواہ دفتروں، دوکانوں اور ہوٹلوں میں ان پر بوجھ ڈال دیا گیا ہے۔یہاں تک کہ ایئر لائنز اور بسوں میں انھیں رکھا گیا ہے۔یہ ایک طرح سے اُن کی توہین ہے۔یوں ان کے ساتھ غلط سلوک بھی ہوسکتا ہے۔یہ قرآن کی مخالفت ہے جو کہتا ہے۔

وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ(۷)

گھروں میں ٹکی رہو۔

صرف جہاں پر اُن کی ضرورت ہے وہاں پر وہ نکلیں اور اپنا کام کریں۔یہ نہ ہو کہ ان پر دوہری مصیبت ڈال دی جائے۔بچوں کی نگہداشت بھی اور شوہر کی خدمت بھی ان کے ذمے ڈال دی جائے اور ملازمت بھی ان کے ذمے ہو۔ہم معاشرے میں دیکھتے ہیں کہ ایسی عورتیں دوہری مصیبت کا شکار ہیں۔شوہر کی خدمت نہ کر سکیں تو وہ ناراض ہوتا ہے، آفس کو پوری توجہ نہ دے سکیں تو وہاں بھی انھیں مصیبت بھگتنا پڑتی ہے۔ایسے میں عورت بے چاری کیا کرے۔

حافظ ابتسام الٰہی ظہیر نے عورتوں کے حقوق کے بارے میں بات کرتے ہوئے کہا:

بنیادی طور پر بات یہ ہے کہ عورتوں اور مردوں کے حقوق میں بہت قریبی مساوات ہے اگرچہ میں سو فیصد مساوات کی بات نہیں کروں گا کیونکہ قرآن کی یہ نص ہے کہ لِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ(۶۸) کہ مردوں کو ان پر ایک گونہ فضیلت حاصل ہے لیکن بعض استثنائی اور امتیازی صورتوں میں عورتوں کے حقوق مردوں سے زیادہ بھی ہیں جن میں ماں کے حق والی بات تو واضح ہے کہ اُس کا حق باپ کے حق سے بھی زیادہ ہے۔اسی طرح اگر آپ بیٹے بیٹی کی بات کر لیں تو جائیداد کے علاوہ بیٹے بیٹی کے حقوق بھی یکساں ہیں۔ہاں شوہر بیوی کے حقوق میں چونکہ Hierarchy کا مسئلہ پیش آتا ہے جیسے تنظیمی امور میں ہوتا ہے اور ایک تنظیمی یونٹ میں بھی اس کی ضرورت ہوتی ہے۔فیملی بھی ایک تنظیمی یونٹ کی طرح ہے۔اس تنظیمی Hierarchy کے اندر ہم سمجھتے ہیں کہ خاوند کو یک گونہ فیصلے اور اس کے نفاذ میں فوقیت ملنی چاہیے۔اختلاف رائے کو ختم کرنے کے لیے آخری مرحلے میں جا کر اختیارات کی چابی اُس کے پاس ہونی چاہیے۔کیوں کہ اگر ایک ہی گھر میں دو افراد کو اختلاف رائے کے خاتمے میں اور

انتظامی امور میں مساوی اختیارات مل جائیں تو معاملات شاید حل نہ ہوسکیں۔

ایک اہل حدیث عالم دین کی حیثیت سے میں معاشرے میں عورت کے تمام رول کو تسلیم کرتا ہوں۔ میں ٹیچر کے طور پر اس کے رول کو مانتا ہوں، نرس کے طور پر اُس کے رول کو مانتا ہوں، ایک ڈاکٹر کے طور پر اس کے رول کو مانتا ہوں، اسی طرح اس کے دیگر بہت سے رولز کو مانتا ہوں لیکن اختلاط کا قائل نہیں ہوں۔ میرا یہ ذہن ہے کہ عورتوں کے ادارے مردوں سے جدا ہونے چاہئیں، جہاں ایک عورت اپنی تمام صلاحیتوں کا آسانی کے ساتھ اظہار کر سکے۔ میری رائے میں جب اختلاط ہوتا ہے تو اس کے لئے کچھ مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ عورت کے کچھ جسمانی، کچھ طبی یا نفسیاتی مسائل ایسے ہیں جن کی وجہ سے اختلاط کے ماحول میں وہ تمام کی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار نہیں لا سکتی۔

غیر مسلموں کے حقوق

مسلمان ریاست میں رہنے والے غیر مسلموں کے حقوق کے بارے میں ہم نے اہلحدیث کے مختلف علماء کا نقطۂ نظر معلوم کیا۔ اس سلسلے میں پروفیسر ڈاکٹر سہیل حسن کا کہنا تھا:

غیر مسلم اقلیتیں جو مسلمان معاشروں میں رہتی ہوں ان کو وہ حقوق دیے جائیں گے جو قرآن وسنت نے انھیں دیے ہیں۔ بنیادی طور پر تو انھیں وہ تمام حقوق ملنے چاہئیں جو کسی مسلمان کو ملتے ہیں۔ قرآن وسنت نے اس امر کی تاکید کی ہے۔ ان کے دین کا معاملہ ان پر چھوڑ دیا جانا چاہیے، البتہ انھیں یہ اجازت نہیں ہونی چاہیے کہ مسلمان معاشرے میں رہ کر اپنے دین کی تبلیغ کریں۔ البتہ آپس میں وہ ایک دوسرے کو تبلیغ کر سکتے ہیں۔ وہ اپنے عبادت خانے بنانے اور ان میں عبادت کرنے میں آزاد ہیں۔ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کی حفاظت کرے۔ مسلمان خود اٹھ کر قانون کو نظر انداز کر کے ان کے خلاف کوئی اقدام نہیں کر سکتے۔ ان کے ساتھ مسلمان خیر تو کر سکتے ہیں لیکن ان کے خلاف کوئی اقدام نہیں کر سکتے۔ ان کے لئے ایسا قانون ہونا چاہیے جس میں انھیں یہ حقوق دیے جائیں اور ان کا پوری طرح تحفظ کیا جانا چاہیے۔

مولانا عبدالرحمٰن مدنی نے اس موضوع پر بات کرتے ہوئے کہا:

ایک اسلامی ملک میں نازک معاملات غیر مسلموں کے سپرد نہ کیے جائیں، اسلامی ملک کا معنی یہ ہے کہ وہاں نظام اسلامی ہو۔ اسلامی نظام کے خلاف سازشیں ہو سکتی ہیں اس لیے انھیں ایسے معاملات میں داخل نہیں کرنا چاہیے جن میں کچھ نزاکتیں موجود ہوں۔ اس لیے ان پر کچھ قدغنیں لگائی جا سکتی ہیں۔

حضرت عمرؓ کا ایک غلام تھا جو اُن کے پاس کام کرتا تھا۔اس کا نام تھا ''اسلم''۔حضرت عمرؓ کہتے تھے کہ تم اگر مسلمان ہو جاؤ تو میں تمھیں ایک ذمہ داری دینا چاہتا ہوں لیکن چونکہ جبر نہیں تھا اس لیے وہ مسلمان نہیں ہوا۔آپ نے اسے وہ ذمہ داری نہیں دی۔

جان، مال اور عزت کی حفاظت ایسے حقوق ہیں جو انسان کو بطور انسان حاصل ہیں، اولاً جاندار ہونے کی حیثیت سے اور ثانیاً صاحب عقل ہونے کی حیثیت سے اور اس طرح تمام انفرادی اور اجتماعی حقوق ایک غیر مسلم کو حاصل ہیں جس طرح ایک مسلمان کو حاصل ہوتے ہیں۔حکومت کا کام یہ ہے کہ ان کے درمیان عدل قائم کرے اور مسلمانوں اور غیر مسلموں میں مساوات رکھے۔

مولانا مدنی نے غیر مسلموں کے ایک ایسے حق کا بھی ذکر کیا جو ان کے نزدیک اسلامی ریاست میں مسلمانوں کو بھی حاصل نہیں۔انھوں نے کہا:

حضرت عمرؓ مسلمانوں سے زکوٰۃ لیتے تھے اور غیر مسلموں سے جزیہ لیتے تھے جو ایک طرح کا ٹیکس تھا لیکن جو غیر مسلم بوڑھے ہو جاتے ان کا جزیہ معاف کر دیتے تھے جبکہ زکوٰۃ نہیں معاف ہوتی تھی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جزیہ انسان پر ہوتا ہے اور زکوٰۃ مال پر ہوتی ہے۔زکوٰۃ نہیں معاف ہوتی چاہے انسان بوڑھا ہو جائے لیکن جزیہ معاف ہو جاتا ہے۔

انتہا پسندی اور دہشت گردی

اس وقت ہمارے ملک کا ایک بہت بڑا مسئلہ انتہا پسندی اور دہشت گردی کا ہے۔یہ مظہر مقامی بھی ہے اور عالمی بھی۔امریکہ اور اس کے ساتھیوں نے اپنے تئیں دہشت گردی کے خلاف ایک جنگ شروع کر رکھی ہے۔اس سلسلے میں اس نے مسلمان ملکوں میں کئی ایک محاذ کھول رکھے ہیں۔امریکہ کے ان اقدامات کو مسلمان عوام اور علماء عام طور پر شک وشبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں۔دوسری طرف اس میں بھی شک نہیں کہ پاکستان میں ایسے مختلف گروہ انتہا پسندی اور دہشت گردی کی کارروائیوں میں ملوث رہے ہیں اور آج بھی ہیں جن کا نیٹ ورک خود پاکستان کی سرزمین پر بنا اور پروان چڑھا۔یہ الگ بات ہے کہ وہ کسی بیرونی اشارے اور تعاون سے کام کر رہے ہیں یا نہیں۔بہرحال اس وقت ہمارے وطن عزیز میں یہ مسئلہ ایک سنگین صورت اختیار کر چکا ہے۔اس سلسلے میں بات کرتے ہوئے حافظ عبدالرحمٰن مدنی نے کہا:

اسلامی ریاست میں تشدد کی کوئی لہر ہو اور تشدد کی کوئی صورت ہو اسے قطعاً گوارا نہیں کیا جا سکتا لیکن بات یہ ہے کہ ہمارے حالات بالکل اور ہیں۔ہم خود تنظیمیں قائم کرتے ہیں اور کرواتے ہیں پھر جو غیر مسلم ہمارے آقا و مولا ہیں ہم انہی کے کہنے پر انھیں دہشت گرد قرار دے دیتے ہیں۔آپ کو پتہ ہے

کہ افغانستان کا مسئلہ امریکہ کے کہنے پر روسیوں کو نکالنے کے لئے شروع ہوا اور وہاں اتنی بڑی لہر بنائی گئی کہ پورے عالم اسلام سے لوگ امنڈ آئے اور جب امریکہ ان سے ناراض ہو گیا تو اس نے انہی کو دہشت گرد قرار دے دیا۔

جہاں تک خودکش حملوں کا تعلق ہے یہ کوئی مسلمان نہیں کر رہا لیکن ہماری حکومت نے طریق کار یہ بنا رکھا ہے کہ ہر ایسا حملہ جس کے بارے میں اُس نے پردہ پوشی کرنی ہو اُسے خودکش بنا دیتی ہے لیکن بعد میں جب مفادات ہوتے ہیں تو کہہ دیتی ہے کہ یہ خودکش نہیں تھا جیسا کہ کراچی میں روز عاشورہ ہونے والے حملے کے بارے میں کیا گیا۔ ورنہ کوئی مسلمان، ایک مسلمان ہو کر بے گناہوں کو قتل کرنے کا تصور نہیں کر سکتا سوائے اس کے کہ کوئی گمراہ ہو جائے کیونکہ دنیا کے اندر دھوکے دیے جاتے ہیں اور لوگ گمراہ کیے جاتے ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ طبائع مختلف ہوتی ہیں اور اسی طرح کی طبائع سے ایجنسیاں فائدہ اٹھاتی ہیں۔ ہمارے ہاں ایسی تنظیمیں ہیں جو کہنے کو مسلمانوں کے لیے کام کر رہی ہیں لیکن وہ ایجنسیوں کی آلہ کار ہیں اور ایجنسیاں انھیں سپورٹ کرتی ہیں اور سپورٹ کر کے جو چاہے کام لے لیتی ہیں۔

حافظ ابتسام الٰہی ظہیر نے بھی اس مسئلے پر بات کی۔ ان کے الفاظ صورت حال کے غیر واضح ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی تشویش کا اظہار بھی کرتے ہیں:

اس سلسلے میں بنیادی طور پر دو نظریے موجود ہیں۔ ایک تو یہ کہ شاید اس میں کچھ مسلمان ملوث ہیں جو بنیادی طور پر گمراہ کر دیے گئے ہیں، میں اس چیز سے زیادہ اتفاق نہیں کرتا۔ میرا خیال ہے کہ سازش بہت بڑی ہے اور دشمن وسائل سے لیس بھی ہے اور چوکنا بھی ہے۔ اس وقت ہمارا بارڈر اس طرح کا ہے کہ اس میں انڈیا بھی مداخلت کر سکتا ہے، اسرائیل بھی کر سکتا ہے اور خاص طور پر امریکہ جس نئے نو آبادیاتی نظام کی بنیادیں رکھ رہا ہے اس میں اس کا رویہ انتہائی غیر جمہوری ہے۔ اس میں نہ وہ مسلمانوں کے کوئی تحفظات ماننے کو تیار ہے اور نہ اُن کے خدشات کا ازالہ کرنے کو تیار ہے۔ ان حالات میں ہم یہ بات کہنے کی پوزیشن میں نہیں کہ اس دہشت گردی میں مسلمان گروہ ملوث ہیں بلکہ اس میں مسلمانوں کے مخالفین کی بڑی تعداد ملوث ہے جو ایک ابہام پیدا کر رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مجموعی طور پر تمام مکاتب فکر کے جو نمائندہ علماء ہیں، وہ بنیادی طور پر اس وقت اس بات پر متحد و متفق ہو چکے ہیں کہ دہشت گردی کی وہ تمام صورتیں جن سے عوام کی جان و مال اور ان کی املاک کا نقصان ہو یا مسلمان ریاست کو نقصان ہو ان کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ جن کے بارے میں کہا

جا تا ہے کہ وہ مسلمان ہیں، میڈیا کی ان تک رسائی اور اُن کی میڈیا تک رسائی کے جو ذرائع ہیں وہ شکوک وشبہات سے بالاتر نہیں ہیں۔ اُن تک میڈیا کی رسائی کو شفاف ہونا چاہیے، قبل اس کے کہ ہم اُن پر کوئی الزام یا اتہام دیں۔ اس سلسلے میں میرا ذہن واضح ہے کہ میں ماورائے عدالت قتل کو جائز نہیں سمجھتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ کوئی شخص کتنا بھی بڑا ملزم کیوں نہ ہو جب تک اس پر فرد جرم عائد نہ ہو جائے، اُس کے خلاف آپریشن یا اُسے ختم کرنے کا معاملہ نہیں ہونا چاہیے۔ میں سمجھتا ہوں یہ اختیارات عدالت کو تفویض کر دینے چاہئیں کہ وہ تحقیق کرے کہ کون شخص دہشت گردی میں ملوث ہے۔ قرآئن، شواہد اور ثبوتوں کی فراہمی کے بعد اگر کوئی شخص دہشت گرد ثابت ہوتا ہے تو میں سمجھتا ہوں اُسے موت سے کم سزا نہیں ملنی چاہیے لیکن کسی شخص پر الزام تراشی کرتے ہوئے چاہے وہ اے بی سی کوئی بھی ہے، اُسے مجرم قرار دینے کو میں درست نہیں سمجھتا اور میں سمجھتا ہوں کہ ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو امریکہ جیسی انتہائی جانبدار ریاست کے اندر اگر وکیل کی سہولت مل سکتی ہے، تو ان تمام افراد کا بھی عدالت کے ذریعے چہرہ بے نقاب کرنا چاہیے جنھیں دہشت گرد قرار دیا جاتا ہے۔ ماضی میں دراصل یہ معاملہ بہت زیادہ گھمبیر ہو گیا ہے۔ تین فرد ایسے ہیں جنھیں میڈیا اور ریاست نے دہشت گرد کے طور پر پیش کیا لیکن بعد ازاں انھیں عدالتوں میں ریلیف مل گیا ہے۔ اس ریلیف کے ملنے سے ذہن میں شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں کہ حقائق کیا ہیں کیونکہ ہم اس فیلڈ کے اندر موجود نہیں ہوتے اور نہ ہم اس میں شریک ہوتے ہیں، ہمیں تو اطلاعات ملتی ہیں۔ عدالت جب قرآئن وشواہد کا تجزیہ کرتی ہے اور پھر اُن کو ریلیف دیتی ہے تو ہم سوچنے اور سمجھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ جو لوگ کل تک دہشت گرد تھے آج عدالت نے انھیں ریلیف دے دیا۔ حافظ سعید، صوفی محمد اور مولانا عبدالعزیز اس کی بڑی واضح مثال ہیں۔ ان تینوں کو ریاست اور قومی ذرائع بڑے مجرم کے طور پر پیش کر چکے ہیں لیکن عدالتیں انھیں بے گناہ قرار دے چکی ہیں۔ ان حالات میں ہم مزید محتاط ہو گئے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ کسی کے بارے میں عدالتی ٹرائل اور فیصلے کے بعد ہی کسی نتیجے پر پہنچا جا سکتا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر سہیل حسن نے دہشت گردی کی فرقہ وارانہ صورت کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر ان الفاظ میں بیان کیا:

اس سلسلے میں ضروری ہے کہ ایک دوسرے کا احترام کیا جائے۔ آپ میرا احترام کریں، میں آپ کا احترام کروں۔ آپ اپنے عقائد رکھیں اور میں اپنے لیکن ایک دوسرے کا احترام ضرور کریں۔ ایک زیادتی کرے گا تو خود بخود ردعمل پیدا ہوگا۔ لشکر جھنگوی جیسی تنظیمیں پیدا ہوئیں اور پھر ان کے خلاف ردعمل بڑھتا چلا گیا۔ قتل وغارت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوا۔ لہٰذا

اسباب کو دیکھنا ہوگا۔

جہاں تک مسلمانوں کے اوپر انتہا پسندی کے حوالے سے لگائے جانے والے الزامات کا تعلق ہے اس کے بارے میں ڈاکٹر سہیل حسن نے کہا:

انتہا پسندی کے بارے میں ایک بات یہ بھی اہم ہے کہ ہمارے اوپر تہمت بھی لگائی جارہی ہے۔ ہماری نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ میں کیا انتہا پسندی ہے؟ اس میں کوئی انتہا پسندی نہیں ہے۔ جہاں ہے اس کی نشاندہی کی جانا چاہیے۔ یہ درست نہیں کہ آپ پورے معاشرے کو انتہا پسند قرار دے دیں، یہ غلط ہے کہ جو چیز بھی ادھر سے آئے ہم اسے مسلمہ جان لیں۔

حواشی

(۱) ممتحنہ۔۸

(۲) النحل۔۱۲۵

(۳) آل عمران۔۶۴

(۴) انفال۔۶۰

(۵) بقرہ۔۱۲۰

(۶) زخرف۔۱۸

(۷) الاحزاب،۳۳

عمومی معلومات

آبادی اور تعداد

دیگر مسالک کے پیروکاروں کی طرح سے اہلحدیث کی پاکستان میں تعداد کے بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ بہر حال مختلف لوگ اپنے اندازے اور تخمینے بیان کرتے رہتے ہیں۔ حافظ ابتسام الٰہی ظہیر کا کہنا ہے:

میرا خیال ہے کہ پاکستان میں اہل حدیث دس فیصد ہیں۔

اس موضوع پر بات کرتے ہوئے بات کرتے ہوئے حافظ عبدالرحمٰن مدنی مسئلہ کو کسی اور طرف لے گئے، ان کا کہنا تھا:

اہل حدیث کی پاکستان میں تعداد کے بارے میں مختلف دعوے کیے جاتے ہیں۔ ہم نے تو گنے نہیں ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ پاکستان میں اہل حدیث ایک کروڑ کے لگ بھگ ہیں لیکن میں ایک بات کہتا ہوں کہ پاکستان میں حنفی سب سے زیادہ ہیں، ایران میں جعفری سب سے زیادہ ہیں اور سعودی عرب میں اہل حدیث سب سے زیادہ ہیں۔ اب آپ بتائیں کہ اگر ہم یہ کہہ دیں کہ حنفی فقہ معیارِ حق ہے تو پھر برصغیر سے باہر تو اسلام نہ ہوا اور اگر ایرانی یہ کہیں کہ فقہ جعفری معیارِ حق ہے اور اسی طرح اگر سعودی عرب اور خلیج والے کہیں کہ اہل حدیث معیار حق ہیں۔ بات بالکل واضح ہے کہ یہ مقامی چیزیں ہیں لیکن ہماری شریعت مقامی نہیں، یہ عالم گیر ہے اور اس کے اندر وسعتیں موجود ہیں۔ اس لیے اہل حدیث کا جو انداز ہے وہ یہ ہے کہ وہ کسی ایک فقہ کے پابند نہیں ہیں۔ ان کے ہاں یہ ہے کہ آئمہ کے افکار ہمارے لیے بہت بڑی نعمت ہیں اور یہ ہمیں بتاتے ہیں کہ کتاب وسنت کی کس طرح Application ہوتی ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا مدنی کے اندازے کے مطابق پاکستان میں اہلحدیث کی تعداد تقریباً 6 فیصد ہے۔

مدارس

اس موضوع پر ہمیں حتمی اعداد وشمار تو حاصل نہیں ہو سکے تاہم پروفیسر ڈاکٹر سہیل حسن کے اندازے کے مطابق:

اہل حدیث کے چھوٹے بڑے ملا کر کل ایک ہزار کے قریب مدارس ہیں۔ ان میں پچاس سے ساٹھ ہزار تک طلاب ہوں گے۔ مختلف مدارس میں مختلف درجوں کی تعلیم دی جاتی ہے اور مختلف سطح سے

طلاب فارغ التحصیل ہوتے رہتے ہیں۔ ہر سال پانچ ہزار سے زیادہ طلاب مدارس سے فارغ ہوتے ہیں۔ان میں سے بعض بیرون ملک حصول تعلیم کے لئے بھی جاتے ہیں۔خاص طور پر سعودی عرب کی یونیورسٹیوں میں داخلہ حاصل کرتے ہیں۔

مولانا عبدالرحمٰن مدنی کے سامنے بھی اہلحدیث کے مدارس کے حوالے سے کوئی یقینی اطلاعات نہ تھیں۔انھوں نے کہا:

مدارس کی تعداد کے بارے میں بہت دعوے کیے جارہے ہیں۔ویسے تو ہر مسجد میں مدرسہ ہوتا ہے۔صرف لاہور میں اہل حدیث کی دوسو سے زیادہ مسجدیں ہیں۔اس طرح تو بہت مدارس ہوجائیں گے لیکن بڑے مدارس جن میں با قاعدہ تقابلی مطالعہ ہوتا ہے کوئی ایک ہزار ہوں گے جن میں خواتین کے مدارس بھی شامل ہیں۔

حافظ ابتسام الٰہی ظہیر کا کہنا تھا:

اس وقت تقریباً 4000 سے زیادہ مدارس ہیں۔طلاب کی تعداد تقریباً اوسطاً 100 سے کم کسی مدرسے میں نہیں۔اس میں طالبات کے مدارس بھی شامل ہیں لیکن اُن کی تعداد طلبہ کے مقابلے میں خاصی کم ہے۔طالبات کے مدارس تقریباً 500 کے قریب ہوں گے۔

دارالافتاء

اہلحدیث کے ہاں دارالافتاء کے نظام کے بارے میں ڈاکٹر سہیل حسن کا کہنا تھا:

اہل حدیث کا کوئی ایک مرکزی دارالافتاء تو نہیں ہے۔بڑے مدارس میں دارالافتاء قائم ہیں۔مثلاً جامعہ سلفیہ فیصل آباد، مدرسہ تقویۃ الاسلام لاہور، جامعہ سلفیہ اسلام آباد، ان مدارس کا فتویٰ قابل قبول ہوتا ہے۔بعض فتاویٰ شخصیات کی بنیاد پر ہوتے ہیں اور بعض مراکز کی بنیاد پر۔ایک مجلس قائم کی گئی ہے جس کا نام ہے ''مجلس کبار علمائے اہل حدیث'' لاہور میں اس کی کوشش کی گئی ہے۔اس کا مقصد یہ ہے کہ فتاویٰ ایک ہی جگہ سے جاری ہوں۔

حافظ ابتسام الٰہی ظہیر نے اہلحدث کے مدارس میں دارالافتاء کے موجود ہونے کے بارے میں کہا:

اہل حدیث کے مدارس میں دارالافتاء ہوتے ہیں اور ان میں قرآن وسنت کی نصوص کی بنیاد پر فتووں کا اجرا کیا جاتا ہے اور اگر کوئی نص ضعیف ثابت ہوجائے تو اس سے رجوع بھی کرلیا جاتا ہے۔

رسائل وجرائد

مختلف ادوار میں اہل حدیث نے پاک وہند میں کئی ایک روزنامے، بہت سے ہفت روزے، متعدد پندرہ روزے اور

بہت سے ماہنامے وغیرہ نکالے۔ان میں سے بہت سے ختم ہوگئے اور کئی ایک آج بھی اپنی اشاعت کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔بعض جرائد نے بہت زیادہ اہمیت حاصل کی۔بعض مجلّات علمی لحاظ سے خاص مقام کے حامل ہیں۔کئی ایک مجلات کے ساتھ نامور اہلحدیث علماءِ منسلک رہے ہیں۔مولانا عبدالرشید عراقی نے اپنی کتاب ''برصغیر (پاک وہند) میں علمائے اہلحدیث کے علمی کارنامے'' میں اس اجمال کی کسی حد تک تفصیل بیان کی ہے۔انھوں نے 101 ان رسائل کی فہرست مہیا کی ہے جو اپنا دورِ حیات ختم کر چکے ہیں۔اس وقت جو مجلّات شائع ہو رہے ہیں ان میں سے بہت سے ہم نے خود دیکھے ہیں اور متعدد سے ہم استفادہ کرتے رہتے ہیں۔ذیل میں اہل حدیث کے ان رسائل کی فہرست پیش کی جارہی ہے، مولانا عبدالرشید عراقی کے الفاظ میں ''جن رسائل کا سلسلۂ حیات قائم ہے''۔

۱۔پندرہ روزہ صحیفہ اہلحدیث کراچی: انجمن غربائے اہل حدیث

۲۔ہفت روزہ الاعتصام لاہور، مدیر: حافظ احمد شاکر

۳۔پندرہ روزہ المنبر، فیصل آباد، مالک و مدیر مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف

۴۔ماہنامہ محدث لاہور، مدیر: حافظ عبدالرحمٰن مدنی

۵۔ماہنامہ ترجمان الحدیث فیصل آباد، مدیر: فاروق الرحمٰن یزدانی

۶۔ماہنامہ رہنمائے صحت، فیصل آباد، مدیر: مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف

۷۔ماہنامہ نداء الجہاد، اسلام آباد، نگران مولانا محمد خالد سیف، مدیر: پروفیسر مسعود اقبال

۸۔ماہنامہ مجلّہ الدعوۃ، لاہور، نگران پروفیسر حافظ محمد سعید، مدیر: امیر حمزہ (اس پر حال ہی میں پابندی عائد کردی گئی ہے)

۹۔ماہنامہ والضحیٰ، گوجرانوالہ، مدیر: بشیر انصاری۔ایم۔اے

۱۰۔ماہنامہ شہادت، اسلام آباد، زیرِ اہتمام تحریک المجاہدین، مظفر آباد

۱۱۔پندرہ روزہ حدیبیہ، کراچی، مدیر: سید عامر نجیب

۱۲۔ماہنامہ اذان، گوجرانوالہ، مدیر: عتیق الرحمٰن سلطانی

۱۳۔ماہنامہ البدر، ساہیوال، بانی: مولانا معین الدین لکھوی، مدیر: سید ضیاء اللہ بخاری

۱۴۔ماہنامہ الاخوۃ، لاہور، مدیر اعلیٰ ابتسام الٰہی ظہیر

۱۵۔ماہنامہ حرمین، جہلم، مدیر: حافظ عبدالحمید عامر

۱۶۔ماہنامہ الحدیث، حضرو (اٹک)، مدیر: حافظ زبیر علی زئی

۱۷۔ہفت روزہ اہل حدیث، لاہور، مدیر: مولانا بشیر انصاری

۱۸۔پندرہ روزہ صحیفۂ اہل حدیث، کراچی، نگران مولانا عبدالرحمٰن سلفی، مدیر: عبدالجبار سلفی

۱۹۔ہفت روزہ تنظیم اہل حدیث، لاہور، حافظ محمد جاوید روپڑی
۲۰۔ماہنامہ صدائے ہوش، لاہور، مدیر: مولانا محمد ادریس ہاشمی
۲۱۔ماہنامہ الجنۃ الماویٰ، گوجرانوالہ، مدیر: مولانا بشیر انصاری ایم اے
۲۲۔ماہنامہ اسلامی صحافت، راولپنڈی، مدیر: اکرام الحق جاوید
۲۳۔ماہنامہ نداء الاسلام، پشاور، مدیر اعلیٰ: مقصود احمد سلفی
۲۴۔ماہنامہ الحرمین، لاہور، زیر نگرانی: مولانا حافظ محمد سعید

علمائے کرام

علمائے اہلحدیث کی فہرست مرتب کرنا کوئی آسان کام نہیں۔یہ کام خود اہلحدیث کے محققین کے نزدیک بھی خاصا مشکل ہے۔اس مشکل میں اس وقت اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے جب ہم علمائے اہلحدیث کی فہرست زمانے کے تعین کے ساتھ مرتب کرنا چاہیں اور یہ فہرست جب عالمی سطح پر مرتب کرنا ہو تو مشکل سوا ہو جاتی ہے۔لہٰذا ہم برصغیر کے ممتاز علمائے اہلحدیث کا ذکر کرنے کی کوشش کریں گے اور پھر پاکستان میں موجود اس وقت اہلحدیث کے جید علماء کا تذکرہ کریں گے۔یہاں یہ بات اہم ہے کہ بعض علمائے کرام ایسے ہیں کہ جن کا نام مختلف مکاتب فکر اپنے علماء کی فہرست میں شامل کرنا پسند کرتے ہیں۔مثال کے طور پر حضرت شاہ ولی اللہؒ کا نام لیا جاسکتا ہے۔ہم نے ذیل کی فہرست مرتب کرنے میں جناب عبدالرشید عراقی کی کتاب ''برصغیر (پاک و ہند) میں علمائے اہلحدیث کے علمی کارنامے'' سے مدد لینے کے علاوہ مختلف علمائے کرام سے بھی استفادہ کیا ہے جن کا ذکر ہم اس باب کے شروع میں کر چکے ہیں۔

۱۔حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (۱۷۰۳ء۔۱۷۶۲ء)
۲۔شاہ عبدالعزیز دہلوی (۱۷۴۵ء۔۱۸۲۲ء)
۳۔سید احمد شہید بریلوی (۱۷۸۶ء۔۱۸۳۱ء)
۴۔شاہ محمد اسمٰعیل شہید دہلوی (۱۷۷۹ء۔۱۸۳۱ء)
۵۔شاہ محمد اسحاق دہلوی (۱۷۷۹ء۔۱۸۴۶ء)
۶۔شیخ عبدالحق بنارسی (۱۷۹۱ء۔۱۸۷۰ء)
۷۔مولانا غلام رسول قلعوی بن مولوی رحیم (اصل نام عبداللہ تھا)، (۱۸۱۳ء۔۱۸۷۴ء)
۸۔مولانا سید عبداللہ غزنوی (۱۸۱۱ء۔۱۸۷۹ء)
۹۔نواب صدیق حسن خاں (۱۸۳۲ء۔۱۸۹۰ء)
۱۰۔مولانا حافظ محمد بن بارک اللہ لکھوی (۱۸۰۶ء۔۱۸۹۳ء)
۱۱۔مولانا حافظ ابراہیم آروی (۱۸۴۸ء۔۱۹۰۱ء)
۱۲۔سید محمد نذیر حسین دہلوی (۱۸۰۵ء۔۱۹۰۲ء)
۱۳۔مولانا محمد بشیر سہوانی (۱۸۳۵ء۔۱۹۰۸ء)
۱۴۔مولانا حسین بن محسن انصاری (۱۸۳۰ء۔۱۹۱۰ء)
۱۵۔مولانا شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی (۱۸۵۷ء۔۱۹۱۱ء)
۱۶۔مولانا عبدالحمید سوہدروی (۱۸۸۲ء۔۱۹۱۲ء)
۱۷۔مولانا سید عبدالجبار غزنوی (۱۸۵۲ء۔۱۹۱۳ء)
۱۸۔مولانا حافظ عبدالمنان وزیر آبادی (۱۸۵۱ء۔۱۹۱۶ء)
۱۹۔مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری (۱۸۴۴ء۔۱۹۱۸ء)

۲۰۔مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی (۱۸۵۳ء۔۱۹۱۹ء)
۲۱۔مولانا محمد حسین بٹالوی (۱۸۵۵ء۔۱۹۱۹ء)
۲۲۔مولانا سید احمد حسن دہلوی (۱۸۴۲ء۔۱۹۲۰ء)
۲۳۔مولانا غلام نبی الربانی سوہدروی (۱۸۴۹ء۔۱۹۳۰ء)
۲۴۔مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری (م ۱۹۳۰ء)
۲۵۔مولانا عبدالرحمان مبارکپوری (۱۸۶۶ء۔۱۹۳۵ء)
۲۶۔مولانا محمد بن ابراہیم جونا گڑھی (۱۸۹۰ء۔۱۹۴۱ء)
۲۷۔مولانا ابوالوفا ثناءاللہ امرتسری (۱۸۷۰ء۔۱۹۴۸ء)
۲۸۔مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی (۱۸۷۴ء۔۱۹۵۶ء)
۲۹۔مولانا ابوالکلام آزاد (۱۸۸۸ء۔۱۹۵۸ء)
۳۰۔مولانا عبدالمجید خادم سوہدروی بن مولانا بن عبدالحمید (۱۹۰۱ء۔۱۹۵۹ء)
۳۱۔مولانا سید محمد داؤد غزنوی (۱۸۹۵ء۔۱۹۶۳ء)
۳۲۔مولانا حافظ عبداللہ روپڑی (۱۸۸۷ء۔۱۹۶۴ء)
۳۳۔مولانا ابویحییٰ امام خاں نوشہروی (۱۸۸۰ء۔۱۹۶۶ء)
۳۴۔مولانا ابوالمحمود ہدایت اللہ سوہدروی (۱۸۸۷ء۔۱۹۶۷ء)
۳۵۔مولانا محمد اسمٰعیل سلفی (۱۹۰۱ء۔۱۹۶۸ء)
۳۶۔مولانا سید ابوبکر غزنوی (۱۹۲۷ء۔۱۹۷۶ء)
۳۷۔مولانا حافظ محمد گوندلوی (۱۸۹۷ء۔۱۹۸۵ء)
۳۸۔مولانا محمد حنیف ندوی (۱۹۰۸ء۔۱۹۸۷ء)
۳۹۔مولانا محمد عطاءاللہ حنیف (۱۹۰۹ء۔۱۹۸۷ء)
۴۰۔مولانا احسان الٰہی ظہیر (۱۹۴۵ء۔۱۹۸۷ء)
۴۱۔مولانا عبدالرحمان عتیق وزیرآبادی (۱۹۳۷ء۔۱۹۹۵ء)
۴۲۔مولانا حکیم عنایت اللہ نسیم سوہدروی (۱۹۱۱ء۔۱۹۹۸ء)
۴۳۔مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی (۱۹۱۱ء۔۱۹۹۹ء)
۴۴۔شاہ بدیع الدین راشدی، پیر آف جھنڈا
۴۵۔مولانا عبداللہ، گوجرانوالہ
۴۶۔مولانا صفی الرحمان مبارکپوری
۴۷۔مولانا محمد حسین شیخوپوری
۴۸۔مولانا حافظ محمد عبداللہ شیخوپوری

علمائے کرام کے مندرجہ بالا نام ہم نے اُن کے سنہ وفات کے تقدم و تاخر کی ترتیب سے لکھے ہیں البتہ جن کے سنہ وفات ہمارے علم میں نہیں آسکے ان کے اسماء حروفِ ابجد کی رعایت سے لکھے گئے ہیں۔

عصر حاضر کے علماء

۱۔پروفیسر سینیٹر ساجد میر (امیر مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان)
۲۔مولانا محمد اسحاق، فیصل آباد
۳۔مولانا معین الدین لکھوی (متولد ۱۹۲۱ء)
۴۔حافظ ابتسام الٰہی ظہیر، لاہور
۵۔مولانا ابوبکر صدیق سلفی، لاہور
۶۔مولانا ارشاد الحق اثری، فیصل آباد
۷۔مولانا اللہ نواز ہرل سندھی، سکرنڈ ضلع نواب شاہ
۸۔مولانا امام الدین، گلشن اقبال، کراچی
۹۔حافظ زبیر علی زئی، حضرو ضلع اٹک
۱۰۔پروفیسر سعید مجتبیٰ، لیہ
۱۱۔قاری سیف اللہ ساجد قصوری، کھڈیاں خاص ضلع قصور
۱۲۔ڈاکٹر صہیب حسن (آج کل لندن میں ہیں)

۱۳۔ڈاکٹر سہیل حسن، انٹرنیشنل یونیورسٹی، اسلام آباد
۱۴۔پروفیسر عبدالرحمٰن طاہر، شجاع آباد ملتان
۱۵۔مولانا عبدالرزاق عنایت پوری، احمد پور شرقیہ
۱۶۔ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور
۱۷۔ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر، اسلام آباد
۱۸۔پروفیسر حافظ عبدالستار حامد، وزیر آباد
۱۹۔حافظ عبدالسلام بھٹوی، گوجرانوالہ
۲۰۔مولانا عبدالسلام رستمی، مردان
۲۱۔ڈاکٹر عبدالعلی فیضی ازہری، مدیر ماہنامہ صراط مستقیم، برمنگھم
۲۲۔حافظ عبدالغفار مدنی، جلال پور پیروالا، ملتان
۲۳۔مولانا عبدالکریم بن مراد علی لہری اثری، بلوچستان
۲۴۔ڈاکٹر عبداللہ قاضی، قصور
۲۵۔مولانا عبدالکریم اثری، گجرات
۲۶۔حافظ فاروق الرحمٰن یزدانی، چک نمبر 87 میر پور ضلع شیخوپورہ
۲۷۔ڈاکٹر فضل الٰہی، اسلام آباد
۲۸۔مولانا فضل الرحمٰن ازہری، لاہور
۲۹۔پروفیسر محمد ابراہیم خادم، کنگن پور ضلع قصور
۳۰۔مولانا محمد بلال جونیجو ہالہ، محلّہ انصاری ضلع حیدر آباد
۳۱۔میاں محمد جمیل، خطیب جامع مسجد ابوہریرہ، اقبال ٹاؤن لاہور
۳۲۔مولانا محمد خالد سیف، اسلام آباد
۳۳۔مولانا رانا محمد شفیق خان پسروری، لاہور
۳۴۔مولانا ابوسعد محمد صدیق، فیصل آباد
۳۵۔مولانا محمد یحییٰ ڈاھروی، کوٹ رادھا کشن
۳۶۔مولانا محمد علی جانباز، سیالکوٹ
۳۷۔مولانا عبدالرشید مجاہد آبادی (سابق کرشن لال)
۳۸۔مولانا عبدالرحمٰن مدنی، لاہور
۳۹۔مفتی عبیداللہ خان عفیف، لاہور
۴۰۔حافظ عبدالمنان نور پوری، گوجرانوالہ
۴۱۔مولانا ابوالاشبال صغیر احمد شاغف، کراچی
۴۲۔حافظ بن یامین طور، ماموں کانجن
۴۳۔ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق زاہد، (آج کل کویت میں ہیں)
۴۴۔مولانا محمود احمد غضنفر، لاہور
۴۵۔مولانا عبدالرشید ہزاروی، ماموں کانجن
۴۶۔پروفیسر محمد اکرم نسیم، بجّہ، اچھرہ، لاہور
۴۷۔مولانا محمد اسحاق بھٹی، ساندہ کلاں، لاہور
۴۸۔مولانا حافظ صلاح الدین یوسف، لاہور
۴۹۔مولانا شیخ عبدالعزیز نورستانی، پشاور
۵۰۔مولانا عبدالرحمٰن سلفی، کراچی
۵۱۔مولانا علی محمد ابوتراب، کوئٹہ
۵۲۔مولانا مقصود احمد سلفی، پشاور

اہل حدیث علماء کے یہ نام بغیر کسی ترتیب کے لکھے گئے ہیں۔

مدارس

(۱) مدرسہ محمدیہ، گوجرانوالہ
(۲) دارالحدیث، وزیر آباد
(۳) مدرسہ حمیدیہ، سوہدرہ
(۴) تقویۃ الاسلام، لاہور

(۵) جامعہ سلفیہ، فیصل آباد
(۶) جامعہ اہلحدیث، چوک دالگراں، لاہور
(۷) جامعہ اسلامیہ، گوجرانوالہ
(۸) جامعہ کمالیہ، راجوال
(۹) جامعہ ابی ہریرہ، رینالہ خورد
(۱۰) دارالحدیث محمدیہ، جلالپور پیروالا
(۱۱) جامعہ العلوم اثریہ، جہلم
(۱۲) ادارۃ العلوم الاثریہ، فیصل آباد
(۱۳) جامعہ محمدیہ، اوکاڑہ
(۱۴) جامعہ ابراہیمیہ، سیالکوٹ
(۱۵) مدرسہ تعلیم القرآن والحدیث، ستیانہ بنگلہ فیصل آباد
(۱۶) جامعہ توحیدیہ، وزیرآباد
(۱۷) جامعہ اسلامیہ سلفیہ، گوجرانوالہ
(۱۸) مرکز قرآن وسنہ، لاہور
(۱۹) جامعہ سلفیہ، اسلام آباد

نوٹ: اہلحدیث کے مدارس کی فہرست مولانا عبدالرشید عراقی کی کتاب ''برصغیر (پاک وہند) میں علمائے اہلحدیث کے علمی کارنامے'' سے ماخوذ ہے۔

اہم کتابیں

تفسیر وعلوم قرآن

تفسیر القرآن، مولانا علی قصوری (م ۱۳۰۶ھ)

تفسیر آیات الاحکام، مولانا نواب صدیق حسن خاں (م ۱۳۰۷ھ)

مراۃ القرآن فی قصص القرآن، مولانا بدیع الزمان حیدرآبادی (م ۱۳۰۴ھ)

تفسیر آیات الاحکام من کلام رب الانام، مولانا سید احمد حسن دہلوی (۱۳۳۸ھ)

عزیز التفاسیر، مولانا عبدالعزیز رضوی (م ۱۳۴۱ھ)

تفسیر القرآن، مولانا عبدالرحمٰن آزاد مئوی (م ۱۳۵۷ھ)

برہان التفاسیر برائے اصلاح سلطان التفاسیر، مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری (۱۹۴۰ء)

واضح البیان فی تفسیر ام القرآن، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی (م ۱۳۷۵ھ)

تفسیر ثنائی، مولانا ثناء اللہ امرتسری

تفسیر اجملی (۶ جلد)، مولانا محمد یعقوب اجملی

تفسیر القرآن، مولانا فضل احمد غزنوی

تفسیر القرآن (سندھی)، مولانا سید بدیع الدین شاہ راشدی

المسوی والمسفی، شاہ ولی اللہ دہلوی (م۱۱۷۶ھ)

عون الباری، السراج الوہاج، مولانا سید نواب صدیق حسن خاں (م۱۳۰۷ھ)

تفسیر القرآن (پشتو)، شیخ عبدالسلام رستمی

تفسیر احسن البیان، حافظ صلاح الدین یوسف

حدیث وعلوم حدیث

شرح بلوغ المرام، شرح تیسر الاصول الی احادیث الرسول، مولانا سید احمد حسن عرشی (م۱۲۷۷ھ)

تخریج آیات الجامع الصحیح البخاری، شرح سنن ابن ماجہ، مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی (م۱۳۸۱ھ)

رحمت الودود علی رجال سنن ابی داؤد، مولانا رفیع الدین شکرانوی بہاری (۱۳۳۷ھ)

تبویب مسند امام احمد بن حنبل، مولانا حافظ عبدالحکیم نصیر آبادی (م۱۹۱۸ء)

عون المعبود لحل ابی داؤد، مولانا شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی (۱۳۲۹ھ)

ترجمہ وشرح جامع ترمذی، ترجمہ وشرح سنن ابن ماجہ، مولانا بدیع الزمان حیدرآبادی (م۱۳۰۴ھ)

تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی، مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری (م۱۳۵۳ھ)

النجم الوہاج فی شرح مقدمہ صحیح مسلم بن الحجاج، مولانا شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی (م۱۳۲۹ھ)

احسن الفوائد فی تخریج احادیث شرح العقائد وتیسر الباری ترجمہ صحیح البخاری (مکمل) مولانا نواب وحید الزمان حیدرآبادی (م۱۳۳۸ھ)

حواشی مشکوۃ المصابیح (عربی)، مولانا حافظ عبداللہ روپڑی (م۱۳۸۴ھ)

شرح حدیث غربت، مولانا ابوالکلام آزاد (م۱۹۵۸ء)

ترجمہ وشرح صحیح بخاری، ترجمہ وشرح صحیح مسلم، مولانا محمد داؤد راز دہلوی (م۱۴۰۲ھ)

التعلیمات السلفیہ (شرح سنن نسائی) مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی (م۱۹۰۷ء)

شرح موطا امام مالک، مولانا بشیر الدین قنوجی (م۱۲۹۶ھ)

شرح صحیح بخاری، مولانا سید امیر علی ملیح آبادی (م۱۳۳۷ھ)

شرح سنن ابن ماجہ، مولانا محمد بن یوسف سورتی (م۱۳۶۱ھ)

عون الودود شرح سنن ابی داؤد، مولانا محمد بن نور الدین ہزاروی (م۱۳۶۶ھ)

الاسوہ ترجمہ وشرح صحیح بخاری، مولانا محمد حنیف ندوی (م ۱۹۸۷ء)

شرح سنن ابن ماجہ، مولانا محمد علی جانباز

ترجمہ وشرح مختصر ترغیب وترہیب، مولانا محمد خالد سیف

ترجمہ وشرح عمدۃ الاحکام از عبدالغنی مقدسی (م ۶۰۰ھ)، مولانا محمود احمد غضنفر

لغات الحدیث، مولانا وحید الزمان

سیرت وسوانح رسولؐ

الشمامۃ العنبریہ من مولد خیر البریہ، مولانا سید نواب صدیق حسن خاں (م ۱۳۰۷ء)

رحمۃ للعالمین (۳ جلد) مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری (م ۱۹۳۰ء)

رحمۃ للعالمین (عربی) (جلد ۱-۳) ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری

سیرۃ النبیؐ، مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری (۱۳۳۷ھ)

خصائل النبیؐ، مولانا ثناء اللہ امرتسری (م ۱۹۶۵ء)

خصائص محمدیہ، مولانا ابوالکلام آزاد (م ۱۹۵۸ء)

مختصر سیرت رسولؐ، مولانا محمد اسحاق حسینوی

الرحیق المختوم (عربی واردو)، مولانا صفی الرحمان مبارکپوری

رحمۃ للعالمین (عربی) (جلد ۲)، مولوی عبدالسلام عین الحق سلفی

سیرت محمدی، مولانا محمد جونا گڑھی (م ۱۹۴۱ء)

سیرۃ المصطفیٰ، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی (م ۱۹۵۶ء)

حیات محمدؐ، مولوی ابویحییٰ امام خاں نوشہروی (م ۱۹۶۶ء)

سیرۃ کونین، جمال مصطفیٰ، مولانا حکیم محمد صادق سیالکوٹی (م ۱۹۸۶ء)

سیرت الرسولؐ، مولانا ابوبکر شیث جون پوری (م ۱۳۵۹ء)

عقائد، احکام اور امتیازات وغیرہ

عقائد محمدی، مولانا محمد جونا گڑھی (م ۱۹۴۱ء)

علم غیب کا فیصلہ، ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری (م ۱۹۴۸ء)

رسول اکرم کی نماز، محمد اسمٰعیل سلفی (م ۱۹۶۸ء)

کیا آٹھ رکعت تراویح بدعت ہے، سید محمد داؤد غزنوی (م ۱۹۶۳ء)

آمین ورفع الیدین، ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری

حنفی واہلحدیث، حافظ محمد گوندلوی (م ۱۹۸۵ء)

اہلحدیث کے امتیازی مسائل، حافظ عبداللہ روپڑی (م ۱۹۶۴ء)

تحقیق التراویح فی جواب تنویر المصابیح، حافظ عبداللہ روپڑی

فاتحہ خلف الامام، ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری

آمین بالجہر، مولانا نور حسین گھر جاکھی ۱۹۵۶ء

تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین، مولانا شاہ اسمٰعیل شہید دہلوی ۱۲۴۶ھ

قربانی کی شرعی حیثیت اور چند غلط فہمیوں کا ازالہ، مولانا محمد عطاء اللہ حنیف

اہلحدیثوں کے دس مسئلے، ابویحییٰ امام خان نوشہروی (م ۱۹۶۶ء)

طلاق ثلاثہ فی مجلس واحد، ابوالمکارم محمد علی مئوی

ردمولودمروج، حافظ محمد گوندلوی — اسلامی پردہ، عبدالسلام بستوی

پردہ کی شرعی حیثیت، محمد مستقیم سلفی — فتاوی نذیریہ، میاں سید نذیر حسین دہلوی

فتاوی اہلحدیث، حافظ عبداللہ روپڑی — اصول فقہ (عربی)، شاہ اسمٰعیل شہید دہلوی

شریعت وطریقت، ابوالوفا ثناءاللہ امرتسری — اہل تصوف کی کارستانیاں، صفی الرحمان مبارکپوری

اسلامی تصوف، رحیم بخش بہاری — تذکرہ الاخوان، شاہ اسمٰعیل شہید دہلوی

مسئلہ توحید، سید داؤد غزنوی — حقیقت التوسل والوسیلہ، عبدالستار صدری دہلوی

حرمت سجدہ قبور، عبدالغفور داناپوری (م ۱۳۰۰ء) — بدعات مروجہ کی تردید، حافظ عبداللہ روپڑی

میلادمحمدی، مولانا محمد جوناگڑھی — معیارالحق، میاں سید نذیر حسین دہلوی

دین محمدی (۷ جلد)، مولانا محمد جوناگڑھی — اجتہادوتقلید، ابوالوفا ثناءاللہ امرتسری

القول السدید فی حکم الاجتہادوالتقلید، حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

الارشادالی سبیل الرشادفی بحث التقلید والاجتہاد، مولانا ابویحییٰ محمد شاہجہان پوری (م ۱۳۳۸ھ)

نتائج التقلید، مولانا محمد اشرف سندھو (م ۱۹۶۴ء) — روعقائد بدعیہ، مولانا نذیر احمد املوی

تراجم علمائے حدیث ہند، ابویحییٰ امام خان نوشہروی — نقوش عظمت رفتہ، مولانا محمد اسحاق بھٹی

تذکرہ علمائے اہلحدیث، محمد رمضان یوسف سلفی

انوار اللغۃ المقلب بہ وحیداللغات (۲۸ جلد) مولانا وحیدالزمان حیدرآبادی (م ۱۳۳۸ھ)

تہافۃ الفلاسفہ، ابوالکلام آزاد — مسئلہ خلافت اور جزیرۃ العرب، ابوالکلام آزاد

عقائداہلحدیث مع فتاوی، قاضی محمد مچھلی شہری — تحریک وہابیت پرایک نظر، ابوالوفا ثناءاللہ امرتسری

تاریخ اہلحدیث، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

تحریک آزادی فکراورشاہ ولی اللہ کی تجدیدی مساعی، مولانا محمد اسمٰعیل سلفی

اہلحدیث اوراس کاپس منظر، عبدالمبین منظر — اسلام اور پیغمبر اسلامؐ، اقبال احمد سلفی

مسئلہ اجتہاد، محمد حنیف ندوی

اشاعتی ادارے

اہلحدیث کے بہت سے اشاعتی ادارے ملک بھر میں کام کررہے ہیں۔ مولانا عبدالرشید عراقی نے جن اداروں کا ذکر کیا ہے ان کے نام ہم ذیل میں پیش کررہے ہیں، تفصیل کے لیے ''برصغیر (پاک وہند) میں علمائے اہلحدیث کے علمی

کارنامے'' میں ملاحظہ کیجیے۔

شیخ محمد اشرف، لاہور
فاروقی کتب خانہ، ملتان

نشر السنہ، ملتان
ضیاء السنہ، فیصل آباد

مکتبہ الاثریہ، سانگلہ ہل
احیاء السنہ، سرگودھا

مکتبہ ایوبیہ، کراچی

مکتبہ السّلفیہ لاہور (یہ اہلحدیث کے نہایت اہم اداروں میں سے ایک ہے)۔

دار الدعوۃ السّلفیہ، لاہور
مکتبہ غزنویہ، لاہور

نعمانی کتب خانہ، لاہور
مکتبہ قدوسیہ، لاہور

سبحانی اکیڈمی، لاہور
ادارہ علوم اثریہ، فیصل آباد

مکتبہ اہلحدیث ٹرسٹ، کراچی
مدینہ کتاب گھر، گوجرانوالہ

مرکزی الدعوۃ الاسلامیہ، اوکاڑہ
مکتبہ تعلیمات اسلامی، ماموں کانجن

ادارہ ترجمان السنہ، لاہور
مکتبہ ثنائیہ، سرگودھا

محدث اکیڈمی، لاہور
طارق اکیڈمی، فیصل آباد

حامد اکیڈمی، وزیرآباد
ندوۃ المحدثین، گوجرانوالہ

کتاب سرائے، اردو بازار، لاہور

مکتبہ دار السلام، لاہور (عصر حاضر میں یہ اہلحدیث کا سب سے بڑا اشاعتی ادارہ ہے۔ اس کی شاخیں پاکستان کے اندر اور باہر موجود ہیں، اسے سعودی عرب کے بعض سلفی حضرات کی سرپرستی حاصل ہے۔)

اہلحدیث کے اشاعتی اداروں کے بارے میں ہمارے سوال کے جواب میں حافظ ابتسام الٰہی ظہیر نے کہا:

اہل حدیث کے اشاعتی اداروں میں سے دو ادارے بہت زیادہ قابل ذکر ہیں۔ ایک مکتبہ دار السلام۔ یہ بین الاقوامی سطح کا ادارہ ہے۔ اس کے علاوہ لوکل سطح پر مکتبہ قدوسیہ نے بھی بہت کام کیا ہے۔ ان علاوہ بھی کئی ایک ادارے کام کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک مکتبہ سلفیہ بھی ہے۔

اثناعشری

ابتدائی کلمات

نومبر، دسمبر ۲۰۰۹ء میں مولانا حافظ سید ریاض حسین نجفی سے لاہور میں ان کے مدرسے میں متعدد ملاقاتیں ہوئیں۔ آپ اہل تشیع کے مرکزی دینی مدرسے جامعۃ المنتظر کے سربراہ ہیں۔ اصول فقہ، علم فقہ، تفسیر اور دیگر علوم میں آپ کی متعدد کتب ہیں اور آپ کا شمار اہل تشیع کے بزرگ علماء میں ہوتا ہے۔ ۱۱ دسمبر ۲۰۰۹ء کو لاہور میں ان کے دفتر میں ان سے ایک انٹرویو کیا گیا جسے ان کی اجازت سے ریکارڈ کر لیا گیا اور بعد ازاں ۲۲ اور ۲۵ دسمبر ۲۰۰۹ء کو ان سے اسلام آباد میں ملاقاتیں ہوئیں، جن میں انٹرویو کا مسودہ ان کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ انھوں نے اس میں ضروری نوک پلک درست فرمائی اور اس پر تائیدی دستخط کر دیے۔ لاہور میں ان سے ہونے والی ملاقاتوں میں راقم نے اپنے مطالعات اور معلومات کی روشنی میں شیعہ مسلک کے بارے میں تیار کردہ مسودہ پیش کیا گیا۔ انھوں نے اس کی کاپیاں مختلف علماء کو پیش کیں جن میں مولانا شیخ محمد حسین نجفی اور ڈاکٹر سید محمد نجفی شامل ہیں۔ ان سب علماء نے مسودے کے بارے میں اپنی آراء دیں۔ ہمارے تحریری سوالات کے مختصر جوابات مولانا شیخ محمد حسین نجفی نے بھی ارسال فرمائے۔

راقم کی متعدد ملاقاتیں مولانا افتخار حسین نقوی النجفی سے بھی ہوئیں۔ آپ جامعہ امام خمینی ماڑی انڈس اور جامعہ خدیجۃ الکبریٰ کے سربراہ ہیں، متعدد کتابوں کے مولف و مترجم ہیں۔ نیز اہل تشیع کے متعدد مجلّات کے سربراہ ہیں، ان سے ایک تفصیلی انٹرویو کیا گیا جسے ان کی اجازت سے ریکارڈ کر لیا گیا اور بعد ازاں تحریری صورت میں انھیں پیش کیا گیا۔ انھوں نے ضروری اصلاح کے بعد اس پر تائیدی دستخط کیے۔

مسودے کی تیاری میں ڈاکٹر محسن مظفر نقوی کی علمی آراء سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ آپ اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن ہیں اور بہت سی علمی اور تحقیقی کتب کے مصنف ہیں۔ ان سے ایک انٹرویو کیا گیا جس سے پیش نظر رپورٹ میں استفادہ کیا گیا ہے۔

اس مسودے کی تیاری کے دوران میں نامور شیعہ راہنما مولانا سید ساجد علی نقوی سے بھی متعدد ملاقاتیں کی گئیں۔ انھوں نے ہمیشہ شفقت اور حوصلہ افزائی فرمائی مگر بار بار خواہش اور رابطے کے باوجود وہ انٹرویو نہیں دے سکے۔ البتہ انھوں نے مسودے کا مطالعہ فرمایا اور اپنی توثیق عنایت کی۔

پیش نظر مسودے کی تیاری میں جامعۃ النجف، سکردو کے سربراہ مولانا شیخ محمد علی توحیدی اور جامعہ کے وائس پرنسپل شیخ احمد نوری کا بھی تعاون راقم کو حاصل رہا ہے اور ان کی تحریری اور شفاہی آراء سے استفادہ کیا گیا ہے۔

کتب، شخصیات وغیرہ سے متعلق اطلاعات کی فراہمی میں ہمیں مولانا سید حسین عارف نقوی کا بھی تعاون حاصل رہا ہے۔ جیسا کے اگلے صفحات میں ذکر آئے گا، ہم نے اس ضمن میں ان کی کتب سے بھی استفادہ کیا ہے۔

اس باب کی تکمیل کے بعد اس کی ایک کاپی جامعہ الکوثر، اسلام آباد کے مدرس مولانا ملک آفتاب حسین جوادی کی خدمت میں بھی پیش کی۔ انھوں نے اس کا بالاستیعاب مطالعہ کیا اور بعض مقامات پر اصلاح تجویز کی، جس سے اس میں استفادہ کیا گیا ہے۔

باب پر آخری نظر ڈالنے کے بعد اسے مذکورہ بالا علمائے کرام کی خدمت میں روانہ کیا گیا۔ انھوں نے از راہ کرم اس کے تفصیلی مطالعے کے بعد اپنی توثیقات عنایت فرما دیں جنھیں اس کتاب کے آخر میں شامل کیا گیا ہے۔

تعارفی اُمور

شیعیت کی ابتدا

یہ سوال شیعیت کے حوالے سے بہت اہمیت رکھتا ہے کہ اس کی ابتدا کیسے ہوئی اور کن وجوہات کی بنا پر شیعیت نے ایک مسلک کی صورت اختیار کی اور تاریخ کے مختلف ادوار سے گزرتا ہوا یہ مسلک آج بھی پورے عالم اسلام میں موجود ہے۔ہم نے مناسب سمجھا کہ اس سلسلے میں پاکستان میں اہل تشیع کے بزرگ عالم اور فقیہ جناب مولانا حافظ سید ریاض حسین نجفی سے یہ سوال پوچھیں اور ان کا نقطۂ نظر معلوم کریں۔انھوں نے اس سلسلے میں فرمایا:

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسالت الٰہی کے حوالے سے اپنی ذمہ داریوں کو انجام تک پہنچانے کے قریب آچکے تھے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع سے مدینہ کی طرف خلق کثیر کی معیت میں مراجعت فرما رہے تھے۔جلد ہی آدمؑ سے لے کر خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک الٰہی اور آسمانی ہدایت کے سلسلے میں ایک کلیدی تبدیلی رونما ہونے والی تھی۔اس تبدیلی کو ختم نبوت کے نام سے جانا جاتا ہے۔آپؐ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد کسی اور نبی نے آکر خدا کا کوئی نیا پیغام نہیں پہنچانا تھا کیونکہ حضورؐ خاتم النبیین یعنی آخری پیغمبر خدا تھے۔اب قیام قیامت تک برگزیدہ سے برگزیدہ ترین بندۂ خدا نے آپؐ کے امتی کی حیثیت سے آپؐ کے ذریعے آئے ہوئے پیغامِ حق کی پابندی کرنی تھی۔تاہم خدائی پیغام رسانی کے نبوی طریقہ کے بند ہونے کے باوجود بارگاہِ ایزدی میں مقام ومنزلت کے اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج کے حصول کا سلسلہ جاری وساری رہنا تھا۔پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث ثقلین میں جو آپؐ سے تواتر سے نقل ہوئی ہے، قرآن وعترت اہل بیتؑ کو اپنا متروکہ اور ایک دوسرے سے ناقابل جدا قرار دے کر اور ان دونوں سے تمسک کو وسیلۂ نجات بتا کر آنے والے دور کے لیے راہ حق کی رہنمائی فرمادی تھی۔گویا آپؐ فرما رہے تھے کہ میرے بعد نبی تو کوئی نہ ہوگا مگر خدا کی طرف رہنمائی کرنے والے قرآن اور میری عترتؑ واہل بیتؑ رہیں گے۔امت کے سارے بزرگ جو دنیائے روحانیت میں رسوخ رکھتے ہیں اور معرفت وعرفان کے میدان کے شہسوار ہیں، اس بات پر متفق ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد روحانی طور پر آپ کے جانشین امام علی المرتضیٰ ہی ہیں۔اہل سلوک اسی

لئے آپ کو شاہ ولایت کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔

آنحضرتؐ نبی، روحانی رہبر اور ہادی و مرشد ہونے کے علاوہ امت کی سیاسی امامت یعنی حکمرانی بھی فرما رہے تھے۔ آپؐ مدینہ کی اسلامی سلطنت کی امارت کے منصب پر جلوہ افروز تھے۔ یہ بات ایک عام آدمی بھی سوچ سکتا ہے کہ جب آپؐ اپنے خطبات و ارشادات میں عنقریب اپنے دنیا سے رخصت ہونے کے بارے میں بتاتے ہوں گے تو فطری طور پر لوگ آپ کے بعد دنیاوی قیادت اور سیاسی امامت کے بارے میں سنجیدگی اور دلچسپی سے سوچتے ہوں گے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر میدان عرفات میں ایک لاکھ سے زیادہ کے مجمع میں آپؐ اپنے خطبے میں کہہ چکے تھے کہ آپؐ دنیا سے تشریف لے جانے والے ہیں۔ مدینہ لوٹتے ہوئے ۱۸ ذی الحجہ کو بروز جمعہ شدید گرمی میں غدیر خم کے مقام پر آپؐ نے تمام قافلوں کو روک کر مجمعِ عام میں حیرت انگیز طور پر خطاب فرمانے کا ارادہ کیا۔ اس مقصد کے لیے آپؐ نے غیر معمولی طور پر اونٹوں کے پالانوں کا منبر تیار کرنے کا حکم دیا۔ پھر اس پر بلند ہو کر آپؐ نے ایک طویل اور بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس دوران میں آپؐ نے اچانک مجمع سے ایک سوال کیا:

الست اولیٰ بانفسکم

یعنی کیا میں تمھاری جانوں پر حق اولویت نہیں رکھتا۔

تمام مجمع نے بیک زبان کہا: بلی بلی یا رسول الله یعنی ہاں ہاں اے اللہ کے رسول! آپ ہماری جانوں پر حق اولویت رکھتے ہیں۔

اور وہ ایسا کیوں نہ کہتے، کیوں کہ قرآن پہلے ہی فرما چکا تھا اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ، یعنی نبی مومنین کی جانوں پر حق اولویت رکھتا ہے۔ صحابہؓ کے بآواز بلند ہاں کرنے کی دیر تھی کے نبی کریمؐ نے امام علی المرتضیٰؑ کو اپنے ساتھ کھڑا کیا اور ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بلند کر کے فرمایا:

من کنتُ مولاہ فھذا علیٌ مولاہُ

یعنی جس کا میں مولا ہوں پس علی بھی اس کے مولا ہیں۔

گویا فرمان رسولؐ کے مطابق رسول اکرمؐ ہی کی طرح علیؑ بھی مومنین کی جانوں پر حق اولویت رکھتے ہیں۔

مہاجرین و انصار اور دیگر حاضرین کے ایک بڑے طبقے نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس اہتمام سے یہ فرمان سنا تو اسے امام علیؑ کی ہمہ گیر اور مطلق جانشینی کے حتمی اعلان سے تعبیر کرنے لگا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اعلان سے پہلے اور بعد میں امام علیؑ کے اتنے فضائل و مناقب بیان فرمائے جن کی کوئی

مثال نہیں ملتی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحلت فرمائی تو صحابہؓ کی ایک بڑی تعداد کو یقین تھا کہ امام علیؑ کی جانشینی کا مسئلہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمودات کی روشنی میں طے ہے لیکن جو کچھ رونما ہوا وہ ان کی توقعات کے مطابق نہ تھا۔ آنحضرتؐ کی سیاسی جانشینی کے لیے اول تو ایسا کوئی اجتماع ہی نہیں ہوا جس میں تمام مہاجرین و انصار کی موجودگی میں مسئلے پر سوچ بچار کے بعد شفاف اور منصفانہ فیصلے کی نوبت آتی۔ ثانیاً حضرت علیؑ اور خاندان پیغمبر نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غسل وکفن میں مصروف تھا جب کہ مہاجرین و انصار کی اکثریت غم زدہ وملول مسجد نبوی اور خاندان پیغمبرؐ کے اردگرد بیٹھی تھی۔ سقیفہ بنوسعدہ میں سعد ابن عبادہ اتنے بیمار تھے کہ تعزیت کے لئے مسجد نبوی تک بھی نہ آسکے تھے۔ تفصیلات میں اختلاف کے باوجود اس پر تمام مورخین متفق ہیں کہ قریشی مہاجرین کی بعض نمایاں شخصیات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غسل وکفن کو چھوڑ کر سقیفہ کا رخ کیا۔ وہاں پر آنحضرتؐ کی سیاسی جانشینی کا مسئلہ زیر بحث لایا گیا۔ اس سلسلے میں موجود افراد کے مابین شدید اختلاف پیدا ہوا لیکن بالآخر ہنگامی طور پر حضرت عمرؓ کی تجویز پر حضرت ابوبکرؓ کی بطور خلیفہ بیعت ہوگئی۔ صحابہ کبارؓ کی ایک قابل ذکر تعداد نے اسے ماننے سے انکار کیا۔ اُن کے پاس دو دلیلیں تھیں۔ اول یہ کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمودات کی روشنی میں امام علیؑ ہی کو خلیفہ ہونا چاہیے تھا۔ دوسری یہ کہ مہاجرین و انصار کے اجتماع جس میں خاندان رسولؐ اور بنی ہاشم بھی موجود ہوتے، میں بیعت کا فیصلہ ہونا چاہیے تھا۔ پہلی بات اُن کی نظر میں اصولی تھی جب کہ دوسری بات اس پر عملدر آمد کا طریقہ کار تھا۔

امام علیؑ کی خلافت کی وکالت کرنے والوں میں سید القرأ ابی ابن کعبؓ، میز بانِ رسول اللہؐ ابوایوب انصاریؓ، راز دان رسول حذیفہؓ ابن یمان، ذوالشہادتین خذیمہؓ ابن ثابت انصاری، نقیب رسول اللہ ابو الہیثم التیہانیؓ، ابوسعید خدریؓ، براءؓ ابن عازب، جابر ابن عبداللہ انصاریؓ، عمار یاسرؓ، سلمان فارسیؓ، ابوذر غفاریؓ، مقدادؓ ابن اسود الکندی، خالدؓ ابن سعید ابن العاص الاموی، سہیلؓ ابن حنیف الانصاری و غیرہ کے علاوہ تمام بنو ہاشم بشمول عم رسولؐ عباسؓ ابن عبدالمطلب اور تمام بنو مطّلب بھی شامل تھے۔

ان کے نظریات اور تصورات کو درست سمجھنے والے اور ان سے اتفاق کرنے والے مسلمان شیعہ یا شیعیان علیؑ کہلاتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کے اس گروہ کے افراد گویا شیعہ جماعت کے زمانی اور تاریخی لحاظ سے اولین لوگ تھے۔ آج تک شیعہ مسلمان حضرت علیؑ کی جانشینی کے حق میں وہی دلیلیں مختلف انداز سے دہراتے ہیں جو صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مذکور بالا گروہ نے دی تھیں۔ یعنی فرمودات رسولؐ کے پیش نظر امام علیؑ کی خلافت طے شدہ تھی اور یہ کہ مہاجرین و انصار کو شفاف اور آزادانہ انتخاب کا موقع

ہی نہیں دیا گیا کہ وہ علیؑ کا انتخاب کر سکتے۔

شیعہ اور سنی مسلمانوں کی تمام تاریخیں، حدیث کی کتب اور سیر صحابہؓ پر لکھی گئی تصنیفات اس بات پر یک زبان ہیں کہ سقیفہ میں انعقادِ بیعت کے خلاف احتجاج کرنے میں امام علیؑ پیش پیش تھے۔ خاتون جنت حضرت فاطمہؑ کا موقف بھی امام علیؑ کے حق میں بہت سخت تھا۔ تاہم حضرت ابوبکرؓ کی بالفعل (Defacto) خلافت قائم ہوگئی تھی اس لیے حضرت علیؑ نے ان کے ساتھ تعاون کا فیصلہ کیا۔ جب امام علیؑ کو تیسری خلافت اس شرط پر دی جارہی تھی کہ وہ قرآن وسنت رسولؐ کے ساتھ ساتھ سیرت شیخین پر بھی عمل کریں گے تو اُنھوں نے شیخین کی پیروی کی شرط کو قبول نہ کیا۔ اس سے اُن کا نقطۂ نظر واضح ہوجاتا ہے۔

البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاسی جانشینی کے حوالے سے جو کچھ پیش آیا وہ اب تاریخ کا حصہ ہے، اسے تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سیاسی منصب پر سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ فائز ہوئے۔ بعد ازاں حضرت ابوبکرؓ کی نامزدگی کے مطابق حضرت عمرؓ اور پھر حضرت علیؑ کی طرف سے سیرت شیخین پر عمل کی شرط قبول نہ کرنے کے بعد حضرت عمرؓ کے فیصلے کے مطابق چھ رکنی قریشی شوریٰ کی کثرت رائے سے حضرت عثمانؓ منتخب ہوئے۔ ان کے بعد مہاجرین وانصار کی قیادت میں اہل مدینہ نے حضرت علیؑ سے اصرار کیا کہ وہ اس منصب کو قبول کرلیں۔ حضرت علیؑ نے امّت کے حالات کا مشاہدہ کرتے ہوئے اسے قبول کرلیا۔ یہ امر بہت اہمیت کا حامل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاسی جانشینی کے مسئلے پر اختلاف رائے کے اظہار کے باوجود حضرت علیؑ نے ماقبل کی حکومت کے خلاف کوئی عملی اقدام نہیں کیا بلکہ امت کے مفاد میں اُن سے ہر طرح کا تعاون کیا اور درپیش معاملات میں اسلام کے اعلیٰ اہداف کے لیے فعّال کردار ادا کیا۔ لہٰذا ہم علیٰ وجہ البصیرت سمجھتے ہیں کہ اِس دور میں شیعیان علیؑ کے لیے خود حضرت علیؑ کا اسوہ ہی نمونہ عمل کی حیثیت رکھتا ہے اور شیعوں کو حضرت علیؑ کی پیروی میں ہمیشہ اسلام کے اعلیٰ مقاصد اور امّت اسلامیہ کا مفاد واتحاد پیش نظر رکھنا چاہیے اور الحمد للہ ہم اسی اصول پر عمل پیرا ہیں۔

شیعہ اثنا عشریہ

ہمارے اس سوال کے جواب میں کہ بارہ امامی تشیع کیوں، ڈاکٹر محسن مظفر نقوی نے کہا:

اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کی روایات میں ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے

بعد بارہ امام ہوں گے، گویا بارہ کا عدد احادیث میں آیا ہے۔ بعض روایات جن میں حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ کی بھی روایات ہیں، میں ہے کہ ایک لوح مبارک تھی جس میں آئمہ علیہم السلام کے نام کندہ تھے۔ چاہے ان روایات کی استنادی حیثیت انفرادی طور پر اتنی نہیں ہے لیکن احادیث کو قبول کرنے میں ایک اصول یہ ہوتا ہے کہ جب کسی ایک موضوع یا ایک معاملے پر بہت سی احادیث جمع ہو جائیں جن میں بعض ضعیف کے درجے کی ہوں، بعض حسن کے درجے کی ہوں اور بعض کسی اور درجے کی تو وہ خود اسے اتنا قوی بنا دیتی ہیں کہ وہ قابل قبول اور مورد عمل قرار پاتا ہے۔ اس سلسلے کی کوئی حدیث بھی موضوع یا گھڑی ہوئی نہیں ہے کہ کوئی کہہ سکے کہ احادیث کا موضوع ہونا اسے قوی نہیں کرتا۔ نبی پاکؐ سے صحیح روایات میں آپؐ کے جانشینوں کے لیے بارہ کا عدد نقل ہوا ہے، بعض جگہ بارہ خلفاء کہا گیا ہے، بعض جگہ ائمہ کا لفظ آیا ہے۔ بعض جگہ ہے کہ قریش میں سے بارہ امام ہوں گے اور اُن کے ہونے تک دین قوی اور باقی رہے گا۔ اس سے بھی بارہ امامی تشیع کا استناد ہوتا ہے۔ امام ابو حنیفہ سے منسوب کتاب ''الفقہ الاکبر'' میں بھی روایت نقل کی گئی ہے، اس کی شرح میں ملا علی قاری نے بڑا زور لگایا ہے اور کہیں نہ کہیں اس بارہ کے عدد کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے، انھوں نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ جب تک یہ امت مسلمہ قائم ہے اور جب تک قیامت نہیں آجاتی اس طویل عرصے میں یہ بارہ امام پورے ہوں گے۔ ان کی یہ بات حدیث کے ظاہری مدّعا اور مفہوم کے مخالف ہے۔ جن لوگوں نے گزر جانے والوں میں اس بارہ کے عدد کو کسی طرح سے پورا کیا ہے ان سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اُن لوگوں کے گزر جانے کے بعد کا عرصہ بغیر امام کے ہوگا جبکہ یہ بات نہ روایۃً درست ہے نہ درایۃً درست ہے لہٰذا بارہ کا عدد جو روایات میں آتا ہے اس کے لیے تسلسل سے وہی بارہ آئمہ ماننے پڑیں گے جو اس معیار پر پورا اُتریں کہ جو مرکز ہدایت کی حیثیت رکھتے ہیں، عملی طور پر بھی اور فکری طور پر بھی۔ ورنہ اس میں یہی مجبوری آجاتی ہے کہ اگر ان کا انتخاب ہم پر یا ملا علی قاری پر چھوڑ دیا جائے تو پھر وہ اپنی طرف سے گنتی پوری کریں گے اور ہم اپنی طرف سے اور یوں ان میں سے کسی کی بھی اطاعت لازم قرار نہ پائے گی جبکہ یہ حدیث اس بات کو واضح کر رہی کہ اُن بارہ کی اطاعت لازم ہوگی جبکہ اگر وہ منصوص نہ ہوں تو اُن کی اطاعت لازم نہیں ہوتی۔ یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جو منصوص ہے وہی واجب الطاعۃ بھی ہے۔

اسماعیلیہ سے امتیاز

شیعوں کے تاریخ میں مختلف گروہ رہے ہیں جن میں سے عصر حاضر میں تین گروہ باقی ہیں۔ ان میں سے سب سے بڑا

گروہ شیعہ اثناعشریہ کا ہے۔دوسرا قابل ذکر گروہ اسماعیلیوں کا ہے جو مزید تین گروہوں آغا خانیہ، بوہرہ اور دروزیہ میں تقسیم ہے۔تیسرا گروہ شیعہ زیدیہ کا ہے جو شمالی یمن میں اکثریت کا حامل ہے۔ پاکستان میں نمایاں تعداد شیعہ اثناعشریوں کی ہے لیکن اسماعیلی بھی قابل ذکر تعداد میں آباد ہیں۔ان کا ذکر اپنے مقام پر آئے گا۔تاہم ہم یہاں پر مولانا افتخار حسین نجفی کی گفتگو نقل کرتے ہیں جو انھوں نے ہمارے ایک سوال کے جواب میں بارہ امامی شیعہ اور اسماعیلیہ کے مابین امتیاز بیان کرتے ہوئے کی:

> ان مسالک میں دو بنیادی اختلافات ہیں۔اسمٰعیلیہ امام جعفر الصادقؑ کے بعد حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کے بجائے حضرت اسماعیل ابن حضرت امام جعفر الصادقؑ کہ جو اپنے والد کی زندگی میں ہی رحلت فرما چکے تھے، سے امامت کا سلسلہ چلاتے ہیں اور ان کے ائمہ کی تعداد معین نہیں ہے۔ بارہ امامی صرف اہلبیت کے بارہ ائمہ مشہورین کی امامت منصوص من اللہ کے قائل ہیں۔
>
> اسماعیلیہ سے دوسرا بڑا اختلاف قرآن وسنت کے ظاہری مفہوم کی حیثیت پر ہے۔ بارہ امامی ظواہر قرآن وسنت کو دیگر مسلمہ اسلامی مکاتب فکر کی طرح حجت سمجھتے ہیں اور کسی ایسے باطنی معنی کے قائل نہیں جو ظاہر نصوص سے متصادم ہو۔اس کے برعکس اسمعیلیہ باطنی معنی یا باطنیت میں بہت دور تک چلے گئے ہیں۔ بارہ امامی اور دیگر مسلمہ اسلامی مکاتب فکر باطنیت کی اس لیے سختی سے مخالفت کرتے ہیں کیونکہ اس طرح نصوص اسلامی کھلونا بن جاتی ہیں۔

زیدیہ سے امتیاز

مولانا سید افتخار حسین نجفی نے ہمارے سوال کے جواب میں شیعہ اثناعشریہ کا زیدیہ سے فرق بیان کیا۔انھوں نے ضمناً بعض اشتراکات کی طرف بھی اشارہ کر دیا۔انھوں نے کہا:

> اثناعشریہ یا بارہ امامی امام حسینؑ کی شہادت کے بعد ان کی اولاد میں سے بالترتیب ۹ شخصیات کے منصوص من اللہ ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں اور آل عبا یعنی محمد رسول اللہؐ، امام علیؑ ابن ابی طالب، خاتون جنت حضرت فاطمہؑ، امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے علاوہ ان ۹ شخصیات کو بھی معصوم سمجھتے ہیں۔اس کے برعکس زیدیہ امام حسینؑ کے بعد کسی کے بارے میں یہ تصور نہیں رکھتے کہ وہ منصوص من اللہ ہے۔البتہ نبی پاکؐ کے ساتھ ساتھ وہ امام علی ابن ابی طالب، خاتون جنت حضرت فاطمہ علیہا السلام اور امام حسن وامام حسین علیہما السلام کو معصوم مانتے ہیں اور ان کے لیے اربعہ معصومون [چودہ معصوم] کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔زیدیہ کے نزدیک امام حسین کے بعد اولاد فاطمہ سے مخصوص شرائط

رکھنے والے کوئی بھی قیام کرنے والا شخص امام ہے۔

فقہ میں شیعہ مختصات میں امامیہ اور زیدیہ میں اشتراک پایا جاتا ہے۔صرف دو باتوں میں اختلاف ہے۔ اثنا عشریہ نکاح موقت کو جائز جبکہ زیدیہ ناجائز سمجھتے ہیں۔ اسی طرح بارہ امامی وضو میں پیروں پر مسح کے قائل ہیں جبکہ زیدیہ دھوتے ہیں۔ نماز میں ہاتھوں کے کھلا رکھنے، نمازوں میں بالجہر بسم اللہ پڑھنے، اذان میں حی علی خیر العمل کہنے، مسح علی الخفین کے ناجائز ہونے، رمضان کی نفلی نمازوں [تراویح] کو باجماعت پڑھنے کو بدعت محرمہ سمجھنے، دوران نماز فاتحہ کے بعد آمین کہنے کے ناجائز ہونے اور نماز جنازہ میں پانچ تکبیرات کہنے وغیرہ جیسے مختصات شیعہ پر دونوں فقہ متفق ہیں۔

برصغیر پاک و ہند میں تشیع کا پس منظر

برصغیر میں شیعوں کی آمد اور توسیع کے پس منظر کا تاریخی جائزہ لیتے ہوئے مولانا افتخار حسین نقوی النجفی نے کہا:

جنوبی ایشیا میں تشیع اتنا ہی پرانا ہے جتنا کہ اسلام۔ خلافتِ راشدہ کہلائے جانے والے زمانے میں ہی مسلمانوں نے سندھ کی سرحدوں پر دستک دینا شروع کردی تھی۔ان عساکر میں اصحاب وانصار اور تابعین بھی بڑی تعداد میں شریک ہوتے تھے جن میں ہمیشہ قابل لحاظ تعداد ان رجحانات کی حامل تھی جو رجحانات مسلکوں کے باضابطہ وجود میں آنے کے بعد تشیع کی بنیاد ٹھہرے۔

دوسری صدی ہجری کے وسط میں جب نفس زکیہ انقلاب برپا کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھے تو انھوں نے اپنے فرزند عبداللہ ابن محمد ابن عبداللہ ابن حسن المثنیٰ ابن الحسن السبط ابن علی ابن ابی طالب کو سندھ بھیجا تا کہ وہ انقلاب کے حق میں حمایت حاصل کرسکیں۔ نفسِ زکیہ کی تحریک کا انجام تاریخ کا حصہ ہے۔ان کے فرزند سندھ میں ہی رہے اور ایک دن بغداد کے خلیفہ کے گروہ سے لڑتے ہوئے شہید ہوگئے۔ان کا مزار مبارک کراچی میں ساحل سمندر پر کلفٹن کے مقام پر مرجع خلائق ہے۔

بعد میں جب مسلم فاتحین نے ہندوستان پر اپنے حملوں کا آغاز کیا تو ہم تاریخ میں یہ بھی پڑھتے ہیں کہ اس وقت ملتان میں اسمعیلی نظریات کی حامل ایک مسلمان حکومت موجود تھی۔ محمود غزنوی نے اسے گروہی مخالفت کے سبب تاراج کردیا۔ مسلم فاتحین کے ساتھ ساتھ عرفاء وصوفیا نے ہندوستان کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا ہدف بنایا اور کثیر تعداد میں خلق خدا کو حلقہ بگوشِ اسلام کیا۔ تشیع اہلبیت النبیؑ سے والہانہ محبت سے شروع ہوتا ہے اور اہل بیت کی روحانی، علمی، اجتماعی اور سیاسی مرجعیت پر ایمان لانے سے اپنے کمال تک پہنچتا ہے۔ یہ بات تو عرفا اور صوفیا میں مسلمہ ہے کہ نبی پاکؐ کے بعد امام علی

المرتضیٰ اور امام حسنؑ و حسینؑ اور پھر اولادِ حسینؑ میں گزرنے والے ائمہ مشہورین جو ائمہ اثنا عشر یا بارہ اماموں میں سے ہیں، ان سے ہی روحانی فیوض و برکات اور علوم باطنی کا مرکزی دھارا چلا۔ ہندوستان میں مصروفِ تبلیغ صوفیاء کرام نے اہلبیتؑ کی روحانی مرجعیت کی بھرپور تشہیر کی۔ ہندوستان میں سلاسلِ تصوف میں چشتیہ، قادریہ سلسلہ سب سے زیادہ وسیع اور موثر رہا ہے۔ اہل بیتؑ کی محبت میں وارفتگی ان کی خاص پہچان ہے۔

جب ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کی داغ بیل پڑ رہی تھی انہی دنوں صفوی سلطنت کے قیام کی صورت میں ممالک عرب و عجم میں تبدیلیٔ مسلک کا عظیم انقلاب اپنی تکمیل کو پہنچ رہا تھا۔ تبدیلی مسلک کے نتیجے میں موجودہ عراق، ایران اور جمہوریہ آذربائیجان میں بارہ امامی تشیع کو عددی اکثریت حاصل ہونے سے بڑی تقویت پہنچی۔ اس تبدیلی سے ہندوستان متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ سب سے پہلے کشمیر میں شیعہ خاندان چک نے حکومت کی۔ اس حکومت کو بعد میں اکبر بادشاہ نے کشمیر پر قبضہ کر کے ختم کیا۔ ہمایوں کے ایران میں پناہ لینے اور پھر واپسی کے بعد مغلیہ بادشاہت کو از سر نو قائم کرنے سے شیعہ عمل دخل بہت بڑھ گیا۔ تاریخ میں ہم مغلیہ سلطنت کے بڑے بڑے رؤسا کو شیعہ پاتے ہیں۔ اکبر بادشاہ نے مشہور شیعہ مصنف، مجتہد اور مبلغ قاضی سید نور اللہ شوشتری کو قاضی القضاہ کے منصب جلیلہ پر فائز کیا۔ جنوب میں بھی کہ جسے دکن کے نام سے پکارتے ہیں چھوٹی چھوٹی شیعہ سلطنتیں قائم ہوئیں۔ مغل بادشاہوں کی بعض بیگمات بھی شیعہ تھیں۔ مغل دور میں تشیع شاہی درباروں سے لے کر کوچہ و بازار میں اپنا وجود بھرپور انداز سے قائم کر چکا تھا۔ اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ اورنگ زیب جیسے مذہبی طور پر سخت سنی بادشاہ کی موت کے بعد جب اس کے دو بیٹوں میں مغل روایت کے مطابق جنگ چھڑ گئی تو وہ دونوں اعلاناً شیعہ تھے۔ مغل سلطنت کی شکست و ریخت کے بعد کئی ایک نواب شیعہ تھے اور انھوں نے چھوٹی چھوٹی شیعہ سلطنتیں قائم کر رکھی تھیں۔ ان میں سب سے مشہور اودھ کے نواب گزرے ہیں جنھوں نے لکھنو کو شیعہ مسلم تہذیب کا بہت بڑا مرکز بنایا تھا۔ الغرض برصغیر پاک و ہند میں فرزندانِ توحید میں اہلسنت اکثریت کے ساتھ ساتھ قابل لحاظ تعداد میں شیعہ مسلمان بھی آباد تھے اور اب بھی ہیں۔

ڈاکٹر محسن نقوی نے برصغیر پاک و ہند میں شیعوں کی علمی روایت کو زیادہ تر لکھنو کے پس منظر میں بیان کیا اور کہا:

برصغیر پاک و ہند میں، جو پہلے مجتہد اور فقیہ سمجھے جاتے ہیں وہ سید علی رضا ہیں۔ ان کی کتابیں تو موجود نہیں ہیں لیکن ان کا تذکرہ علماء نے کیا ہے۔ بہت بڑے عالم تھے۔ ان کا زمانہ سید نور اللہ شوشتری سے

پچاس سال پہلے کا ہے۔ گویا عالمگیر سے پہلے کا زمانہ ہے لیکن ان کی سرگرمیوں کا ہمیں اس وقت پتہ نہیں چلتا۔ ہمایوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ایران گیا اور جب وہاں سے واپس آیا تو شیعیت سے کافی متاثر تھا۔ اس کے بعد عراق وایران کے علماء کی یہاں آمد کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ ان کے بعد پھر نوراللہ شوشتری کا زمانہ آتا ہے لیکن ان کا زمانہ شیعہ عقیدے کے مطابق امامت کے اثبات کا زمانہ کہا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانے میں حدیث وفقہ میں ہمیں کام دکھائی نہیں دیتا۔ اس سلسلے میں آپ ان کی کتابیں احقاق الحق اور الزام النواصب وغیرہ دیکھ سکتے ہیں۔ جو کام نجف وغیرہ کے شیعہ علمی مراکز میں تفسیر، حدیث، اصول فقہ اور فقہ وغیرہ سے متعلق ہورہا تھا وہ ہمیں برصغیر میں اس زمانے میں نظر نہیں آتا۔ خاندانِ اجتہاد کے بانی غفران مآب سید دلدار علی جنھیں مجتہد اول فی الہند کہا گیا تھا، کے دور میں ہندوستان میں شیعیت با قاعدہ ایک مکتب کے طور پر منظّم ہونا شروع ہوئی۔ اس دور میں فقہ، حدیث اور کلام وغیرہ پر کام ہوتا ہوا ہمیں نظر آتا ہے اور اسی طرح عوامی سطح پر بھی۔ پھر یہ کہ خوش قسمتی سے انھیں اودھ کی حکومت کی سرپرستی بھی مل گئی اور یوں سیاسی سرپرستی میں یہ کام آگے چلا۔ پھر بیجاپور اور گولکنڈہ بھی شیعہ سلطنتیں تھیں۔ وہاں بھی تشیع کو تقویت حاصل ہوئی۔ نظام حیدرآباد کے دل میں بھی نرم گوشہ تھا۔ وہ علماء کو بلاتے تھے، ان سے کام لیتے تھے۔ اس دور میں ہمیں فقہ، حدیث اور تفسیر وغیرہ میں شیعوں کا کام دکھائی دیتا ہے۔ جس زمانے کے شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع کے تراجم قرآن ہیں، اسی عہد بلکہ اس سے چند سال پہلے سید غفران مآب کے بڑے پوتے سید علی نے قرآن پاک کا ترجمہ کیا۔ ساتھ انھوں نے حاشیہ بھی لکھا۔ مدارس کا سلسلہ بھی اس وقت شروع ہوا کیونکہ دلدار علی صاحب پہلے شخص تھے جو عراق سے یہاں تشریف لائے تھے۔ انھوں نے یہاں تبلیغات کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ نماز جمعہ قائم کی۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے مکاتب کی بنیاد بھی رکھی۔ جہاں پر جمعہ ہوتا تھا وہاں پر درس بھی ہوتا تھا۔ آج سے چالیس پچاس سال پہلے تک برصغیر میں علماء کے جو سلسلے تھے، وہ بلاواسطہ یا بالواسطہ خاندان اجتہاد کے شاگرد تھے۔

فقہ جعفری کی اصطلاح

شیعہ اثناعشریوں کی فقہ کو عام طور پر فقہ جعفری کہا جاتا ہے ہم نے اس کا پس منظر ڈاکٹر محسن نقوی سے دریافت کیا تو اُنھوں نے کہا:

جب یہ مکاتب وجود میں آرہے تھے اور وہ بڑے بڑے اماموں سے منسوب ہورہے تھے، امام مالک

سے مالکی منسوب ہو گئے، امام ابوحنیفہ سے حنفی منسوب ہوئے، یا شافعی، احمد ابن حنبل اور ابوداوٗد ظاہری سے ان کے پیروکار۔ دوسری طرف امام جعفر صادقؑ درس بھی دیتے تھے اور چار ہزار محدثین آپ کے درس میں شامل تھے، اس لیے آپ کے نام سے بھی ایک مکتب کو منسوب کر دیا گیا۔ بنیادی طور پر تو یہ مکتبِ اہل بیتؑ ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ فقہی مکاتب میں یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص اپنے کسی امام کا ماننے والا ہو مثلاً حنفی ہو لیکن کلامی اعتبار سے وہ امام ابوحنیفہ کا ماننے والا نہ ہو کیونکہ وہ مرجئی تھے، ممکن ہے وہ اشعری یا ماتریدی ہو مثلاً ترکی میں اہل سنت فقہ حنفی کے پیروکار ہیں اور کلام میں وہ ماتریدی ہیں۔ اسی طرح ممکن ہے کوئی شخص فقہی اعتبار سے شافعی ہو لیکن کوئی اور کلامی مکتب رکھتا ہو جب کہ مکتب اہل بیتؑ میں یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی شخص کلامی طور پر کسی اور مکتب سے تعلق رکھتا ہو اور فقہی طور پر کسی اور مکتب سے۔ اس لیے ہمیں اس بات کو بہت ہی غور سے دیکھنا چاہیے کہ اگر فقہ جعفریہ کا نام دیا گیا تو وہ اس لیے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام جس زمانے میں تبلیغ دین فرما رہے تھے، لوگوں کو مسائل کے جواب دے رہے تھے تو اس سے یہ سمجھا گیا کہ جیسے امام ابوحنیفہ کے فتاوی ہیں اس طرح امام جعفر صادق علیہ السلام کے بھی فتاوی ہیں حالانکہ وہ بنیادی طور پر فتوی کا بیان نہیں تھا بلکہ نقل حدیث تھی جس کی سند نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتی ہے۔ یہ استنباط سے ہٹ کر نقل حدیث تھی اور استنباط حدیث تھا۔ مکاتب اس وقت چونکہ شخصیات کے حوالے سے معرض وجود میں آ رہے تھے لہذا اسے فقہ جعفریہ کہا گیا، ہم تو اسے فقہ اہل بیتؑ کہتے ہیں۔ فقہ اہل بیت بایں معنی کہ شیعہ فقہاء قرآن اور اہل بیت کی روایات کو سامنے رکھ کر عصری تقاضوں کے مطابق اجتہاد کرتے ہیں۔

اہلحدیث سے امتیاز

اہلحدیث سے شیعوں کا امتیاز بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر محسن نقوی نے کہا:

مکتب اہل بیت عقائد اور فقہ میں اہل بیت ہی کو ماننے والا ہے۔ مکتب اہل بیتؑ کی اصولی کتب کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو جہاں ہمیں مسائل کے جوابات ملتے ہیں وہاں ہمیں اصول بھی ملتے ہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم تمھیں اصول دے دیں اور تم ان سے استنباط کرو یعنی اس مکتب میں عقل کا دخل ہے۔ اس میں عقل کی اہمیت ہے اور اس میں اصول سے فروع اخذ کیے جاتے ہیں۔ اس میں اخذِ احکام میں عقل بروئے کار آتی ہے۔ یہ چیزیں اہل حدیث

کے ہاں نہیں پائی جاتیں۔یعنی قرآن وحدیث کے مالہ و ماعلیہ کو عقل کے ذریعے سے سمجھنا۔اہل حدیث کو جتنا ہم جانتے ہیں اور جتنا ہم نے ان کے اصول وعقاید کو پڑھا ہے اس کے مطابق ان کے ہاں بنیادی طور پر الفاظ ہیں یا جو فعل رسولؐ ہے وہ عقل پر حاوی ہے۔ان کے ہاں جو بات جس طرح سے بیان کی گئی ہے وہ اسی صورت میں قبول کی جانی چاہیے۔اہلحدیث عقائد میں امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم کے مقلد ہیں۔جبکہ وہ اللہ کے لیے تجسیم کے قائل تھے۔وہ اللہ کے ہاتھ بھی مانتے تھے کیونکہ قرآن مجید میں ''یــــد'' کا لفظ آیا ہے۔وہ یہ بھی کہتے تھے کہ وہ اس طرح سے عرش پر بیٹھتا ہے جس طرح میں منبر پر بیٹھتا ہوں۔اس طرح کے ان کے تقریباً ۲۸،۲۹ مختلف فیہ مسائل ہیں جن پر امام ابن رجب حنبلی اور دوسرے علماء نے امام ابن تیمیہ پر نہایت سخت گرفت کی ہے۔اس حرفیت پسندی کی شیعیت میں گنجائش نہیں۔اس سلسلے میں یہ بات قابل توجہ ہے کہ چونکہ ۳۲۹ ہجری میں بارھویں امام علیہ السلام کی غیبت ہوئی اس لیے گذشتہ پورا دور آئمہؑ کی معصوم زبان سے تشریحِ نصوص کا دور ہے۔

تنظیمی تشکل

برصغیر میں شیعوں کے تنظیمی تشکل کے بارے میں ڈاکٹر محسن نقوی کا کہنا تھا:

جس طرح کا شیعوں کا تنظیمی تشکل آج کل پاکستان میں موجود ہے اس طرح کا تنظیمی تشکل تشکیلِ پاکستان سے پہلے نہیں رہا لیکن ایک سیاسی فورم ہوا کرتا تھا۔شیعہ پولیٹکل پارٹی پہلے تھی۔پاکستان بننے کے بعد جس طرح سے مذہبی بنیادوں پر تنظیمیں معرض وجود میں آئیں،انھوں نے شیعیت کا ایک دوسرا رخ پیش کیا کہ جو قیام پاکستان سے پہلے سامنے نہیں آیا تھا۔

پاکستان میں شیعوں کی تنظیموں کے حوالے سے مولانا حافظ سید ریاض حسین نجفی نے کہا:

سب سے بڑی تنظیم تحریک جعفریہ ہے اگر چہ اس پر پابندی لگا دی گئی ہے۔طالب علموں کی سب سے بڑی تنظیم امامیہ سٹوڈنٹس آرگنائزیشن ہے۔پڑھے لکھے افراد کی تنظیم امامیہ آرگنائزیشن ہے۔کسی زمانے میں وفاق العلماء شیعہ بھی ایک فعال تنظیم تھی۔ان کے علاوہ بعض نئی نئی تنظیمیں بن رہی ہیں لیکن پرانی تنظیمیں یہی ہیں۔

پاکستان میں شیعوں کے تنظیمی تشکل کے حوالے سے مولانا افتخار حسین نقوی نے کہا:

پاکستان بننے سے پہلے شیعوں کی کوئی ملک گیر تنظیم نہ تھی۔مقامی تنظیمیں ہوا کرتی تھیں جو مذہبی امور کے انتظامات میں اپنا کردار ادا کرتی تھیں،البتہ ایک شیعہ پولیٹکل پارٹی معرض وجود میں آئی تھی تاہم

وہ زیادہ موثر نہ تھی۔علاوہ ازیں شیعہ کانفرنس کے نام سے ایک تنظیم تھی جو نواب مظفر علی قزلباش نے قائم کی تھی۔پاکستان بننے کے بعد یہ آل پاکستان شیعہ کانفرنس کے نام سے جانی پہچانی گئی۔نواب صاحب ایک قدآور سیاسی رہنما بھی تھے لیکن شیعہ کانفرنس فقط شیعوں کے مذہبی امور تک محدود تھی۔ نواب صاحب کی سیاست کا مرکز لاہور تھا۔لہٰذا ان کی مذہبی سرگرمیوں کا مرکز بھی یہی قرار پایا۔لاہور کا سب سے بڑا شیعہ مذہبی مرکز کربلا گامے شاہ بیرون بھاٹی دروازہ قزلباش خاندان ہی نے قائم کیا تھا۔اس خاندان کی حویلیاں اندرون موچی دروازہ میں بھی موجود تھیں۔سب سے بڑا عزاداری کا جلوس شب عاشور یہیں سے برآمد ہوتا تھا جو کربلا گامے شاہ میں آکر دسویں محرم کی شام کو اختتام پذیر ہوتا تھا۔نواب صاحب اس کے ہمراہ رہتے تھے۔جلوس اور عزاداری کا یہ سلسلہ اب بھی اسی طرح سے قائم ہے۔شیعوں کو حکومت سے جو مسائل پیش آتے تھے ان کے حل کے لیے نواب قزلباش رابطے کا کام کیا کرتے تھے۔انھوں نے مدرسۃ الواعظین اور جامعہ امامیہ کے نام سے دو مدارس بھی قائم کیے تھے۔لاہور کے مضافات میں ان کی وسیع جائیداد تھی۔یہ علاقہ ''علاقہ نواب صاحب'' کہلاتا تھا جسے اب علی رضا آباد کہا جاتا ہے۔نواب قزلباش کی سرپرستی میں ایک ہفت روزہ اسد شائع ہوتا تھا۔ایک طویل عرصہ تک اس کے مدیر شائق انبالوی مرحوم رہے۔

نواب قزلباش سے اختلاف کرتے ہوئے سید مظفر علی شمسی نے ادارہ تحفظ حقوق شیعہ کے نام سے ایک الگ تنظیم قائم کی۔اس کا مرکزی دفتر بھی لاہور میں تھا۔انھوں نے ہفت روزہ شہید کے نام سے ایک اخبار بھی جاری کیا۔وہ مذہبی امور میں شیعوں کی نمائندگی کرتے تھے۔سیاسی امور میں اس جماعت کا بھی کوئی کردار نہ تھا۔تاہم پورے ملک میں اس ادارے کے دفاتر یا روابط موجود تھے اور شمسی صاحب شیعہ مسائل کے حل کرنے میں بہت فعال تھے۔اُن کے بعد اُن کے بھائی محبوب علی شمسی اس تنظیم کے جنرل سیکرٹری ہوئے۔اس کے صدر یکے بعد دیگرے حافظ کفایت حسین مرحوم اور مولانا اظہر حسن زیدی مرحوم رہے۔

۱۹۷۰ کی دہائی میں شیعوں کی ایک اور تنظیم ''شیعہ مطالبات کمیٹی'' قائم ہوئی۔اس کے سربراہ مولانا سید محمد دہلوی تھے۔وہ کراچی میں مقیم تھے،اس کمیٹی نے پورے ملک میں شیعوں کو متحرک کیا اور حکومت پر شیعوں کے مطالبات تسلیم کرنے کے لیے عوامی دباؤ میں اضافہ کیا۔انھوں نے راولپنڈی میں ایک عظیم الشان اجتماع بھی منعقد کیا جسے ''حسینی محاذ'' کا نام دیا گیا۔کمیٹی کے مطالبات میں شیعہ طلبہ کے لیے الگ دینیات کے نصاب کی تعلیم،شیعہ اوقاف کی موقوف علیہان کو واگزاری وغیرہ شامل

تھے۔ مولانا سید محمد دہلوی کی وفات کے بعد جسٹس (ر) سید جمیل حسین رضوی شیعہ مطالبات کمیٹی کے سربراہ مقرر ہوئے۔

وقت کے ساتھ ساتھ یہ تمام تنظیمیں اور ادارے غیر فعال ہو گئے۔ یہاں تک کہ ۱۹۷۲ میں امامیہ سٹوڈنٹس آرگنائزیشن کی بنیاد رکھی گئی۔ یہ پاکستان میں شیعہ طلبہ کی تنظیم تھی جو رفتہ رفتہ ملک گیر حیثیت اختیار کر گئی۔ ۱۹۷۵ء میں اس تنظیم سے فارغ ہونے والے افراد نے امامیہ آرگنائزیشن کے نام سے ایک اور تنظیم قائم کی۔ یہ بھی ملک گیر حیثیت اختیار کر گئی۔ یہ تنظیمیں زیادہ تر دینی تربیت تک محدود رہیں۔ یہاں تک کہ ۱۹۷۹ میں مولانا مفتی جعفر حسین مرحوم کی قیادت میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ معرض وجود میں آئی۔ یہ تنظیم جنرل ضیاء الحق کی اسلامائزیشن کا نتیجہ تھی۔ مفتی جعفر حسین مرحوم اسلامی نظریاتی کونسل میں شیعہ نمائندے تھے۔ اس کونسل میں جب زکوۃ وعشر اور حدود کی سفارشات منظور ہوئیں تو انھوں نے اپنا اختلافی نوٹ جمع کروا دیا لیکن جب ان سفارشات کی روشنی میں جنرل ضیاء الحق نے شیعہ نقطۂ نظر کو شامل کیے بغیر آرڈیننس نافذ کر دیے تو مفتی جعفر حسین نے اس سے اختلاف کیا۔ انھیں پورے ملک کے شیعوں کی بھرپور حمایت حاصل ہوگئی۔ شیعوں کا ایک ملک گیر اجتماع اپریل ۱۹۷۹ میں بھکر میں منعقد ہوا۔ جس میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کی بنیاد رکھی گئی اور علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم کو قائد منتخب کر لیا گیا۔

تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کا بنیادی مقصد پاکستان میں اسلامی قانون سازی کے عمل میں شیعوں کے نقطۂ نظر کا تحفظ تھا۔ یہ تحریک صرف شیعوں کے لیے شیعہ فقہ کے مطابق قانون سازی کا مطالبہ کرتی تھی نہ کہ پورے ملک کے عوام کے لیے۔ علامہ مفتی جعفر حسین کی وفات کے بعد فروری ۱۹۸۴ میں تحریک کے دستور کے مطابق علامہ عارف حسین الحسینی کو بھکر ہی میں منعقدہ ایک اجلاس میں ان کا جانشین منتخب کر لیا گیا۔ اس اثنا میں راولپنڈی کے بعض شیعہ رہنماؤں نے تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے نام پر ایک نیا گروہ قائم کر لیا تھا جس کا قائد مولانا سید حامد علی موسوی کو منتخب کیا گیا۔ یہ گروہ اب بھی کم وبیش موجود ہے۔ علامہ عارف حسین الحسینی کو ملک بھر کے شیعہ عوام میں بے پناہ محبوبیت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ وہ اتحاد بین المسلمین کے علمبردار کی حیثیت سے ابھرے۔ انھوں نے ملک کے سیاسی مسائل میں بھی اپنا کردار ادا کیا۔ انھوں نے اپنی پارٹی کا ایک منشور بھی جاری کیا جس کا نام ''ہمارا راستہ'' تھا۔ انھیں ۱۹۸۸ میں پشاور میں ان کے مدرسے میں نماز فجر کے بعد شہید کر دیا گیا۔ بعد ازاں علامہ سید ساجد علی نقوی کو ان کا جانشین منتخب کر لیا گیا۔ شیعہ اور سنی حلقوں میں یہ احساس شروع سے ہی پیدا ہو گیا

تھا کہ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کا نام تبدیل کیا جانا چاہیے۔لہٰذا علامہ ساجد نقوی کی قیادت میں اس کا نام تبدیل کر کے ''تحریک جعفریہ'' رکھ دیا گیا۔

اس دوران میں پاکستان میں فرقہ وارانہ مسائل شدت اختیار کر گئے جس کی وجہ سے حکومت نے بعض فرقہ وارانہ تنظیموں پر پابندی عائد کر دی اور مسئلے کو متوازن ظاہر کرنے کے لیے تحریک جعفریہ پر بھی پابندی عائد کر دی گئی۔اگرچہ اس پر پابندی لگانے کا کوئی جواز موجود نہ تھا۔اس کے بعد علامہ ساجد علی نقوی کی قیادت میں اسلامی تحریک کے نام سے ایک تنظیم قائم ہوئی اور جب اس پر بھی پابندی عائد ہوئی تو انھوں نے ''قائد ملت جعفریہ'' کے عنوان سے اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں اور اب تک یہ سلسلہ اسی طرح قائم ہے۔حال ہی میں ایک اور تنظیم بھی قائم کی گئی ہے جس کا نام ''مجلس وحدت مسلمین'' ہے۔اس کے دفاتر بھی قائم کیے جا رہے ہیں۔

یہ تو ملک گیر تنظیموں کا ذکر تھا تاہم علاقائی سطح پر بھی تنظیمیں قائم ہوتی رہیں اور بعض اب بھی موجود ہیں۔ان میں سے شیعہ سندھ آرگنائزیشن، شیعہ تنظیم بلوچستان، اصغریہ سٹوڈنٹس آرگنائزیشن، اصغریہ آرگنائزیشن، جعفریہ الائنس وغیرہ قابل ذکر ہیں۔علاوہ ازیں شیعہ علما کو منظّم کرنے کے لیے ملکی سطح پر وفاق علما شیعہ پاکستان اور علاقائی سطح پر علمائے امامیہ کے نام سے تنظیمیں قائم ہوئیں۔شیعہ مدارس کی تنظیم کے لیے وفاق المدارس الشیعہ پاکستان قائم ہوئی جو اب بھی فعال ہے۔

نظام اجتہاد و مرجعیت

مذہبی طور پر دنیا بھر کے شیعہ عام طور پر اپنے نظام مرجعیت سے وابستہ ہوتے ہیں۔شیعہ مجتہدین میں سے جو اعلیٰ درجے کے علمی مرتبے پر جا پہنچتے ہیں فقہی احکام میں شیعہ اُن کی طرف رجوع کرتے ہیں اور جن کی طرف شیعہ رجوع کرتے ہیں انھیں مرجع کہا جاتا ہے۔شیعوں کے بڑے دینی مراکز اور مدارس کو ''حوزۂ علمیہ'' کہتے ہیں۔عراق میں نجف اشرف کا حوزہ علمیہ بہت قدیم ہے۔جسے ایک ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ ہو چکا ہے۔اُس کے بعد ایران کے مذہبی شہر قم کے حوزۂ علمیہ کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہوگئی۔دنیا کے بعض دیگر شہروں میں بھی شیعوں کے بڑے بڑے دینی مراکز موجود ہے۔انھی دینی اور علمی مراکز میں فقہاء اور مجتہدین پروان چڑھتے ہیں۔انھی میں سے بعض مقام مرجعیت تک جا پہنچتے ہیں۔اصولی طور پر شیعہ امام معصوم کو اپنے لیے ہر لحاظ سے دینی مرکز اور ہادی سمجھتے ہیں تاہم بارھویں امام مہدی کی غیبت کے عقیدے کی وجہ سے انھیں غیر معصوم کی دینی زعامت کی ضرورت پیش آئی۔اس ضرورت کو وہ اپنے اسی نظام اجتہاد اور مرجعیت سے پورا کرتے ہیں۔اس نظام کے بارے میں بات کرتے ہوئے ڈاکٹر محسن نقوی نے کہا:

مرجعیت امامؑ کی نیابت ہے۔امام جہاں بھی ہیں اور اُن کا پیروکار دنیا کے کسی کونے میں بھی ہے تو اس پر ضروری ہے کہ وہ ان کے احکام کو مانے،اُن پر عمل کرے مرجع کا معنی بھی یہی ہے۔جیسا کہ امام زمانہ علیہ السلام کی توقیع میں آتا ہے کہ ہماری غیر موجودگی میں اُن لوگوں کی طرف رجوع کرو جو ہماری احادیث کو بیان کرنے والے ہوں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم کسی مرجع کی بات نہیں مانتے تاوقتیکہ اس کا علم نہ ہو کہ اُس کے احکام کی بنیاد مکتب اہل بیت اور تعلیمات آئمہ علیہم السلام اور قرآن مجید پر ہے۔ کوئی ایسے ہی کہہ دے کہ میں مجتہد ہوں اور پھر اپنی آراء پیش کرنا شروع کر دے مکتبِ تشیع میں اُس کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔نظام مرجعیت نے شیعیت کو ایک طرح سے مرکزیت فراہم کر رکھی ہے اور یہ سمجھنا بھی غلط ہے کہ مرجع کی کوئی انفرادی رائے ہوا کرتی ہے بلکہ علماء اور مجتہدین کی ایک جماعت ہوتی ہے جو مسئلے پر غور کرتی ہے۔مسائل پر بحث مباحثہ ہوتا ہے اس کے بعد کوئی رائے مرجع کی طرف سے قائم کی جاتی ہے۔

عقائد وافکار

عقائد اختیار کرنے میں غور و فکر کی ضرورت

شیعہ علماء یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ عقائد کے اختیار کرنے میں انسان کو غور و فکر اور تحقیق کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ خاص طور پر اصولی عقائد میں ان کا یہی موقف ہے جبکہ عقائد کی تفصیلات میں منقولات پر انحصار کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ معروف شیعہ فقیہ شیخ محمد رضا مظفر النجفی لکھتے ہیں:

ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالی نے ہمیں قوت فکر عطا کی ہے اور عقل بخشی ہے تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اس کی مخلوق کے بارے میں غور و فکر کریں اور اس کی کاریگری کے آثار پر تامل کے ساتھ نظر کریں اور اس کی حکمت میں اطراف عالم میں اور اپنے نفوس میں اس کی آیات اور نشانیوں میں اس کی پختہ تدبیر کے متعلق تدبر کریں۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے:

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَق (۱)

بے شک ہم انھیں اپنی نشانیاں اطراف عالم اور ان کے نفوس میں دکھائیں گے تاکہ ان کے لئے واضح ہو جائے کہ وہ حق ہے۔

اور خداوند عالم نے اس ارشاد میں آباء واجداد کی تقلید کرنے والوں کی مذمت کی ہے:

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا (۲)

وہ کہتے ہیں بلکہ ہم اس کی اتباع کرتے ہیں کہ جس پر ہم نے اپنے آباء واجداد کو پایا (کیا وہ اپنے آباء و اجداد کے عقائد کی پیروی کریں گے) خواہ ان کے آباء واجداد کچھ بھی نہ جانتے [سمجھتے] ہوں۔"

جیسا کہ خداوند عالم نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو اپنے ظن وگمان کی اتباع اور رجم بالغیب کرتے ہیں، پس ارشاد ہوا:

اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّن (۳)

وہ تو صرف ظن وگمان کی اتباع کرتے ہیں!

شیخ محمد رضا مظفر مزید لکھتے ہیں:

حقیقت میں جو کچھ ہم اعتقاد رکھتے ہیں یہ تو ہماری عقل ہی ہم پر واجب وضروری قرار دیتی ہے کہ ہم مخلوق میں غور وفکر کریں اور خالقِ کون ومکاں کی معرفت حاصل کریں جیسا کہ وہ ہم پر یہ بھی لازم و ضروری قرار دیتی ہے کہ ہم مدعی نبوت کے دعوی اور معجزہ میں غور وفکر کریں اور عقول کے نزدیک ان چیزوں میں کسی دوسرے شخص کی تقلید جائز نہیں، چاہے وہ شخص کتنا ہی صاحب قدر ومنزلت وصاحب اثر ہو اور جو کچھ قرآن کریم میں آیا ہے کہ جس کے ذریعہ غور وفکر اور اتباع علم ومعرفت پر اکسایا گیا ہے تو وہ عقل کی اسی فطری آزادی کو مضبوط کرنے کے لئے ہے کہ جس پر تمام عقلاء کی آراء متفق ہیں اور وہ نفوس بشری کی معرفت وفکر کی اس استعداد کو بیدار کرنے کے لئے آیا ہے کہ جس پر ان کی جبلت و فطرت پیدا کی گئی ہے اور وہ اذہان کو کھولنے اور انھیں ان چیزوں کی طرف متوجہ کرنے کے لئے آیا ہے کہ جنھیں عقول کی مزاج وطبیعت چاہتی ہے لہذا ان حالات میں انسان کے لئے یہ درست نہیں کہ وہ اپنے نفس کو امور اعتقادیہ میں مہمل چھوڑ دے یا تربیت کرنے والے یا دیگر افراد کی تقلید پر بھروسہ کرے بلکہ اس پر واجب اور ضروری ہے کہ وہ فطرت عقلیہ کے مطابق کہ جس کی تائید نصوص قرآنی کرتی ہیں جستجو، تامل، نظر وفکر اور اصول اعتقاد میں تدبر کرے کہ جنھیں اصول دین کا نام دیا گیا ہے کہ جن میں زیادہ اہم توحید، نبوت، امامت اور قیامت ہیں اور جو شخص بھی ان اصولوں کے اعتقاد میں اپنے آباء و اجداد یا اس قسم کے لوگوں کی تقلید کرے وہ حق سے دوری اختیار کرنے کا مرتکب ہوا ہے اور صراط مستقیم سے ہٹا ہوا ہے اور اس کا عذر کبھی قبول نہیں کیا جائے گا۔ مختصر یہ کہ ہمارے یہاں دو دعوے ہیں:

پہلا یہ کہ اصول عقائد میں نظر وفکر کرنا اور معرفت حاصل کرنا واجب ہے اور اس میں کسی کی تقلید جائز نہیں۔

دوسرا یہ کہ یہ وجوب عقلی ہے قبل اس کے کہ وجوب شرعی ہو یعنی اس کا علم نصوص دینی سے سیرابی حاصل نہیں کرتا اگر چہ یہ صحیح ہے کہ وہ اس کی مؤید ہیں لیکن دلالت عقلی کے بعد وجوب عقلی کا کوئی معنی نہیں سوائے اس کے کہ عقل ہی معرفت کے ضروری ہونے، غور وفکر کے لزوم اور اصول اعتقاد میں اجتہاد کرنے کو درک کرتی ہے۔ (۴)

فروع دین میں تقلید

اصول دین میں فکر ونظر اور انفرادی کوششوں سے حقیقت یابی کی ضرورت اور عقل کے آزادانہ استعمال پر زور دینے کے ساتھ ساتھ شیعہ اثنا عشری علماء عام طور پر اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ فروع دین میں غیر ضروری دین یعنی عبادات و

معاملات میں جن امور کا حکم شارع سے قطعی طور پر معلوم نہ ہو، ان میں اگر چہ بہتر یہ ہے کہ انسان خود سے دینی متون اور اجتہادی اصولوں سے استفادہ کرتے ہوئے احکام شرعی تک جا پہنچے یعنی مجتہد ہو لیکن چونکہ یہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں اس لیے وہ لوگ جو خود اس منصب پر فائز نہ ہوں انھیں ایسے ہی افراد کی طرف رجوع کرنا چاہیے، جسے ان علماء کی اصطلاح میں تقلید کہا جاتا ہے۔ان کے نزدیک مجتہد اور مقلد کے بیچ کی بھی ایک شکل موجود ہے جسے محتاط کہتے ہیں۔یعنی ایسا شخص جو احکام شرعی میں ایسی تمام صورتوں کو بجالائے کہ شارع کی نافرمانی اور کسی حکم شرعی کے ترک کا بظاہر کوئی امکان باقی نہ رہے۔اس مسئلے کو ہم شیخ محمد رضا مظفر کی زبانی بیان کرتے ہیں:

باقی رہے فروع دین جو کہ شرعی احکام ہیں کہ جن کا تعلق اعمال وافعال کے ساتھ ہے تو ان میں ہر شخص کے لئے نظر وفکر اور اجتہاد کرنا ضروری اور واجب نہیں بلکہ اگر وہ ضروریات وبدیہیات دین میں سے نہیں جو کہ قطع ویقین سے ثابت ہیں جیسے نماز، روزہ اور زکوٰۃ کا واجب ہونا تو ان میں تین امور سے کوئی ایک واجب ہے یا انسانِ مکلّف (بالغ وعاقل) اجتہاد کرے اور ادلہ احکام میں غور وفکر کرے بشرطیکہ وہ اس کی اہلیت رکھتا ہو اور یا وہ اپنے اعمال میں احتیاط کرے اگر اس میں احتیاط کی قدرت و طاقت ہو اور یا یہ کہ وہ کسی مجتہد جامع الشرائط کی تقلید کرے جو کہ عاقل وعادل ہو [جیسا کہ روایات میں ایسے افراد کی تعریف میں بیان کیا گیا ہے۔]

صائنا لنفسه حافظا لدينه و مخالفا لهواه مطيعاً لامر مولاه

یعنی جو اپنے نفس کو گناہوں سے بچائے، اپنے دین کی حفاظت کرے، اپنی خواہشات کی مخالفت کرے اور اپنے مولا کے حکم کا مطیع وفرماں بردار ہو۔

پس جو شخص نہ مجتہد ہو اور نہ محتاط اور پھر وہ کسی مجتہد جامع الشرائط کی تقلید نہ کرے تو اس کی تمام عبادات باطل [ہیں] اور قابل قبول نہیں چاہے وہ نماز پڑھے، روزہ رکھے اور اپنی ساری زندگی عبادت میں گزار دے سوائے اس صورت کے کہ اس کا عمل اس مجتہد کی رائے کے مطابق ہو کہ جس کی بعد میں وہ تقلید کرے اور وہ اپنے اعمال قصدِ قربت سے بھی بجالاتا رہا ہو۔(۵)

نظری اور عملی مسائل

شیخ محمد حسین آل کاشف الغطا نے اپنی معروف کتاب ''اصل الشیعۃ واصولھا'' میں عقائد اور احکام کی بحث میں وارد ہونے سے پہلے مجموعی طور پر تمام مسائل کو پانچ کلیات پر تقسیم کیا ہے:

۱۔خالق کی معرفت۔

۲۔اس کے مبلغ کی شناخت۔

۳۔مسائل عبادت اور طریق عمل کی پہچان۔

۴۔نیکیوں کا حصول اور برائیوں سے اجتناب۔

۵۔معاد اور سزا و جزا کا اعتقاد۔

ان کلیات کے پیش نظر وہ دین کے دو شعبے قرار دیتے ہیں ''نظری'' اور ''عملی'' جو ان کے نزدیک ''اسلام و ایمان'' کے مترادف ہیں۔

اس کے بعد وہ لکھتے ہیں:

توحید، نبوت اور معاد اسلام کے تین بنیادی رکن ہیں، اگر کوئی شخص ان ارکان میں سے کسی رکن کا منکر ہو، تو نہ وہ مسلم ہے نہ مومن اور اگر ان ارکان پر ایمان لے آئے تو اس کا شمار مسلمانوں میں ہوگا اور اسے مسلمانوں کے جملہ حقوق حاصل ہوں گے لیکن حسب تصریح ''**الایمان اعتقادٌ بالجنان و اقرار باللسان وعمل بالارکان**'' [قلبی اعتقاد، زبانی اقرار اور ارکان پر عمل کرنے کا نام ہے ایمان] لفظ ایمان سے ایک خاص مفہوم پیدا ہو جاتا ہے اور اسی کے ساتھ مزید ایک رکن کا اضافہ۔ یعنی ان فرائض کی تعمیل جن پر اسلامی نظام کا دارومدار ہے۔ ان فرائض کی پانچ قسمیں ہیں: نماز، روزہ، زکوۃ، حج اور جہاد۔ ''اسلام و ایمان'' کے سلسلہ میں ہم نے عام و خاص کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام و ایمان کی دو قسمیں ہیں:

اسلام و ایمان عام اور اسلام و ایمان خاص۔ یہ تقسیم پروردگار عالم کی اس ہدایت پر مبنی ہے:

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (٦)

(اعراب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔ میرے رسول! انھیں سمجھا دو کہ تم جسے ایمان کہہ رہے ہو وہ ایمان نہیں، اسلام ہے، ایمان کا تو تمھارے دلوں میں گزر بھی نہیں ہوا۔)

اس کے بعد وہ اس امر کا اضافہ کرتے ہیں:

بہرحال یہ تو تھا تمام مسلمانوں کے اساسی نظریات کا خلاصہ، مگر! شیعہ ان ارکان کے ساتھ ایک اور رکن کو جزو ایمان قرار دیتے ہیں، یہ بنیادی مسئلہ عقیدۂ امامت ہے۔ (۷)

امامت کے بارے میں شیعہ نظریے کی وضاحت بعد میں آئے گی البتہ ہم یہاں پر اس بات کا بھی اضافہ کر دیں کہ شیعہ توحید کے موضوع پر بات کرتے ہوئے عدل کو اصول مذہب میں سے قرار دیتے ہیں اور الگ سے اس پر گفتگو کرتے ہیں

اگر چہ وہ عدل کو صفات الٰہی میں سے ایک جانتے ہیں۔ اس پر بھی آئندہ سطور میں شیعوں کا نقطۂ نظر پیش کیا جائے گا۔

توحید

شیخ محمد حسین آل کاشف الغطاء ''اصل الشیعۃ واصولھا'' میں توحید کے موضوع پر شیعہ عقیدہ یوں بیان کرتے ہیں:

امامیہ عقائد کے لحاظ سے ہر ہوش مند کا عقلی فریضہ ہے کہ وہ اپنے آفریدگار کو پہچانے۔ اس کی معرفت حاصل کرے اور اس کی وحدانیت و الوہیت کا معتقد ہو۔ ربوبیت میں کسی کو اس کا شریک قرار نہ دے۔ اس کا یقین رکھے کہ خلق و رزق، موت و حیات اور ایجاد و اعدام اسی کی ذات سے متعلق ہے، بلکہ اس عالم ہست و بود میں صرف اسی کی قدرت کاملہ کا عمل دخل ہے۔

اگر رزق و خلق یا موت و حیات کو کوئی شخص خدا کے علاوہ کسی اور سے منسوب کرے تو اسے کافر و مشرک اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جائے گا۔

اسی طرح اطاعت و عبادت میں اخلاص ضروری ہے۔ یعنی اگر کوئی معبود مطلق کے ساتھ کسی اور شے کی عبادت بجالائے، اس کے سوا کسی اور کی پرستش کرے اور اسے تقرب کا وسیلہ بنائے تو وہ بھی امامیہ مذہب کے حکم سے کافر متصور ہوگا۔

سوائے خدائے وحدہ لاشریک کے کسی کی عبادت جائز نہیں۔ نیز ذات باری تعالیٰ، انبیائے کرام اور ائمہ اطہار علیہم السلام کے علاوہ کسی اور کی اطاعتِ مطلقہ بھی روا نہیں۔

انبیاء اور ائمہ علیہم السلام کی اطاعت بھی بالواسطہ خدا کی اطاعت ہے۔

البتہ ان ذوات مقدسہ سے طلب برکت اور انھیں اپنے اور اپنے معبود کے درمیان وسیلہ قرار دینا جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود انھیں حصول برکت و ہدایت اور اپنی اطاعت و معرفت کا وسیلہ قرار دیا ہے نیز ان کے مزاروں پر اللہ کی عبادت بجالانا جائز ہے، کیونکہ یہ پرستش ان کی نہیں، خدا کی ہے اور یہ ایک واضح سا فرق ہے۔ حسب ارشاد باری تعالیٰ:

فِیْ بُیُوتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ

وہ گھر جنھیں اللہ نے بلند ہونے کی اجازت دی اور ان میں اس کا ذکر ہوتا ہے۔ (۸)

خداوند عالم کی صفات

اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کرنے سے پہلے شیعہ فقیہ استاد مکارم شیرازی اس حوالے سے بعض نکات کی طرف توجہ دلاتے

ہیں، وہ لکھتے ہیں:

جہان خلقت کے اسرار و رموز کے مطالعہ کے ذریعے خدا کے وجود کو پہچاننا جس قدر آسان ہے اسی قدر خدا کی صفات کو پہچاننا مشکل ہے اور اس کے لیے شدید غور و فکر اور بے حد احتیاط کی ضرورت ہے...

ہم نے اس دنیا میں جو کچھ بھی دیکھا ہے وہ جسم اور جسمانی خصوصیت کا حامل ہے یعنی تمام موجودات ہر معین زمان و مکان میں مخصوص شکل و صورت رکھتے ہیں، ان حالات میں ایک ہستی کا تصور کرنا کہ جو نہ جسم رکھتی ہے اور نہ ہی زمان و مکان، مگر اس کے باوجود تمام زمان کا احاطہ کیے ہوئے ہو نہایت ہی مشکل امر ہے لھذا یہ بات بہت ضروری ہے کہ نہایت غور و فکر کے ساتھ اس راہ پر قدم رکھا جائے...

البتہ اس نکتہ کی یاد آوری بہت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ: ہم خدا کی ذات کی حقیقت کبھی بھی درک نہیں کر سکتے اور نہ ہی اس کی امید رکھنی چاہیے کیونکہ یہ امید اور خیال ایسے ہی خام ہے جیسے سمندر کو کوزے میں بند کرنا یا ماں کے شکم میں موجود بچے کا بیرونی دنیا سے باخبر ہو جانا، کیا یہ چیزیں ممکن ہیں؟ اور یہی وہ مقام ہے جہاں ایک چھوٹی سی لغزش انسان کو خدا کی معرفت کے حقیقی راستے سے کوسوں دور کر دیتی ہے جس کے نتیجے میں وہ بت پرستی اور مخلوق پرستی کی سنگلاخ راہوں میں بھٹکتا پھرتا ہے...(۹)

استاد ناصر مکارم شیرازی نے اللہ تعالیٰ کی مشہور ترین صفات کو دو حصوں میں بیان کیا ہے۔ صفات ثبوتیہ اور صفات سلبیہ۔ صفات ثبوتیہ وہ اس طرح سے بیان کرتے ہیں:

۱: خدا ''عالم'' ہے یعنی تمام چیزوں کو جانتا ہے۔

۲: خدا ''قادر'' ہے یعنی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

۳: خدا ''حی'' ہے یعنی زندہ ہے اور زندہ اسے کہا جا سکتا ہے جو علم بھی رکھتا ہو اور قدرت بھی اور چونکہ خدا ''عالم'' بھی ہے اور ''قادر'' بھی اس بنا پر وہ زندہ بھی ہے۔

۴: خدا ''مرید'' ہے یعنی صاحب ارادہ ہے اپنے کاموں میں مجبور نہیں ہے اور جو کام بھی انجام دیتا ہے اس میں مقصد اور حکمت مضمر ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ کائنات میں کوئی بھی چیز اس نے بلا مقصد اور بغیر کسی فلسفے کے نہیں بنائی۔

۵: خدا ''مدرک'' ہے یعنی تمام چیزوں کو جانتا ہے اور سمجھتا ہے، سب کو دیکھتا ہے، تمام آوازوں کو سنتا اور ہر بات سے آگاہ و باخبر ہے۔

۶: خدا ''قدیم'' اور ''ازلی'' ہے یعنی ہمیشہ سے ہے اور اس کے وجود کا کوئی آغاز نہیں کیونکہ اس کی ہستی اس کی ذات سے جلوہ گر ہوئی ہے اور یہی سبب ہے کہ وہ ابدی اور جاودانی ہے یعنی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا

کیونکہ جس ذات کی ہستی خود اس کی ذات سے ہے اس کے لیے فنا اور عدم کوئی معنی نہیں رکھتے۔

۷: خدا ''متکلم'' ہے یعنی چاہے تو ہوا میں آواز کی لہریں پیدا کر کے اپنے پیامبروں سے کلام کر سکتا ہے؛ ایسا نہیں ہے کہ خدا ''زبان، ہونٹ، اور حنجرہ رکھتا ہو''۔

۸: خدا ''صادق'' ہے یعنی جو کچھ کہتا ہے سچ اور عین حقیقت ہوتا ہے، کیونکہ جھوٹ عموماً دو سبب سے بولا جاتا ہے (۱) جہالت اور نادانی کی وجہ سے (۲) یا کمزوری اور ناتوانی کے سبب سے، چونکہ خدا دانا اور توانا ہے لہذا جھوٹ اس کی ذات سے محال ہے۔

استاد مکارم شیرازی نے خداوند عالم کی صفات سلبیہ کو اس طرح سے بیان کیا ہے:

ا:۔ خدا ''مرکب'' نہیں ہے یعنی اجزاء ترکیبی سے مل کر نہیں بنا کیونکہ ایسی صورت میں اسے اپنے اجزا کی احتیاج ہوتی جب کہ وہ کسی چیز کا محتاج نہیں ہے۔

۲:۔ خدا ''جسم'' نہیں رکھتا کیونکہ جسم محدود کیا جا سکتا ہے اس میں تغیر و تبدیلی ہوتی رہتی ہے اور وہ فنا پذیر ہوتا ہے۔

۳:۔ خدا ''مرئی'' نہیں یعنی دکھائی نہیں دیتا کیونکہ اگر نظر آتا تو جسم ہوتا اور جسم ہونے کی صورت میں محدود اور فنا پذیر ہو جاتا۔

۴:۔ خدا ''محل'' نہیں رکھتا کیونکہ اسکا جسم نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے وہ مکان کا محتاج ہو۔

۵:۔ خدا کا کوئی ''شریک'' نہیں ہے کیونکہ اگر اس کا کوئی شریک ہوتا تو وہ ایک محدود وجود ہوتا چونکہ دو لا محدود موجودات کا وجود کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اس کائنات کے قوانین میں وحدت اس کے بے مثل و یگانہ ہونے کی دلیل ہے۔

۶:۔ خدا ''معانی'' نہیں رکھتا یعنی اسکی صفات اس کی عین ذات ہیں۔

۷:۔ خدا ''محتاج'' اور ضرورتمند نہیں ہے بلکہ غنی اور بے نیاز ہے کیونکہ علم و قدرت کے لحاظ سے ایک بے پناہ وجود کو کسی چیز کی کمی نہیں ہوتی۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَيۡءٌ (۱۰)

کوئی بھی چیز اس کی مانند نہیں ہے...(۱۱)

عدل

جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں ذکر کیا ہے کہ شیعہ اثنا عشریہ عدل پر صفات الٰہی میں سے جداگانہ بحث کرتے ہیں اور اس

کے بارے میں عقیدے کو اپنے اصول مذہب میں سے قرار دیتے ہیں۔اس کے بارے میں ان کا تصور کیا ہے اور وہ اس عقیدے کو جداگانہ طور پر بیان کرنا کیوں ضروری سمجھتے ہیں، اس کی وضاحت شیخ محمد رضا مظفر نے عقائد کے بارے میں اپنی معروف کتاب ''عقائدِ امامیہ'' میں یوں کی ہے:

خدا کی صفات ثبوتیہ کمالیہ میں سے ایک یہ ہے کہ وہ عادل ہے اور ظالم نہیں پس نہ وہ اپنی قضاوت و فیصلہ میں جَور کرتا ہے اور نہ ہی اپنے حکم میں ظلم کرتا ہے، وہ اطاعت کرنے والوں کو ثواب دے گا اور اسے حق پہنچتا ہے کہ وہ گناہگاروں سے مجازات کرے اور انھیں سزا دے اور وہ اپنے بندوں کو ایسے امور کی تکلیف نہیں دیتا کہ جن کی وہ طاقت نہیں رکھتے اور جتنے عذاب کے وہ مستحق ہیں وہ انھیں اس سے زیادہ سزا نہیں دے گا اور ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ عدم مزاحمت کی صورت میں وہ اچھے کام کو ترک نہیں کرتا اور برے کام کو بجا نہیں لاتا کیونکہ وہ اچھے کام کے کرنے اور برے کام کو چھوڑنے کی قدرت رکھتا ہے جب مسلّم ہے کہ وہ فعل حَسَن کے حُسن اور فعل قبیح کے قبح کو بھی جانتا ہے اور حسن کے چھوڑنے اور قبیح کے کرنے سے بے پرواہ بھی ہے، پس نہ تو حسن کے کرنے میں اسے کوئی ضرر ہے کہ اسے نہ کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی وہ فعل قبیح کا محتاج ہے کہ اسے کرے اور وہ باوجود ان تمام امور کے حکیم ودانا بھی ہے لہذا ضروری ہے کہ اس کا فعل حکمت کے مطابق اور نظام اکمل کے موافق ہو پس اگر خدا ظلم یا فعل قبیح کرے (تعالی عن ذلک) تو معاملہ چار حالتوں سے خالی نہیں:

۱۔ وہ کسی امر سے جاہل ہو اور اسے معلوم نہ ہو کہ یہ قبیح اور برا ہے۔

۲۔ اس کا عالم تو ہو لیکن اس کے کرنے پر مجبور ہو اور اس کے چھوڑنے سے عاجز ہو۔

۳۔ اس کا عالم بھی ہو اس کے کرنے پر مجبور بھی نہ ہو لیکن اس کے کرنے کی اسے ضرورت واحتیاج ہو۔

۴۔ وہ اس کا عالم بھی ہو اور اس کے کرنے پر مجبور بھی نہ ہو، اسے اس کی ضرورت بھی نہ ہو تو پھر معاملہ منحصر ہو جائے گا اس میں کہ وہ اس کام کو عبث اور فضول بجالائے۔

حالانکہ یہ سب صورتیں خدا کے لئے محال ہیں اور ان سے اس کی ذات میں نقص لازم آتا ہے جب کہ وہ صرف کمال ہی کمال ہے لہذا ضروری ہے کہ ہم یہ تسلیم کریں کہ وہ ظلم اور فعل قبیح سے منزہ ہے۔ (۱۲)

یہاں ہم اس عقیدے کی شیعوں کی نظر میں اہمیت اور ضرورت کو شیعہ فقیہ استاد ناصر مکارم شیرازی کی زبانی بیان کرنا بھی مناسب سمجھتے ہیں:

خدا عالم وقادر ہے، عادل وحکیم ہے، رحمان ورحیم ہے، خالق ورزاق ہے، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، ان تمام صفات کے ہوتے ہوئے صفت عدل کو اصول دین کی ایک جداگانہ وعلیحدہ اصل کے طور پر کیوں ذکر کیا

گیا ہے۔اس اہم سوال کے جواب کیلئے چند باتیں توجہ طلب ہیں:

(۱) عدل کی اہمیت کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ بہت سی صفات خدا کی بازگشت اسی صفت "عدل" کی طرف ہے کیونکہ کلمہ عدالت کا صحیح اور وسیع ترمعنی "ہر چیز کو اسکے مقام پر قرار دینا" ہے لھذا اس معنی کے اعتبار سے تمام صفات مثلاً حکیم، رزاق، رحمان ورحیم وغیرہ کا اطلاق وانطباق درحقیقت عدالت پر ہی ہوتا ہے۔

(۲) قیامت و معاد کا مسئلہ ہو یا پیغمبروں کی رسالت اور ائمہ کی ذمہ داریوں کا مسئلہ ان سب کا خدا کی عدالت کے مسئلہ کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے۔

(۳) فروع دین ہمیشہ سے اصول دین کے ہمراہ ہیں، پروردگار عالم کی عدالت کی شعاعیں انسانی معاشرہ میں بہت زیادہ مؤثر ہیں اور یہ عدالت اجتماعی ہی ہے کہ جس کی وجہ سے بہترین انسانی معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عدالت کو اصول دین کی ایک اصل کے طور پر اس لیے منتخب کیا گیا ہے تاکہ انسانوں میں عدل کو ہمیشہ زندہ رکھا جا سکے اور ہر قسم کے ظلم وستم کے خلاف جنگ جاری رہ سکے۔ (۱۳)

نبوت

نبوت شیعوں کے نزدیک اصول دین میں سے ہے اور اس الٰہی منصب پر ایمان نہ رکھنے والے کو وہ کافر سمجھتے ہیں۔ نبوت کے بارے میں اصولی عقیدے کو بیان کرتے ہوئے شیعہ فقیہ شیخ محمد رضا مظفر لکھتے ہیں:

> نبوت ایک وظیفہء الٰہیہ اور سفارتِ ربانی ہے جو اللہ تعالیٰ اس شخص کے لیے قرار دیتا ہے کہ جسے وہ اپنے صالح بندوں اور انسانیت میں اپنے کامل اولیاء میں سے چن لیتا ہے۔ پس انھیں لوگوں کی طرف بھیجتا ہے تاکہ وہ ان کی ہدایت اور رہبری کریں، ان چیزوں کی طرف کہ جن میں دنیا و آخرت میں ان کے لیے منافع و مصالح ہیں اور اس غرض کے لیے کہ وہ لوگوں کو منزہ و پاک کریں اور برے اخلاق اور فاسد عادات سے ان کا تزکیہ کریں اور انھیں حکمت و معرفت کی تعلیم دیں اور سعادت و خیر کے راستے ان کے لیے بیان کریں تاکہ انسانیت اپنے کمال تک پہنچ جائے اور دونوں جہانوں کے اعلیٰ درجات پر سرفراز ہو جائے اور ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ قاعدۂ لطف سبب بنتا ہے کہ وہ خالق جو اپنے بندوں پر لطیف ہے ہدایتِ بشر اور اصلاحی پیغام کے پہنچانے کے لیے اپنے رسول بھیجے اور یہ کہ وہ خدا کے سفیر اور اس کے خلیفے قرار پائیں جیسا کہ ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ خدا نے نبی کے تعین اور انتخاب کا حق لوگوں کو نہیں دیا اور انھیں اس سلسلہ میں کوئی اختیار نہیں بلکہ یہ سارا معاملہ اس کے اپنے قبضۂ قدرت میں ہے کیونکہ وہ (أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ) بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کہاں قرار دے اور انھیں یہ حق نہیں

کہ اس شخص کے متعلق کوئی اپنی رائے ظاہر کریں کہ جسے خدا ہادی [اور] بشیر ونذیر بنا کر بھیجے اور نہ ہی ان احکام، سنن اور شرائع میں وہ اظہار رائے کر سکتے ہیں کہ جنھیں وہ شخص لے کر آتا ہے۔ (۱۴)

معجزات انبیاء

شیعہ علماء نے انبیاء کے دعویٰ نبوت کے اثبات کے لیے ان کی طرف سے کسی ایسے معجزے کا اظہار ضروری قرار دیا ہے جس سے عام انسان عاجز ہوں اور جو ان کے دعویٰ نبوت کے ہمراہ ہو۔ چنانچہ شیخ محمد رضا مظفر لکھتے ہیں:

جب خدا اپنی مخلوق کے لیے کوئی ہادی اور رسول مقرر کرے تو ضروری ہے کہ انھیں شخصی طور پر اس کی معرفت کرائے اور خصوصی طور پر معین کر کے انھیں اس کی طرف ہدایت کرے اور یہ چیز اس میں منحصر ہے کہ وہ لطف و رحمت کو مکمل کر کے اس کی رسالت پر کوئی دلیل و حجت قائم کر دے اور وہ دلیل ان چیزوں کی قسم میں سے ہو جو خالقِ کائنات اور مدبرِ موجودات کے علاوہ کسی سے صادر نہیں ہو سکتیں یعنی قدرت بشر سے خارج ہو پس خدا اسے رسول ہادی کے ہاتھ پر جاری کرے تا کہ وہ اس رسول کی مُعرِّف ہو اور اس کی طرف رہبری کرے اور اسی دلیل کو مُعجز یا معجزہ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ اس طرح کی ہوتی ہے کہ بشر اس کے کرنے اور اس کام کے بجالانے سے عاجز ہوتا ہے۔

جس طرح نبی کے لیے معجزہ کا ہونا ضروری ہے جسے وہ لوگوں کے سامنے ظاہر کرتا ہے تا کہ ان پر حجت قائم ہو جائے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اس معجزہ کا اعجاز لوگوں کے درمیان اس طرح ظاہر ہو کہ اس وقت کے علماء اور اہل فن (چہ جائیکہ دوسرے لوگ) اس کے مقابلہ سے عاجز ہوں اور یہ معجزہ دعویٰ نبوت کے ساتھ مقرون اور ملا ہوا ہوتا کہ اس کے مدعی کی دلیل ہو اور اس کے ہاتھ میں ایک حجت ہو تو جب اس قسم کے لوگ اس سے عاجز آ جائیں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ قدرتِ بشر سے مافوق اور خارقِ عادت ہے پس یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ صاحبِ معجزہ عام بشر سے مافوق ہے بسبب اس اتصالِ روحی کے جو اسے مدبرِ کائنات کے ساتھ ہے اور جب یہ چیز کسی شخص کے لیے تمام ہو جائے کہ اس سے معجزہ خارق عادت ظہور پذیر ہو اور اس کے ساتھ وہ نبوت و رسالت کا دعویٰ بھی کرے تو اس وقت وہ اس امر کا محل و مرکز ہو جائے گا کہ لوگ اس کے دعویٰ کی تصدیق کریں اور اس کی رسالت پر ایمان لے آئیں اور اس کی بات اور حکم کے سامنے جھکیں پس جو چاہے گا اس پر ایمان لے آئے گا اور جو چاہے گا اس کا انکار اور اس سے کفر کرے گا اور اسی بناء پر ہم دیکھتے ہیں کہ ہر نبی کا معجزہ ان علوم وفنون سے مناسبت رکھتا ہے جو اس کے زمانہ میں مشہورِ عالم ہوا کرتے تھے۔ (۱۵)

آخری نبیؐ کا معجزہ

شیعہ بھی دیگر مسالک کی طرح آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزۂ خالدہ قرآن حکیم کو قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ شیخ محمد رضا مظفر اپنے عقائد کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ہمارے نبی کریمؐ کا ہمیشہ رہنے والا معجزہ یہ قرآن کریم ہے جو کہ اپنی فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے معجزہ ہے۔ یہ اس زمانہ میں آیا جب کہ فن بلاغت مشہور و معروف تھا اور فصحاء و بلغاء اپنے حسن بیان اور بلندی فصاحت کی بناء پر لوگوں میں مقدم اور پیش پیش سمجھے جاتے تھے۔ (۱۶)

حضرت محمد مصطفیٰؐ سردارِ انبیاء ہیں

معروف شیعہ مجتہد شیخ محمد حسین آل کاشف الغطا نے عقائد کے بارے میں اپنی کتاب میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور مقام کے بارے میں شیعوں کا عقیدہ یوں بیان کیا ہے:

شیعوں کا عقیدہ ہے کہ وہ انبیاء جو منصوص من اللہ ہیں، وہ سب کے سب خدا کے فرستادہ اور اس کے برگزیدہ بندے ہیں۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم الانبیاء اور سید المرسلین ہیں۔ آپؐ بالکل معصوم تھے۔ مالک مطلق نے آپ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر کرائی۔ وہاں سے آپ اپنے جسم مبارک کے ساتھ عرش و کرسی نیز ماورائے حجب و سرادق تک پہنچے اور مقام قاب قوسین او ادنیٰ کی منزل تک پہنچے۔ (۱۷)

ختم نبوت

دیگر مسلمانوں کی طرح شیعہ اثناعشریہ بھی حضرت محمد مصطفیٰؐ کو خاتم النبیین جانتے ہیں اور وہ آنحضرتؐ کے بعد کسی بھی طرح کی نبوت کے دعویٰ کو باطل جانتے ہیں۔ چنانچہ شیخ محمد حسین آل کاشف الغطا لکھتے ہیں:

نیز شیعہ امامیہ کا یہ عقیدۂ راسخہ ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جو کوئی بھی نبوت یا نزول کتاب یا وحی کا دعویٰ کرے وہ خارج از اسلام، کافر اور واجب القتل ہے۔ (۱۸)

عصمتِ رسول

شیعہ امامیہ کے نزدیک تمام انبیاء معصوم عن الخطا ہیں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عصمت کے دلائل پیش کرتے ہوئے دور حاضر کے لبنان کے شیعہ فقیہ محمد حسین فضل اللہ لکھتے ہیں:

ہم کہتے ہیں کہ پیغمبر کی ذمے داری محض نامہ رسانی نہیں ہے، جس طرح ڈاکیہ (postman) لوگوں تک صرف ان کے خط پہنچاتا ہے اور بس، اس کے علاوہ ان سے کوئی سروکار نہیں رکھتا۔ بلکہ ہم تو کلام الٰہی میں پڑھتے ہیں کہ:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (۱۹)

(اس خدا نے مکہ والوں میں ایک رسول بھیجا، جوانہی میں سے تھا کہ ان کے سامنے آیات کی تلاوت کرے اور ان کے نفوس کو پاکیزہ بنائے اور انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے۔ اگر چہ یہ لوگ بڑی کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا تھے۔

اسی طرح ہم پڑھتے ہیں کہ:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًاۙ۝
وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا (۲۰)

(اے پیغمبر! ہم نے آپ کو گواہ اور بشارت دینے والا اور عذاب الٰہی سے ڈرانے والا اور خدا کی طرف اس کی اجازت سے دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔)

لہٰذا پیغمبر لوگوں کو بشارت دینے والے اور انھیں عذاب آخرت سے خبردار کرنے والے کے علاوہ لوگوں پر گواہ بھی ہیں اور ایسے چراغ کی مانند ہیں جو لوگوں کو روشنی فراہم کرتا ہے۔

واضح ہے کہ پیغمبر لوگوں کیلئے حق کا دروازہ ہیں اور ان کا منصب لوگوں کے معاملات کے فیصلے کرنا اور حق کی بنیاد پر ان کے امور کی اصلاح کرنا ہے، اور قدرتی بات ہے کہ ایک ایسا انسان جس کا کام حق کی بنیاد پر دنیا میں انقلاب لانا ہے، اس کے بارے میں یہ امکان نہیں پایا جاتا کہ اس کی عقل، اس کے قلب اور اس کے عمل میں کوئی باطل شے جگہ بنا سکے۔ ایک ایسا انسان جو لوگوں کیلئے ہدایت کا روشن چراغ بن کر آیا ہے، اس کے فکر و خیال، عقل و احساس اور اس کی سرگرمیوں میں کسی تاریک گوشے کی موجودگی کا امکان نہیں۔

نبوت ایک ایسے نور کی مانند ہے جو انسانوں کی عقل، ان کے قلب اور ان کی زندگی کو منور کرتا ہے۔ بالخصوص جس کتاب کے حامل رسول کریمؐ ہیں، اسے خداوند عالم نے نور کا نام دیا ہے اور پیغمبرؐ کو اس کتاب کا جیتا جاگتا نمونہ قرار دیا ہے۔ پیغمبر اسلامؐ قرآن صامت کے ہمراہ قرآن ناطق ہیں۔

جب ہم یہ سمجھتے ہوں کہ پیغمبرؐ کا فریضہ اور ان کی اہم ذمے داری حق کی بنیاد پر دنیا میں ایک انقلاب بپا

کرنا ہے، تو ہمارے اس فہم و تصور کا لازمہ یہ ہے کہ ہم پیغمبر کو مجسم حق سمجھیں اور اس بات کا عقیدہ رکھیں کہ ان کی شخصیت میں کسی باطل اور ذرا سی بھی تاریکی کی گنجائش نہیں ہے۔(۲۱)

معراج النبیؐ

معراج النبیؐ کے حوالے سے رائج شیعہ عقیدے کو مولانا افتخار حسین نقوی نے بیان کیا۔ انھوں نے کہا:

ہمارا عقیدہ ہے کہ رسول اللہؐ کو عالم بیداری میں اپنے جسم مبارک کے ساتھ معراج نصیب ہوئی۔ آپ کو پہلے حضرت علیؑ کی ہمشیرہ ام ہانیؓ کے ہاں سے بیت اللہ الحرام میں لایا گیا اور وہاں سے مسجد الاقصیٰ لے جایا گیا اور بعض روایات کے مطابق پھر آپ کو کوفہ لے جایا گیا اور پھر آسمانوں کی سیر کروائی گئی۔ نیز آپ کو متعدد مرتبہ معراج نصیب ہوئی۔ اس سلسلے میں اجمالی عقیدہ کافی ہے۔

قرآن کریم کے بارے میں عقیدہ

شیخ محمد حسین آل کاشف الغطا شیعوں کے نہایت معتبر علماء میں سے شمار ہوتے ہیں۔ وہ اپنی عقائد کی کتاب میں قرآن حکیم کے بارے میں اپنا عقیدہ یوں بیان کرتے ہیں:

اللہ کی وہ کتاب جو اس وقت مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے، پروردگار عالم نے اسے معجزۂ خالدہ بنا کر آپؐ پر نازل کیا۔ اس میں کوئی نقص ہے اور نہ کمی، نہ زیادتی۔

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ

اس ذکر کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

قرآن میں نقص یا تحریف کی کوئی روایت ملے بھی تو وہ غیر معتبر ہوگی اور نا قابلِ اعتماد اور ماؤّل ہوگی۔(۲۲)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس سلسلے میں شیخ محمد رضا مظفر کی بھی عبارت نقل کر دیں:

ہمارا عقیدہ ہے کہ قرآن وہ وحی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے نبی اکرمؐ کی زبان پر جاری ہوئی ہے، اس میں ہر چیز کا واضح بیان موجود ہے اور وہ آپ کا ہمیشہ رہنے والا معجزہ ہے کہ جس نے نوع بشر کو فصاحت و بلاغت اور ان حقائق و معارف عالیہ میں کہ جن پر وہ حاوی ہے اپنے مقابلہ سے عاجز کر دیا ہے۔ اس میں تغیّر و تبدل اور تحریف نہیں ہو سکتی اور یہ جو ہمارے سامنے ہے کہ جس کی ہم تلاوت کرتے ہیں یہی بعینہ وہی قرآن ہے جو نبی کریمؐ پر نازل ہوا اور جو شخص اس میں اس کے علاوہ کوئی دعویٰ کرے اس کی رائے ضعیف ہے اور وہ غلطیوں اور شکوک میں مبتلا ہے اور ایسے سب لوگ ہدایت سے ہٹے

ہوئے ہیں کیونکہ یہ اللہ کا وہ کلام ہے کہ " لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ " باطل اس کے سامنے اور پیچھے سے نہیں آسکتا اور قرآن کے اعجاز کی ایک دلیل یہ ہے کہ جتنا بھی زمانہ آگے بڑھتا جائے گا اور علوم وفنون میں ترقی رہے گی یہ اپنی تروتازگی، حلاوت، مٹھاس اور بلندی مقاصد وافکار پر باقی ہے، اس کے ثابت شدہ علمی نظریہ میں نہ کوئی خطا ظاہر ہوگی اور نہ ہی یہ کسی یقینی فلسفی حقیقت کے نقض کا متحمل ہے۔(۲۳)

مولانا سید افتخار حسین نقوی نے اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا:

بعض لوگ شیعوں پر تحریف قرآن کے قائل ہونے کا الزام عائد کرتے ہیں۔ یہ سرے سے تہمت ہے۔ شیعہ اسی قرآن کو مانتے ہیں جو سورہ فاتحہ سے شروع ہوتا ہے اور سورہ الناس پر تمام ہو جاتا ہے۔ یہ وہی قرآن ہے جو سب شیعہ وسنی مسلمانوں کے گھروں میں موجود ہے۔ شیعہ اس میں کسی قسم کی کمی بیشی کے قائل نہیں۔ دنیا کے مختلف ملکوں میں کروڑوں شیعہ آباد ہیں، شیعوں کی مساجد ،امام بارگاہوں اور گھروں میں یہی قرآن مجید موجود ہے۔ شیعوں نے قرآن حکیم کے دفاع میں سینکڑوں کتب تالیف کی ہیں۔ دنیا کے کتاب خانے شیعوں کے تراجمِ قرآن اور تفاسیر سے بھرے ہوئے ہیں۔ یہ سب شیعوں کے اس عقیدے کی ترجمان ہیں۔ آئمہ اہل بیتؑ سے ایسی بہت سی روایات منقول ہوئی ہیں جن میں فرمایا گیا ہے کہ اگر ان سے کوئی ایسا قول منقول ہو جو قرآن حکیم کے خلاف ہو تو اسے دیوار پر دے مارو کیونکہ وہ ہمارا قول نہیں ہوسکتا۔ شیعہ مجتہدین اصول فقہ میں احکام اسلامی کا سب سے اہم اور اوّلین منبع قرآن حکیم کو قرار دیتے ہیں۔ وہ قرآن کو حدیث پر ناظر گردانتے ہیں۔ شیعہ محققین کے نزدیک اگر کسی حدیث سے قرآن میں تحریف کا احتمال ظاہر ہوتا ہوتو اس کی تاویل کی جائے گی یا اسے جعلی قرار دیا جائے گا کیونکہ قرآن حکیم کی ہر آیت تواتر کے جس درجے پر فائز ہے کوئی حدیث متواتر بھی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی چہ جائیکہ مراسیل وآحاد۔ تحریف کے ہر امکان کو قرآن حکیم کی یہ آیت رد کرنے کے لیے کافی ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ(۲۴)

امامت

امامت کا عقیدہ شیعہ اثنا عشریہ کے اصولِ مذہب میں سے ہے۔ اس کی وضاحت ہم شیخ محمد حسین آل کاشف الغطا کی زبانی پڑھتے ہیں:

شیعی نقطۂ نظر کے مطابق امامت، نبوت کی طرح منصب الٰہی ہے۔ جس طرح خداوندِ عالم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے نبوت و رسالت کے جلیل القدر عہدہ کے لیے منتخب کرتا ہے، اسی طرح امامت کے معاملے میں بھی کسی کو کوئی اختیار نہیں۔ خود رب العزت نبیؐ کو حکم دیتا ہے کہ وہ ''شخص منتخب'' کی امامت کا اعلان کر دے۔ پیغمبر حسب الحکم فرائض شریعت کی تکمیل کے لیے نص کے ذریعے اس چنی ہوئی ہستی کو خلق کا پیشوا بنا دیتا ہے۔ نبیؐ اور امامؑ میں فرق صرف یہ ہے کہ نبی پر وحی نازل ہوتی ہے اور امام خصوصی توفیق کے ساتھ رسولؐ سے احکام حاصل کرتا ہے۔ پس، رسولؐ، خدا کا پیام رساں ہے اور امام رسولؐ کا پیام بر!(۲۵)

تعداد ائمہ

شیعہ اثناعشریہ کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالترتیب بارہ جانشین ہیں جو سب کے سب معصوم ہیں۔ اس سلسلے میں شیخ محمد رضا مظفر نے یوں وضاحت کی ہے:

> ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ ائمہ جن کے لئے امامت حقہ کی صفت ثابت ہے جو کہ احکام شرعیہ میں ہمارے مرجع ہیں کہ جن کی امامت پر نص وارد ہوئی ہے وہ بارہ امام ہیں جن سب پر نبی اکرمؐ نے ان کے ناموں کے ساتھ نص کی ہے پھر ان میں سے سابق نے اپنے بعد والے پر نص کی ہے کہ جس کا بیان آگے آتا ہے.

نمبر شمار	اسمائے گرامی	لقب	ولادت	شہادت
۱	ابوالحسن علی بن ابی طالب	مرتضیٰ	۲۳ قبل ھ	۴۰ بعد ھ
۲	ابومحمد حسن بن علیؑ	زکی [مجتبیٰ]	۲ھ	۵۰ھ
۳	ابوعبداللہ حسین بن علیؑ	سید الشہداء	۳ھ	۶۱ھ
۴	ابومحمد علی بن الحسینؑ	زین العابدین	۳۸ھ	۹۵ھ
۵	ابوجعفر محمد بن علیؑ	باقر	۵۷ھ	۱۱۴ھ
۶	ابوعبداللہ جعفر بن محمد	صادق	۸۳ھ	۱۴۸ھ
۷	ابوابراہیم موسیٰ بن جعفر	کاظم	۱۲۸ھ	۱۸۳ھ
۸	ابوالحسن علی بن موسیٰ	رضا	۱۴۸ھ	۲۰۳ھ
۹	ابوجعفر محمد بن علیؑ	جواد [تقی]	۱۹۵ھ	۲۲۰ھ
۱۰	ابوالحسن علی بن محمد	ہادی [نقی]	۲۱۲ھ	۲۵۴ھ

۱۱	ابو محمد حسن بن علیؑ	عسکری	۲۳۲ھ	۲۶۰ھ
۱۲	ابو القاسم محمد بن حسنؑ	مہدی	۲۵۶ھ	زندہ وسلامت ہیں الی ماشاء اللہ

اور وہی جناب ہمارے زمانے میں حجت خدا ہیں جو غائب ومنتظر ہیں **عجل اللہ فرجہ و سھل مخرجہ** خداوند عالم ان کے خروج وظہور میں جلدی کرے اور ان کے لئے خروج کو آسان کرے تا کہ وہ زمین کو عدل وانصاف سے پُر کریں بعد اس کے کہ وہ ظلم وجور سے پُر ہوگی۔(۲۶)

عقیدۂ امامت کے انکار سے مسلمان دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا

شیعہ علماء اور فقہا اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ کوئی مسلمان مذکورہ عقیدۂ امامت کے انکار سے دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ چنانچہ شیعہ فقیہ شیخ محمد حسین آل کاشف الغطا لکھتے ہیں:

> صرف امامت کا اقرار نہ کرنے سے کوئی فرد اسلام کے دائرہ سے خارج نہیں ہوسکتا۔ البتہ قیامت کے دن معلوم ہوگا اور قرب وکرامت کی منزلوں میں یہ عقیدہ اپنا اثر دکھائے گا۔
>
> دنیا میں تمام مسلمان یکساں اور ایک دوسرے کے کفو ہیں۔ ہاں آخرت میں ضرور درجوں کا تفاوت ہوگا۔ عمل اور نیت کے اعتبار سے مقامات ملیں گے۔(۲۷)

امام مہدی

امام مہدی کے بارے میں تمام مسلمانوں کا اجمالی عقیدہ تقریباً یکساں ہے۔ البتہ شیعہ اثنا عشریہ متعین طور پر ایک شخصیت کو امام مہدی مانتے ہیں اور وہ ان کے نزدیک بارھویں امام ہیں۔ قم کے معاصر شیعہ فقیہ شیخ ناصر مکارم شیرازی اس اجمالی عقیدے کے دلائل کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

> اہل تشیع اور اہل تسنن کی کتب احادیث میں اس موضوع کے بارے میں ''کہ خاندان پیغمبرؐ سے مہدی نامی ایک فرد کے ذریعہ سے صلح وعدالت پر مبنی ایک عالمی حکومت قائم ہوگی''، بہت سی احادیث ذکر کی گئی ہیں یہاں تک کہ یہ احادیث حد تواتر سے بھی بڑھ گئی ہیں جبکہ کتب اہل تشیع میں بھی ایسی متواتر احادیث موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ (مہدی عج) بارھویں امام، جانشین پیغمبرؐ امام حسینؑ کے نویں بیٹے اور امام حسن عسکریؑ کے فرزند ہیں۔ اہل سنت کی کتب احادیث میں ظہور مہدی (عج) کے بارے میں احادیث کے تواتر کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ اہل سنت کے دانشور حضرات نے اپنی کتب میں انھیں واضح طور پر نقل کیا ہے، یہاں تک کہ حجاز کے سب سے بڑے دینی مرکز ''رابطہء عالم اسلامی'' سے

شائع ہونے والے رسالے میں لکھا گیا ہے: ''وہ (مہدی عج) بارہ خلفاء راشدین میں آخری خلیفہ ہیں جن کے بارے میں پیغمبرؐ نے صحیح ترین احادیث میں خبر دی ہے اور مہدی (عج) کے متعلق پیغمبرؐ کے بہت سے اصحاب نے احادیث نقل کی ہیں۔'' (۲۸)

مہدویت اور غیبت امام

شیعہ اثناءعشریہ کا عقیدہ ہے کہ بارھویں امام ابوالقاسم محمد ابن حسن المہدی اپنے بچپن ہی میں خارجی حالات کی وجہ سے حکم الٰہی سے پردۂ غیبت میں چلے گئے تھے۔ اس عقیدے کے بارے میں ڈاکٹر محسن مظفر نقوی نے وضاحت کرتے ہوئے کہا:

بنیادی طور پر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ امام مہدی علیہ السلام کا نظریہ اور ان کی غیبت کا نظریہ متواتر شرعی میں سے ہے۔ اس کا جو انکار کرتا ہے اسے ہم اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ امور دنیا میں امام علیہ السلام کا ہاتھ کافی فعال ہے کہ جو ایک امام کا ہونا چاہیے ہم دوسروں کی بات نہیں کرتے ہم خود جس طرح سے ان پر ایمان رکھتے ہیں یا ہم نے جس طرح سے انھیں سمجھا، خود ہماری زندگی میں ان کا بہت بڑا رول ہے، بایں معنی کہ ہم اپنے آپ کو اپنے حاضر امام کے سامنے جواب دہ سمجھتے ہیں، جو کام بھی ہم کرتے ہیں اس میں ہم اس کام کو مدنظر رکھتے ہیں کہ اسے تعلیمات اہل بیتؑ کے مطابق ہونا چاہیے کیونکہ اس سے امام علیہ السلام مطمئن اور خوش ہوں گے اور جو ایسا نہیں ہے اس سے وہ خوش نہیں ہوں گے۔ اس کے اثرات ہم اپنی زندگی میں بھی دیکھتے ہیں۔

راقم نے ان سے سوال کیا کہ تاریخ اسلام میں بہت سے افراد نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا اور اس عقیدے سے سوئے استفادہ کیا ہے اس کے عالم اسلام پر منفی اثرات بھی ہوئے ہیں، ایسے میں آپ اس عقیدے کو کس طرح سے ناگزیر قرار دیتے ہیں تو انھوں نے کہا:

مہدویت کا تصور تمام مذاہب میں مختلف ناموں سے پایا جاتا ہے کہ ایک انسان ایسا آئے گا جو دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دے گا اور اس تصور کے پیچھے چونکہ بہت بڑی قوت اور ایک بہت بڑی مذہبی روایت ہے اس لیے لوگ اس سے اپنے طور پر سوئے استفادہ بھی کرتے رہے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح سے امام مہدی علیہ السلام کا تعارف کروایا ہے اس کے مطابق بہت آسان ہے کہ ہم پہچان سکیں کہ واقعی وہ مہدی جس کے آنے کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بشارت دی ہے وہ تشریف لائے ہیں یا نہیں۔ مثلاً آپؐ نے فرمایا کہ وہ آئے گا تو دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دے گا، دنیا اس کے دین پر آجائے گی۔ مختلف ادوار میں مختلف افراد نے اس پوزیشن کا دعویٰ کیا

تا کہ انھیں وہ حیثیت حاصل ہو سکے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کی جونشانیاں بیان فرما دی ہیں اور جس طرح سے اُن کا تعارف کروادیا ہے ہمارے خیال میں انھیں سامنے رکھا جائے تو پہچاننا کوئی مشکل نہیں ہوتا۔

صحابہ کرامؓ کے بارے میں نظریہ

صحابہ کرامؓ کے بارے میں اپنا نظریہ بیان کرتے ہوئے مولانا حافظ ریاض حسین نجفی نے کہا:

صحابہ کرامؓ کے بارے میں ہمارا نظریہ یہ ہے کہ وہ بہت اچھی شخصیتیں تھیں۔ انھوں نے بہترین کام کیے ہیں۔ انھوں نے رسول اللہ کا ساتھ دیا ہے۔ صحابہ کرامؓ ہی ہیں جن کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَO اُوْلٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَOفِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِO (۲۹)

صحابہ کرامؓ ہی تھے کہ جن کی جگہ جگہ تعریف کی گئی ہے۔ وہ ہر جنگ میں شریک رہے۔ وہی رسول اعظمؐ کے دائیں بائیں ہوتے تھے۔ ہم اُن کی عزت کرتے ہیں۔ البتہ اس کے ساتھ ساتھ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن مجید میں سورۂ منافقون بھی ہے۔ قرآن مجید میں آپؐ کے اردگرد بیٹھنے والے بعض افراد کے بارے میں "اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ کُفْرًا وَّ نِفَاقًا" (۳۰) جیسے الفاظ بھی آئے ہیں اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ جن افراد نے گڑبڑ کی ہے، وہ ٹھیک نہیں ہیں۔ ان کو الگ سے پہچاننے کی ضرورت ہے۔ جہاں تک صحابہ کرامؓ کا تعلق ہے ہم مجموعی طور پر اُن کی عزت کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ انھیں ہم پر فوقیت حاصل ہے کہ وہ رسول اکرمؐ کی خدمت میں رہے۔ انھوں نے علم براہ راست رسول اللہؐ سے لیا جبکہ ہمارا علم ظنی ہے۔

اس سلسلے میں ڈاکٹر محسن نقوی کی رائے ہے:

اس سلسلے میں اہل بیتؑ کا مکتب جاننا چاہیے۔ ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ ایک مذہب ہوتا ہے اور اس کے آفاقی نظریات ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ کچھ ثقافتی اور سیاسی ضروریات اور دیگر کئی چیزیں تاریخ میں شامل ہو جاتی ہیں۔ جہاں تک صحابہ کرامؓ کا تعلق ہے اس کے لیے بھی ہمیں حضرت علی علیہ السلام کے اُسوہ کو دیکھنا چاہیے۔ حضرت علی علیہ السلام کا جو رویہ خلفائے ثلاثہ کے دور میں رہا اس میں ہمیں کہیں نہیں ملتا کہ آپؑ نے انھیں بُرا بھلا کہا ہو یا کبھی سب وشتم کیا ہو۔ آپؑ ہمیشہ اُن سے تعاون فرماتے رہے۔ حضرت علی علیہ السلام حضرت عمرؓ کے عہد میں جب وہ مدینے سے باہر گئے تو ان کی جگہ پر خلیفہ بھی رہے۔ یہی بات امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کے بارے میں بھی ہے بلکہ ہم تو یہ کہیں گے کہ ایسی کوئی بات ہمیں کسی امام کے ہاں

نہیں ملتی ۔اُن کا یہی رتبہ ہے کہ وہ اصحاب رسولؐ ہیں ۔قرآن مجید میں ان کی شان میں جو آیات ہیں اُن کی تفسیر اگر مجمع البیان یا دیگر معتبر تفاسیرِ شیعہ میں دیکھیں تو جو فضیلت ان میں بیان کی گئی ہے اس کا اقرار ان میں موجود ہے۔ جب ہم قرآن پر ایمان رکھتے ہیں تو اُن مناقب پر بھی ایمان رکھتے ہیں لیکن یہ کہ اُن کی وجہ سے وہ امامت کے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مذہبی قیادت کے بھی اہل تھے، یہ دوسری بات ہے۔

اس سلسلے میں مولانا سید افتخار حسین نقوی نے فرمایا:

اصحاب پیغمبر کا احترام ضروری ہے اور ان کی توہین حرام ہے اور جبکہ اہل بیتؑ کی محبت فرض ہے جن کی محبت فرض ہے ان سے محبت کی جائے اور جن کا احترام ضروری ہے ان کا احترام کیا جانا چاہیے۔

اتحاد بین المسلمین

اتحاد بین المسلمین کے حوالے سے شیعوں نے بہت کچھ لکھا ہے یہاں تک کہ اس موضوع پر اُن کی بہت سی مستقل اور الگ تصنیفات موجود ہیں۔ گذشتہ چند دہائیوں میں اس موضوع پر اُن کے ہاں زیادہ کام دکھائی دیتا ہے۔ ہم یہاں پر کچھ عبارتیں نقل کرتے ہیں۔

سید ابن حسن نجفی کہتے ہیں:

مانی ہوئی بات ہے جب تک مسلمانوں میں ایکا نہیں ہوگا اس وقت تک نہ توان میں صحنِ عالم کو توحید کے نظریے سے سجانے کی سکت پیدا ہوگی اور نہ وہ کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (۳۱) (دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو، جسے انسانوں کی ہدایت کے لیے لایا گیا ہے۔) کے معیار پر پورے اتریں گے!

قرآن حکیم نے دین حق سے وابستگی رکھنے والوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ آپس میں گھل مل کر رہنے کی عادت اور متفقہ حکمت عملی اختیار کرنے کی خُو ڈالیں اور اس کے ساتھ ہی اسلام سے پہلے کے دور کی جانب توجہ دلاتے ہوئے اس نعمتِ عظمٰی کی یاد دہانی کروائی ہے جو ٹوٹے ہوئے رشتوں کے جڑنے اور انمل دلوں کے ملنے سے حاصل ہوئی۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ. (۳۲)

سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور تفرقے میں نہ پڑو! اسے یاد کرتے رہو۔ تم آپس میں

ایک دوسرے کے دشمن تھے۔اس نے تمھارے دل ملا دیے اوراس کی مہربانی سے تم سب بھائی بھائی بن گئے۔تم دہکتی ہوئی آگ کی بھٹی کے دہانے پر کھڑے تھے۔اس نے تمھیں اس میں گرنے سے بچا لیا۔اللہ اسی طرح تمھارے لیے اپنی نشانیاں روشن کرتا ہے،تا کہ تمھیں سیدھی راہ نظر آ جائے۔

اب اس کے باوجود جو لوگ خود کو مسلمان کہلوانا ضروری سمجھتے ہیں،لیکن اسلام کے نظام اجتماعی کے لیے جو فلسفہ متعارف کروایا گیا ہے،اسے خاطر میں لانے کے لیے تیار نہیں ہیں،کتاب الٰہی ان سے یوں خطاب کرتی ہے:

وَ لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْا وَ اخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَیِّنٰتُ وَ اُولٰٓئِکَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (۳۳)

کہیں!تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو تفرقے کا شکار ہو گئے اور واضح ہدایات کے ہوتے ہوئے بھی، اختلافات میں پھنس کر رہ گئے۔جنھوں نے یہ رویہ اختیار کیا وہ بڑی سخت سزا پائیں گے۔

جس دستورِ حیات میں تفریق و تقسیم سے بچنے پر اتنا زور دیا گیا ہو اور اتحاد و اخوت کے بارے میں اس درجہ شرح و تفصیل پائی جائے،اس کے وفاداروں میں تو انتشار،پراگندگی اور افراتفری کا نام و نشان تک نہیں ہونا چاہیے تھا۔مگر،صاحب!جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے کہ بات بات پر قرآن اٹھانے والوں میں اختلاف،آویزش اور تصادم کے سوا اور کچھ نظر ہی نہیں آتا!

خاص طور پر مختلف مکاتب فکر اور مسالک فقہ کے حوالے سے تو یہ قوم ہمہ جاں زخم و ہمہ تن جراحت بنی ہوئی ہے اور اس وجہ سے سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ اسلام جو ایک رواں دواں،آفاق گیر،انقلابی نظام فکر و عمل تھا،اس کی باڑھ رک گئی،وہ دلدل میں پھنس کر رہ گیا،پھر ستم بالائے ستم یہ کہ سیاسی اور معاشی قزاقوں نے اسے ایسا لوٹا کہ حلیہ تک بگاڑ ڈالا۔

مقابلے اور بناوٹ،کاٹ،چھانٹ اور آپس کی ضدم ضدا سے جو عنوان ابھرے ہیں،ان میں شیعہ سنی مسئلہ سرفہرست رہا اور ہے......تاریخ سے پوچھیے!اس نام پر دھرتی نے کتنا خون پیا ہے۔فضا میں کتنی آہیں بکھری ہیں اور اُوپر سے کیا کیا آفتیں نازل ہوئی ہیں؟ نیز آج بھی،اس روشن دور میں، ہاں!ہاں!تسخیر"ماہ و انجم"کے عہد میں جو صورت واقع ہے وہ زبانِ حال سے کہہ رہی ہے:کلمہ گو یو!کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟(۳۴)

اس موضوع پر بات کرتے ہوئے حافظ ریاض حسین نجفی نے کہا:

مذکورہ امتیازات کے باوصف ہم سمجھتے ہیں کہ جو بھی کلمہ گو ہے وہ مسلمان ہے۔اس کی جان،مال اور

عزت محفوظ ہے۔ کسی کلمہ گو کے بارے میں ہمارا ذہن کہتا ہو کہ یہ اندر سے منافقت کر رہا ہے ہمیں تب بھی یہ حکم دیا گیا ہے کہ اُسے مسلمان سمجھیں۔

جہاں تک چار مذاہب فقہ کا تعلق ہے ان میں سے حضرت امام ابوحنیفہ تو خود کہا کرتے تھے کہ میں امام جعفر صادقؑ کا شاگرد ہوں۔ اسی طرح حضرت امام مالکؒ کا حضرت امام جعفر صادقؑ کے ساتھ آنا جانا تھا۔ امام جعفر صادقؑ بھی ان سے پیار کرتے تھے۔ یہ آئمہ بھی اسلام کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اسلامی احکام بیان کرتے ہیں۔ ان میں اور فقہ جعفری میں ہم آہنگی کا ثبوت اس امر سے ملتا ہے کہ قاضی نور اللہ شوشتری کو برصغیر کی پوری مملکت اسلامیہ کا چیف جسٹس بنایا گیا تھا۔ وہ شیعہ تھے۔ وہ جو بھی فیصلہ دیتے وہ اہل سنت کے چار مذاہب فقہ میں سے کسی ایک کے فتویٰ کے مطابق ہوتا اور وہ فقہ جعفری کے مطابق بھی ہوتا تھا۔ ہم ان چاروں مذاہب کے ماننے والوں کو مسلمان سمجھتے ہیں اور یہ واقعی مسلمان ہیں۔ ان سے ہمارے فروعی اختلافات ایسے ہی ہیں جیسے آپس میں ان کے درمیان فروعی اختلافات ہیں۔

ہم مسلمانوں کے مابین اتحاد، محبت اور یگانگت پر یقین رکھتے ہیں۔ ہم تو غیر مسلموں کے ساتھ بھی رواداری ضروری سمجھتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ انسان کی انسان کی حیثیت سے عزت وتکریم ہونی چاہیے، مسلمان تو بہر حال مسلمان ہیں جن کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں اور حدیث کہتی ہے کہ مسلم مسلم کا بھائی ہے۔

پہلے دور میں تمام مکاتب فکر کے علماء آپس میں ملتے جلتے تھے۔ اب میل ملاقات کا یہ سلسلہ کم ہو گیا ہے۔ اسے بہتر کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح ایک دوسرے کی کتابوں کا مطالعہ کیا جانا چاہیے۔ ذمہ دار علماء کی کتب کو پڑھنا چاہیے۔ ایک دوسرے کے فقہی مسلک اور ادلہ کو جاننا چاہیے۔ انھیں سامنے رکھ کر بات چیت کرنی چاہیے۔ ہم دیکھیں گے کہ بہت سی چیزیں مشترک ہیں۔ اس طرح اشتراک و ہم آہنگی کی فضا قائم ہوگی۔ یہ امر افسوسناک ہے کہ تعصب کی ایسی فضا پیدا ہو چکی ہے کہ ایک دوسرے کی مساجد میں نماز پڑھنا مشکل ہو گیا ہے۔ پہلے ایسا نہیں تھا۔ ایک مرتبہ میں مسلم کالونی لاہور میں اہل سنت کی ایک مسجد میں نماز پڑھنے گیا۔ میں نماز میں مشغول ہو گیا تو وہاں کے عالم دین نے میرا جوتا اٹھا کر ایک دیوار کے ساتھ رکھ دیا۔ جب میں نماز ختم کر چکا تو انھوں نے کہا معاف کیجئے گا میں نے آپ کا جوتا اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا تھا اور اب اس لیے آیا ہوں کہ کہیں آپ تلاش نہ کرتے رہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے اس قدر ایک دوسرے کا احساس تھا۔ اس احساس کو پھر زندہ

کرنے اور تعصب کو ختم کرنے کی ضرورت ہے۔ آئمہ مساجد کو چاہیے اپنے خطبوں میں دوسرے مسالک کے لوگوں کو اپنی مساجد میں آنے اور آزادی سے اپنے طریقے کے مطابق نماز پڑھنے کی دعوت دیں۔

اتحاد بین المسلمین کے حوالے سے مولانا افتخار حسین نقوی کہتے ہیں:

امور عملی میں کچھ فروعی اختلافات کے باوجود مسلمانوں کے مابین بیشتر امور میں اتفاق رائے ہے۔ یہ اتفاق معاملات اور معاشرتی وسماجی امور میں تو بہت زیادہ ہے۔ مثلاً سود، شراب اور زنا کی حرمت پر سب کا اتفاق ہے۔ عبادی امور میں بھی نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ کے وجوب پر سب کا اتفاق ہے۔ عقاید میں بھی بنیادی امور پر اتفاق ہے۔ قرآن حکیم پر سب کا اتفاق ہے۔ کعبۃ اللہ کا سب احترام کرتے ہیں۔ جہاں تک فروعی اختلافی امور کا تعلق ہے چاہے وہ عقیدتی امور ہوں یا دیگر یہ اختلاف خود اہل سنت کے مختلف مسالک میں بھی موجود ہیں، شاید مجموعی طور پر ہمارے اختلافات خود اہل سنت کے باہمی سے کم ہوں۔ اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کے مابین اتحاد و وحدت کا قیام اور اس کا باقی رہنا بہت ضروری ہے۔ البتہ اتحاد سے مراد ہمارے مرحوم قائد مفتی جعفر حسین کے بقول انضمام نہیں ہے چونکہ استنباط اور فہم کا اختلاف فطری بھی ہے۔ مسلمانوں کے مابین محبت رسولؐ، محبت آل رسولؐ، احترام صحابہ کرامؓ اور احترام ازواج پیغمبرؐ کی بنیاد پر قربت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ ہر مسلک کے علمائے کرام کو دوسرے مسلک کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے احتیاط کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ امت کی وحدت ہی سے حضور ختمی مرتبتؐ کا قلب مبارک بھی خوش ہوگا اور رضائے الٰہی بھی اس میں مضمر ہے۔ بازار میں شیعہ اور سنی اکٹھے بیٹھے ہوتے ہیں، کوئی مر جائے تو اکٹھے جاتے ہیں، شادی بیاہ وغیرہ پر بھی اکٹھے ہوتے ہیں لیکن جب مسجد کی بات ہوتی ہے اور اذان ہوتی ہے تو اس میں تقسیم دکھائی دیتی ہے۔ یہ شیعہ کی مسجد ہے، یہ بریلوی کی مسجد ہے اور یہ دیوبندی کی مسجد ہے، اللہ کی مسجد تو کوئی رہی نہیں حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ مسجد مسلمان کی ہو جب بازار میں اکٹھے بیٹھے ہیں تو مسجد میں کیوں نہیں اکٹھے ہو جاتے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے مسلک والے کے پیچھے نماز پڑھے تو اس کی نماز کا ثواب کئی گنا ہو جاتا ہے۔ اسی اتحاد کے حصول کے لیے امام خمینی نے ایرانیوں اور اپنے پیروکاروں کو حکم دیا کہ مکہ مکرمہ حج کے لیے جائیں تو حرم میں باجماعت نماز میں شریک ہوں اور الگ اپنی قیام گاہ یا کسی اور جگہ پر نماز باجماعت ادا نہ کریں۔ اختلافات زیادہ تر دوسرے اور تیسرے درجے کے خطیب اور مولوی صاحبان پیدا کرتے

ہیں۔بدقسمتی سے انہی کا عوام سے رابطہ بھی زیادہ ہوتا ہے۔

جہاں تک خلافت کے مسئلے پر اختلاف کا تعلق ہے میں کہتا ہوں کہ زمانہ بدل گیا ہے، ہمیں حقائق سے انکار نہیں کرنا چاہیے۔ یہ حقیقت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مسلمانوں کی حکومت حضرت ابوبکرؓ، ان کے بعد حضرت عمرؓ اور ان کے بعد حضرت عثمانؓ کے ہاتھ رہی، ان کے بعد لوگوں نے جمع ہو کر حضرت علیؑ کو حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لینے پر آمادہ کیا۔ حضرت علیؑ کے بقول لوگ بیعت کے لیے اس طرح سے ٹوٹے پڑتے تھے کہ مجھے ڈر ہوا کہ کہیں حسنؑ و حسینؑ کچلے نہ جائیں۔ مختصر یہ کہ اگر امت مسلمہ کی اکثریت ان خلفاء کو اپنا رہبر ورہنما مانتی ہے تو کسی کو ان کے بارے میں کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہیے جس سے کسی کی دل آزاری ہو یا توہین کا پہلو نکلتا ہو۔ خود حضرت علیؑ نے اختلاف رائے کے باوجود خلفائے ثلاثہ کا اسلام کے عظیم تر مفاد میں ساتھ دیا اور جب بھی ان میں سے کسی نے مشورہ طلب کیا تو آپ نے دریغ نہ کیا۔ حضرت علیؑ کے ماننے والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ بھی آپ کی پیروی کرتے ہوئے اسلام اور امت اسلامیہ کے عظیم تر مفاد میں سوچیں اور عمل کریں۔ امت کے اتحاد کے تقاضوں کو ہمیشہ ملحوظ رکھیں۔ ہمیں حضرت علیؑ اور آل رسولؑ سے قدم آگے نہیں بڑھانا چاہیے۔

تکفیر

اس موضوع پر مولانا سید افتخار حسین نقوی کا کہنا تھا:

مسلمانوں کو ایک دوسرے کی تکفیر سے اجتناب کرنا چاہیے، یہ بہت خطرناک عمل ہے۔ ماضی میں خوارج کی یہی روش رہی ہے۔ اگر ہر مسلک ایک دوسرے کو کافر قرار دینے لگے تو کوئی مسلمان نہیں بچے گا۔ آنحضرتؐ نے سب سے پہلے یہ دعوت دی:

قولو الاالہ الا اللہ تفلحوا

یعنی لاالہ الا اللہ کہو اور فلاح پا جاؤ۔

کلامی نقطۂ نظر

شیعوں کا ایک خاص کلامی منہج ہے۔ استاد مرتضیٰ مطہری نے پہلے مرحلے پر کلام کو دو حصوں میں منقسم کیا ہے، ایک ''عقلی کلام'' اور دوسرا ''نقلی کلام'' اس کی وضاحت کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں:

عقلی کلام میں وہ مسائل شامل ہیں جن کے مقدمات سو فیصد عقلی ہیں اور اگر بالفرض نقل (آیات واحادیث) سے استفادہ کیا بھی جاتا ہے تو وہ صرف عقلی رہنمائی اور حکم عقل کی تائید کی حد تک ہے۔ جیسے توحید ونبوت اور معاد سے متعلق کچھ مسائل۔اس قسم کے مسائل میں نقل (کتاب وسنت) سے استدلال کافی نہیں ہے بلکہ صرف عقل سے مدد لینی چاہیے۔

نقلی کلام میں وہ مسائل آتے ہیں جو اگرچہ اصول دین سے تعلق رکھتے ہیں اور چاہیے کہ ان پر ایمان واعتقاد رکھا جائے لیکن چونکہ وہ نہ تو نبوت پر مقدم ہیں اور نہ عین نبوت ہیں بلکہ نبوت کی فرع ہیں لہٰذا ان کا وحی الٰہی یا پیغمبر اسلامؐ کی قطعی ویقینی حدیث کے ذریعہ ثابت ہو جانا کافی ہے۔ جیسے امامت سے مربوط مسائل۔۔۔اسی طرح معاد کے اکثر مسائل اسی نقلی کلام سے تعلق رکھتے ہیں۔(۳۵)

استاد مرتضیٰ مطہری جو شیعوں کے ہاں بیک وقت کلام، فلسفہ اور فقہ میں بلند مقام رکھتے ہیں کلام کے مندرجہ بالا دو شعبے بیان کرنے کے بعد شیعہ اور سنی کلام میں فرق کے بارے میں اپنا نظریہ یوں بیان کرتے ہیں:

حدیثی نقطۂ نظر سے اس امتیاز کا راز یہ ہے کہ اہل تسنن کی احادیث کے برخلاف شیعہ حدیثوں میں کچھ ایسی حدیثیں بھی موجود ہیں جن میں سماجیات یا ماورائے طبیعت کے عمیق مسائل کا منطقی نقطہ نظر سے جائزہ لیا گیا ہے۔ جبکہ اہل تسنن کی احادیث میں اس قسم کے موضوعات کے متعلق تجزیہ وتحلیل نظر نہیں آتی۔مثلاً اگر ان کی حدیثوں میں قضا وقدر، خداوند عالم کے وسیع وعام ارادے، باری تعالیٰ کے اسماء وصفات، روح اور انسان، موت کے بعد کی دنیا، حساب وکتاب، صراط ومیزان، امامت وخلافت اور اسی طرح کے دیگر موضوعات کا ذکر ہوا ہے تو ان کے بارے میں کسی قسم کی وضاحت نہیں کی گئی ہے، نہ دلیل واستدلال سے کام لیا گیا ہے لیکن شیعی احادیث میں ان تمام مسائل کا عمیق جائزہ لیا گیا ہے اور ان کے بارے میں استدلال بھی کیا گیا ہے۔ صحاح ستہ کی حدیثوں کے ابواب اور کلینی کی ''کافی'' کی حدیثوں کے ابواب کے درمیان ایک مختصر سا موازنہ ہی بات کو پورے طور پر واضح کر دے گا۔(۳۶)

استاد مرتضیٰ مطہری نے اس امر کی بھی وضاحت کی ہے کہ ان کا کلامی مکتب کب سے اور کس پس منظر میں شروع ہوا:

حقیقت تو یہ ہے کہ اسلامی معارف وتعلیمات میں عمیق عقلی بحثیں پہلی مرتبہ حضرت علی علیہ السلام کے خطبوں، دعاؤں اور گفتگوؤں میں نظر آئی ہیں۔ یہ حضرت علیؑ ہی کی ذات تھی جس نے پہلی مرتبہ، خداوند تعالیٰ کی ذات وصفات، حدوث وقدم، بساطت وترکیب اور وحدت وکثرت وغیرہ کے سلسلے میں انتہائی عمیق گفتگو کی، جو آج بھی نہج البلاغہ اور شیعوں کی مستند حدیثوں میں موجود ہیں۔ان بحثوں

میں جو رنگ اور جو روح پائی جاتی ہے، وہ معتزلہ اور اشاعرہ کی کلامی روش حتیٰ کہ ان بعض شیعہ علماء کے کلام سے بھی بالکل مختلف ہے جو اپنے زمانے کے کلام سے متاثر تھے۔ ہم نے اپنی کتاب ''سیری در نہج البلاغہ'' اور ''اصول فلسفہ وروش ریالیسم'' کی پانچویں جلد کے مقدمہ میں اس مسئلے پر روشنی ڈالی ہے۔

سنی مورخوں کو یہ اعتراف ہے کہ شیعی عقل، قدیم الایام سے فلسفی عقل رہی ہے یعنی شیعی طرز فکر شروع ہی سے استدلالی و تعقلی طرز فکر رہا ہے۔ شیعی تعقل و تفکر صرف حنبلی طرز فکر، جو مذہبی عقائد میں دلیل و استدلال کا سرے سے منکر ہے اور اشعری تفکر جو عقل سے اس کی اصالت کو چھین کر اسے ظواہر الفاظ کا پابند بناتا ہے، ہی کا مخالف نہیں ہے بلکہ وہ معتزلی طرز فکر کا بھی، اس کی تمام تر عقل نوازی کے باوجود مخالف ہے کیونکہ معتزلی طرز فکر اگرچہ عقلی ہے لیکن اس کی اساس جدل پر ہے، برہان پر نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تقریباً سبھی اسلامی فلاسفہ شیعہ تھے۔ اسلامی فلسفہ کی حفاظت صرف شیعوں نے کی ہے اور شیعوں نے یہ جذبہ اپنے پیشواؤں خاص طور سے اپنے پہلے امام امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے حاصل کیا ہے۔

شیعہ فلسفیوں نے فلسفہ کو کلام کی شکل میں ڈھالے بغیر اور اس کی برہانی حکمت کی شکل بگاڑ کر جدلی حکمت کی صورت عطا کیے بغیر وحی قرآن اور دینی رہنماؤں کے فیوضات و ارشادات کے سہارے اسلامی اصول وعقائد کی بنیادوں کو مستحکم بنایا ہے۔(۳۷)

اجتہاد کے متعلق نظریہ

شیخ محمد رضا مظفر اجتہاد کے متعلق شیعہ نظریہ یوں بیان کرتے ہیں:

ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اجتہاد احکام فروعی میں تمام مسلمانوں پر غیبت امام علیہ السلام کے زمانہ میں واجب کفائی ہے، ان معنی میں کہ ہر مسلمان پر غیبت کبریٰ کے ہر زمانہ میں واجب ہے لیکن جب اس مقصد کے لئے اتنے اشخاص کھڑے ہو جائیں جو بقدر کفایت ہوں اور بقایا کو اس امر سے بے پرواہ کر دیں تو باقی مسلمانوں سے اجتہاد ساقط ہو جائے گا اور ان کو وہ کافی سمجھیں گے جو اس کی تحصیل کے در پے ہوئے ہیں اور درجہ اجتہاد کو حاصل کر چکے ہوں بشرطیکہ وہ جامع الشرائط بھی ہوں پس باقی لوگ انہی کی تقلید کریں گے اور فروع دین میں ان کی طرف رجوع کریں گے۔

لہذا ہر زمانہ میں مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے درمیان دیکھیں، اگر انھیں اپنے میں سے کچھ ایسے افراد نظر آ جائیں کہ جنھوں نے اپنے آپ کو اس کام کے لئے وقف کر دیا ہے اور وہ درجہ اجتہاد کو

حاصل کر چکے ہیں کہ جس درجے کو عظیم نیک بخت کے علاوہ کوئی نہیں حاصل کر سکتا اور ان شرائط کے جامع بھی ہوں کہ جو انھیں تقلید کرانے کا اہل بنا دیتے ہیں تو وہ ان پر اکتفا کریں اور ان کی تقلید کر لیں اور احکام دین کے جاننے میں ان کی طرف رجوع کریں اور اگر انھیں ایسے اشخاص نہ مل سکیں جو اس قدر و منزلت کے مالک ہوں تو تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان میں سے ہر شخص درجہء اجتہاد کو حاصل کرے یا یہ کہ وہ اپنے درمیان ایسے افراد مہیا کریں جو اس درجہ کو حاصل کرنے کے لئے اپنے کو فارغ کریں جب کہ ان سب کے لئے اس امر کے لئے کوشش کرنا محال یا مشکل ہو لیکن ان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی مردہ مجتہد کی تقلید کر لیں، اور اجتہاد کا معنی ہے احکامِ فرعیہ جاننے کے لئے ادلہء شرعیہ میں غور و فکر کرنا، وہ احکام کہ جنھیں سید المرسلینؐ لے کر آئے ہیں اور وہ احکام زمانہ اور حالات کے تغیر و تبدل سے نہیں بدل سکتے ''حلال محمد حلال الی یوم القیامة و حرامه حرام الی یوم القیامة'' (آنحضرتؐ کا حلال کیا ہوا امر قیامت تک کے لئے حلال اور حرام شدہ امر قیامت تک کے لئے حرام ہے) اور ادلہء شرعیہ یہ ہیں: قرآن مجید، سنت، اجماع اور عقل، ان تفاصیل کے ساتھ جو کہ کتبِ اصول فقہ میں مذکور ہیں اور درجہء اجتہاد کا حصول بہت سے معارف و علوم کا محتاج ہے کہ جو حاصل نہیں ہو سکتے مگر اس شخص کو جو جد و جہد کرے اور اپنے آپ کو اسی کام کے لئے فارغ کر دے اور اپنی وسعت و طاقت کو ان علوم کی تحصیل کے لئے وقف کر دے۔ (۳۸)

حواشی

(۱) حٰم: ۴۱۔۵۳

(۲) بقرۃ: ۲۔۱۷۰

(۳) انعام: ۶۔۱۱۶

(۴) مظفر، محمد رضا: عقائد امامیہ، ترجمہ: مولانا سید صفدر حسین نجفی (تنظیم فدایان اکبر، لاہور، ۱۳۹۴ھ) ص، ۱۲ و ۱۳

(۵) مظفر، محمد رضا: عقائد امامیہ، ترجمہ: مولانا سید صفدر حسین نجفی (تنظیم فدایان اکبر، لاہور، ۱۳۹۴ھ) ص ۱۴

[شیخ محمد رضا مظفر کی ''عقائد الامامیۃ'' جو عربی میں ہے۔ ہمارے پاس اس کا موجود نسخہ دار الغدیر لبنان بیروت کا شائع کردہ ہے جس پر سال اشاعت درج نہیں۔ البتہ اردو ترجمے کے لیے ہم نے مولانا سید صفدر حسین نجفی کے ترجمے پر انحصار کیا ہے جو پاکستان کے شیعہ علماء میں بہت احترام رکھتے ہیں۔]

(۶) الحجرات:۴۹۔۱۴

(۷) آل کاشف الغطاء، محمد حسین: اصل واصول شیعہ، ترجمہ: سید ابن حسن نجفی (شعبہ تبلیغات تحریک جعفریہ پاکستان، سنہ ندارد) ص۱۱۵ تا ۱۱۸

(۸) آل کاشف الغطاء، محمد حسین: اصل واصول شیعہ، ترجمہ: سید ابن حسن نجفی (شعبہ تبلیغات تحریک جعفریہ پاکستان، سنہ ندارد) ص۱۲۸ تا ۱۲۹

(۹) شیرازی، ناصر مکارم: اصول عقائد: (نور مطاف، قم، ایران، ۱۴۲۳ھ ص۶۴ تا ۶۵

(۱۰) شوریٰ:۴۲۔۱۱

(۱۱) شیرازی، ناصر مکارم: اصول عقائد: (نور مطاف، قم، ایران، ۱۴۲۳ھ ص۶۶ تا ۶۸ استاد مکارم شیرازی کی اصل کتاب فارسی میں ہے جس کا نام ہے ''پنجاہ درس اصول عقائد برای جوانان'' جو ہمارے پیش نظر ہے اسے مطبوعات ہدف، قم نے شائع کیا ہے اور اس کا سال اشاعت ۱۳۷۲ ہجری شمسی ہے۔ اردو ترجمہ بھی ایران کے ایک ادارے نے شائع کیا ہے۔

(۱۲) مظفر، محمد رضا: عقائد امامیہ، ترجمہ: مولانا سید صفدر حسین نجفی (تنظیم فدایان اکبر، لاہور، ۱۳۹۴ھ) ص۲۵ تا ۲۷

(۱۳) شیرازی، ناصر مکارم: اصول عقائد: (نور مطاف، قم، ایران، ۱۴۲۳ھ ص۷۱ تا ۷۳

(۱۴) مظفر، محمد رضا: عقائد امامیہ، ترجمہ: مولانا سید صفدر حسین نجفی (تنظیم فدایان اکبر، لاہور، ۱۳۹۴ھ) ص۳۸۔۳۹

(۱۵) مظفر، محمد رضا: عقائد امامیہ، ترجمہ: مولانا سید صفدر حسین نجفی (تنظیم فدایان اکبر، لاہور، ۱۳۹۴ھ) ص۴۴ تا ۴۶

(۱۶) مظفر، محمد رضا: عقائد امامیہ، ترجمہ: مولانا سید صفدر حسین نجفی (تنظیم فدایان اکبر، لاہور، ۱۳۹۴ھ) ص۴۶ تا ۴۷

(۱۷) آل کاشف الغطاء، محمد حسین: اصل واصول شیعہ، ترجمہ: سید ابن حسن نجفی (شعبہ تبلیغات تحریک جعفریہ پاکستان، سنہ ندارد) ص۱۳۱ تا ۱۳۲

(۱۸) آل کاشف الغطاء، محمد حسین: اصل واصول شیعہ، ترجمہ: سید ابن حسن نجفی (شعبہ تبلیغات تحریک جعفریہ پاکستان، سنہ ندارد) ص۱۳۱ تا ۱۳۲

(۱۹) جمعہ:۶۲۔۲

(۲۰) احزاب:۳۳۔۴۵و۴۶

(۲۱) فضل اللہ، سید محمد حسین: فقہ زندگی (دار الثقلین کراچی، ۲۰۰۹ء) ص۳۳۲ تا ۳۳۴۔

(۲۲) آل کاشف الغطاء، محمد حسین: اصل واصول شیعہ، ترجمہ: سید ابن حسن نجفی (شعبہ تبلیغات تحریک جعفریہ پاکستان، سنہ ندارد) ص۱۳۱ تا ۱۳۲

(۲۳) مظفر، محمد رضا: عقائد امامیہ، ترجمہ: مولانا سید صفدر حسین نجفی (تنظیم فدایان اکبر، لاہور، ۱۳۹۴ھ) ص۵۷ تا ۵۸

مزید دیکھیے: جعفری، محمد حسن: خیر البریہ فی تاریخ الشیعہ (تحریک تحفظ تعلیماتِ آلِ محمدؑ، سرگودھا، سنہ ندارد) ص۱۹۹

(۲۴) حجر:۱۵۔۹

(۲۵) آل کاشف الغطاء، محمد حسین: اصل واصول شیعہ، ترجمہ: سید ابن حسن نجفی (شعبہ تبلیغات تحریک جعفریہ پاکستان، سنہ ندارد) ص۱۱۵

مزید دیکھیے: اصول عقائد: آیۃ اللہ مکارم شیرازی ناشر: نور مطاف قم چاپ دوم ۱۳۸۱ صفحہ ۲۱۶ تا ۲۱۷۔

(۲۶) مظفر، محمد رضا: عقائد امامیہ، ترجمہ: مولانا سید صفدر حسین نجفی (تنظیم فدایان اکبر، لاہور، ۱۳۹۴ھ) ص۸۶ تا ۸۷

(۲۷) آل کاشف الغطاء، محمد حسین: اصل واصول شیعہ، ترجمہ: سید ابن حسن نجفی (شعبہ تبلیغات تحریک جعفریہ پاکستان، سنہ ندارد) ص ۱۱۵ تا ۱۲۳

(۲۸) مظفر، محمد رضا: عقائد امامیہ، ترجمہ: مولانا سید صفدر حسین نجفی (تنظیم فدایان اکبر، لاہور، ۱۳۹۴ھ) ص ۲۹۶ و ۲۹۷

(۲۹) الواقعہ: ۵۶۔۱۰ تا ۱۲

(۳۰) توبہ: ۹۔۹۷

(۳۱) آل عمران: ۳۔۱۱۰

(۳۲) آل عمران: ۳۔۱۰۳

(۳۳) آل عمران: ۳۔۱۰۵

(۳۴) آل کاشف الغطاء، محمد حسین: اصل واصول شیعہ، ترجمہ: سید ابن حسن نجفی (شعبہ تبلیغات تحریک جعفریہ پاکستان، سنہ ندارد) ص ۲۹ تا ۳۳

مزید دیکھیے: (ہمارا پیام، سید محمد باقر الصدر کے افکار و تعلیمات، مترجم: مرتضیٰ حسین صدر الافاضل، دار الثقافۃ الاسلامیہ، کراچی، ۱۹۸۳ء، ص ۴۶ تا ۴۹)

مزید دیکھیے: اصول عقائد: استاد مکارم شیرازی ناشر: نور مطاف قم چاپ دوم ۱۳۸۱ صفحہ ۲۱۹ تا ۲۲۰۔

(۳۵) مطہری مرتضیٰ: مجموعہ آثار (انتشارات صدرا، تہران ۱۳۷۰ھ ش) ج ۳، ۶۱ مطہری، مرتضیٰ، استاد: اسلامی علوم کا تعارف، ترجمہ: سید محمد عسکری (مرکز تحقیقات اسلامی، راولپنڈی، ۲۰۰۱ء) ص ۱۷۲،

(۳۶) مطہری مرتضیٰ: مجموعہ آثار (انتشارات صدرا، تہران ۱۳۷۰ھ ش) ج ۳، ص ۹۱، ۹۲ مطہری، مرتضیٰ، استاد: اسلامی علوم کا تعارف، ترجمہ: سید محمد عسکری (مرکز تحقیقات اسلامی، راولپنڈی، ۲۰۰۱ء) ص ۲۰۶

(۳۷) مطہری مرتضیٰ: مجموعہ آثار (انتشارات صدرا، تہران ۱۳۷۰ھ ش) ج ۳، ص ۹۲، ۹۳ مطہری، مرتضیٰ، استاد: اسلامی علوم کا تعارف، ترجمہ: سید محمد عسکری (مرکز تحقیقات اسلامی، راولپنڈی، ۲۰۰۱ء) ص ۲۰۶ تا ۲۰۷

(۳۸) مظفر، محمد رضا: عقائد امامیہ، ترجمہ: مولانا سید صفدر حسین نجفی (تنظیم فدایان اکبر، لاہور، ۱۳۹۴ھ) ص ۱۵ و ۱۶

امتیازی مسائل

ہم قبل ازیں شیعہ اثنا عشریہ کا بنیادی فرق دیگر مسالکِ اسلامی سے بیان کر آئے ہیں۔ بعض عقیدتی مسائل کا فرق بھی بیان کیا جا چکا ہے۔ اس حصے میں ہم مختصراً بعض امتیازی عقائد اور روزمرہ کے عبادی مسائل و احکام میں شیعہ اثنا عشریہ کے چند امتیازات کی طرف اشارہ کریں گے۔ اس سلسلے میں بنیادی امتیاز کو مولانا سید ریاض حسین نجفی نے یوں بیان کیا ہے:

شیعوں کا بنیادی نظریہ یہی ہے کہ ہمیں قرآن مجید اور فرمان رسولؐ کے مطابق قول و فعل اختیار کرنا چاہیے اور امیر المومنین حضرت علیؑ کے قول کے مطابق ان دو کے علاوہ ہم کسی اور کو اتھارٹی نہیں سمجھتے۔ عقیدہ توحید و رسالت میں اصولی طور پر تو ہمارا دیگر اسلامی مسالک سے کوئی اختلاف نہیں، البتہ بعض امور میں تھوڑا بہت فرق ہے۔ مثلاً ہم اس نظریے کو درست نہیں سمجھتے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نظر آئے گا بلکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا نہیں جا سکتا۔ اسی طرح ہمارا عقیدہ ہے کہ رسول اکرمؐ اعلان نبوت سے پہلے بھی معصوم تھے اور بعد میں بھی۔ تاہم ہمارا دیگر مسالک سے بنیادی فرق مسئلہ امامت میں ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ امامت منصوص من اللہ ہے۔ حضرت آدمؑ سے لے کر آج تک امامت منصوص من اللہ رہی ہے۔ غدیرِ خُم کے موقع پر اسی امر کا اعلان کیا گیا تھا۔ اسی طرح فدک کے مسئلے پر بھی ہم سمجھتے ہیں دخترِ رسولؐ کا موقف درست تھا۔ قرآن حکیم وراثت کے قوانین میں کسی قسم کے استثناء کا قائل نہیں۔ حضرت فاطمہ زہراؑ نے اپنا حقِ وراثت طلب فرمایا تھا اور ان کا نقطۂ نظر برحق تھا۔ یہ بنیادی فرق ہے۔ باقی چھوٹے موٹے اختلافات تو ہوتے ہی ہیں لیکن وہ بنیادی نہیں ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ہمارے برادران اہل سنت رسول اعظمؐ کے بعد صحابہ کرامؓ کو فالو کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ اصل رسول اکرمؐ ہیں اور آنحضرتؐ کے بعد آپؐ کے اہل بیتؑ ہیں۔ ان کا جو فرمان ہوگا ہم اسی کو قبول کریں گے، باقی کسی اور کا فرمان اگر ان کے مطابق ہوا تو لے لیں گے، اُن کے مطابق نہ ہوا تو نہیں لیں گے۔

شیعوں کے بعض امتیازی مسائل کا ذکر مولانا افتخار حسین نقوی نے یوں کیا:

شیعہ سنی کا بنیادی امتیاز یہ ہے کہ ہم آنحضرتؐ کی تعلیمات اخذ کرنے کے لیے قرآن و اہل بیتؑ سے

رجوع کرتے ہیں۔اس سلسلے میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حکم کو پیش نظر رکھتے ہیں:

انی تارک فیکم الثقلین کتاب الله وعترتی اهل بیتی...

یقیناً میں تم میں دوگراں قدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری عترت اہل بیت۔۔۔

قرآن حکیم کی آیت تطہیر اور آیت مباہلہ کی شان نزول بھی پوری امت اسلامیہ میں اہل بیت رسالت کی عظمت و مرکزیت کو ظاہر کرتی ہیں۔اسی وجہ سے اختلافی مسائل میں اور آنحضرتؐ کی حقیقی تعلیمات کے حصول کے لیے ہم اہل بیت اطہارؑ کے عمل اور فرمودات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ مثلاً آنحضرتؐ کے گھر والے ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے، دوران نماز رفع یدین کرتے تھے، نماز میں بسم اللہ بالجہر پڑھتے تھے، وضو میں پاؤں کا مسح کرتے تھے اور ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کی نمازیں بلا جواز ملا کر پڑھ لینے کو درست جانتے تھے، ان امور میں ہم انہی کی تاسی اور پیروی کرتے ہیں۔

عقیدۂ بداء

شیعہ کتب عقائد میں عقیدۂ بدا کا خاص طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔دیگر مسالک کے ہاں اس سلسلے میں تنقید بھی دکھائی دیتی ہے، بہر حال ہم یہاں پر شیعوں کا عقیدۂ بدا شیعہ فقیہ شیخ محمد رضا مظفر النجفی کی کتاب سے نقل کرتے ہیں:

انسان میں بداء کا معنی یہ ہے کہ اس کیلئے کسی چیز کے متعلق ایسی رائے اور نظریہ ظاہر ہو جو رائے اس میں نہ ہو مثلاً یہ کہ اس کا ارادہ اس عمل کے متعلق بدل جائے جسے وہ کرنا چاہتا تھا اور اس میں کوئی ایسی چیز پیدا ہو جائے جو اس چیز کے متعلق اس کی رائے اور علم کو بدل دے پس اس کے لئے اس فعل کا ترک کرنا ظہور پذیر ہو بعد اس کے کہ وہ اس فعل کے کرنے کا ارادہ رکھتا تھا اور یہ بات مصالح سے جہالت اور سابقہ امور پر ندامت کی وجہ سے ہوتی ہے۔

بداء کا یہ معنیٰ خداوند عالم کے لئے محال ہے کیونکہ اس میں جہالت ونقص ہے اور یہ دونوں خدا کے لئے محال ہیں اور شیعہ امامیہ اس کے قائل نہیں۔امام صادق علیہ السلام نے فرمایا؛ ''جوشخص یہ گمان کرے کہ خدا کے لئے کسی چیز کے متعلق بداء ندامت ظاہر ہوئی وہ ہمارے نزدیک خدا کی عظمت کا منکر و کافر ہے۔'' اور یہ بھی آپ نے فرمایا کہ ''جوشخص یہ گمان کرے کہ خدا کے لئے کسی چیز کے متعلق آج جو کچھ ظاہر ہوا وہ اسے کل نہیں جانتا تھا تو میں اس سے بری ہوں۔'' اور صحیح عقیدہ اس سلسلہ میں یہ ہے کہ ہم اس طرح کہتے ہیں جیسا کہ خداوند عالم اپنی کتاب مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ وَ عِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ (۱)

خدا جسے چاہتا ہے محو کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے قائم رکھتا ہے اور اس کے ہاں اصل کتاب ہے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ خداوند عالم کبھی اپنے نبی یا ولی کی زبان یا ظاہر حال میں کسی مصلحت کی بناء پر کسی چیز کو ظاہر کر دیتا ہے پھر اسے محو کر دیتا ہے اور جو کچھ پہلے ظاہر ہوا تھا اس کے علاوہ کچھ ہو جاتا ہے حالانکہ خداوند عالم کو اس کا پہلے سے علم ہوتا ہے اور اس معنیٰ بداء کے قریب قریب ہے سابق شریعتوں کے احکام کا ہمارے نبی کریمؐ کی شریعت کے ذریعہ نسخ ہونا بلکہ بعض ایسے احکام کا نسخ ہونا کہ جنھیں خود سرکار رسالتؐ لے کر آئے تھے۔(۲)

معروف شیعہ عالم مرتضیٰ عسکری نے اس عقیدے کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے:

علمائے عقائد کی اصطلاح میں **بداء الله فی امر** کا مطلب یہ ہے کہ پروردگار کی طرف سے بندوں کے سامنے کوئی ایسا امر آشکار ہو جائے جو پہلے مخفی ہو لہٰذا اگر کوئی اپنی دانست میں **بداء الله** کا یہ مطلب سمجھتا ہے کہ خدا (لاعلمی کی بناپر) کسی امر کی نسبت اپنی رائے کو بدل کر نئی رائے کا اظہار کرتا ہے تو وہ غلط سمجھتا ہے کیونکہ خدا کے علم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔(۳)

جمع بین الصلوٰتین

شیعہ عام طور پر ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازیں ملا کر اس طرح سے پڑھتے ہیں کہ نماز ظہر اول وقت میں تمام کرنے کے بعد نماز عصر پڑھتے ہیں۔اسی طرح نماز مغرب اول وقت میں ادا کرنے کے بعد نماز عشاء ادا کرتے ہیں۔شیعوں کا یہ معمول دنیا کے مختلف ممالک میں دکھائی دیتا ہے۔شیعہ مساجد میں باجماعت نماز اسی معمول کے مطابق ہوتی ہے۔ان کے نزدیک اگرچہ تمام نمازوں کے اوقات فضیلت دیگر مسلمان مسالک سے ہم آہنگ ہیں لیکن اول وقت کا مفہوم عصر اور عشاء کے لیے کچھ مختلف ہے۔گویا پانچ نمازوں کی فضیلت کے اوقات پانچ ہی ہیں لیکن جمع بین الصلوٰتین کی رخصت پر عمل تمام علاقوں میں دکھائی دیتا ہے۔اس سلسلے میں مولانا محمد حسن جعفری وضاحت کرتے ہیں:

اگرچہ جمع بین الصلوٰتین اب شیعہ قوم کا معمول بن چکا ہے لیکن شیعہ مذہب میں ملا کر پڑھنا ضروری نہیں ہے اور نہ مستحب ہے۔جس استحباب کا ذکر کتب میں آیا ہے کہ ملا کر پڑھنا افضل ہے اس کا شاید مطلب یہ ہے کہ نماز کے بعد تعقیبات، ذکر ودعا، تلاوتِ قرآن اور مسائل دین وغیرہ میں مشغول رہے۔پہلی نماز کی تعقیبات ختم ہوں اور دوسری نماز کو اول وقت میں پڑھے لیکن چونکہ ملا کے پڑھنا ممنوع نہیں ہے، شریعتِ مقدسہ سمحہ سہلہ نے اجازت دے رکھی ہے کہ ملا کر پڑھ سکتے ہیں تاکہ امت

کو زیادہ حرج اور دشواری نہ ہو اس لیے شیعہ اس رخصت و اجازت پر عمل کرتے ہیں۔ ویسے دونوں صورتیں صحیح ہیں الگ الگ بھی پڑھ سکتے ہیں اور ملا کر بھی۔ (۴)

طلاق

شیعہ اثناعشریہ کے نزدیک طلاق کا تصور احناف سے قدرے مختلف ہے البتہ اہلحدیث سے نزدیک تر ہونے کے باوجود کچھ مختلف بھی ہے۔ اس سلسلے میں ہم شیخ محمد حسین آل کاشف الغطاء کی عبارت سے استفادہ کرتے ہیں جس کا ترجمہ معروف شیعہ عالم ابن حسن نجفی نے اردو میں کیا ہے:

طلاق کی چند صورتیں ہیں:

ا۔ علیحدگی کی خواہش دونوں طرف سے ہو۔

۲۔ ایک ہی فریق معاہدہ توڑنے پر اصرار کرے۔

اگر نفرت و کراہت کا اظہار شوہر کی جانب سے ہو تو اسے طلاق کا اختیار ہے اور اگر ناپسندیدگی زوجہ کی طرف سے ہو تو وہ خلع حاصل کر سکتی ہے نیز اگر ناراضگی میں دونوں شریک ہوں تو پھر ضابطہ مبارات کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔

اسلام چونکہ ایک اجتماعی دین ہے اور اس کی عمارت وحدت و یکتائی کی بنیادوں پر کھڑی کی گئی ہے اور اس مذہب کا سب سے بڑا مقصد محبت و اتفاق ہے، اس لیے اس کی حدوں میں انتشار اور تفرقہ کو انتہائی مذموم سمجھا جاتا ہے۔ بنابراں اکثر روایات میں طلاق کی کراہت کا ذکر موجود ہے۔

چنانچہ امامیہ مذہب کے احکام طلاق میں شاہدَین عدلَین [دو عادل گواہ] کا ہونا لازم ہے۔

وَاَشْهِدُوْا ذَوَی عَدْلٍ مِّنْكُمْ

اپنے لوگوں میں سے دو عادلوں کو گواہ قرار دے لو۔

اگر دو عادل گواہوں کے بغیر طلاق دی جائے گی تو وہ باطل متصور ہوگی۔

یہ شرط باہمی نفرت کو ختم کرنے کا بہترین وسیلہ ہے۔ کیونکہ نیک اور عادل نفوس کو معاشرہ میں ایک ممتاز حیثیت حاصل ہوتی ہے اور ان کی شخصیت عام دلوں پر خاصا اثر کرتی ہے نیز گواہ جب اچھی صفات کے حامل ہوں گے تو وعظ و نصیحت اور صلح و صفائی کی جانب توجہ دینا اپنا فرض سمجھیں گے۔

دوسری بڑی شرط یہ ہے کہ طلاق دہندہ مجبور، مشتعل اور بے حواس نہ ہو نیز طلاق پانے والی پاک ہو۔ اس طہر میں اس سے مباشرت نہ کی گئی ہو۔

فقہ جعفری میں طلاق ثلاث ایک ہی طلاق تسلیم کی جاتی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص ایک ہی نشست میں اپنی بیوی کو تین مرتبہ طلاق دے دے تو وہ ہمیشہ کے لیے اس پر حرام نہیں ہوتی۔ بغیر محلل کے اس سے رجوع کر لینا جائز ہے۔ البتہ اگر رجوع کے بعد پھر طلاق ہو جائے، اس کے بعد پھر رجوع اور پھر طلاق ہو تو تیسری بار وہ حرام ہو جائے گی اور پھر اس وقت تک حلال نہیں ہو سکتی جب تک کہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے نیز اگر نو بار یہی عمل جاری رہے تو نویں مرتبہ حرام موبد ہو جائے گی۔ یعنی اپنے پہلے خاوند پر ہمیشہ کے لیے حرام قرار پائے گی۔

اور خود قرآن مجید واشگاف لفظوں میں اعلان کر رہا ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمۡسَاكٌ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌ بِاِحۡسَانٍ

طلاق (رجعی) دو مرتبہ ہے۔ اس کے بعد یا تو قاعدہ کے مطابق روک لینا چاہیے اور یا پھر اچھے برتاؤ کے ساتھ رخصت کر دیا جائے۔

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ

پس اگر تیسری دفعہ بھی طلاق (بائن) دے دے تو پھر جب تک دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے اس کے لیے حلال نہیں ہو سکتی۔ (۵)

خمس

خمس کا تصور بھی شیعوں کے ہاں دیگر اسلامی مسالک کی نسبت خاصا مختلف ہے۔ اس سلسلے میں شیعہ فقہا نے تفصیلی بحثیں کی ہیں اور عقاید و فقہ کی کتب میں اس کے بارے میں خاصا مواد موجود ہے۔ ہم شیخ آل کاشف الغطاء کا بیان نقل کرتے ہیں:

خمس سات چیزوں پر واجب ہوتا ہے:

۱۔ دار الحرب کا مال غنیمت

۲۔ غواصی (غوطہ زنی) سے حاصل شدہ جواہر وغیرہ

۳۔ پوشیدہ خزانے

۴۔ معدنی اشیاء

۵۔ حلال مال سے مخلوط شدہ حرام مال

۶۔ کاروبار کی منفعت

۷۔ مسلم سے ذمی کو منتقل شدہ اراضی

خمس کی اصل واساس پروردگار عالم کا یہ ارشاد ہے:

وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ...(٦)

آ گاہ ہو کہ جو اموال بطور غنیمت تمھیں دستیاب ہوں ان کا پانچواں حصہ خدا، رسول، ذی القربیٰ، ایتام، مساکین اور پردیسیوں کا ہے۔

اس ضمن میں شیعہ عقیدہ یہ ہے کہ خمس وہ حق ہے جسے خداوند کریم نے آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مختص فرمایا ہے کیونکہ نبی زادوں پر صدقہ حرام ہے، لہٰذا وہ زکوٰۃ نہیں لے سکتے، ان کے لیے پروردگار عالم کی یہ عنایت اسی کا نعم البدل ہے۔

خمس کے چھ حصے ہوتے ہیں۔ تین: اللہ، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ذی القربیٰ کے، جنھیں سہم امام کہا جاتا ہے اور وہ امام کی موجودگی کی صورت میں امام علیہ السلام کی خدمت اقدس میں پیش کرنا واجب ہے اور غیبت میں یہ نائب امام یعنی مجتہد عادل کے حوالے کرنا ہوں گے، تاکہ ان محاصل سے وہ دین مبین کی حفاظت، ضعیف، نادار و مساکین کی امداد اور ملت غرا کے ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل فرما سکیں۔ یہ ہے اس کا حقیقی مصرف ۔۔۔ خمس کے باقی تین حصص ہاشمی محتاجوں کا حق ہیں جن پر زکوٰۃ حرام ہے۔(۷)

اس سلسلے میں ہمارے ایک سوال کے جواب میں مولانا سید افتخار حسین نقوی نے کہا:

سادات میں محتاج نہ ہونے کی صورت میں ان کا حصہ امت کے غیر سادات محتاجوں اور دیگر فلاحی و ترقیاتی امور پر خرچ کیا جاسکتا ہے۔ البتہ اس کے لیے مرجع تقلید سے اجازت حاصل کرنے ضروری ہوگا۔

تقیہ

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ تقیہ کا عقیدہ شیعوں کے امتیازی امور میں سے ہے لہٰذا ضروری ہے کہ امتیازی مسائل کے باب میں ہم اس حوالے سے شیعوں کا نقطۂ نظر جانیں۔ اس سلسلے میں شیخ آل کاشف الغطا لکھتے ہیں:

جبلت بشری کا جائزہ لیجئے تو اقرار کرنا پڑے گا کہ ہر انسان اپنی جان کا بچاؤ کرتا ہے۔ جان بڑی پیاری ہوتی ہے، البتہ اگر عزت و وقار پر آنچ آنے لگے یا حفاظتِ حق کا معاملہ درمیان ہو تو پھر حد درجہ عزیز ہونے کے باوجود ''ہستی کی کوئی ہستی نہیں رہتی''، لیکن اگر یہ امور نہ ہوں تو پھر کون ہوشمند ہوگا، جو جان

جوکھوں میں ڈال کر جگ ہنسائی کروانے کے لیے تیار ہو؟ اس کے علاوہ بے ضرورت تہلکہ میں پڑنا عقل وشرع دونوں کے خلاف ہے۔اسی لیے شارع مقدس نے اجازت دی ہے کہ وہ مسلمان جو خطروں میں گھرا ہوا ہو اور اس کی جان یا ناموس کو گزند پہنچنے کا اندیشہ لاحق ہو وہ باطناً عمل کرتے ہوئے ظاہر بظاہر اخفائے حق سے کام لے سکتا ہے۔

کلام الٰہی میں:

اِلَّآ اَنۡ تَتَّقُوۡا مِنۡهُمۡ تُقٰىةً (۸) اور اِلَّا مَنۡ اُكۡرِهَ وَ قَلۡبُهٗ مُطۡمَئِنٌّۢ بِالۡاِيۡمَانِ (۹)

سے یہی مقصود ہے، تاریخ اسلام میں جناب عمارؓ، ان کے والدین، نیز بعض دیگر اصحابؓ کے واقعات موجود ہیں کہ کافروں کے ظلم سے مجبور ہو کر، وہ اظہار کفر کر بیٹھے۔

تقیہ پر عمل کرنے کے تین احکام ہیں:

(۱) بے مقصد جان جا رہی ہو تو واجب ہے۔

(۲) اگر اظہار حق مفید مقصد ہو تو عمل اور ترک عمل میں اختیار ہے۔

(۳) لیکن اگر باطل کو قوت پہنچے، امت گمراہ ہونے لگے اور جور وستم میں شدت پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر تقیہ حرام ہے۔(۱۰)

مولانا محمد حسن جعفری تقیہ کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

تقیہ کا مطلب ہے جان، عزت اور مال کی حفاظت کی خاطر اپنے مذہب کو (جبکہ مذہب ہی خطرۂ جان و مال ہو) پوشیدہ رکھنا اور اگر خطرۂ جان ہو تو کلمہ کفر کہہ دینے کی بھی اسلام اجازت دیتا ہے۔تقیہ کا مطلب یہ نہیں کہ کسی دنیوی منفعت کے حصول، جاہ ومنصب کے لالچ، کسبِ زر ومال، اقتدار دنیا کی خواہش میں مذہب پر پردہ ڈالا جائے، نہیں ہرگز نہیں! تقیہ حفاظتِ جان ومال کے لیے ہے نہ کہ زیادتی مال واقتدار یا مطالب دنیوی کی برآری کے لیے۔(۱۱)

عزاداری اور رسوم

امام حسین علیہ السلام کی عزاداری شیعوں کی خاص پہچان بن چکی ہے۔ان کے نزدیک یہ ایک طرح سے امام حسینؑ سے محبت کا اظہار ہے۔عزاداری کی مختلف شکلیں اور مختلف رسوم پوری دنیا میں رائج ہیں۔اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن ڈاکٹر محسن نقوی نے عزاداری کی مذہبی بنیاد اور اس کے حوالے سے رائج رسوم کے بارے میں ہمارے سوال کے جواب میں کہا:

اس میں کوئی شک نہیں کہ جب ہم آئمہ اہل بیتؑ کی زندگیوں پر نظر ڈالتے ہیں، تذکرے اور تاریخ کی

کتابوں میں دیکھتے ہیں تو آئمہ اہل بیت علیھم السلام نے واقعۂ کربلا کو خصوصی اہمیت دی ہے۔ خود بھی روئے ہیں اور لوگوں کو بھی ترغیب دی ہے کہ مصائب اہل بیت کو بیان کریں۔ اس کا ایک تعبدی پہلو ہے کہ ہم کہیں کہ امام علیہ السلام نے خود ایسا کیا ہے اور ہم ان کی تاسی کے طور پر اسے انجام دیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات مدّنظر رکھنا چاہیے کہ آخر اس کا مقصد کیا تھا، کیوں حضرت علی علیہ السلام کی شہادت پر ایسا نہیں کیا گیا؟ اس لیے کہ انفرادی طور پر مختلف آئمہ پر جو ظلم وستم ہوئے وہ سارے کے سارے کربلا میں ایک جگہ جمع ہیں۔ کربلا دراصل باطل کے سامنے مقاومت اور سینہ سپر ہو جانے کی ایک علامت ہے، اس امر کی علامت ہے کہ ظلم کے خلاف قیام کرنا ہے۔ امام حسن علیہ السلام کے نام وصیت میں امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ظالم کی حمایت ہرگز نہ کرنا، ہمیشہ مظلوم کی حمایت کرنا۔ آئمہ علیھم السلام اسی چیز کو لوگوں کے ذہنوں میں زندہ رکھنا چاہتے تھے۔ سیاسی پس منظر اس طرح بدلتا ہے کہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد کسی امام نے تلوار نہیں اُٹھائی اور جس نے بھی بغاوت کی اس کے لیے حالات اس قدر بگڑے کہ اسے بالکل مٹا دیا گیا لہٰذا آئمہ اہل بیتؑ کے سامنے دو راستے تھے یا تو یہ کہ وہ امام حسین علیہ السلام کی طرح خروج کریں، دوسری صورت یہ کہ لفظاً اور عملاً مخالفت تو نہ کریں لیکن ایک ایسا شعلہ فروزاں رکھیں کہ آپ پر بغاوت کا الزام بھی نہ آئے لیکن اس کے باوجود ظلم سے نفرت اور اُس کے خلاف مقاومت کا جذبہ بھی باقی رہے۔ آپ دیکھیں کہ امام محمد باقر علیہ السلام کے بعد امام جعفر صادق علیہ السلام اور جو دیگر آئمہ ہیں وہ باقاعدہ شعراء کو بلاتے تھے، اُن سے مرثیے سنتے تھے اور پھر اہل بیتؑ کے مصائب پر گریہ کرتے تھے اور اس کے لیے لوگوں کو جمع کرتے تھے۔ اب اگر آپ بنی عباس کے دور میں رہ رہے ہیں اور اس میں بنی امیہ کے دور کا کوئی واقعہ بیان کرتے ہیں تو اس سے بنو عباس کے خلاف بغاوت کا کوئی قانونی الزام نہیں لگ سکتا لیکن وہ جو ظلم کے خلاف ایک شعلہ فروزاں رکھنا ہے، وہ بھی ضروری ہے۔ اسی مقصد کے لیے آئمہ اہل بیت علیھم السلام نے مصائبِ کربلا بیان کرنے کا اہتمام کیا۔ جہاں تک عزاداری کی شکل وصورت کا تعلق ہے وہ ہمیشہ علاقے کے اعتبار سے مختلف ہوسکتی ہے۔ اس میں معیار یہ ہوتا ہے کہ آئمہؑ کی بنیادی تعلیمات سے متصادم کوئی عمل فروغ نہ پا رہا ہو۔

دوسری طرف یہ بات پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے کہ ہر مذہب کسی معاشرے میں پرورش پا رہا ہوتا ہے۔ اسلام کو آپ دیکھیں گے کہ اس کی نشو ونما برّصغیر میں اور طرح سے ہوئی ہے، مغرب میں اور طرح سے ہوئی ہے اور آج اُس کی نشو ونما امریکہ اور یورپ میں اور طرح سے ہو رہی ہے۔ جب

برصغیر میں شیعیت کی ابتدا ہوئی تو جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ پہلے وہ فضائل کا باب تھا۔ اس کے بعد پھر مختلف علوم آئے۔ ایک ثقافتی پہلو تھا جو عزاداری کے نام سے یہاں شروع ہوا۔ جس معاشرے میں بھی کوئی مذہب اپنی علمی حیثیت کھو دیتا ہے وہاں رسوم، رواج اور مذہب کا جو ظاہری پہلو ہوتا ہے وہ قوی ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس کی پہچان پھر امتیازی مسائل اور فکر و فلسفہ کے بجائے اُس کے ظواہر سے متعین ہوتی ہے۔ میں یہ بات علی وجہ البصیرت کہہ رہا ہوں کہ چونکہ ہمارے ہاں قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ جیسے علوم کا کلچر نہیں بنا، وہ کلچر آہستہ آہستہ ختم ہوتا چلا گیا، اس کی وجہ سے بعد کا جو انسٹی ٹیوشن تھا اُس نے بدل کر مجلس اور روضہ خوانی کی موجودہ شکل اختیار کی اسی طرح سے عزاداری کا جو ظاہری پہلو تھا، جس کی بنیاد دین کے لیے رکھی گئی تھی دونوں اپنا اصل مقام کھو بیٹھے۔ منبر پر زیادہ تر وہ لوگ چھا گئے جن کا علم دین سے تعلق نہیں تھا اور اس طرح عزاداری کا دوسرا پہلو بھی رسوم و رواج کی طرف زیادہ چلا گیا کیونکہ اس سے لوگوں کی جذباتی وابستگی ہوتی ہے اور اس سے کچھ مالی فوائد بھی ہوتے ہیں، اس لیے لوگوں نے اس میں نئی نئی چیزیں ڈال کر اسے فروغ دیا۔ مذہب کے آفاقی پیغام کو فروغ دیا جائے تو پھر یہ رسوم و رواج پیچھے کی طرف چلی جائیں گی۔

وضو میں پاؤں کا مسح

شیعوں کا نظریہ ہے کہ وضو میں پاؤں کا مسح واجب ہے۔ اس سلسلے میں ہم معاصر شیعہ محقق علی ربانی گلپایگانی کی عبارت نقل کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> اجتمعت الشيعة الامامية على وجوب مسح الرجل وبطلان غسله فى الوضوء، ووجه ذلک. علاوة على روايات أهل البيت عليهم السلام. ظاهر الآية الكريمة التى وردفيها غسل عضوين: الوجه واليدين، ومسح عضوين: الرأس والرجلين:
>
> ١. فَاغْسِلُواوُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ
>
> ٢. وَامْسَحُوابِرُءُ وسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ
>
> ولافرق من هذه الجهة بين قراءة (أَرْجُلَكُمْ) بالنصب أوالجر لانّه عطف على لفظ (رُءُ وسِكُمْ) فاذاقلنا ان أرجلكم مجرور، فهومعطوف على رؤوسكم واما اذاقلنا انه منصوب فهومعطوف على محل رؤوسكم. وقدذهب الى

ذلک جمع من الصحابة والتابعين منهم ابن عباس وانس بن مالک وأبو العالية والشعبی وعكرمة،وقال الحسن البصری وناصر الحق من أئمة الزيدية بالتخيير بين الغسل والمسح.

شیعہ امامیہ کا وضو میں پاؤں کے مسح کے وجوب اور دھوئے جانے کے بطلان پر اتفاق ہے۔اس کی وجہ اہلبیت علیھم السلام سے منقول روایات کے علاوہ اس سلسلے میں وارد ہونے والی آیت کریمہ کا ظاہر ہے کہ جو دو اعضاء چہرے اور ہاتھوں کے دھوئے جانے اور دو اعضاء سر اور پاؤں کے مسح پر دلالت کرتا ہے۔

۱. فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ

۲. وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ

اس میں أَرْجُلَكُمْ کی قرأت میں نصب یا جر کے ہونے سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا کیونکہ اگر ہم اسے مجرور پڑھیں تو یہ ''رؤوسکم'' کے لفظ پر عطف ہوگا اور اگر ہم اسے منصوب پڑھیں تو یہ رؤوسکم کے محل پر معطوف ہوگا۔یہی نظریہ بعض صحابہؓ اور تابعین کا بھی تھا جن میں ابن عباس،انس بن مالک،ابوالعالیہ،شعبی اور عکرمہ شامل ہیں جبکہ حسن بصری اور ائمہ زیدیہ میں سے ناصر الحق دھونے اور مسح کرنے میں اختیار کے قائل ہیں۔

ارسال الیدین

نماز میں قیام کے دوران میں شیعہ اہل سنت مالکیوں کی طرح ہاتھ کھلے رکھنے کے قائل ہیں جسے ارسال الیدین کہا جاتا ہے۔اس سلسلے میں متقدمین میں سے معروف شیعہ عالم شیخ مفید لکھتے ہیں:

واتفقت الاماميه على ارسال اليدين فى الصلوة وانه لايجوز وضع احداهما على الاخرى كتكفير اهل الكتاب ،وان من فعل ذلک فى الصلوة فقد ابدع وخالف سنة رسول الله(ص)والائمة الهادين من اهل بيته(ع).

نماز میں ارسال الیدین پر امامیہ کا اتفاق ہے اور جائز نہیں ایک ہاتھ کا دوسرے ہاتھ کے اوپر رکھنا۔امامیہ کا یہ اتفاق ایسا ہی ہے جیسا اہل کتاب کے کافر ہونے پر ان کا اتفاق ہے اور جو کوئی نماز میں ایسا کرے گا تو اس نے بدعت کی نیز رسول اللہؐ اور آپ کے اہل بیتؑ میں سے ہدایت دینے والے ائمہ کی سنت کی مخالفت کی۔(۱۲)

یہ بات قابل ذکر ہے کہ ارسال الیدین کے مسئلے میں شیعہ امامیہ کے اتفاق کے باوجود بیشتر بزرگ شیعہ فقہا جن میں معاصر فقہا بھی شامل ہیں اہل سنت کے پیچھے نماز پڑھنے کے جواز کے قائل ہیں۔سید علی خامنہ ای نماز میں حالت قیام میں ہاتھ کھولنے

کے وجوب کا قائل ہونے کے باوجود ایک صورت میں ہاتھ باندھنے کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں، ان کی عبارت ملاحظہ ہو:

یجوز الاقتداء بأهل السنة اذا کان لأجل رعایة الوحدة الاسلامیة، والصلاة معهم صحیحة ومجزیة، ولکن لایجب، بل لایجوز التکتف فیها، الا اذا کانت هناک ضرورة تقتضی ذلک أیضاً.

جب اسلامی وحدت کو ملحوظ نظر رکھنا پیش نظر ہو تو اہل سنت کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے اور ان کے ہمراہ نماز صحیح ہے اور کافی ہے لیکن واجب نہیں بلکہ جائز نہیں کہ دوران نماز ہاتھ باندھے جائیں مگر یہ کہ اس وقت بھی [اسلامی وحدت کی] ضرورت ایسا کرنے کا تقاضا کرے۔ (۱۳)

حی علی خیر العمل

شیعہ امامیہ اذان میں حی علی الفلاح کے بعد حی علی خیر العمل دوبار کہنے کو اذان کا جز سمجھتے ہیں۔ اس پر تمام علماء کا کامل اتفاق پایا جاتا ہے۔ اسی طرح شیعہ اذان میں اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدُ رَّسُولُ اللّٰه کے بعد اَشْهَدُ اَنَّ عَلِیًّا وَّلِیُّ اللّٰه بھی کہتے ہیں لیکن اسے جز و اذان نہیں سمجھتے بلکہ اذان کے دوران میں ان کلمات کی ادائیگی کو جائز اور دور حاضر میں اپنا امتیاز جانتے ہیں۔ جدید وقدیم شیعہ فقہا کی کتابیں اس پر شاہد ہیں۔ (۱۴)

جنازہ میں پانچ تکبیریں کہنا

اہل سنت سے شیعوں کا ایک امتیازی مسئلہ نماز جنازہ میں پانچ تکبیروں کا کہنا ہے۔ اس پر شیعہ کا اجماع ہے۔ اس سلسلے میں شیعہ فقہا ائمہ اہل بیت سے مروی احادیث پر انحصار کرتے ہیں۔ (۱۵)

رمضان المبارک کی نفلی نمازیں

شیعوں کے ہاں بھی اہل سنت کی طرح رمضان المبارک میں خصوصی نفلی نمازوں پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں ان کی احادیث، احکام اور وظائف کی کتابوں کو دیکھا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے مقبول کتاب مفاتیح الجنان ہے جو شیخ عباس قمی کی تالیف ہے اس کے کئی تراجم اردو میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔ جن کی طرف ہم نے فہرست کتب میں اشارہ کیا ہے۔ تاہم شیعہ رمضان شریف میں نفلی نماز کے باجماعت قیام کو درست نہیں سمجھتے جس طرح سے کہ اہل سنت کے ہاں تراویح کے زیر عنوان اس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں شیعوں کا موقف سید عبدالحسین شرف الدین عاملی لبنانی نے بھی اپنی کتاب ''النص والاجتہاد'' میں بیان کیا ہے جس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ (۱۶)

حواشی

(۱) الرعد:۱۳۔۳۹

(۲) مظفر، محمد رضا: عقائد امامیہ، ترجمہ: مولانا سید صفدر حسین نجفی (تنظیم فدایان اکبر، لاہور، ۱۳۹۴ھ) ص ۳۴ تا ۳۵

(۳) عسکری، سید مرتضیٰ: اسلامی عقائد قرآن کی روشنی میں: (جامعہ تعلیمات اسلامی، کراچی ۲۰۰۷ء) ج:ا،ص ۳۳۱

(۴) جعفری، محمد حسن: خیر البریہ فی تاریخ الشیعہ (تحریک تحفظ تعلیماتِ آل محمدؑ، سرگودھا، سنہ ندارد) ص ۲۱۴

(۵) آل کاشف الغطاء، محمد حسین: اصل واصول شیعہ، ترجمہ: سید ابن حسن نجفی (شعبہ تبلیغات تحریک جعفریہ پاکستان، سنہ ندارد) ص ۲۱۳

اصل کتاب عربی میں ہے اس کا نام ہے ''اصل الشیعه و اصولها مقارنه مع المذاهب الاربعة'' ہمارے پاس اس کا موجود نسخہ دار الاضواء للطباعة و النشر و التوزیع بیروت کا ۱۹۹۰ء کا شائع کردہ ہے۔ دیکھیے صفحہ نمبر ۲۱۷

اس سلسلے میں دیگر شیعہ فقہی کتب میں تفصیل کے لیے رجوع کیا جاسکتا ہے مزید دیکھیے:

جعفری، محمد حسن: خیر البریہ فی تاریخ الشیعہ (تحریک تحفظ تعلیماتِ آل محمدؑ، سرگودھا، سنہ ندارد) ص ۲۲۲ تا ۲۲۳

(۶) (انفال:۷۔۴۱)

(۷) آل کاشف الغطاء، محمد حسین: اصل واصول شیعہ، ترجمہ: سید ابن حسن نجفی (شعبہ تبلیغات تحریک جعفریہ پاکستان، سنہ ندارد) ص ۱۷۶ تا ۱۷۸

(۸) آل عمران:۳۔۲۸

(۹) النحل:۱۶۔۱۰۶

(۱۰) آل کاشف الغطاء، محمد حسین: اصل واصول شیعہ، ترجمہ: سید ابن حسن نجفی (شعبہ تبلیغات تحریک جعفریہ پاکستان، سنہ ندارد) ص ۲۶۵ تا ۲۶۷

(۱۱) جعفری، محمد حسن: خیر البریہ فی تاریخ الشیعہ (تحریک تحفظ تعلیماتِ آل محمدؑ، سرگودھا، سنہ ندارد) ص۔۲۳۰

(۱۲) سلیمان عبداللہ آبادی نے فصل نامہ فقہ اہل بیت فارسی شمارہ ۱۶ قم ایران میں اپنے مقالے ''آثار فقھی شیخ مفید'' میں یہ عبارت ان کی کتاب الاعلام بما اتفقت علیه الامامیه من الاحکام سے نقل کی ہے۔

(۱۳) خامنہ ای، سید علی الحسینی: اجوبۃ الاستفتاءات (الدار الاسلامیہ، بیروت، ۱۹۹۹ء) الجزالاول، ص ۱۷۷

(۱۴) مثال کے طور پر دیکھیے: الخوئی، ابوالقاسم، سید موسوی: منہاج الصالحین، العبادات، (مدینۃ العلم، قم ۱۴۱۰ھ) ص ۱۵۰

(۱۵) مثال کے طور پر دیکھیے: الخوئی، ابوالقاسم، سید موسوی: منہاج الصالحین، العبادات، (مدینۃ العلم، قم ۱۴۱۰ھ) ص ۸۳

(۱۶) دیکھیے: قمی، عباس، شیخ: مفاتیح الجنان، اردو ترجمہ: شیخ اختر عباس (ادارہ نشرِ معارف اسلامی، لاہور، سنہ ندارد) ص:۳۱۱، ۳۱۲

عصری مسائل

غیر مسلم حکومتوں سے تعلقات

آج کی دنیا میں ریاستیں جس طرح سے ایک خاص شکل وصورت اختیار کر چکی ہیں یہ گذشتہ دور سے بہت حد تک مختلف ہے۔آج ساری دنیا کے ممالک عالمی سطح کے قوانین کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔عالمی معاہدوں پر مسلمان ممالک کے بھی اسی طرح سے دستخط موجود ہیں جیسے غیر مسلم ممالک کے ہیں۔ایسے میں یہ جاننا بہت اہم ہے کہ موجودہ حالات میں مختلف مسالک کے علمائے اسلام غیر مسلم حکومتوں اور ریاستوں سے تعلقات کے بارے میں کیا نظریہ رکھتے ہیں۔اس سلسلے میں جب ہم نے مولانا حافظ ریاض حسین نجفی سے ان کی رائے دریافت کی تو انھوں نے کہا:

جہاں تک غیر مسلم ممالک کا تعلق ہے جب تک وہ ہمارے ملک کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کریں ہمارا کسی کے ساتھ کوئی جھگڑا یا تعارض نہیں ہے۔وہ اگر ہمارے ملک ووطن یا دین کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں تو ہمیں دفاع کرنا ہوگا۔اسلام جنگ کی اجازت نہیں دیتا البتہ اسلام کہتا ہے کہ جو آپ پر حملہ کرنے کے لئے اِس وقت تیار ہیں آپ اُن کا قلع قمع کر سکتے ہیں۔اسلام اس امر کی اجازت نہیں دیتا کہ خواہ مخواہ کسی پر چڑھ دوڑو اور اسے تاخت وتاراج کر دو اور یوں اپنا دین پھیلاؤ۔اس کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ مسلمان ممالک کے تعلقات آپس میں بھی برادرانہ ہونے چاہئیں اور دیگر ممالک کے ساتھ بھی مصالحانہ اور رواداری پر مبنی تعلقات ہونے چاہئیں۔ان کی چھوٹی موٹی غلطی کو معاف کر دینا چاہیے لیکن اگر وہ ہمارے ملک پر حملہ کر دیں تو پھر ان کا جواب دیا جانا چاہیے۔وگرنہ ان سے انسانیت کی بنیاد پر تعلقات ہونے چاہئیں۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام اپنے ایک مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

اَلْاِنْسَانُ اِمَّا اُخ لَّکَ فِی الدِّیْنِ اَوْ نَظِیْرٌ لَّکَ فِی الْخَلْقِ

یعنی انسان یا تیرا دینی بھائی ہے یا پھر تجھ جیسی مخلوق ہے۔

انسانیت بذات خود بہت اہم ہے۔انسانیت کا احترام ضروری ہے۔آدمیت کا احترام ضروری ہے اگر

کوئی غیر مسلم ہے تو ہوتا رہے، وہ انسان تو ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اس کے ساتھ انسانوں جیسا مصالحانہ اور رواداری پر مبنی سلوک روا رکھیں، جب تک ہم پر حملہ آور نہ ہوں اُس وقت تک ہمیں اُن کے خلاف کوئی اقدام نہیں کرنا چاہیے۔

مولانا افتخار حسین نقوی آج کے دور میں مختلف ممالک کے باہمی تعلقات کی ضرورت پر نظر رکھتے ہوئے یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

آج دنیا میں جس طرح کا نظام کارفرما ہے اس کے پیش نظر کوئی ملک بھی دیگر ممالک کے ساتھ اچھے تعلقات کے بغیر نہیں چل سکتا۔ علاوہ ازیں اسلام کسی مسلمان ملک کو غیر مسلم ممالک سے تعلقات قائم کرنے سے نہیں روکتا۔ ہمیں چاہیے کہ برابری کی بنیاد پر دیگر ممالک سے اچھے روابط قائم کریں لیکن کسی دوسرے ملک کی غلامی اختیار کرنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔

اس سلسلے میں مولانا محمد حسین نجفی نے مختصراً یوں اظہار خیال کیا:

اپنے ملک وملت کے مفاد میں ہو تو غیر مسلم ممالک سے روابط کا قیام جائز ہے۔

دینی اور جدید علوم

اُستاد مرتضیٰ مطہری نے علوم کی رائج تقسیم کا گہری نظر سے جائزہ لیا ہے۔ ان کی نظر قدیم و جدید علوم پر ہے۔ وہ اس موضوع پر نہایت واضح موقف رکھتے ہیں، وہ کہتے ہیں:

ایک اصطلاح بن گئی ہے کہ ہم بعض علوم کو علوم دینی اور بعض کو علوم غیر دینی کہتے ہیں۔ علوم دینی یعنی وہ علوم جو بلا واسطہ اعتقادی' اخلاقی یا دین کے عملی مسائل سے مربوط ہیں یا وہ علوم جو دینی معارف، قوانین اور احکام کے حصول میں مددگار ہیں مثلاً عربی ادب یا منطق۔

حقیقت یہ ہے کہ اس کی حیثیت ایک اصطلاح سے زیادہ کچھ نہیں۔ ایک لحاظ سے دینی علوم ابتدائی دینی متون میں منحصر ہیں یعنی قرآن کریم اور پیغمبر اسلامؐ یا آنحضرتؐ کے اوصیاء کی سنت کا متن۔ صدر اسلام میں جب لوگ خود اسلام سے آشنا نہ تھے، سب پر واجب و لازم تھا کہ ہر چیز سے پہلے انہی ابتدائی متون کو یاد کریں۔ اس زمانے میں کلام، فقہ، اصول، منطق، تاریخ اسلام یا دوسرا کوئی علم وجود نہ رکھتا تھا۔ یہ جو ایک حدیث میں ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا:

انما العلم ثلاثة : اية محكمة ، فريضة عادلة سنة قائمة

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ: علم منحصر ہے: آیات قرآن اور حدیث رسولؐ کو یاد کرنے میں۔

یہ اُس دور کے مسلمانوں کی ذمہ داری سے متعلق ہے لیکن بعدازاں جب مسلمان ان ابتدائی متون سے جو اسلام کے بنیادی قانون کی حیثیت رکھتے ہیں، آگاہ ہو گئے اور انھوں نے قرآن و حدیث رسولؐ کے حکم کے مطابق علم کو ایک مسلم فریضے کی حیثیت سے پہچان لیا تو تدریجاً کئی ایک علوم وجود میں آ گئے اور ان کی تدوین ہو گئی لہٰذا ایک اور نظر سے ہر وہ علم جو مسلمانوں کے لیے مفید ہو اور مسلمانوں کی کوئی مشکل حل کر سکتا ہو دینی فریضہ اور دینی علم ہے۔ ہم صرف ونحو اور عربی زبان کو علوم دینی کیوں سمجھتے ہیں؟ کیا اس کی وجہ اس کے سوا کچھ اور ہے کہ اس کا کوئی ایسا نفع اور فائدہ ہے جو اسلام کے تقاضوں سے موافقت رکھتا ہے؟

ہم کس مناسبت سے امرؤ القیس کے عشقیہ اشعار اور ابونواس کے مخمورانہ اشعار کو علوم دینی کے حصول کے حوالے سے یاد کرتے ہیں؟ یقیناً اس لیے کہ قرآن کی زبان سمجھنے میں ہماری مدد کریں۔

لہٰذا ہر وہ علم جو اسلام اور مسلمانوں کے لیے نفع بخش ہو اور ان کے لیے ضروری ہو اسے علوم دینی میں سے شمار کرنا چاہیے اور اگر کوئی خلوص نیت رکھتا ہو اور اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے لیے وہ علم حاصل کرے تو اسے وہ اجر و ثواب حاصل ہو گا جو حصول علم کے لیے بیان کیا گیا ہے۔ ایسا شخص بھی اس حدیث کے مصادیق میں شامل ہے:

وان الملائکة لتضع اجنحتها لطالب العلم

فرشتے طالب علم کے پاؤں کے نیچے اپنے پر بچھاتے ہیں۔

لیکن اگر خلوص نیت نہ ہو تو کسی بھی علم کے حصول کا کوئی اجر و ثواب نہیں، چاہے آیات قرآن ہی کیوں نہ یاد کی جائیں۔

اصولی طور پر یہ تقسیم ہی درست نہیں کہ ہم علوم کو دو حصوں میں بانٹ دیں: علوم دینی اور علوم غیر دینی کہ کسی کو یہ وہم ہو کہ جن علوم کو اصطلاحاً علوم غیر دینی کہا جاتا ہے ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ اسلام کی جامعیت اور خاتمیت کا تقاضا ہے کہ ہر مفید اور نفع بخش علم جو اسلامی معاشرے کے لے لازم وضروری ہے اسے ہم دینی علم قرار دیں گے۔(۱)

مولانا افتخار حسین نقوی استاد مطہری کی ہی آرا کی تائید کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، چنانچہ وہ کہتے ہیں:

دینی اور دنیاوی علوم کی تقسیم غلط ہے۔ ہر وہ علم جو نظام حیات کو برقرار رکھنے اور انسان کی ترقی کے لیے ضروری ہو وہ دینی علم ہے کیونکہ اس کا حاصل کرنا دین کا تقاضا ہے۔ اس لحاظ سے کالج اور یونیورسٹی کو غیر دینی ادارے قرار نہیں دیا جا سکتا۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا:

''علم حاصل کرو چاہے اس کے لیے تمھیں چین جانا پڑے۔''

ظاہر ہے چین سے فقہ اسلامی کا علم حاصل کرنا مقصود نہ تھا۔ یہ بھی فرمایا گیا کہ: ''حکمت مومن کی گمشدہ میراث ہے، جہاں سے ملے اسے حاصل کرلو۔''

ان فرامین کی روشنی میں دیکھا جائے تو اسلام نے علوم میں کوئی دینی اور دنیاوی تقسیم ہرگز نہیں کی۔

عالمی اداروں سے وابستگی

عام طور پر مسلمان علماء کو اقوام متحدہ اور دیگر عالمی اداروں سے شکایات رہی ہیں۔ یہ شکایات صرف مسلمان علماء کو ہی نہیں بلکہ مسلمان اور بہت سی غیر مسلم ریاستوں کو ان اداروں سے ہیں۔ اس کے باوجود سب یہ سمجھتے ہیں کہ ان اداروں سے جدا ہو کر آج کی دنیا میں نہیں رہا جاسکتا۔ چنانچہ مولانا حافظ سید ریاض حسین نجفی اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں:

سب سے بڑا عالمی ادارہ اقوام متحدہ ہی ہے۔ اس سے پہلے لیگ آف نیشنز تھی۔ پہلے پہلے ان اداروں نے بہت اچھے کام کیے ہیں لیکن اس وقت اقوام متحدہ استعمار کے ہاتھوں میں ہے۔ بڑے بڑے ممالک کی اس پر اجارہ داری ہے۔ وہ اس سے جو کام لینا چاہیں وہ منٹوں میں ہو جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر انھوں نے انڈونیشیا کے ایک حصے کو اس سے آزاد کروانا تھا، اس میں کوئی دیر نہیں لگی، انھوں نے کروالیا لیکن مسلمانوں کا آج تک اس سے کوئی کام نہ ہوا۔ کشمیر کا مسئلہ ویسے کا ویسے ہی معلق ہے۔ فلسطین کے لئے یہ ادارہ کچھ نہ کرسکا بلکہ یہ عالمی ادارے تو لوگوں کو ظلم پر اکساتے ہیں۔ امریکہ نے افغانستان پر حملہ کرنے کے لئے اقوام متحدہ ہی کو استعمال کیا۔ عراق کے خلاف حملے کی سلامتی کونسل نے اجازت نہ دی تو امریکہ نے بلا اجازت ہی حملہ کردیا لیکن اقوام متحدہ امریکہ کے خلاف کچھ نہ کرسکی۔ درحقیقت اقوام متحدہ اس وقت امریکہ کی باندی بن چکی ہے۔ اسرائیل کے پاس ۱۲۰۰ ایٹم بم ہیں۔ وہ ہر روز ظلم کرتا ہے، فلسطینیوں کو قتل کرتا ہے اور ان کا قلع قمع کرنے کے درپے ہے لیکن اقوام متحدہ اس کے خلاف کوئی پابندیاں عائد نہیں کرتا جبکہ ایران پر پابندیاں عائد کی جارہی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ادارے اپنا وقار کھو چکے ہیں۔ اب اگر مسلمان کچھ عقل سے کام لیں تو دوسرے لوگوں کو بھی ساتھ ملا کر نیا عالمی ادارہ قائم کریں۔

یو این او پر تنقید کرتے ہوئے علماء کرام اس کی خدمات سے بھی غافل نہیں ہیں۔ مولانا افتخار حسین نقوی کی رائے اسی امر کی غمازی کرتی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

یو این او کا قیام بنیادی طور پر دنیا میں امن وسلامتی کے لیے تھا۔ یو این او نے بہت سارے شعبوں

میں انسانیت کی خدمت کی ہے لیکن شروع دن سے ہی اس میں پانچ ایٹمی طاقتوں کو ویٹو پاور دے کر ان کی بالادستی قائم کر دی گئی تھی جس کی وجہ سے انھیں موقع مل گیا کہ اس عالمی ادارے کو اپنے مفادات کے تحفظ اور فروغ کے لیے استعمال کریں۔ اصولی طور پر ہم ایسے عالمی اداروں سے الگ نہیں رہ سکتے لیکن ان سے وابستہ رہتے ہوئے ہمیں حق کے لیے آواز اٹھاتے رہنا چاہیے۔

مسلمان ریاستوں کے باہمی تعلقات

علمائے کرام کو اس امر سے بہت زیادہ دلچسپی ہے کہ مسلمان ریاستوں کے باہمی تعلقات برادرانہ اور بہت قریبی ہوں۔ عام طور پر علماء کرام او آئی سی کی کارکردگی سے مطمئن نہیں ہیں۔ جہاں علمائے کرام مذہبی حوالے سے مسلمانوں کے اتحاد و یگانگت پر زور دیتے ہیں، وہاں سیاسی یکجہتی پر بھی اصرار کرتے ہیں اور اسے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بیان کرتے ہیں۔ اسی نقطۂ نظر کا اظہار مولانا سید افتخار حسین نقوی نے یوں کیا:

مسلمان ممالک کو چاہیے کہ وہ ترجیحی طور پر اپنے درمیان سیاسی وحدت کے لیے کوشش کریں، اس کے لیے انھیں یورپی یونین اور یونائٹڈ سٹیٹ آف امریکہ کی مثال سامنے رکھنی چاہیے۔ یہ ریاستیں اگر آپس میں متحد ہو سکتی ہیں نیز سیاسی، اقتصادی اور فوجی تعاون کر سکتی ہیں بلکہ یورپی ممالک اپنی کرنسی بھی ایک کر سکتے ہیں تو مسلمان ملک ایسا کیوں نہیں کر سکتے۔ حکمت کی ہر بات مرد مومن کی گمشدہ میراث ہے، اسے چاہیے کہ یہ جہاں سے بھی ملے اسے حاصل کر لے۔ اس اسلامی تعلیم کی روشنی میں ہمیں دوسروں سے بھی اچھی بات ملے تو اسے بڑھ کر اخذ کر لینا چاہیے۔ او آئی سی نے مسلمانوں کو ہمیشہ مایوس کیا ہے۔ اس کی قراردادیں اور فیصلے ضرور مثبت ہیں لیکن مسئلہ قراردادوں سے کبھی حل نہیں ہوتا اس کے لیے عزم کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ امر قابل افسوس ہے کہ ہماری موجودہ سیاسی قیادت اس عزم کا اظہار نہیں کر سکی۔ اسلامی تعلیمات کا بھی یہی تقاضا ہے کہ مسلمان آپس میں متحد ہوں۔ عالم اسلام کا نقشہ دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ بیشتر ممالک کے درمیان کوئی سرحد نہیں ہے۔ مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں پھیلے ہوئے وسیع و عریض اور وسائل سے لیس عالم اسلام کے درمیان بیشتر سرحدیں حائل نہیں ہیں۔ مسلمان عوام کی بھی یہ دیرینہ آرزو ہے۔ شاید یہ کام بالآخر مسلمان عوام ہی کی بیداری اور قیام سے عملی شکل اختیار کر سکے گا۔ البتہ یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ اس مقصد کے لیے جدید پولیٹیکل سائنس کے اصولوں کو سامنے رکھنا ضروری ہوگا۔

اس سلسلے میں حافظ ریاض حسین نجفی مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات یاد دلاتے ہوئے کہتے ہیں:

مسلمان ممالک کو آپس میں بھائی بھائی بن کر رہنا چاہیے کیونکہ حدیث شریف میں ہے:

اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔

رسول اللہ کے فرمان کے مطابق وہ مسلمان ہی نہیں جو صبح اٹھے اور مسلمانوں کے بارے میں نہ سوچے۔قرآن مجید کہتا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ(۲)

یقیناً مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔

مسلمان ملکوں کو آپس میں بھائیوں کی طرح رہنا چاہیے۔

مولانا محمد حسین نجفی نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے:

مسلمان حکومتوں سے روابط نہایت ضروری ہیں تا کہ وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا کا عملی مظاہرہ ہو سکے۔

خواتین کے حقوق اور ان کی فعالیت

عورت کے حقوق اور معاشرے میں فعالیت کا موضوع آج کے اہم موضوعات میں شمار ہوتا ہے۔خاص طور پر مغربی معاشرے میں یہ موضوع گذشتہ صدی میں زیادہ زور وشور سے اٹھایا گیا۔اسلامی تعلیمات اور پیغمبر اسلام کی سیرت کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ آنحضرتؐ نے عورت کی انسانی اور معاشرتی حیثیت کی بحالی کے لیے عظیم کردار ادا کیا یہاں تک کہ اسے ایک تحریک کی شکل دی۔اسلام کی ہمہ گیر تمدنی تعلیمات نے عورت کے معاشرتی احیاء میں جو کردار ادا کیا ہے اس کے اثرات پوری دنیا میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ضرورت اس امر کی تھی کہ مسلمان اس تحریک کو نہ فقط جاری رکھتے بلکہ وہی اس کے علمبردار ہوتے کیونکہ اسلامی تعلیمات کا یہی تقاضا تھا۔قرآن وحدیث اس پر شہادت کے لیے کافی ہیں۔چنانچہ علمائے اسلام سے خواتین کے حقوق پر بات کی جاتی ہے تو ان کا سہارا بھی قرآن وسنت ہی ہوتا ہے۔مولانا حافظ سید ریاض حسین نجفی خواتین کے حقوق اور معاشرے میں ان کی فعالیت کے بارے میں اپنے نظریات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

مرد وزن انسان ہونے میں مساوی ہیں۔قرآن حکیم میں یہ جو آیا ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ(۳)

اس کا مطلب مردوں کی عورتوں پر حکومت نہیں ہے، یہ تو سرپرستی کے معنی میں ہے۔عمومی طور پر باہر کے کام مردوں کے ذمے ہیں اور اندر کے کام خواتین نے کرنا ہوتے ہیں، ورنہ خواتین کے وہی حقوق

ہیں جو مردوں کے ہیں۔قرآن حکیم ارشاد فرماتا ہے:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ(۴)

گویا اگر مرد دینی کام کریں گے تو انھیں ثواب ملے گا، عورتیں دینی کام کریں گی تو انھیں ثواب ملے گا۔اسی طرح مرد تجارت کریں گے تو جو مال کمائیں گے اس پر ان کا اختیار ہوگا اور عورتیں تجارت کریں گی تو کمایا ہوا مال ان کا ہوگا۔

قرآن مجید میں جہاں والدین کی عظمت کا ذکر کیا گیا ہے، دونوں کو اکٹھا قرار دیا گیا ہے۔قرآن مجید میں یہ بھی ہے کہ جو شخص بھی عمل صالح کرے گا مرد ہو یا عورت اسے حیات طیبہ نصیب ہوگی:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً(۵)

عمومی احکام کے لحاظ سے بھی دونوں برابر ہیں۔ جسمانی تقاضوں کے اعتبار سے چند احکام میں فرق ہے۔شادی میں بھی دونوں کا اختیار مساوی ہے۔شادی کے بعد بھی دونوں کے اپنے اپنے حقوق ہیں۔دونوں کو اپنی ذمہ داریاں ادا کرنی چاہئیں۔عورت کو ذلیل یا پست تصور کرنا خلافِ اسلام ہے۔عورت بھی مرد کی طرح انسان ہے۔دونوں ایک ہی طرح پیدا ہوتے ہیں۔مرد کا بالا دستی جتانا درست نہیں ہے۔

خدا امام خمینی کا بھلا کرے انھوں نے عورت کے لئے جس طرح کا پردہ قائم کیا اس کے ہوتے ہوئے عورت اپنا منہ کھلا رکھ سکتی ہے اور معاشرے میں ہر طرح کی فعالیت کر سکتی ہے۔نوکری بھی کر سکتی ہے، فوج میں بھی جا سکتی ہے، جہاں چاہے جا سکتی ہے اور جو چاہے کر سکتی ہے البتہ جیسے قانون و شریعت کی پاسداری مرد کے لئے ضروری ہے عورت کے لئے بھی ضروری ہے۔

مولانا افتخار حسین نقوی اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں:

اسلام نے عورت کی انسانی حیثیت کا احیا کیا اور اگر دیکھا جائے تو خواتین کو مردوں کی نسبت کچھ زیادہ ہی مقام و احترام عطا کیا۔رسول اکرمؐ نے ماں کا مقام ایک لحاظ سے باپ سے زیادہ قرار دیا۔مثلاً آپ نے فرمایا کہ جنت ماں کے قدموں میں ہے۔یہ عورتیں ہی ہیں جن کی گودوں میں انبیاء پروان چڑھے ہیں۔جہاں تک عورت کی میراث کے بارے میں اٹھائے جانے والے سوال کا تعلق ہے تو غور کیا جائے تو شادی سے پہلے عورت یا لڑکی اپنے باپ کی سرپرستی میں ہوتی ہے اور اس کے اخراجات باپ پورے کرتا ہے جبکہ شادی کے بعد اس کا نان نفقہ شوہر کے ذمے ہوتا ہے۔اولاد کا نان نفقہ بھی باپ ہی کے ذمے ہوتا ہے۔اس طرح سے عورت کو مالی ذمہ داریوں

سے سبکدوش رکھا گیا ہے جبکہ اس کو وراثت میں حصہ دار بنایا گیا ہے۔ نیز اگر عورت تجارت کرے یا کسی اور ذریعے سے مالی مفاد حاصل کرے تو اپنی آمدنی پر اسے پورا اختیار دیا گیا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں عورت کے ان حقوق کا پورا احترام نہیں کیا جاتا جو اسلام نے اسے بخشے ہیں۔ دوسری طرف مغرب کی سرمایہ دارانہ مادی تہذیب نے عورت کو اپنے مفادات کا آلہ کار بنا رکھا ہے۔

غیر مسلم اقلیتیں

ایک مسلمان ملک میں غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر بیان کرتے ہوئے مولانا حافظ ریاض حسین نجفی نے کہا:

جب مدینہ منورہ میں نئی نئی اسلامی حکومت قائم ہوئی تھی اس وقت بھی غیر مسلموں کا مسئلہ درپیش تھا۔ مدینہ میں یہودی بھی تھے اور کچھ مختصر تعداد عیسائیوں کی بھی تھی۔ رسول اکرمؐ نے اُن کے ساتھ میثاقِ مدینہ کیا تھا۔ اس پر باقاعدہ عمل کیا جاتا تھا۔ ہمارے ہاں جتنے حقوق مسلمانوں کے ہیں وہ تمام کے تمام غیر مسلموں کو بھی حاصل ہیں۔ انھیں اپنے دین و مذہب پر عمل کرنے کی مکمل آزادی ہے۔ البتہ بعض ایسی خرابیاں ان میں پیدا ہوگئی ہیں جو اُن کے مذہب میں نہیں تھیں۔ ان کی انھیں علی الاعلان کرنے کی آزادی نہیں ہونی چاہیے۔ مثلاً انھیں علی الاعلان شراب خوری کی اجازت نہیں ہے۔ وہ بے شک اپنے گھروں میں پیتے رہیں۔ البتہ عیسائی اور یہودی خود بھی شراب خوری کو غلط سمجھتے ہیں۔ اب چونکہ ان کا سماج اور معاشرہ اس طرح سے بن چکا ہے کہ وہ شراب یوں پیتے ہیں جیسے لوگ پیپسی وغیرہ پیتے ہیں، اس لیے انھیں گھروں میں اس کی اجازت ہونی چاہیے۔

یہ جو بعض اوقات ہمارے لوگ غیر مسلموں کے خلاف خود سے اقدام شروع کر دیتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ قوم مجموعی طور پر تہذیبی اعتبار سے ابھی درکار سطح پر نہیں پہنچی۔ اس میں صرف غیر مسلموں کا معاملہ نہیں ہے اگر کسی بے چارے مسلمان سے بھی غلطی ہو جائے تو بھی وہ ایسا ہی کرنے لگتے ہیں۔ اگر کوئی مسلمان کہیں قرآن پاک ہاتھ میں لئے کھڑا ہو اور خدانخواستہ قرآن پاک اس کے ہاتھ سے گر جائے تو لوگ اس کے خلاف بھی شروع ہو جاتے ہیں۔ اس کا گھر جلا دیتے ہیں اور بھی بہت کچھ کر گزرتے ہیں حالانکہ اس نے جان بوجھ کر تو ایسا نہیں کیا ہوتا۔ لہٰذا یہاں مسلم و غیر مسلم کا فرق نہیں

ہے۔اس طرح کا طرزِ عمل ایک غلط کاری ہے جو ہمارے ملک میں رواج پا چکی ہے۔اسلام اس چیز کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ یہ دین نہیں ہے۔میرے باپ کو اگر کوئی شخص قتل کردے، مجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ میں جا کر اس کے بھائی کو قتل کردوں۔جو قاتل ہے صرف اسے پکڑا جا سکتا ہے، کسی اور کو نہیں پکڑا جا سکتا۔ یہ جو اقلیتوں کے خلاف کبھی کبھار تشدد کے واقعات ہو جاتے ہیں یہ معاشرے کی خرابی کا پتہ دیتے ہیں۔یہ سب کچھ معاشرے کی خرابی کی وجہ سے ہو رہا ہے۔اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔

انتہا پسندی اور دہشت گردی

مولانا حافظ ریاض حسین نجفی نے پاکستان میں انتہا پسندی اور دہشت گردی کی روش کا جائزہ لیا اور اس سلسلے میں اپنا تجزیہ یوں پیش کیا:

انتہا پسندی اور دہشت گردی کی وجوہات کے بارے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارے ملک کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ یہاں قانون کا نفاذ سرے سے ہے ہی نہیں۔۱۹۷۳ کا آئین لکھا ہوا ہے لیکن اس پر عمل نہیں ہوتا۔جس کے پاس پیسے ہوں اور جو کرسی پر بیٹھا ہو وہ قانون سے مستثنیٰ ہو جاتا ہے۔غریب آدمی کو پکڑ لیا جاتا ہے، اس کے خلاف قانون حرکت میں آ جاتا ہے۔

ثانیاً یہ کام آج شروع نہیں ہوا۔یہ کام ۸۱۔۱۹۸۰ سے شروع ہے۔بڑے بڑے ڈاکٹر، انجینئر اور علماء قتل ہوئے۔بڑی بڑی شخصیات ماری گئیں۔بڑی بڑی انجمنوں کے سربراہ مار دیے گئے لیکن ان میں سے کسی کے بارے میں ہماری کسی حکومت نے بھی کچھ نہیں کیا۔ظاہر ہے کہ پھر خون رائیگاں تو نہیں جاتا۔لہٰذا اب جو کچھ ہو رہا ہے یہ مکافاتِ عمل ہے۔اس وقت جو لوگ شرارتیں کرتے تھے انھیں الٹا شہ دی جاتی تھی۔حکمران کہتے تھے کہ ہم مذہبی معاملات میں نہیں پڑتے۔اب وہ لوگ شرارتیں کرتے کرتے یہاں تک آ پہنچے ہیں کہ ان سے نہ پولیس محفوظ ہے اور نہ فوج۔ان سے اب اسکول اور یونیورسٹیاں تک محفوظ نہیں۔ان سے بچے تک محفوظ نہیں۔

اس وقت بھی صورت حال یہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ ہم نے اتنے دہشت گرد پکڑ لئے ہیں لیکن ان کے خلاف مقدمے چلائے جانے اور سزا ملنے کا کچھ پتہ نہیں۔گویا یہ کہنا درست ہے کہ یہاں کوئی قانون ہی نہیں۔جس ملک میں کوئی قانون نہ ہو وہاں پھر جنگل کا قانون ہوتا ہے جس کا جو دل چاہتا ہے کرتا ہے۔

ملکی حالات کے حوالے سے مسئلے کا جائزہ لینے کے بعد حافظ صاحب نے اس موضوع پر اپنا اسلامی نقطۂ نظر بھی بیان کیا اور اس سلسلے میں تاریخ اسلام سے بھی استفادہ کیا۔انھوں نے کہا:

ان دہشت گردوں اور خود کش حملے کرنے والوں کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ یہ جو کچھ کر رہے ہیں اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ رسول اللہ کا سب سے بڑا لقب رحمۃ للعالمین ہے۔ حضرت علیؑ کا قاتل ان کے سامنے کھڑا تھا۔ انھوں نے فرمایا کہ اس کے ہونٹ خشک ہو رہے ہیں جو شربت تم مجھے دے رہے ہو وہ اسے بھی دو۔ یہی کردار حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کا رہا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے کہ میری پوری حکومت میں کسی ایک کو بھی تکلیف پہنچے تو قیامت کے دن میرا گریبان پکڑا جائے گا۔ اسلام اس دہشت گردی کی اجازت نہیں دیتا، نہ اہل سنت کا فہم اسلام اس کی اجازت دیتا ہے اور نہ اہل تشیع کا۔ البتہ اسلام ایک ہی ہے یہ تو دو مکاتب فکر ہیں۔ اسلام ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ اگر کسی ایک نے غلط کام کیا ہے تو کسی دوسرے شخص کو دہشت گرد حملے کے ذریعے مار دیا جائے۔ پاکستان کی فوج اور پولیس تو پاکستان کی محافظ ہے۔ یہ نہ ہوں تو ملک ایک دن بھی نہیں چل سکتا۔ ان کی وجہ سے تو ملک قائم ہے۔ انھیں قتل کرنا ہرگز اسلام نہیں ہے۔

مولانا افتخار حسین نقوی نے بھی اس حوالے سے اسلامی تعلیمات کا ذکر کرتے ہوئے عصری وجوہات کا بھی حوالہ دیا۔ ان کا کہنا تھا:

اسلام کا دہشت گردی اور دہشت گردوں سے کوئی تعلق نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عصر حاضر میں دہشت گردی کے بانی اور اس کے فروغ کے ذمہ دار اسلام کے دشمن ہیں۔ انھوں نے اسلامی انقلاب کا راستہ روکنے کے لیے اس کی بنیاد رکھی۔ وہ اسلام کا چہرہ بگاڑنے کے لیے اس طرح کے گروہوں کو میدان میں لے کر آئے ہیں، ورنہ اسلام تو دیگر ادیان کے ساتھ باہمی رواداری سے زندگی گزارنے کا حامی ہے۔ اس کی مثال میثاق مدینہ سے دی جا سکتی ہے جو پیغمبر اسلامؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت کے بعد وہاں کے یہودیوں سے کیا تھا۔ ایک حدیث میں آپ کا ارشاد ہے:

''جو شخص پیٹ بھر کر سو جائے اور اس کا ہمسایہ بھوکا رہے تو اس کی عبادت قبول نہیں چاہے اس کا ہمسایہ یہودی کیوں نہ ہو۔''

حواشی

(۱) مطہری، مرتضیٰ: دہ گفتار (انتشارات صدرا، تہران، ۱۳۹۸ھ) ص ۱۴۵

(۲) الحجرات: ۴۹-۱۰ (۳) النساء: ۴-۳۴ (۴) النساء: ۴-۳۲ (۵) النحل: ۱۶-۹۷

عمومی معلومات

آبادی

پاکستان میں شیعہ اثنا عشریہ کی آبادی کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ اس کی وجہ واضح ہے اور وہ یہ کہ پاکستان میں مسلمانوں کے مذہبی مسالک کی بنیاد پر کوئی مردم شماری نہیں کی جاتی لہذا جو کچھ بھی ہے سب تخمینہ ہے۔ تاہم کچھ کلیات ضرور معلوم ہیں جن کی بنیاد پر ایک ایسا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جو حقیقت کے کسی حد تک قریب ہو۔ البتہ شیعوں کی تعداد کے بارے میں دعووں میں گا ہے عجیب فرق محسوس ہوتا ہے شاید اس کی بنیادی وجہ پاکستان میں شیعہ آبادی کا غیر متوازن پھیلاؤ ہے۔ بعض علاقوں میں شیعہ آبادی بہت زیادہ ہے اور بعض علاقوں میں بالکل نہیں ہے۔ اس کی مثال بلتستان اور شمالی وجنوبی وزیرستان ہے۔ بلتستان میں شیعہ بھاری اکثریت سے موجود ہیں جبکہ شمالی وجنوبی وزیرستان میں شاید ایک بھی شیعہ گھرانا موجود نہ ہو۔ پنجاب کے بعض اضلاع میں شیعہ آبادی کا تناسب نہایت کم ہے جبکہ بعض اضلاع میں بہت زیادہ ہے مثلاً ضلع جہلم میں شیعہ آبادی بہت کم ہے جبکہ ضلع جھنگ میں شیعوں کا تناسب بہت زیادہ ہے۔ بہر حال ہم نے جن شیعہ اکابرین سے پاکستان میں شیعوں کی آبادی کے تناسب کا سوال کیا ان کے بیانات میں کوئی قابل ذکر فرق دکھائی نہیں دیا۔ مثلاً مولانا افتخار حسین نقوی نے کہا:

> پاکستان میں شیعوں کی الگ سے کوئی مردم شماری تو نہیں کی گئی کہ جس کی بنیاد پر شیعوں کی تعداد کے بارے میں کوئی حتمی بات کی جاسکے۔ البتہ جسٹس (ر) منیر نے ایک کتاب (جناح ٹو ضیا) لکھی تھی جس میں انھوں نے اُس وقت پاکستان میں شیعوں کی آبادی ۳ کروڑ بیان کی تھی۔ اب اس کتاب کو لکھے ہوئے ایک طویل عرصہ گزر چکا ہے ہم سمجھتے ہیں کہ اس وقت پاکستان میں شیعوں کی تعداد ۴ کروڑ کے لگ بھگ ہوگی۔ اس طرح سے کہا جاسکتا ہے کہ پاکستان میں شیعہ آبادی کا تناسب ۲۵ فیصد کے قریب ہے۔

مولانا حافظ ریاض حسین نجفی نے شیعوں کی آبادی کے حوالے سے کہا:

> اس سلسلے میں میرا اپنا تو کوئی خیال نہیں اور ہمارے پاس ایسے کوئی اعداد وشمار نہیں کہ جن کی بنیاد پر ہم کہہ سکیں کہ پاکستان میں شیعوں کی تعداد کیا ہے تاہم جنرل ضیاء الحق صاحب نے اپنے زمانے میں کہا تھا کہ شیعہ حضرات پاکستان میں 21 فیصد ہیں، ہم اسی پر انحصار کرتے ہیں۔

دارالافتاء

شیعوں کے دارالافتاء کے حوالے سے حافظ ریاض حسین نجفی نے بتایا:

تمام بڑے بڑے مدارس میں باقاعدہ دارالافتاء موجود ہیں جو باقاعدہ فتویٰ دیتے ہیں۔تحریراً فتویٰ دیا جاتا ہے اور اس کا باقاعدہ ریکارڈ رکھا جاتا ہے، اس کی فوٹو کاپی رکھی جاتی ہے۔تاہم یہ فتاویٰ مرتب کر کے ابھی تک کسی نے شائع نہیں کیے۔اس کی مرکزی صورت اس طرح سے بنتی ہے کہ اگرچہ بڑے بڑے مدارس موجود ہیں لیکن وہ اکثر ہم [جامعۃ المنتظر] سے ٹیلی فون، بات چیت یا خط و کتابت کے ذریعے فتویٰ طلب کرتے ہیں۔اس طرح ان کے الجھے ہوئے مسائل یہ جامعہ حل کرتا ہے اور ان کے علاوہ براہ راست بھی بہت سارے مسائل ہمارے پاس آتے ہیں جن کا جواب دیا جاتا ہے۔

شیعوں کے دارالافتاء کے حوالے سے مولانا افتخار حسین نقوی نے وضاحت کی:

دارالافتاء کے حوالے سے پہلے اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ پاکستان اور باقی دنیا کے شیعہ ہر دور کے بلند مرتبہ شیعہ فقہا اور مراجع کی تقلید کرتے ہیں۔لہٰذا جب انھیں کوئی مذہبی مسئلہ درپیش ہو تو وہ اپنے مرجع کا فتویٰ جاننا چاہتے ہیں۔اس مقصد کے لیے وہ اپنے ملک کے علماء سے رجوع کرتے ہیں۔اس سلسلے میں عام طور پر شیعہ عوام اپنے قریبی دینی مدارس سے رابطہ کرتے ہیں۔تمام بڑے مدارس میں استفتائات کا جواب دینے کے لیے علماء کا تعین ہوتا ہے جو متعلقہ مرجع کا فتویٰ بیان کر دیتے ہیں اور اگر مرجع کی کتب میں فتویٰ نہ ملے تو مرجع کے دفتر سے رابطہ قائم کر کے فتویٰ حاصل کیا جاتا ہے اور یہ کام آج کل انٹرنیٹ کی وجہ سے اور بھی آسان ہو گیا ہے۔تمام شیعہ مراجع کی ویب سائٹس موجود ہیں اور ان کے دفاتر استفتائات کا جواب ای میل کے ذریعے سے بھی دے دیتے ہیں۔بیشتر شیعہ مراجع قم المقدس، نجف اشرف یا مشہد مقدس میں ہوتے ہیں۔یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ شیعوں کے ہاں زندہ مجتہد ہی کی تقلید کی جاتی ہے۔اس طرح تازہ بہ تازہ اجتہاد کا سلسلہ عصری تقاضوں کے مطابق جاری رہتا ہے۔ان میں سے ہر مجتہد کے اصول فقہ میں بھی اپنے نظریات ہوتے ہیں جن کی روشنی میں وہ احکام بیان کرتا ہے۔

وفاق المدارس

شیعوں کے وفاق المدارس کے بارے میں مولانا حافظ ریاض حسین نجفی نے بتایا:

شیعوں کا ایک ہی وفاق المدارس ہے جس کا دفتر جامعہ المنتظر لاہور میں قائم ہے۔ اس سے

۱۷۴ مدارس منسلک ہیں جن میں تقریباً ۱۵ ہزار طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ میٹرک، ایف اے، بی اے اور ایم اے تک کی تمام سندات اسی سے جاری کی جاتی ہیں۔ اس وفاق کے فارغ التحصیلان چھ ہزار سے زائد ہیں۔ البتہ ایسے علماء بھی ہیں جن کے پاس وفاق المدارس کی سندات نہیں ہیں۔ وہ نجف اشرف یا قم المقدس سے فارغ التحصیل ہیں۔ خاص طور پر وفاق المدارس کے قیام سے پہلے کے بزرگ علماء کو ان سندات کی ضرورت نہیں ہے۔

دینی مدارس

جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے پاکستان میں اہل تشیع کے چار سو سے زیادہ مدارس ہیں۔ ہم ذیل میں ان میں سے چند ایک کے نام پیش کر رہے ہیں:

جامعۃ المنتظر، لاہور	جامعۃ الکوثر، اسلام آباد
جامعۃ اہل البیت، اسلام آباد	دار العلوم المحمدیہ، سرگودھا
جامعہ علوم اسلامی، فیصل آباد	مخزن العلوم الجعفریہ، ملتان
جامعہ علمیہ باب النجف، جاڑا، ڈیرہ اسماعیل خان	جامعۃ الجت، اسلام آباد
مدرسہ ابوتراب، ہالا، نیو حیدرآباد	جامعۃ العلوم الاسلامیہ، جعفر طیار سوسائٹی، کراچی
جامعہ علمیہ، ڈیفنس سوسائٹی، کراچی	دانشگاہ جعفریہ، میرواہ، ضلع میرپور خاص
مدرسہ مدینۃ العلم، گوٹھ حاجی بخش زرداری، ضلع نواب شاہ	مدرسہ محمدیہ، جلال پور، ضلع سرگودھا
مدرسہ مظہر الایمان، ڈھڈیال، ضلع چکوال	جامعۃ الشہید مطہری، ملتان
مدرسہ دار الہدیٰ محمدیہ، علی پور، ضلع مظفر گڑھ	جامعۃ المجتبیٰ، گجرات
جامعہ ممتاز المدارس، وزیرآباد	جامعہ جعفریہ، گوجرانوالہ
جامعہ اسلامیہ، مظفر پور، سیالکوٹ	مدرسہ آیت اللہ حکیم، راولپنڈی
مدرسہ رسول اعظم، ایبٹ آباد	مرکز اہل بیت، مانسہرہ
مدرسہ جعفریہ، جنڈ	سلطان المدارس الاسلامیہ، سرگودھا
درسگاہ باقر العلوم، کوٹلہ جام، ضلع بھکر	جامعۃ القائم، لیہ
جامعہ امام خمینی، ماڑی انڈس، ضلع میانوالی	دار العلوم جعفریہ، خوشاب
جامعۃ المرتضیٰ، لاہور	جامعہ امامیہ، کربلا گامے شاہ، لاہور

جامعہ علوم اسلامی، موچی گیٹ، لاہور
مدرسہ بقیۃ اللہ، لاہور
جامعہ نقویہ، سہنسہ، ضلع کوٹلی، آزاد کشمیر
جامعۃ النجف، اسکردو، بلتستان
جامعہ جعفریہ، پاراچنار
جامعۃ الشہید عارف الحسینی، پشاور
کلیہ اہل بیتؑ، چنیوٹ
جامعہ شمس العلوم، قائم بھروانہ، ضلع جھنگ
جامعۃ الغدیر، احمد پور سیال، ضلع جھنگ
جامعہ امام علیؑ، کبیر والا، ضلع خانیوال
جامعہ فاطمیہ، رینالہ خورد، ضلع اوکاڑہ
دار العلوم جعفریہ، کوئٹہ
جامعہ المصطفیٰ، لاہور
جامعہ امام جعفر صادق، کوئٹہ
مدرسہ آیت اللہ خامنہ ای، پاراچنار
جامعہ بعثت، رجوعہ سادات، چنیوٹ
جامعہ العسکریہ، ہنگو
جامعہ امام سجادؑ، جھنگ
جامعۃ القائم، سیوہ سادات، ضلع جھنگ
دار العلوم جعفریہ، اوچ شریف، ضلع بہاولپور
عزیز المدارس، چیچہ وطنی، ضلع خانیوال

خواتین کے مدارس

جامعۃ الزہراؑ، بہاولنگر
جامعہ زینبیہؑ، سرگودھا
جامعۃ فاطمۃ الزہرا، لیہ
جامعۃ الزہراؑ، اوچ شریف، ضلع بہاولپور
مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ، کوئٹہ
حوزہ علمیہ زینبیہ، بلکسر، چکوال
جامعۃ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ، پکی شاہ مردان، میانوالی
جامعہ ام البنین، چکوال
مدرسہ خدیجۃ الکبریٰؑ، دریا خان، ضلع بھکر
جامعۃ القائم رئیسان، ضلع ہنگو
جامعۃ الزہراؑ، اسلام آباد
مدرسہ فاطمۃ الزہراؑ، کوئٹہ
جامعۃ الزہراؑ، ڈیرہ غازی خان

(یہ فہرست بغیر کسی معین یا ترجیحی ترتیب کے پیش کی گئی ہے۔)

رسائل و جرائد

پاکستان کے مختلف شہروں سے اہل تشیع کے رسائل و جرائد شائع ہوتے ہیں۔ متعدد جرائد جو ماضی قریب میں نہایت اہمیت کے حامل تھے اس وقت بند ہو چکے ہیں۔ ہم اس وقت شائع ہونے والے جرائد میں سے اپنی معلومات کی حد تک جو

فہرست مرتب کر سکے ہیں وہ پیش کی جارہی ہے:

ماہنامہ پیام عمل، لاہور، مدیر: سید وحید الحسن ہاشمی

ماہنامہ المبلغ، سرگودھا، مدیر: مولانا محمد سبطین نصیری

ماہنامہ صدائے معصوم، لاہور

ماہنامہ منہاج الحسین، لاہور، مدیر: محمد عباس قمی

ماہنامہ ندائے اصغریہ، دادو، (سندھ)

ماہنامہ اصلاح، کراچی، مدیر: مولانا رضی جعفر

ماہنامہ المنتظر، لاہور، جامعۃ المنتظر، لاہور

سہ ماہی نور معرفت، بھارہ کہو، اسلام آباد، مدیر: سید رمیز الحسن

ماہنامہ المعصوم، (سندھی)، جام شورو

ماہنامہ المہدی، لاہور، مدیر: ملک فیض بخش

ماہنامہ الغدیر، لاہور: مدیر: ایس ڈی زیدی

ہفت روزہ افکار توحید، کراچی

ماہنامہ پیام زینب، پکی شاہ مردان، میانوالی، چیف ایڈیٹر: وجیہ زہرا نقوی

سہ ماہی صدائے ثقلین، لاہور، مدیر: شاہد حسین نقوی

خیر العمل، لاہور

ماہنامہ القائم، لاہور

ہفت روزہ نوائے اسلام، کراچی

ماہنامہ طاہرہ، کراچی

پندرہ روزہ صدائے حق، انٹرنیشنل کراچی، مدیر: آغا مجتبیٰ زمانی

ماہنامہ افکار العارف، لاہور، چیف ایڈیٹر: عباس مرتضیٰ

ماہنامہ خواجگان، لاہور

سہ ماہی شعور عزاداری، اسلام آباد

ہفت روزہ ایوانِ صداقت، راولپنڈی، چیف ایڈیٹر: ولایت علی

ہفت روزہ بیان صداقت، لاہور، چیف ایڈیٹر: سید انتصار مہدی

ماہنامہ تنظیم الاسلام، لاہور، مدیر: سید مظاہر حسین

ماہنامہ الحکمہ انٹرنیشنل، کراچی، مدیر: آغا مجتبیٰ زمانی

اہم شیعہ علماء

جو علماء وفات پا چکے ہیں

مولانا سید ابوالقاسم الحائری، لاہور (۱۲۴۹ھ۔۱۳۲۴ھ)

مولانا سید حشمت علی، خیر اللہ پور، ضلع سیالکوٹ (۱۸۵۸۔۱۹۳۵)

مولانا سید برکت علی گوشہ نشین، وزیر آباد (۱۸۸۳۔۱۹۵۶)

آغا محمد سلطان مرزا، کراچی (۱۸۸۹۔۱۹۶۵)

مولانا مرزا احمد علی، لاہور (۱۸۸۴۔۱۹۷۰)

مولانا سید علی الحائری، لاہور (۱۲۸۸ھ۔۱۳۶۰ھ)

مولانا مفتی سید خادم حسین نقوی، خیر پور (۱۸۹۵۔۱۹۵۵)

مولانا سید امداد حسین شیرازی، ملتان (۱۹۳۸۔۱۹۵۶)

مولانا حافظ کفایت حسین، لاہور (۱۸۹۸۔۱۹۶۸)

مولانا سید محمد دہلوی، کراچی (۱۳۱۷ھ۔۱۳۹۲ھ)

علامہ سید ابنِ حسن جارچوی، کراچی (۱۹۰۴۔۱۹۷۳)

مولانا مرزا مہدی پویا، کراچی (۱۹۰۰۔۱۹۷۳)

مولانا امیر محمد تونسوی، دائرہ دین پناہ (۱۹۰۶۔۱۹۷۴)

مولانا سید امداد حسین کاظمی، گجرات (۱۹۰۱۔۱۹۷۵)

مولانا محمد اسماعیل، فیصل آباد (۱۹۰۱۔۱۹۷۶)

مولانا خواجہ محمد لطیف انصاری، ڈسکہ (سیالکوٹ) (۱۳۰۵۔۱۳۹۹)

مولانا مرزا اصفدر حسین مشہدی، پشاور (۱۹۰۱۔۱۹۸۰)

مولانا سید محمد جعفر زیدی، لاہور (۱۹۰۸۔۱۹۸۰)

مولانا سید نجم الحسن کراروی، پشاور (۱۹۱۸۔۱۹۸۲)

مولانا سید قائم علی فانی، لاہور (۱۹۰۵۔۱۹۸۳)

مولانا مفتی جعفر حسین، گوجرانوالہ (۱۹۱۶۔۱۹۸۳)

مولانا محمد بشیر انصاری، ٹیکسلا (۱۹۰۱۔۱۹۸۳)

مولانا سید اظہر حسن زیدی، لاہور (۱۹۱۴۔۱۹۸۶)

مولانا سید مرتضیٰ حسین صدر الافاضل لکھنوی، لاہور (۱۹۲۳۔۱۹۸۷)

مولانا سید امیر حسین نقوی النجفی، لاہور (۱۹۲۳۔۱۹۸۸)

مولانا سید محمد عارف نقوی، لاہور (۱۹۱۶۔۱۹۸۸)

مولانا مرزا یوسف حسین، لاہور (۱۹۰۱۔۱۹۸۸)

مولانا سید ظفر حسن نقوی امروہوی، کراچی (۱۸۹۰۔۱۹۸۹)

مولانا سید صفدر حسین نجفی، لاہور (۱۹۳۳۔۱۹۸۹)

مولانا سید محمد یار شاہ، علی پور (مظفر گڑھ) (۱۹۱۵۔۱۹۹۰)

مولانا حسین بخش، دریا خان (۱۹۲۰۔۱۹۹۰)

مولانا نصیر الاجتہادی، کراچی (۱۹۳۱۔۱۹۹۰)

مولانا سجاد حسین خان، سیالکوٹ (۱۹۳۲۔۱۹۹۰)

مولانا غلام حسین، ساہیوال (۱۹۲۴۔۱۹۹۱)

مولانا شبیہ الحسنین محمدی، لاہور (۱۹۱۷۔۱۹۹۱)

مولانا علی حسنین شیفتہ، سرگودھا (۱۹۲۶۔۱۹۹۱)

مولانا گلاب علی شاہ نقوی، ملتان (۱۹۱۴۔۱۹۹۲)

مولانا کاظم حسین اثیر جاڑوی، دریا خان (۱۹۴۱۔۱۹۹۲)

مولانا سید ضمیر الحسن نجفی، شورکوٹ (۱۹۱۶۔۱۹۹۳)

مولانا حافظ سید محمد سبطین نقوی، وزیر آباد (۱۹۴۷۔۱۹۹۴)

مولانا سید صابر حسین نقوی، منڈی بہاؤالدین (۱۹۳۸۔۱۹۹۷)

مولانا شیخ اختر عباس، لاہور (۱۹۲۵۔۱۹۹۹)

مولانا سید آغا جعفر، کراچی (۱۹۳۶۔۲۰۰۳)

مولانا غلام حسین نجفی، لاہور (۱۹۳۹۔۲۰۰۵)

مولانا سید شبیر علی نقوی، ملتان (۱۹۳۸۔۲۰۰۸)

مولانا سید محمد عباس نقوی، لاہور (۱۹۴۲۔۲۰۰۹)

مولانا ملک ظفر عباس، لندن (۱۹۴۸۔۲۰۰۹)

مولانا سید صادق علی نجفی، لاہور (ولادت ۱۹۳۲)

مولانا مفتی سید عنایت علی نقوی، ملتان (ولادت ۱۹۰۴)

مولانا شیخ محمد مصطفیٰ جوہر، کراچی (ولادت ۱۸۹۵)

مولانا ملازم حسین اصغر، سرگودھا (ولادت ۱۹۴۲)

مولانا امیر الدین چک جلال الدین، جھنگ

مولانا سید بشیر عباس نقوی، لاہور (ولادت ۱۹۴۹)

مولانا سید زوار حسین ہمدانی، تلہ گنگ

مولانا حافظ علی محمد، جھنگ

علمائے کرام کے ناموں کی پیش نظر ترتیب ان کے سالہائے وفات کے تقدم و تاخر کے مطابق ہے البتہ آخر میں لکھے گئے

چند علماء کی تاریخ ولادت ووفات کے بارے میں ہمیں یقین آور معلومات حاصل نہیں ہوسکیں لہٰذا یہ چند نام حروف ابجد کی ترتیب سے لکھ دیے گئے ہیں۔

عصر حاضر کے اہم علماء

مولانا سید ابن حسن نجفی، کراچی (۱۹۲۸)

مولانا ارشاد حسین، خیر پور

مولانا سید اسد رضا بخاری، اسلام آباد (۱۹۵۶)

مولانا ملک اعجاز حسین، خوشاب (۱۹۳۸)

مولانا سید افتخار حسین نقوی النجفی، ماڑی انڈس (۱۹۵۱)

مولانا حافظ بشیر حسین، نجف اشرف (ان کا تعلق لاہور سے ہے ابتداء میں جامعہ المنتظر لاہور میں پڑھتے رہے ہیں اور ان کا شمار عصر حاضر شیعہ مراجع میں ہوتا ہے)۔

مولانا سید حامد علی موسوی النجفی، راولپنڈی (۱۹۴۰)

مولانا سید حسن ظفر نقوی، کراچی

مولانا سید حسین عارف نقوی، اسلام آباد (۱۹۴۲)

مولانا حسنین عباس گردیزی، اسلام آباد (۱۹۶۶)

مولانا شہنشاہ حسین، کراچی

مولانا غلام حسن نجفی جاڑا، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان (۱۹۳۱)

مولانا سید حسین مرتضیٰ، لاہور (۱۹۵۰)

مولانا راجہ ناصر عباس جعفری، اسلام آباد

مولانا سید رضی جعفر نقوی، کراچی (۱۹۴۷)

مولانا حافظ سید ریاض حسین نقوی، لاہور (۱۹۴۱)

مولانا سید ساجد علی نقوی، راولپنڈی (۱۹۴۰)

مولانا سید شاہد حسین نقوی، لاہور (۱۹۵۶)

مولانا شیخ محسن علی نجفی، اسلام آباد (۱۹۴۰)

مولانا محسن علی نجفی، وہگریجی

ڈاکٹر محسن مظفر نقوی، کراچی

مولانا محمد باقر نجفی، دادو

مولانا سید محمد تقی نقوی، ملتان (۱۹۴۹)

مولانا محمد جمعہ اسدی، کوئٹہ (۱۹۵۲)

مولانا محمد حسین اکبر، لاہور

مولانا شیخ محمد حسین نجفی ڈھکو، سرگودھا (۱۹۳۲)

مولانا شیخ محمد شفاء نجفی، اسلام آباد (۱۹۵۱)

مولانا شیخ محمد شفیع نجفی، لاہور (۱۹۴۳)

مولانا محمد عباس نجفی، حیدر آباد

مولانا مظہر حسین کاظمی، رجوعہ سادات چنیوٹ

مولانا قاضی نیاز حسین نقوی، لاہور

مولانا شیخ نوروز علی نجفی، کراچی (۱۹۳۷)

مولانا شیخ یعقوب علی توسلی، کوئٹہ (۱۹۴۳)

ان علمائے کرام کے اسماء حروف ابجد کی ترتیب سے لکھے گئے ہیں۔ نیز جن کے ولادت کے سال کا علم ہوسکا وہ بھی لکھ دیا گیا ہے۔

اہم کتابیں

اہل تشیع کے ہاں شائع کی گئی کتب کے حوالے سے یہ بات قابل ذکر ہے کہ تالیفات وتصنیفات کا زیادہ تر سلسلہ ہمیں گذشتہ ۳۰ سال میں نسبتاً کم دکھائی دیتا ہے۔اس دوران میں زیادہ تر ایرانی دانشوروں کے تراجم شائع ہوئے ہیں،اس کی وجہ ایران میں آنے والے انقلاب کے اثرات کو قرار دیا جاسکتا ہے۔البتہ اس دور میں نئے علمی اور فکری موضوعات دکھائی دیتے ہیں۔قبل ازیں مناظرانہ کتابوں کا سلسلہ زیادہ تھا جبکہ بعدازاں اس رجحان میں کچھ تبدیلی دکھائی دیتی ہے۔ہم نے ذیل میں پاکستان میں شیعہ ناشرین کی طرف سے شائع ہونے والی کتابوں کا مختلف موضوعات پر ایک مختصر انتخاب شامل کیا ہے۔البتہ تقسیم ہند سے پہلے کی چند کتابیں برصغیر کے کسی بھی شہر سے شائع شدہ ہوسکتی ہیں۔

تفسیر رعلوم قرآن

لوامع التنزیل (فارسی) (۲۷ جلد)،سید علی الحائری لاہور (۱۲۸۸ھ۔۱۳۶۰ھ)

تفسیر انوار النجف (۱۴ جلد)،مولانا حسین بخش جاڑا

تفسیر القرآن (۵ جلد)،مولانا ظفر حسن امروہوی

لوامع القرآن (ترجمہ وتفسیر)،مولانا مرزا احمد علی (۱۸۸۴ء۔۱۹۷۰ء)

القرآن المبین (ترجمہ وحاشیہ قرآن)،مولانا سید امداد حسین کاظمی

ترجمہ وحاشیہ قرآن،مولانا شیخ محسن علی نجفی

تفسیر الکوثر،مولانا شیخ محسن علی نجفی (چھ جلدیں مکمل ہوچکی ہیں)

تفسیر نمونہ (۲۷ جلد) آیۃ اللہ ناصر مکارم شیرازی ودیگر،ترجمہ:مولانا سید صفدر حسین نجفی

تفسیر منشور جاوید (موضوعی تفسیر) (۱۰ جلد) آیۃ اللہ جعفر سبحانی،ترجمہ:مولانا سید صفدر حسین نجفی وغیرہ

پیام قرآن (تفسیر موضوعی۔۱۰ جلد) آیۃ اللہ ناصر مکارم شیرازی،ترجمہ:مولانا سید صفدر حسین نجفی وغیرہ

موعظہ تحریف قرآن،مولانا سید علی الحائری

مسئلہ تحریف قرآن،مولانا طالب حسین کرپالوی

تفسیر فیضان الرحمان (۱۰ جلد)،مولانا محمد حسین نجفی

ترجمہ تفسیر نور الثقلین (۶ جلد) ترجمہ:مولانا محمد حسن جعفری ومولانا محمد علی فاضل

مجمع الآیات،مولانا ظفر حسن امروہوی

روح القرآن،نجم الحسن کراروی

ترجمہ وحاشیۂ قرآن، حافظ فرمان علی

انوار القرآن (ترجمہ وحاشیہ قرآن)، علامہ ذیشان حیدر جوادی

ترجمہ تفسیر المیزان، (از علامہ محمد حسین طباطبائی)، ترجمہ: مولانا حسن رضا غدیری وترجمہ انگریزی مولانا سعید اختر رضوی (م۲۰۰۴)

سیرت النبیؐ

آندھی میں چراغ: خواجہ غلام السیدین (م۱۳۹۱ھ/۱۸۷۱ء)

آخری رسولؐ: سید حسین مہدی حسینی

اسلام اور اس کے شارع مقدس کی بعض خصوصیات: (حصہ اول) سید ریاض علی بنارسی

اسوۃ الرسولؐ (۵ جلد)، سید اولاد حیدر فوق بلگرامی

اوصاف ختم المرسلینؐ: جمیل حسین رضوی

احمد مختارؐ: میر سجاد علی بی اے، ایم۔ ایڈ

تنقید الکلام فی احوال شارع الاسلام: سید ابوالحسن

جلوہ نبیؐ: شاہ عابد حسین

ثمرۃ المکاشفہ: سید حمزہ علی امروہی

حضرت رسول مقبولؐ: حاجی نور حسین صابر (م۱۹۴۵م/۱۳۶۴ھ)

حیات مقدسہ جلد اول، آغا سید واصف حسین نقوی (م۱۹۸۹ء)

خطیب قرآن (نبی آخر الزمان) سید عباس علی سبزاواری

ریاض القلوب، محمد واجد علی شاہ اختر (م۱۸۸۷ء)

سیرۃ الرسولؐ وحقائق معارف اسلام، مولانا ظفر حسن امروہی (چار حصے) (م۱۹۸۹ء)

سیرۃ النبیؐ، خواجہ غلام الحسنین (م۱۳۵۵ھ/۱۹۳۷ء)

مرقع اسلام در حالات خیر الانامؐ، مولانا سید انصار حسین ذکی نقوی امروہوی

معراج انسانیت، علامہ سید علی نقی (م۱۹۸۸ء)

سیرت رسولؐ، مولانا ظفر حسن امروہوی

النبی الخاتمؐ، مولانا سید آغا مہدی (م۱۴۰۷ھ)

فروغ ابدیت، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، استاد جعفر سبحانی، ترجمہ: مولانا سید نصیر حسین (م ۱۹۸۹)

نفحات الریاحین فی احوال سیدنا خاتم النبینؐ، مولانا سید مقرب علی زائر (م ۱۳۴۵ھ)

سیرت النبیؐ (۶۷ جلد) مولانا طالب حسین کرپالوی

سیرت ائمہ اہل بیتؑ

السراج المبین (سیرت امیر المومنین): اولاد حیدر فوق بلگرامی

دُرِ مقصود (امام مہدیؑ کے بارے میں): اولاد حیدر فوق بلگرامی

سیرت امیر المومنین (دو جلد): علامہ مفتی جعفر حسین (م ۱۹۸۳)

چودہ ستارے، مولانا نجم الحسن کراروی

نور المشرقین من حیات الصادقین: آغا سلطان مرزا

علیؑ کا طرز جہانبانی (انگریزی واردو): ابن حسن جارچوی

تذکرہ محمد وآل محمد: ابن حسن جارچوی

احسن المقال ترجمہ منتہی الآمال (شیخ عباس قمی): ترجمہ: مولانا سید صفدر حسین نجفی

شہید انسانیت: علامہ علی نقی

نقوش عصمت: علامہ ذیشان حیدر جوادی

حیات فاطمہ، سید محمد جعفر شہیدی، مترجم: حسنین عباس گردیزی

حدیث/علوم حدیث

ترجمہ نہج الفصاحۃ (رسول اکرمؐ کے خطبات): ترجمہ: مولانا نصیر الاجتہادی

تدوین حدیث، علامہ علی نقی نقوی

تاریخ تدوین حدیث، سید مرتضیٰ حسین صدر الافاضل

علم الحدیث (ترجمہ وتلخیص نہایۃ الدرایہ از سید حسن الصدر عاملی)، علامہ علی حسنین شیفتہ

مکتب اہل بیت میں علوم حدیث کا ارتقاء: ڈاکٹر محسن نقوی

ترجمہ اصول کافی وفروع کافی (۴ حصے)، مولانا ظفر حسن امروہوی

ترجمہ وسائل الشیعہ (مکمل)، مولانا محمد حسین نجفی

ترجمہ من لا یحضرہ الفقیہ (مکمل)، مولانا سید امداد حسن

ترجمہ وشرح نہج البلاغۃ، علامہ مفتی جعفر حسین

ترجمہ وشرح نہج البلاغۃ، علامہ مرزا یوسف حسین

ترجمہ اخبار الرضا، سید تبشر رضا کاظمی

میزان الحکمہ (از آیۃ اللہ محمدی ری شہری)، ترجمہ: مولانا محمد علی فاضل

نہج البلاغہ (حضرت علیؑ کے مکتوبات وخطبات کا مجموعہ) ترجمہ وحاشیہ، ذیشان حیدر جوادی

نوٹ: یہاں یہ امر ملحوظ نظر رہے کہ شیعہ ائمہ اہل بیت سے منقول روایات کو حدیث وسنت کے متون میں شمار کرتے ہیں۔

تاریخ

تاریخِ اسلام (۳ جلد)، علامہ علی نقی نقوی

اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ (۴ حصے)، مولانا لطیف انصاری

تاریخ اسلام (دو جلد)، مولانا محمد بشیر انصاری

تاریخ تشیع، سید محمد جعفری

سیر الاولین یعنی تاریخ امویین، مولانا مرزا احمد علی

تاریخ اسلام (دو جلد)، ایم ذاکر حسین

سیرت آئمہ اہل بیت، ہاشم معروف حسنی

تذکرۃ الاطہار ترجمہ الارشاد، شیخ مفید، ترجمہ: مولانا سید صفدر حسین نجفی

تاریخ بنی ہاشم، ارتضیٰ بن رضا ۵ جلدیں

تاریخ شیعان علیؑ، علی حسین رضوی

ادعیہ ووظائف

صحیفہ کاملہ (امام زین العابدینؑ کی دعائیں)، ترجمہ مفتی جعفر حسین

صحیفہ علویہ، حضرت علیؑ کی دعائیں، ترجمہ: مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضل

مفاتح الجنان، مترجم حافظ سید ریاض حسین نجفی

صحیفہ زہراؑ (حضرت فاطمہ زہراؑ کی دعائیں اور کلمات) (تدوین: قیومی اصفہانی)، ترجمہ: عبدالخالق اسدی

عقائد واخلاق وغیرہ

اعتقادات شیخ صدوق مترجم مولانا اعجاز حسین بدایوانی

عقائد امامیہ، شیخ محمد رضا مظفر، مترجم: سید صفدر حسین نجفی

اسلامی عقائد قرآن کی روشنی میں، علامہ مرتضیٰ عسکری، مترجم: مولانا محمد حسن جعفری

اصل واصول شیعہ، محمد حسین آل کاشف الغطاء، مترجم: ابن حسن نجفی

سائنس اور غلبہ اسلام، ڈاکٹر کلب صادق

مبانی حکومت اسلامی، استاد جعفر سبحانی، مترجم: جاوید اقبال قزلباش

اسلامی علوم کا تعارف، استاد مرتضیٰ مطہری، مترجم: سید محمد عسکری

ارشاد القلوب، شیخ حسن بن محمد، مترجم: سید صفدر حسین نجفی

اسلام میں خواتین کے حقوق، استاد مرتضیٰ مطہری، مترجم: مولانا مرتضیٰ حسین صدرالافاضل

اقتصادی نظاموں کا تقابلی جائزہ، استاد حسین مظاہری، مترجم: مولانا محمد تقی نقوی

اسلامی اقتصاد، شیخ محمد آصف محسنی، مترجم: شیخ محسن علی نجفی

اسلامی بینک، سید محمد باقر صدر، مترجم: ذیشان حیدر جوادی

ہمارے اقتصادیات، سید محمد باقر صدر، مترجم: ذیشان حیدر جوادی

اشاعتی ادارے

پاکستان میں شیعہ اثناءعشریہ کے بیسیوں اشاعتی ادارے ہیں جو تفسیر، حدیث، عقائد، تاریخ، مناظرہ، اخلاق، فقہ اور دیگر موضوعات پر کتب شائع کرتے رہتے ہیں۔ بعض اداروں نے اس سلسلے میں بہت زیادہ کام کیا ہے۔ ہم ذیل میں چند ایک اشاعتی اداروں کا ذکر کرتے ہیں:

1۔ مصباح القرآن ٹرسٹ، لاہور

2۔ امامیہ پبلی کیشنز، لاہور

3۔ الکریم پبلی کیشنز، لاہور

4۔ البیان پبلی کیشنز، لاہور

5۔ افتخار بک ڈپو، لاہور

6۔ امامیہ کتب خانہ، لاہور

7۔ مکتبۃ الرضا، لاہور

8۔ محمد علی بک ایجنسی، اسلام آباد

9۔ امامیہ مشن، لاہور

10۔ المعراج کمپنی، لاہور

11۔ خراسان بک سنٹر، کراچی

12۔ محفوظ بک ایجنسی، کراچی

13۔ حق برادرز، لاہور

14۔ رحمت اللہ بک ایجنسی، کراچی

15۔ دارالثقافۃ الاسلامیہ، کراچی

16۔ جامعہ تعلیمات اسلامی، کراچی

نوٹ ۱: ان عمومی معلومات کے لیے ہم نے تذکرۂ علمای امامیہ پاکستان از سید حسین عارف نقوی (طبع: مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۴ء)، امامیہ ڈائریکٹری ۲۰۰۱ء تالیف و تحقیق: محمد ثقلین کاظمی (طبع: ادارہ منہاج الصالحین، لاہور، ۲۰۰۱) اور امامیہ دینی مدارس پاکستان، تحقیق و تالیف: محمد ثقلین کاظمی (طبع: وفاق المدارس شیعہ پاکستان، جامعۃ المنتظر، لاہور، ۲۰۰۴ء) سے استفادہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی مولانا حسین عارف نقوی سے راہنمائی لی گئی۔ بعض دیگر شیعہ علماء سے بھی معلومات حاصل کی گئی ہیں۔

نوٹ ۲: پورے باب میں جہاں بھی ضروری تھا ہم نے حوالہ جات کامل طور پر ذکر کیے ہیں لیکن اگر کوئی ایسی عبارت درج کرنا پڑی ہے کہ جس کا حوالہ مذکورہ کتاب سے لکھنا پڑا ہے ممکن ہے وہ تکنیکی لحاظ سے ناقص ہو، اسے نقل کی مجبوری سمجھنا چاہیے۔

اسماعیلی

ابتدائی کلمات

پاکستان کے دینی مسالک پر بات کرتے ہوئے اسماعیلیوں کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اسماعیلی قدیم زمانے سے اسلامی معاشرے کا حصہ چلے آرہے ہیں۔ یہ مکتب فکر امام جعفر صادقؑ کے صاحبزادے حضرت اسماعیل بن جعفر سے نسبت کی وجہ سے اسماعیلی کہلاتا ہے۔ پاکستان میں اس مسلک سے وابستہ دو گروہ آباد ہیں، ایک ''آغا خانی'' کہلاتا ہے اور دوسرا ''بوہرہ''۔ ان کی آبادی نسبتاً کم ہے۔ ان دونوں میں سے آغا خانیوں کی تعداد قدرے زیادہ ہے۔

اسماعیلی عام طور پر باطنی گروہ کے نام سے معروف ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے تک ان کی طرف سے شاذ و نادر ہی کوئی کتاب سامنے آتی تھی۔ یہ سلسلہ اگرچہ اب بھی کم ہے تاہم ان کے چند ایک ادارے اب تحریری اور تحقیقی کام کر رہے ہیں اور مختلف زبانوں میں اُن کا کچھ لٹریچر سامنے آیا ہے۔ پھر بھی ان کے لٹریچر تک عام افراد کی رسائی ابھی کم ہے۔ ان کا قدیم لٹریچر کچھ نہ کچھ بڑے کتاب خانوں میں مل جاتا ہے۔ بعض قدیم اسماعیلی مصنفین نے عالم گیر شہرت بھی حاصل کی ہے۔ ان کے عقائد کا بیان عموماً پیچیدہ معلوم ہوتا ہے۔

اسلامی تعلیمات میں تاویل کے بارے میں اسماعیلیہ کے تمام گروہوں کا خاص مشرب ہے۔ اس امر کی وضاحت آئندہ صفحات میں آئے گی۔ علاوہ ازیں ان کے عقائد وافکار کے حوالے سے اُن کی قیادت کا موقف بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ پیش نظر باب کی تالیف و تدوین میں ہم نے ان امور کو پیش نظر رکھنے کی کوشش کی ہے۔

آغا خانی گروہ کو تاریخی حوالے سے اسماعیلیہ نزاریہ کہتے ہیں۔ ان کے موجودہ امام پرنس کریم آغا خان ہیں۔ اس باب میں جناب پرنس کریم آغا خان کے دستخطوں سے جاری کردہ بنیادی عقائد کو شامل کیا گیا ہے۔ اس کا اصل انگریزی متن ہمیں جناب ڈاکٹر محسن نقوی نے کراچی میں قائم آغا خانی مرکز (طریقہ بورڈ) سے حاصل کر کے فراہم کیا ہے۔ اس باب میں عصر حاضر کے اہم اسماعیلی دانشور جناب ڈاکٹر امین والیانی کے دو مقالات سے بھی استفادہ کیا گیا ہے جن کے عناوین یہ ہیں ہیں:

(۱) Ismaili Community in Pakistan: Its Doctrines, History and Presen Makeup

(۲) Modernization in Ismaili Community of Pakistan

یہ مقالات کراچی کے اسماعیلی مرکز پاکستان سٹڈی سنٹر اور پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کے زیر اہتمام شائع ہوئے ہیں۔ یہ مقالات بھی راقم کو جناب ڈاکٹر محسن نقوی کے توسط سے دستیاب ہوئے ہیں۔

بوہرہ اسماعیلی کمیونٹی کو تاریخی تناظر میں مستعلوی کہا جاتا ہے۔ ان کے نظریے کے مطابق اُن کے امام پردہ غیبت میں ہیں اور ان کی نیابت ہر دور میں ''داعی مطلق'' کرتے ہیں جنھیں بوہرہ عوام ''سیدنا'' کے لقب سے پکارتے ہیں۔ عصر حاضر میں ان کے داعی مطلق سیدنا ڈاکٹر برہان الدین ہیں۔ اس مسلک کے راولپنڈی مرکز کی فعال شخصیت منصور بھائی نے راقم سے بہت تعاون کیا۔ انھوں نے متعدد کتب فراہم کیں جو ان کے مرکز کی طرف سے شائع کی گئی ہیں۔ اس باب میں اُن سے استفادہ کیا گیا ہے۔

اس باب کے مندرجات کے لیے ہمیں جناب ڈاکٹر سجاد علی استوری کا تعاون بھی حاصل رہا ہے۔ آپ شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی میں استاد ہیں، آپ کے پی ایچ ڈی کے مقالے کا عنوان تھا: ''شیعہ اثناعشریہ اور اسماعیلیہ کے عقیدہ امامت کا تقابلی مطالعہ''۔

اسماعیلیہ کے مذکورہ بالا دونوں گروہوں کے بارے میں معلومات ہم نے ایک ہی باب میں پیش کردی ہیں جس کی وجوہات کی طرف سطور بالا میں اشارہ کیا جاچکا ہے۔ نیز اس باب کو چار حصوں میں پیش کیا گیا ہے۔ اس میں ''امتیازی مسائل'' کا الگ حصہ شامل نہیں کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسماعیلیہ کے امتیازات دیگر مسالک سے نسبتاً زیادہ ہیں۔ ان میں سے بھی آغا خانیوں کے امتیازات بہت زیادہ ہیں لہٰذا اس سلسلے میں ان کے بارے میں چار حصوں میں پیش کیے گئے مطالب میں دیگر مسالک سے اُن کے بہت سے امتیازات نمایاں ہوکر سامنے آجاتے ہیں۔

اس باب میں پیش کیے گئے دیگر ماٰخذ میں بعض اسماعیلی دانشوروں کی کتب اور اسماعیلی ویب سائٹس بھی شامل ہیں۔

یہاں یہ وضاحت بھی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ فلسطین، لبنان اور شام کے بعض علاقوں میں آباد دروز قبائل بھی اسماعیلیوں ہی کی ایک شاخ ہیں جو چھٹے فاطمی حکمران الحاکم بامر اللہ (۹۸۵-۱۰۲۱) کے بعد اس سلسلے سے الگ ہو گئے۔ اسی طرح بوہروں کی بھی دو اور شاخیں ہیں۔ ایک ''علوی'' کہلاتی ہے اور دوسری ''سلیمانی''۔ یہ لوگ بھارت، یمن اور سعودی عرب وغیرہ میں موجود ہیں۔ ان شاخوں کا پاکستان میں کوئی وجود نہیں اس لیے انہیں ''پاکستان کے دینی مسالک'' میں شامل نہیں کیا گیا۔ پاکستان میں رہنے والی بوہرہ کیمونٹی ''داؤدی بوہرہ'' کہلاتی ہے جن کا ذکر اس باب میں موجود ہے۔

مختلف شاخوں کے باوجود آغا خانیوں اور داؤدی بوہروں کا تاریخی پس منظر، بنیادی عقائد اور منہج تاویل میں ہم آہنگی ہے نیز ان کی آبادی کم ہے، ان کے ذمہ دار علماء اور دانشوروں سے رابطہ نسبتاً مشکل ہے، جیسا کہ اگلے صفحات میں بیان ہوگا۔ ان کے ہاں عقائد کے حوالے سے درون بینی زیادہ ہے۔ غیر اسماعیلیوں کو اپنے مسلک کی دعوت وتبلیغ بھی ان کے ہاں نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس باب کا مطالعہ کرتے ہوئے ان امور کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

تعارفی امور

ابتدائی تاریخ

شیعہ اسماعیلیہ کی ابتدائی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے بوہرہ دانشور ظ انصاری لکھتے ہیں:

دنیا میں مسلمانوں کے دو بڑے فرقے ہیں، سنی اور شیعہ۔ شیعہ فرقے کی ایک شاخ اسماعیلی ہیں۔ شیعہ حضرت علی علیہ السلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی جانشین اور ان کا وصی مانتے ہیں۔ رسول کے بعد امام کو اپنی دین ودنیا کا رہنما سمجھتے ہیں۔ شیعوں کے عقیدے میں رسول خود اپنا نائب یا جانشین مقرر کرتا ہے اور وہی ان کا خلیفہ ہوتا ہے۔ نبوت رسول اللہ پر ختم ہوگئی۔ حضرت علی وصی رسول تھے، ان کے بعد حضرت حسن ہوئے۔ پھر حضرت امام حسین، امام زین العابدین، امام محمد الباقر اور پھر امام جعفر الصادق۔ یہاں تک تمام شیعہ متفق ہیں۔ اس کے بعد اختلاف ہوا کہ امام جعفر صادق کا جانشین کون ہے۔ امام جعفر الصادق کے بڑے صاحبزادے مولانا اسماعیل تھے اور چھوٹے حضرت موسیٰ کاظم، جنھوں نے امام کے چھوٹے بیٹے کو، جو اپنے بڑے بھائی کے انتقال کے بعد زندہ رہے، امام مانا اور اس سلسلے میں بارھویں امام حضرت مہدی تک گئے وہ اثنا عشری کہلاتے ہیں اور جو لوگ امام کے بڑے صاحبزادے حضرت اسماعیل کی امامت کے قائل ہوئے وہ اس نسبت سے اسماعیلی شیعہ کہلانے لگے۔ (۱)

اس تاریخی پس منظر میں اسماعیلیہ کے موجودہ دو گروہوں اسماعیلیہ نزاریہ اور مستعلیہ میں اس سلسلے میں اختلاف پایا جاتا ہے نزاریہ حضرت امام علی کو پہلا امام اور حضرت امام حسین کو دوسرا امام تصور کرتے ہیں ان کے نزدیک امام حسن کی تکریم وتعظیم لازمی ہے اور وہ پنجتن پاک میں بھی شامل ہیں لیکن آپ امام (مستقر) نہیں ہیں جبکہ مستعلیہ امام حسن کو پہلا امام مانتے ہیں حضرت علی کو پہلا امام نہیں بلکہ ائمہ کا مبدا، اساس اور باب الابواب مانتے ہیں۔ چونکہ مذہب اسماعیلیہ (نزاریہ ومستعلیہ دونوں) سات مستقر ائمہ کے قائل ہیں اور حضرت محمد بن اسماعیل بن جعفر صادق کی امامت پر متفق بھی ہیں، چونکہ حضرت محمد بن اسماعیل حضرت علی کی پشت میں آٹھویں نمبر پر آتے ہیں البتہ مندرجہ بالا نظریہ کے مطابق حضرت محمد بن اسماعیل ساتویں امام مستقر قرار پاتے ہیں۔ حضرت علیؑ کے بعد امام حسینؑ کے

امام ہونے کے بارے میں آغاخانی دانشور شیخ دیدار علی رقم طراز ہیں:

حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد ۲۱، رمضان ۴۰ھ / ۲۸ جنوری ۶۶۱ کو حضرت امام حسینؑ مسند امامت پر جلوہ افروز ہوئے اس وقت کہ آپ کی عمر ۳۶ سال تھی۔ (۲)

آخری امام کے مستور ہو جانے کے بارے میں بوہرہ دانشور ظ انصاری اپنا نظریہ یوں بیان کرتے ہیں:

اسماعیلی اور غیر اسماعیلی دونوں سلسلوں کے شیعوں کا اتفاق ہے کہ آخری امام مستور ہو گئے یا منظر عام سے ہٹ گئے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ اثنا عشری عقیدے کے بارھویں امام مہدی مستور ہوئے، وہ آج تک زندہ ہیں، آخر میں وہی ظاہر ہوں گے اور دنیا کو شر سے پاک کریں گے۔ اسماعیلی عقیدہ اس کے برخلاف یہ کہتا ہے کہ امام اسماعیل کے فرزند امام محمد المکتوم کی نسل سے پشت در پشت امام پیدا ہوتے رہے۔ یہ ''ائمہ فاطمیین'' کا سلسلہ کہلاتا ہے اور آج بھی جاری ہے وہ ہماری نظروں کے سامنے نہیں ہیں اور محمد المکتوم کے بعد تین امام مستور رہے، گیارھویں امام عبداللہ المہدی دور ستر سے باہر آئے اور سن ۲۹۶ھ (۹۱۰۔۹۰۹ء) میں سامنے آ کر انتظام سلطنت کی باگ ڈور سنبھالی۔ انھوں نے اور ان کے جانشینوں نے دین اور دنیا کی سیاست میں ایک اعلیٰ مثال قائم کی۔ ان کی حکومت کم وبیش ڈھائی سو سال تک قائم رہی اور تاریخ میں ''فاطمیین کی حکومت'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ (۳)

فاطمیین کی حکومت

فاطمیین کی حکومت کے قیام کا پس منظر اور اس کے آغاز کے حوالے سے ظ انصاری رقم طراز ہیں:

ہجرت کے تقریباً تین سو سال بعد جب سلطنت عباسیہ اپنے دن پورے کر رہی تھی۔ دین میں رخنہ پڑ چکا تھا اور شریعت کے احکام کو پس پشت ڈال دیا گیا تھا، حضرت فاطمہ بنت رسولؐ کی نسل سے امامِ وقت عبداللہ المہدی نے شمالی افریقہ میں ایک نئے انداز کی حکومت کی داغ بیل ڈالی اور یہ حکومت مراکش، تیونس اور الجزائر سے مصر تک پھیل گئی۔ شہر قاہرہ کی بنیاد بھی چودھویں فاطمی امام اور چوتھے فاطمی حکمران المعز لدین اللہ نے رکھی تھی اور اس کا نام قاہرہ معزیہ رکھا گیا تھا۔ یہ عظیم الشان سلطنت ۵۶۷ھ (۱۱۷۱ء) میں بکھر گئی لیکن اس عرصے میں سلسلہ وار گیارہ ائمہ فاطمیین کو روحانی پیشوائی کے علاوہ انتظامِ سلطنت چلانے کا موقع ملا اور انھوں نے اپنی تعلیم سے اور عمل سے ثابت کر دیا کہ سلطنت یہ نہیں کہ قوموں کو مجبور کر کے اپنے زیر اقتدار رکھا جائے گا بلکہ وہ دراصل عام لوگوں کی مادی خوشحالی اور روحانی برتری کے ایسا نظام کا نام ہے جس کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ آبادی برضا و رغبت اپنی

طرف کھینچتی ہے اوران میں اخلاقی پاکیزگی، علمی چہل پہل، ذہنی تربیت اور دنیاوی فلاح و بہبود اور ترقی کو عام کرتی ہے۔(۴)

فاطمین کا عروج وزوال

ظ انصاری فاطمین کے عروج وزوال کا ذکران الفاظ میں کرتے ہیں:

ڈھائی سوسال کے اس تاریخی عرصے میں وہ وقت بھی تھا جب دنیاوی اقتدار ایک شہر ''المہدیہ'' تک محدود رہ گیا تھا، ایک ایسا دور بھی آیا کہ سلطنت کا ایک سرا مغرب میں اسپین کے کناروں سے ملا ہوا تھا تو دوسرا سرا دریائے نیل کی وادی میں پھیلا ہوا تھا اور پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ بقول امام ''اس فرش کے سوا، جس پر وہ تشریف رکھتے تھے'' مال دنیا میں سے کچھ باقی نہ رہا لیکن ان تمام حالتوں میں ذہنی تربیت کا نظام برقرار رہا اور علمی وادبی سرپرستی زوروشور سے جاری رہی۔(۵)

فاطمین کی علمی خدمات

ظ انصاری نے فاطمین کی علمی خدمات کا بھی ذکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

دنیا کی سب سے قدیم یونیورسٹیوں میں جامع ازہر کا شمار ہوتا ہے۔ یہ جامعہ ان چند یونیورسٹیوں میں سے ایک ہے جو فاطمی امہ نے قائم کی تھیں۔ یہاں شیعہ، شافعی اور حنفی علماء اور اہل تصنیف کو، فقہا اور سیرت نگاروں کو اس کی سہولتیں دی گئیں کہ اپنے اپنے عقائد اور استدلال پیش کریں، علمی مناظرے ہوں اور ذہن انسانی کو حق کی تلاش میں تمام ممکن نظریوں اور زاویوں کو پرکھنے کے موقعے مل جائیں۔

یہ نکتہ اس لئے بھی خاص اہمیت رکھتا ہے کہ اسماعیلی عقائد میں تفسیر اور تاویل کی بہت اہمیت ہے۔ یہاں الفاظ محض آوازیں یا محض لغات نہیں ہیں بلکہ مخصوص معنویت رکھتے ہیں اور یہ معنویت بغیر تربیت کے ذہنوں پر نہیں کھلتی۔ احکام، آیات اور مسائل کے لئے تاویل کی حیثیت کنجی کی ہے جو حق کی تلاش کرنے والے پر معنی کے خزانے کھول دیتی ہے۔

فقہ، حدیث اور تفسیر کے علاوہ فلسفے اور فنون میں بھی فاطمی تعلیمات نے زبردست ذہنی قوتوں کو بیدار کیا اور علماء اور اہل قلم کا ایک ایسا سلسلہ وجود میں آیا جن کے تذکروں اور کارناموں سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔(٦)

برصغیر میں اسماعیلی

اسماعیلی دانشوروں کی رائے ہے کہ اسماعیلی شیعوں کے دیگر مسالک کی نسبت برصغیر میں پہلے داخل ہوئے یہاں تک کہ انھوں نے ملتان میں ایک حکومت بھی قائم کی معاصر آغا خانی دانشور ڈاکٹر امین والیانی نے اس بارے میں لکھا ہے:

دوسرے شیعہ فرقوں کے مقابلے میں اسماعیلی برصغیر میں بہت پہلے آئے، یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ شیعہ اثناعشری بہت کم تھے۔ اگرچہ ایران اور برصغیر کے ثقافتی روابط ظہور اسلام کے وقت سے ہی قائم تھے لیکن ہمایوں کے دور میں اثناعشریوں نے اپنی موجودگی کا احساس دلوایا۔ ہمایوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایران جلاوطنی کے دوران میں اس نے شیعیت قبول کی۔ شاید اس کی وجہ صفوی فرمانروا شاہ طہماسپ کی مدد کا حصول ہو۔ ہمایوں اپنے ساتھ شیعہ عہدہ دار، مفکر اور سپاہی دہلی لایا۔ ممکن ہے کہ ہمایوں کے بیٹے اکبر کا سرپرست بہرام خان شیعہ ہو۔

اس کے برعکس برصغیر میں اسماعیلیوں کی جڑیں بہت پرانی ہیں۔ ان کے یمن سے تعلقات تھے جو کہ مصر سے باہر اسماعیلیوں کا مرکز تھا۔ جب خلیفہ مستنصر کے بیٹوں میں تفرقہ کے بعد اسماعیلی حکومت تقسیم ہوگئی، فاطمیوں کی ایک شاخ نزاریوں نے الموت (ایران) کو اپنا مسکن بنایا اور اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو ہندوستان میں پھیلایا۔ منگولوں نے انھیں تباہ و برباد کیا اور اسماعیلی امام مخفی ہو گئے تاہم تبلیغی سرگرمیاں جاری رہیں۔ (۷)

منصورہ میں اسماعیلی حکومت

اسماعیلیوں کا نظریہ ہے کہ سندھ میں محمود غزنوی کی آمد سے پہلے اسماعیلیوں کی حکومت قائم رہ چکی ہے۔ ڈاکٹر امین والیانی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

سندھ میں منصورہ کی حکومت محمود غزنوی کے قبضہ سے قبل اسماعیلیوں کا ایک گڑھ تھی۔ اسماعیلیت کا ایک اہم مرکز ملتان تھا جہاں ۹۸۵ء میں مقدسی نے سیاحت کے دوران لکھا: کہ ''یہاں اسماعیلیوں کی حکومت ہے اور مصر کے فاطمی حکمرانوں کا خطبہ جمعہ کی نمازوں میں پڑھا جاتا ہے۔'' (۸)

نزاری اسماعیلی ائمہ کی روش میں تبدیلی

صدیوں اسماعیلی حکومت کی تشکیل کے درپے رہے۔ آخر کار انھوں نے عباسیوں کے مقابلے میں عالم اسلام کے مغرب میں ایک عظیم الشان حکومت کی تشکیل کی، بعد ازاں جس کا دارالخلافہ قاہرہ قرار پایا۔ یہ حکومت ڈھائی سو سال سے زیادہ عرصہ

تک قائم رہی۔ اس حکومت کے خاتمے کے بعد بھی نزاریوں نے ایران میں ایک حکومت قائم کی جس کا بانی حسن بن صباح تھا لیکن بالآخر نزاری اماموں نے اپنی حکمت عملی تبدیل کر لی۔ ڈاکٹر امین والیانی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

منگولوں کے بعد اسماعیلی دعوت کے طریقہ کار میں فرق آیا۔ انھوں نے علاقوں پر قبضہ اور سلطنت کے قیام کے بجائے اندرونی استحکام پر توجہ مرکوز کر دی۔ تاریخ یہ سکھاتی ہے کہ ایک فرقہ وارانہ اسماعیلی مملکت کے قیام کی کوشش بے انتہا جارحیت، غموں اور مصیبتوں کا باعث بنی ہے۔

اس طریق کار کو ڈاکٹر امین والیانی درون بینی کی حکمت عملی قرار دیتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

پس یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ اسماعیلی تاریخ کے مثبت پہلو سے ہم آہنگ ہوں اور اپنی بود و باش کی ریاستوں کی ترقی میں مثبت کردار ادا کریں۔ آج تک اسماعیلی اسی حکمت عملی پر عمل پیرا ہیں۔ اسماعیلی کمیونٹی اسماعیلی ریاست کے قیام کے بجائے ریاست کے بغیر غیر سیاسی اور دروں بین رہنے کو ترجیح دیتی ہے۔ تاہم چند مواقع ایسے بھی ہیں جہاں امام یا مریدوں نے بعض کثیر الوجودی ریاستوں میں سیاسی عہدے حاصل کیے۔ لیکن بطور کلی اسماعیلی کمیونٹی نے کبھی ایسا نہیں چاہا جس کے باوجود اسماعیلی کمیونٹی ایک عالمی حیثیت حاصل کر چکی ہے۔ ہندوستان میں اسماعیلی مبلغین نے تبلیغ کی خاطر انتہائی لچکدار رویہ اختیار کیا۔ حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے منقلب ہونے والوں کو اجازت دی جاتی تھی کہ وہ اپنی روزمرہ زندگی میں اپنے امور جیسے وہ انجام دیتے تھے جاری رکھیں۔ مگر دیرپا اثرات کے طور پر اسلامی روح تدریجی انداز میں ان تک پہنچائی جاتی تھی۔(۹)

آغا خانیوں کے ہاں ہی روش کی یہ تبدیلی نہیں آئی بلکہ دیگر اسماعیلی شاخوں میں بھی یہی روش محسوس و مشہود ہے۔ بوہرہ کمیونٹی کو عملی طور پر صرف اپنی تجارت اور مذہبی رسوم سے سروکار ہے۔

برطانوی دور میں آغا خانی

جہاں تک برصغیر میں اسماعیلیوں کی آمد کا تعلق ہے وہ تو جیسے بیان کیا جا چکا ہے کئی صدیاں پہلے یہاں وارد ہو چکے تھے لیکن آغا خانیوں کے چھیالیسویں امام کے برصغیر میں آنے سے اس خطے میں ان کی ایک نئی تاریخ کا آغاز ہوتا ہے، اس سلسلے میں ڈاکٹر امین والیانی لکھتے ہیں:

برصغیر میں برطانوی دور کے دوران میں چھیالیسویں امام حسین علی شاہ آغا خان اول ۱۸۴۶ء میں ایران سے ہندوستان آئے۔ انھوں نے برطانوی حکومت کو سندھ میں مستحکم کرنے میں اہم کردار ادا کیا اور اپنی وفات ۱۸۸۱ء تک سرگرم رہے۔ سنتالیسویں امام آغا خان دوم (علی شاہ م ۱۸۸۵) نے اپنا

وقت کمیونٹی کی تعلیم کے لئے مختص کیا۔

اڑتالیسویں امام آغا خان سوم (۱۸۷۷۔۱۹۵۷) سلطان محمد شاہ مسلمانوں کے صف اول کے رہنماؤں میں سے تھے جنھوں نے مسلم لیگ کی بنیاد رکھی۔۱۹۰۶ء میں آپ نے ایک وفد کی قیادت کی جو وائسرائے لارڈ منٹو سے ملا تاکہ مسلمانوں کے لئے کچھ مراعات حاصل کی جا سکیں۔آپ نے سر سید احمد خان (۱۸۱۷۔۱۸۹۷) کی تحریک تعلیم مسلمین کی سرگرم امداد کی۔آغا خان سوم مسلم لیگ کے پہلے صدر بنے۔شیعہ مسلمان ہونے کے باوجود سنی مسلمانوں کے ساتھ تحریک خلافت کا ساتھ دیا اگرچہ آپ عثمانیوں کو مسلمانوں کے خلیفہ کے طور پر تسلیم نہیں کرتے تھے۔سنی مسلمانوں کے ساتھ تعلق کا مقصد مسلمانوں کو مزید سیاسی بدحالی سے بچانا تھا۔۱۹۲۸ میں جب مسلمانوں نے پریشانی اور ناامیدی کے عالم میں آپ سے رہنمائی طلب کی تو آپ نے کھلے دل کے ساتھ اس کا جواب دیا۔(۱۰)

دوسری طرف بوہروں کی مذہبی قیادت نے یمن سے بھارت کی طرف ہجرت کی۔انھوں نے گجرات اور پھر ''سورت'' شہر کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ان کے کئی ایک داعیان مطلق اسی شہر میں ہوئے اور یہیں فوت ہوئے۔موجودہ داعی مطلق سیدنا برہان الدین بھی سورت میں پیدا ہوئے۔ان سے پہلے ان کے والد سیدنا ڈاکٹر سیف الدین داعی مطلق تھے۔ان کا مزار بھی سورت میں ہے۔ڈاکٹر سیدنا برہان الدین نے اپنا مرکز ممبئی میں منتقل کر لیا لیکن سورت کی مذہبی حیثیت بوہرہ کمیونٹی کے نزدیک اب بھی بہت زیادہ ہے۔ان کا سب سے اہم مذہبی مرکز اور درسگاہ ''جامعہ سیفیہ'' سورت میں ہی ہے۔

پاکستان میں آغا خانی

۱۹۴۷ء میں تشکیل پاکستان کے بعد برصغیر کے طول وعرض سے اسماعیلیوں نے رفتہ رفتہ پاکستان کی طرف رخ کیا، برصغیر سے ہی نہیں بلکہ بعض دیگر خطوں سے بھی اسماعیلی پاکستان پہنچے۔پاکستان کے بعض علاقوں میں اسماعیلی قدیم زمانے سے آباد چلے آرہے ہیں۔مثال کے طور پر ہنزہ اور چترال کے شمالی علاقوں کا نام لیا جا سکتا ہے۔پاکستان کے مختلف علاقوں میں بسنے والے اسماعیلیوں کی تاریخ ہی نہیں رہن سہن اور ثقافت بھی مختلف ہے۔وسیع تر معنیٰ میں اُن کے مذہبی طور طریقے بھی مختلف ہیں۔ڈاکٹر امین والیانی اس ساری صورت حال کا جائزہ لیتے ہیں اور پاکستان کے مختلف علاقوں میں بسنے والے آغا خانیوں کا تعارف کرواتے ہیں:

> پاکستان میں اسماعیلی کمیونٹی ایک نئے کردار، نظم اور اتحاد کے ساتھ ترقی پذیر طبقہ کے طور پر سامنے آئی جس کی قیادت مرکزی سطح پر ایک نسبی امام کے ہاتھ میں تھی۔اگرچہ امام کا قیام یورپ میں ہے تاہم وہ

گاہے گاہے اپنی کمیونٹی سے ملنے پاکستان آتے ہیں۔آپ نے پوری دنیا میں سماجی اداروں کا ایک جال پھیلایا ہے اور اپنی کمیونٹی کی حالت زار کے بارے میں فکر مند رہتے ہیں۔

تاریخی طور پر اسماعیلی کمیونٹی متعدد نسلی گروہوں میں تقسیم رہی ہے۔یہ ایک ایسی کمیونٹی ہے جس میں وسیع ثقافتی، روایتی، لسانی اور جغرافیائی اختلافات ہیں۔ہر گروہ نے تبلیغ کے مختلف ذرائع سے اور تاریخ کے مختلف ادوار میں اسلام قبول کیا ہے۔

پس قیام پاکستان تک وہ مختلف نوعیت کی روایات سے متمسک رہے لیکن قیام پاکستان کے بعد ایک منظّم منصوبہ کے تحت ترقی کا عمل نسبی امام کے زیر سرپرستی شروع ہوا۔جس کا مقصد تمام طبقات کی مساوی دیکھ بھال اور مساوی حیثیت کو یقینی بنانا تھا۔جس کے نتیجہ میں تمام طبقات ایک دوسرے کے قریب ہونا شروع ہو گئے۔

۱۹۴۷ء میں پاکستان کا قیام اسماعیلیوں کے لئے غیبی رحمت کا نزول تھا جس نے ان کو اس قابل کیا کہ وہ ترقی اور جدت کے مراحل سے گزریں۔پیروں کی جگہ اداروں نے لے لی۔آغا خان سوم نے ۱۹۴۸ میں ''دعوۃ آرگنائزیشن'' کی بنیاد رکھی جسے ''اسماعیلیہ ایسوسی ایشن آف پاکستان'' کا نام دیا گیا جس کا ہدف کمیونٹی کی مذہبی تعلیم و تربیت تھا۔آغا خان سوم نے ایسوسی ایشن کو داعیوں اور پیروں کی جانشین قرار دیا جنھوں نے مقامی ہندوؤں کو صدیوں پہلے اسلام کی طرف راغب کیا تھا۔آغا خان سوم کا عرصہ امامت اسماعیلی تاریخ میں طوالانی ترین عرصہ ہے (۱۸۸۵۔۱۹۵۷) لیکن امامت کے ابتدائی دور میں آپ نے اسماعیلیوں کے ثقافتی اور سماجی طور طریقوں کو سختی سے نہ بدلا، نہ مذہبی اور اصطلاحی مسائل کو چھیڑا۔قیام پاکستان تک کمیونٹی کے ممبران کو اجازت تھی کہ وہ اپنی زندگیوں کو حسب سابق جاری رکھیں۔ہندوانہ نام، لباس، زبان ثقافتی اقدار کو اپنائے رہیں۔ابتدائی اسماعیلیوں کے ہندوانہ نام تھے مثلاً رام جی، مولجی، شیوجی وغیرہ لیکن تدریجاً اسماعیلی کمیونٹی نے اسلامی اقدار کو اپنی روزمرہ زندگی میں اپنانا شروع کر دیا۔عبادتی رسوم میں عربی دعائیں اور قرآنی مطالب شامل کیے جانے لگے۔ہندوانہ رسموں کو آہستہ آہستہ ترک کر دیا گیا اور اسلام ان کی زندگیوں میں جلوہ گر نظر آنے لگا۔یہ سمجھا جاتا تھا کہ اسلامی ملک میں اسماعیلیوں کی زندگی اسلامی ڈھانچہ میں یوں ڈھل جائے گی کہ وہ اپنے روزمرہ امور کو اسلامی انداز میں جاری رکھ سکیں گے۔

یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں اسماعیلی اپنی تاریخ سے پہچانے جا سکتے ہیں جو کہ مختلف طبقات پر مشتمل ہیں۔ہر طبقہ کی اپنی روایت، تاریخ، زبان اور ثقافتی اقدار ہیں۔

خوجہ اسماعیلی کمیونٹی کا ایک بڑا حصہ ہیں جو زیادہ تر سندھ اور کراچی میں آباد ہیں۔ یہ (۵۰۰-۷۰۰) سال قبل مسلمان ہوئے۔ درحقیقت خوجے برصغیر کی جنوب مغربی ساحلی پٹی کے باسی تھے۔ روایات کے مطابق یہ خوجے پچھلی چند صدیوں سے سیاحت اور کاروباری مہموں میں اپنے آپ کو خطرات سے دوچار کرتے رہے ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد ہزاروں خوجے انڈیا سے پاکستان کے مشرقی اور مغربی حصوں میں ہجرت کر کے آئے اور پاکستان کی معاشی خوشحالی میں اپنا کردار ادا کرنے لگے۔ انھوں نے کئی شراکتی ادارے، ملیں، فیکٹریاں، بینک اور ہوٹل بنائے۔ پس خوجے ایک خوشحال طبقہ کے طور پر جانے گئے۔ انھوں نے کراچی میں کئی جماعت خانے بنائے جو فن تعمیر کا شاہکار ہیں۔

خوجوں کی پاکستان میں آمد کا سلسلہ طویل عرصہ تک جاری رہا جس کی بنیادی وجہ ہمسایہ ممالک میں سیاسی اتار چڑھاؤ اور انقلابات تھے۔ پاکستان کو اسماعیلیوں کے لئے امن کی جگہ سمجھا جاتا ہے۔ انھوں نے یہاں متعدد مضبوط ادارے قائم کیے۔ ۱۹۶۴ میں ہزاروں اسماعیلی برما سے ہجرت کر کے پاکستان کے مشرقی اور مغربی حصوں میں آباد ہوئے۔ خوش قسمتی سے یہ عمل اتنے ہموار طریقہ سے ہوا کہ اس نے کمزور پاکستانی معیشت کو کوئی دھچکا نہ پہنچایا۔ ۷۱_۱۹۷۰ میں دوبارہ ۹۱ فیصد خوجے جو مشرقی پاکستان میں آباد تھے سیاسی عدم استحکام اور بنگالیوں کے خلاف فوجی کارروائی کے سبب ہجرت کر کے پاکستان آئے۔ ۱۹۹۰ میں عراق میں کویت کی مداخلت کے سبب بعض اسماعیلی کویت سے پاکستان آئے۔ ابتدا میں کچھ خوجے اندرونی اور بالائی علاقوں میں آباد ہوئے جو بعد میں کراچی آ گئے۔ کچھ خوجہ خاندان گوادر، پسنی، اوماڑہ، اسلام آباد اور لاہور میں بھی بستے ہیں۔ ابتدائی زمانہ میں خوجے مقامی زبان ''کچی'' گجراتی اور سندھی بولتے تھے مگر اب سبھی نے اردو کو اپنا لیا ہے۔ موجودہ نسل اردو کو کچی اور گجراتی پر ترجیح دیتی ہے۔ کراچی، لاہور اور اسلام آباد کے شہری علاقوں میں بسنے والے صاحب ثروت خوجے انگلش بھی آسانی سے بولتے ہیں۔ تاہم سندھ کے دیہی علاقوں میں اسماعیلی سندھی کو مادری جبکہ اردو کو قومی زبان کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

سندھ میں لفظ خوجہ کو خواجہ کہا جاتا ہے۔ ابتدا میں خوجے کاروباری لوگ تھے لیکن نئی نسل دیگر شعبوں کو بھی اپنا رہی ہے۔ یہ افراد زیادہ تر آغا خان ڈویلپمنٹ نیٹ ورک کے کاموں میں مصروف ہیں۔ ۵۰ اور ۶۰ کی دہائی میں اسماعیلی کمیونٹی کی اعلیٰ ترین قیادت خوجوں کے ہاتھ میں تھی۔ خوجے زیادہ شہری طرز زندگی کو پسند کرتے ہیں اور کالونیوں میں رہنا پسند کرتے ہیں جو پاکستان بھر میں پھیلی ہوئی ہیں۔ انھوں نے

پاکستان کے مختلف شہروں میں رہائشی سوسائٹیاں بنائی ہیں۔سوسائٹی کی حدود میں جماعت خانہ، دینی تعلیم کا ادارہ، صحت عامہ کا ادارہ، سکاؤٹنگ، گرلز گائیڈ وغیرہ بنائے جاتے ہیں۔

موموناس

یہ (عربی لفظ مومن کی بگڑی ہوئی شکل ہے)۔موموناس اسماعیلی کمیونٹی کا ایک چھوٹا حصہ ہیں۔روایات کے مطابق اسماعیلی داعی سید امام شاہ نے ان کو اس نام سے منسوب کیا جو انڈیا کے صوبہ گجرات میں صدیوں پہلے آباد تھے۔سدھ پوران کا حقیقی مسکن تھا لیکن بعد میں ہندوستان کے دیگر شہروں میں بھی پھیل گئے۔۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کے بعد ان میں سے کچھ پاکستان ہجرت کر آئے اور زیادہ تر حیدرآباد اور کراچی میں آباد ہوئے۔اسماعیلی کمیونٹی میں موموناس انتہائی دروں بین ہیں، اسی لئے وہ آسانی سے کمیونٹی میں نہیں گھلتے ملتے۔ان کی اکثریت خوشحال ہے اور اپنے کمزور طبقہ کے استحکام میں حصہ لیتی رہتی ہے۔انھوں نے کئی رہائشی جائیدادیں، ہوٹل، شراکتی فارمنگ کے منصوبے بنائے ہیں جو کمیونٹی کے دیگر طبقوں کے لئے مثالی حیثیت رکھتے ہیں۔

خیبر جماعت

۱۹۴۷ میں قیام پاکستان کے بعد کچھ مشنری خصوصاً (بھگت پیر بھائی م۱۹۷۳) اوران کے جانشین قاسم علی بدین والا (م ۱۹۷۶) دیگر خیر خواہوں کی مدد سے زیریں سندھ کے ہندوؤں کو اسلام کی جانب راغب کرنے میں کامیاب ہوئے۔ان کی کوششیں ۱۹۶۰ میں بارآور ہوئیں جب ہندوؤں کی ذاتوں ''بھیل'' اور ''کرلی'' کے سینکڑوں ہندو مسلمان ہوئے جن میں تقریباً ۱۰۰ ضلع ہالا (سندھ) کے گاؤں خیبر کے رہنے والے تھے جبکہ ۲۰۰ دیگر متفرق علاقوں کے باسی تھے۔یہ تمام کے تمام شادی کے بندھنوں کے سبب ایک دوسرے کے رشتے دار تھے۔قبول دین کا طریقہ کار علاقہ کی بنیاد پر مختلف تھا۔تاہم مشنریوں کی وابستگی، پختہ ارادہ اور جذبہ قربانی کے سبب یہ سب کچھ ممکن ہوا۔ابتداً ان کو ''خیبر اسماعیلی جماعت'' کا نام دیا گیا چونکہ خیبر ان کے علاقہ کا نام تھا بعد میں ایک منصوبہ بنایا گیا تاکہ انھیں مرکزی دھارے میں شامل کرلیا جائے۔

خیبر گاؤں بعد میں مضبوط اسماعیلی کالونی بنا۔تبلیغیوں نے اداروں سے سرپرستی کی استدعا کی۔گاؤں میں ایک جماعت خانہ قائم کیا گیا جس کا باقاعدہ افتتاح ۱۹۹۶ میں اس وقت کے وزیر تعلیم سندھ پیار

الانہ نے کیا۔ ان نومسلمین کی دیکھ بھال کے لئے ان کے خیر خواہوں نے ایک کمیٹی تشکیل دی جسے ''خیبر ویلفیئر کمیٹی'' کا نام دیا گیا۔

۱۹۸۶ کی دہائی کے آخر تک اور ۱۹۹۰ کی دہائی کے آغاز میں منتشر نومسلمین کو ٹنڈو اللہ یار میں واقع (رحیم آباد اور شاہ علی) کالونیوں میں اور حیدر آباد میں (علی آباد) کالونی میں بسایا گیا۔ کمیونٹی کے تمام تر اداروں نے سکولوں، صحت کے مراکز اور دیگر سماجی خدمات کے اداروں کے قیام کے ذریعے ان کی امداد شروع کی۔ اب یہ افراد اسماعیلی کمیونٹی کا ایک حصہ تصور کیے جاتے ہیں اگرچہ ثقافتی طور پر اب بھی ان میں ہندوانہ رسمیں پائی جاتی ہیں۔

شمسی

پنجاب کے اسماعیلی شمسی کہلاتے ہیں جس کا سبب شمس سبزداری سے ارادت ہے جبکہ باقی اسماعیلی جو کہ گپتی کہلاتے ہیں ۲۰ویں صدی میں آغا خان سوئم (اڑتالیسوں امام) کے خصوصی احکامات پر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ یہ گروہ پورے پنجاب میں پھیلا ہوا ہے اور زیادہ تر زیورات کے کاروبار سے وابستہ ہے۔ قیام پاکستان سے قبل پنجاب کے کچھ اسماعیلی خاندان سرحد اور مغربی پنجاب کی طرف ہجرت کر گئے، جہاں انھوں نے مضبوط معاشی بنیاد پر کام شروع کیا۔ حضرو، مردان، گڑھی کپورہ، تربیلا اور غازی میں جماعت خانے قائم تھے۔ ان مراکز نے خوب ترقی پائی اور یہاں تبلیغی سرگرمیاں عروج پر رہیں۔ تاہم قیام پاکستان کے بعد بنیاد پرستی کی ابھرتی ہوئی فضا ان اسماعیلیوں کے حق میں نہ تھی جس کے سبب انھیں اسماعیلیت مخالف قوتوں کی جانب سے شدید جارحانہ دباؤ کا سامنا کرنا پڑا۔ آہستہ آہستہ یہ مراکز ویران ہو گئے اور کئی اسماعیلی خاندان مرکزی دھارے سے دور ہو گئے۔

بدخشانی

شمالی علاقوں اور چترال کے اسماعیلی بدخشانی کہلاتے ہیں چونکہ ماضی میں یہ علاقے بدخشان کا حصہ تھے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو اسماعیلی داعی سیدنا حکیم ناصر خسرو (۱۰۸۸-۱۰۰۴) سے متمسک کرتے ہیں۔ موجودہ شمالی علاقے پانچ اضلاع پر مشتمل ہیں جن میں گلگت، غذر، دیامر، بلتستان [سکردو] اور گانچھے شامل ہیں۔ جن میں دو اضلاع گلگت اور غذر میں اسماعیلیوں کی کثیر تعداد آباد ہے۔ شمالی علاقہ جات کی حیثیت کے بارے میں اٹھنے والے اکثر مباحث کی بنیاد علاقہ کی پرآشوب تاریخ میں پنہاں ہے۔ حقیقت میں

مقامی لوگ اپنے نقطہ نظر کو اجاگر کرنے کے لئے تاریخ کا سہارا لیتے ہیں لیکن شمالی علاقہ جات سے باہر رہنے والے اکثر افراد پچھلے ساٹھ سال سے علاقے میں ہونے والی سماجی ترقی سے بے بہرہ ہیں۔ علاقے کی جغرافیائی علیحدگی اس بات کی متقاضی ہے کہ یہ اپنی ضروریات کو خود ہی پورا کریں۔

اسماعیلی کمیونٹی جو شمالی علاقوں کا ایک اہم جز ہے زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی نمائندگی دیکھی جاسکتی ہے۔ زیادہ تر اسماعیلی شنا بولتے ہیں جو علاقے کے جنوبی حصے میں رائج ہے۔ یہ علاقہ مقامی طور پر شنائیکی کہلاتا ہے۔ جبکہ علاقے کے شمالی حصے جیسا کہ ہنزہ، نگر، یاسین کے کچھ حصے اور گوپس یہاں اسماعیلی بروشسکی بولتے ہیں جو دنیا کے عجائبات میں سے ایک ہے۔ ایک لاکھ سے کم لوگ یہ زبان بولتے ہیں اور دنیا میں بولی جانے والی کسی بھی زبان سے اس کی کوئی مماثلت نہیں ہے۔ ہنزہ کے شمال میں ۲۰۰ سال قبل واخان سے ہجرت کر کے آنے والے واخی بولنے والے افراد کے دو گاؤں گوجال اور گلمت آباد ہیں۔ پونیال، اشکومن، گوپس اور یاسین کے باسی اپنے آپ کو سید یعنی رسول خداؐ کی نسل سے قرار دیتے ہیں، جبکہ ہنزہ کے باسی ایسا کوئی دعویٰ نہیں رکھتے۔

اسماعیلی تاریخ کے مطابق اماموں نے ہمیشہ شمالی علاقوں کے اسماعیلیوں سے تعلقات استوار رکھے۔ شمالی علاقہ جات کے اکثر ضلعوں میں اسماعیلیوں کی اکثریت ہے جو کاروباری اور معاشی لحاظ سے مضبوط ہیں۔ ابتدا میں اسماعیلیوں اور دیگر باسیوں کے درمیان تعلقات دوستانہ نہ تھے۔ وہ ان کا ذبح شدہ یا پکایا ہوا گوشت نہ کھاتے تھے۔ تاہم پچھلے ۶۰ سال میں آغا خان ڈویلپمنٹ نیٹ ورک نے اسماعیلیوں اور ان کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ اسماعیلیوں نے سماجی، معاشی، تعلیمی اور صحت کی بہتری کے ادارے قائم کر کے اپنے آپ کو منظم کیا ہے۔ انھوں نے دیگر برادر کمیونیٹز تک رسائی کے لئے منصوبے شروع کیے ہیں تاکہ یہ کمیونٹیز بھی سماجی کاموں میں شرکت کر سکیں جس سے معاشرتی طبقات میں موجود بدگمانیاں کم ہوئی ہیں۔

چترال میں اسماعیلی

چترال پاکستان کے ان ضلعوں میں سے ایک اہم ضلع ہے جہاں اسماعیلی کافی تعداد میں بستے ہیں جن کا تعلق بدخشانی تاریخ سے ہے۔ چترال ۲۰ ویں صدی کے آغاز تک ایک آزاد ریاست تھی جہاں کٹھور حکومت کرتے تھے۔ یہ حاکم مہاتیر کہلاتے تھے اور عقیدے کے لحاظ سے سنی تھے جبکہ بقیہ آبادی کیلاش، سنی مسلمانوں اور شیعہ اسماعیلیوں پر مشتمل ہے۔ شیعہ اسماعیلی چترال کے بالائی علاقوں

تورخواور ملکھو جب کہ زیرین چترال کے علاقوں تحصیل لٹکھوں میں بڑی تعداد میں بستے ہیں۔ چند ہزار اسماعیلی چترال کے ''درویش'' علاقہ میں بھی بستے ہیں جو فارسی بولتے ہیں اور کچھ لوگ ''بروگل'' کے علاقہ کے باسی ہیں اور واخی زبان بولتے ہیں۔ مقامی اسماعیلی عام طور پر ''مولائی'' کہلاتے ہیں جبکہ سادات ان کے رہنما ہیں۔ وہ مذہبی اور معاشرتی مسائل میں ان کی رہنمائی کرتے تھے۔

افغان اسماعیلی پاکستان میں

پاکستان میں رہنے والے ہزاروں اسماعیلیوں کا تعلق افغانستان سے ہے۔ یہ لوگ افغانستان میں پچھلی دو دہائیوں سے جاری جنگ اور دھڑا بندی کے سبب ہجرت پر مجبور ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ افغانستان میں اسماعیلی خاصی تعداد میں آباد ہیں جو اپنے آپ کو سیدنا حکیم ناصر خسرو سے منسوب کرتے ہیں جبکہ بعض گیارھویں صدی کے داعی حسن صباح کے پیرو ہیں۔

افغانستان کے گذشتہ سال سختیوں، ہجرت اور سیاسی اتار چڑھاؤ کے سال کہے جاسکتے ہیں۔ افغانستان کے باسی اس بات پر مجبور ہوئے کہ وہ اپنا وطن چھوڑ کر ہمسایہ ممالک میں پناہ لیں۔ ۱۵ اسماعیلی جو میڈیکل اور انجینئرنگ کے طالب علم تھے کابل یونیورسٹی چھوڑ کر پاکستان کی طرف آئے اور اسماعیلیوں کی اعلیٰ قیادت سے ملے۔ قیادت نے ان کو مذہبی تعلیم کے پروگرام میں جون ۱۹۸۱ میں شامل کیا۔ اس کے بعد ہزاروں افغانی اسماعیلی پاکستان آئے۔ پہلے گروہ کے برعکس جو کابل سے آیا تھا ۱۹۹۰ میں طالبنائزیشن کے سبب تمام دوسرے علاقوں سے بھی اسماعیلی پاکستان آنا شروع ہو گئے۔ خصوصاً شمالی صوبہ ''پروان''، ''بغلان'' اور سمنغان وغیرہ سے یہ تارکین آئے۔ تارکین کا یہ ریلہ اس وقت اپنے عروج پر پہنچا جب طالبان نے ''پل حماری'' پر قبضہ کیا۔ طالبان نے کئی اسماعیلیوں کو قتل کیا اور دوسروں کو مجبور کیا کہ وہ علاقہ چھوڑ جائیں۔ ۱۳۰ اسماعیلی خاندانوں پر مشتمل ایک گروہ جس کا تعلق جلال آباد سے تھا ۱۹۹۰ کی دہائی میں راولپنڈی آیا۔ وہ کوڑا چنتے تھے۔ وہ شہر بھر میں صبح سے شام کوڑا چننے کے لئے پھیل جاتے۔ مقامی اسماعیلیوں نے ان کو تعلیم دینے میں ان کی مدد کی۔ آخر کار یہ جلال آبادی خاندان کنیڈا چلے گئے جہاں کے اسماعیلیوں نے ان کی آباد کاری کے ابتدائی دور میں ان کی مدد کا یقین دلایا۔ (۱۱)

بوہروں کا مذہبی نظام

مستعلی جو عصر حاضر میں بوہریہ، بوہرہ یا بواہیر کہلاتے ہیں کا سلسلہ مستنصر باللہ کے بیٹے مستعلی سے دوسرے اسماعیلی

گروہ سے جدا ہو جاتا ہے۔اس کے بعد الآمر باحکام اللہ ۴۹۵ھ میں ۵ برس کی عمر میں حکمران بنا۔ بوہروں کا عقیدہ ہے کہ اس کا کم سن بیٹا طیب تھا جس کے حق میں الآمر نے وصیت کی تھی۔ بوہروں کے امام طیب اور ان کی اولاد سب پردہ غیبت میں ہیں۔ یہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ امام طیب کے پردۂ غیبت میں چلے جانے کے بعد بوہروں کا مذہبی نظام کس طرح سے چلتا ہے۔اس کی وضاحت ظ انصاری نے ان الفاظ میں کی ہے:

> ۲۱ ویں امام طیب کے نظروں سے اوجھل ہو جانے کے بعد ''داعی مطلق'' کے فریضے کی ابتدا سیدنا ذؤیب (متوفی ۵۴۶ھ) سے ہوئی۔یمن ہی چار سو سال تک داعیوں کا پایہ تخت رہا۔ یہاں نظام دعوت بھی قائم تھا اور حکومت بھی۔یمن، سندھ اور ہند پہلے ہی سے ملا کر ایک تنظیمی حلقہ بنائے جا چکے تھے ''جزیرۂ ہند و جزیرۂ سندھ'' میں تبلیغ علم اور دعوت دین کا سلسلہ یمن سے جاری رہا اور ان مقامات پر اسماعیلی عقائد رکھنے والے مومنین کی تعداد کافی ہو گئی تھی۔(۱۲)

مستعلی دعوت کا مرکز برصغیر میں

بعد ازاں مستعلی دعوت کا مرکز یمن سے برصغیر میں منتقل ہو گیا۔اس کا پس منظر ظ انصاری ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> جب یمن میں ''دعوتِ دین'' کے خلاف فتنہ و فساد نے سر اٹھایا تو ۱۹ ویں داعی سیدنا ادریس عماد الدین نے اپنی بے پناہ بصیرت اور دور اندیشی کی بدولت فیصلہ کیا کہ علم و عمل کی اس شمع کو یمن سے ہندوستان میں منتقل کر دیا جائے، یمن میں آخری داعی سیدنا محمد عز الدین نے اپنی وفات سے پہلے سیدنا یوسف نجم الدین کو داعی مطلق نامزد کیا۔ وہ اس سلسلے میں ۲۴ ویں داعی اور ہندوستان میں پہلے داعی مطلق قرار پائے۔
>
> ۹۴۶ھ(۱۵۳۹ء) میں مستعلی تحریک کا مرکز ہندوستان میں منتقل ہو گیا۔تب سے آج تک یہیں پر ہے۔(۱۳)

ظ انصاری بیان کرتے ہیں کہ ہندوستان میں مستعلی اسماعیلیوں کا مرکز کہاں کہاں رہا:

> ہندوستان میں اسماعیلی تنظیم کا مرکز سب سے پہلے سدھ پور (گجرات) میں، پھر احمد آباد میں اور پھر کچھ عرصے بعد جام نگر میں قائم رہا۔ جام نگر کے بعد (کچھ) سُورت میں قائم ہوا۔ سُورت آخری شہر ہے جہاں ایک کے بعد ایک کئی داعی مطلق نامزد ہوئے اور ۱۳۳۴ھ (۱۹۱۵ء) تک یعنی پورے ۱۳۲ سال تک رشد و ہدایت کا مرکز یہاں قائم رہا۔(۱۴)

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ۱۹۱۵ء میں بوہروں کے پچاسویں داعی مطلق نے وفات پائی اور ان کے جانشین ڈاکٹر سیدنا طاہر سیف الدین ۵۱ ویں داعی مطلق منتخب ہوئے۔اس وقت ۵۲ ویں داعی مطلق ڈاکٹر سیدنا برہان الدین ہیں۔

حواشی

(۱)انصاری،ظ:فاطمی وراثت (الجامعۃ السیفیہ ،سورت، بھارت،سن ندارد)ص۵و۶

(۲)دیدارعلی شیخ۔تاریخ آئمہ اسماعیلیہ(شیعہ امامی اسماعیلی طریقہ اینڈریلیجس ایجوکشن بورڈ برائے پاکستان،کراچی۲۰۰۶)حصہ اول،ص۱۰۵

(۳)انصاری،ظ:فاطمی وراثت (الجامعۃ السیفیہ ،سورت، بھارت،سن ندارد)ص۶

(۴)انصاری،ظ:فاطمی وراثت (الجامعۃ السیفیہ ،سورت، بھارت،سن ندارد)ص۶و۷

(۵)انصاری،ظ:فاطمی وراثت (الجامعۃ السیفیہ ،سورت، بھارت،سن ندارد)ص۷

(۶)انصاری،ظ:فاطمی وراثت (الجامعۃ السیفیہ ،سورت، بھارت،سن ندارد)ص۷تا۹

(۷) Valliani, Amin, Dr: Ismaili Community in Pakistan: Its Doctrines, History and Present Makeup(Pakistan Perspctives Vol 11, Jan-June,2006 Pakistan study center Karachi)

(۸) Valliani, Amin, Dr: Ismaili Community in Pakistan: Its Doctrines, History and Present Makeup(Pakistan Perspctives Vol 11, Jan-June,2006 Pakistan study center Karachi)

(۹) Valliani, Amin, Dr: Ismaili Community in Pakistan: Its Doctrines, History and Present Makeup(Pakistan Perspctives Vol 11, Jan-June,2006 Pakistan study center Karachi)

(۱۰) Valliani, Amin, Dr: Ismaili Community in Pakistan: Its Doctrines, History and Present Makeup(Pakistan Perspctives Vol 11, Jan-June,2006 Pakistan study center Karachi)

(۱۱) Valliani, Amin, Dr: Ismaili Community in Pakistan: Its Doctrines, History and Present Makeup(Pakistan Perspctives Vol 11, Jan-June,2006 Pakistan study center Karachi)

۱۲)انصاری،ظ:فاطمی وراثت (الجامعۃ السیفیہ ،سورت، بھارت،سن ندارد)ص۱۷

(۱۳)انصاری،ظ:فاطمی وراثت (الجامعۃ السیفیہ ،سورت، بھارت،سن ندارد)ص۱۷

(۱۴)انصاری،ظ:فاطمی وراثت (الجامعۃ السیفیہ ،سورت، بھارت،سن ندارد)ص۱۸

نوٹ:اس حصے میں جہاں ''شمالی علاقہ جات'' آیا ہے اُسے ''گلگت بلتستان'' سمجھا جائے۔ان علاقوں پر مشتمل خطے کو ایک صدارتی آرڈیننس کے ذریعے اب صوبے کا نام حاصل ہو چکا ہے جسے ''صوبہ گلگت بلتستان'' کہا جاتا ہے۔

عقائد وافکار

امام جعفر صادقؑ کے بعد تمام اسماعیلی آپ کے بڑے فرزند اسماعیل بن جعفر کی امامت کو قبول کرتے ہیں۔ پھر اُن کے نزدیک ائمہ مستور کا دور شروع ہوتا ہے جن کے اسماء یہ ہیں:

محمد بن اسماعیل — عبداللہ بن محمد

احمد بن عبداللہ — حسین بن احمد

ان ائمہ کے ناموں اور تاریخوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس کی وجہ عباسیوں کے خوف سے ان کا مستور ہونا بیان کی جاتی ہے۔

ان کے بعد وہ تمام فاطمی خلفا کی امامت کے قائل ہیں۔

۱۔عبیداللہ المہدی (م: ۳۲۲ھ) — ۲۔القائم بامر اللہ (م: ۳۳۴ھ)

۳۔اسماعیل بن القائم المنصور (م: ۳۴۱) — ۴۔المعز لدین اللہ (م: ۳۶۵)

۵۔العزیز باللہ (م: ۳۸۶) — ۶۔منصور ابو علی: الحاکم بامر اللہ (م: ۴۱۱)

۷۔ابوالحسن علی بن منصور الظاہر لاعزاز دین اللہ (م ۴۲۷) — ۸۔المستنصر باللہ (م: ۴۸۷)

جیسا کہ حصہ اول میں بیان کیا گیا ہے المستنصر باللہ کے بعد اسماعیلی دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے لہٰذا ہم اس حصے میں دونوں گروہوں کے عقائد کا خلاصہ الگ الگ بیان کریں گے۔

اسماعیلیوں کے ابتدائی عقائد

اسماعیلیوں کے ابتدائی عقائد پر بات کرتے ہوئے چند امور کی طرف توجہ ضروری ہے:

۱۔اسماعیلیوں کے مابین مختلف فرقوں کے ظہور سے پہلے کے تمام اسماعیلیوں کے ابتدائی عقائد میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ البتہ چند اصطلاحات کا فرق دکھائی دیتا ہے۔ تاہم قرامطہ کے عقائد اور طریق کار میں فرق ضرور دکھائی دیتا ہے لیکن یہ گروہ وقت کے ساتھ ساتھ ختم ہو گیا اور موجودہ اسماعیلی گروہ بالعموم اپنے آپ کو ان سے الگ قرار دیتے ہیں۔

۲۔اسلام کے ظاہری عقائد اور احکام میں دور دراز کی تاویلات تمام اسماعیلی گروہوں میں پائی جاتی ہیں۔

۳۔ باطنی تعلیمات کا تصور بھی تمام گروہوں میں موجود ہے۔

ہم ذیل میں معاصر آغا خانی دانشور فرہاد دفتری کی کتاب ''اسماعیلی تاریخ کا ایک مختصر جائزہ'' سے ''اسماعیلیوں کے ابتدائی عقائد'' کے زیرِ عنوان دی گئی عبارت سے یہاں چند اقتباسات پیش کرتے ہیں جس سے مندرجہ بالا امور کی تائید بھی ہوتی ہے اور ان کے ابتدائی عقائد کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے:

> قدیم اسماعیلیوں نے مقدس الہامی کتب اور دینی اوامر ونواہی کے ظاہری اور باطنی پہلوؤں کے درمیان ایک بنیادی امتیاز پر زور دیا ہے۔ دوسری/آٹھویں صدی میں جنوبی عراق میں رہنے والے شیعی گروہوں نے جن میں بعض شیعی غلات بھی شامل تھے اس امتیاز کی بنیاد پر بعض عقائد کی تشکیل پہلے ہی کی تھی جس سے سب سے زیادہ عملی استفادہ اسماعیلی نظامِ فکر میں ہوا ہے۔ چنانچہ قدیم اسماعیلیوں کا کہنا تھا کہ الہامی کتب مقدسہ، خاص طور پر قرآن اور اس میں مقرر کیے ہوئے قوانین کے لفظی یا ظاہری معنی اور ان کے باطنی معنی یا صحیح روحانی حقائق میں جو ان کے باطن میں پوشیدہ ہیں، فرق کرنے کی ضرورت ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ ظاہر یا کہ شرائع جن کا اعلان انبیاء نے کیا ہے زمانے کے ساتھ ساتھ تغیر کے مراحل سے گزرتے ہیں جبکہ باطن جو روحانی حقائق کا حامل ہے، ابدی اور اٹل ہے۔ یہ پوشیدہ حقائق تاویل یا تمثیلی تعبیر وتشریح کے ذریعے واضح کیے جاتے ہیں جو ظاہر سے باطن کے استخراج کا عمل ہے جس کے ذریعے قابلِ تشریح نظریات کو اپنی اصل کی طرف واپس لوٹایا جاتا ہے۔۔۔
>
> قدیم اسماعیلیوں نے مزید یہ تعلیم دی کہ ہر دور میں روحانی حقیقت کے باطنی عالم تک رسائی صرف بنی نوع انسان کے خواص کو میسر آسکتی ہے جو عام لوگوں (عوام) سے ممیّز ہیں اور عوام صرف ظاہر کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جس سے مراد وحی کے ظاہری معنی ہیں۔ چنانچہ دورِ اسلام میں، جس کا آغاز حضرت محمدؐ نے کیا ہے، دین کے ابدی حقائق کی وضاحت صرف ان افراد کے لیے کی جاسکتی ہے جنھیں با قاعدہ طور پر اسماعیلی جماعت میں شامل کیا گیا ہے اور انھوں نے حضرت محمدؐ کے وصی علی ابن ابی طالبؑ اور امامانِ برحق کے اختیارِ تعلیم کو تسلیم کیا ہے جو ان کے جانشین ہیں، (اس لیے کہ دورِ اسلام میں تاویل کا واحد سرچشمہ صرف وہی ہیں)۔ قدیم اسماعیلیوں کی نظر میں تاویل کو مرکزی مقام حاصل تھا جس کی تصدیق اس حقیقت سے ہوتی ہے کہ ان کے ادب کا ضخیم حصہ صنفِ تاویل پر مشتمل ہے جو اسماعیلی عقائد کے لیے قرآنی آیات میں جواز پیدا کرتا ہے۔

اسماعیلی مذہب میں داخل ہونے کا عمل جو''بلاغ'' کے نام سے معروف تھا اس وقت انجام پاتا تھا جب مبتدی بیعت کے ذریعے ایک پیمان لیتا تھا جو''عہد'' یا ''میثاق'' کے نام سے معروف تھا۔ یہ

مبتدی اپنے اس پیمان کے ذریعے باطن کو مخفی رکھنے کے پابند ہوتے تھے جو ان کے لیے امام کی طرف سے اجازت یافتہ معلمین کی حدود کے ذریعے ظاہر کیا جاتا تھا۔ چنانچہ باطن نہ صرف پوشیدہ تھا بلکہ (ایک) راز بھی تھا اور اس کا علم ان عام لوگوں یعنی غیر اسماعیلیوں سے جو اسے سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے اور دعوت کے ذریعے مدعو نہیں ہوئے تھے پوشیدہ رکھنا لازم تھا۔ اسماعیلی جماعت میں شمولیت کا عمل بتدریج انجام پاتا تھا جس میں حق تعلیم کے طور پر بعض رقوم کی ادائیگی بھی شامل تھی۔ **کتاب العالم والغلام** جو ان باقیماندہ قدیم اسماعیلی متون میں سے ہے جسے ابنِ حوشب، منصور الیمن یا ان کے فرزند جعفر سے منسوب کیا گیا ہے مذہب میں شمولیت کے اس عمل کے بارے میں انمول تفصیلات کی حامل ہے۔۔۔

قدیم اسماعیلی باطن اور اس میں موجود حقائق کو اعلیٰ مقام دینے کی وجہ سے باقیماندہ اسلامی معاشرے کی نظر میں اسلام میں باطن کا تصور پیش کرنے والی سب [سے] مقدم نمائندہ شیعی جماعت شمار ہونے لگے جس کی وجہ سے وہ ''باطنیہ'' کے عام لقب سے بھی ملقب ہو گئے۔ تاہم اس بات کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ اس لقب سے اسماعیلیوں کے مخالف منابع میں اکثر توہین کی غرض سے استفادہ کیا گیا ہے جو عموماً اسماعیلیوں پر ظاہر یا اسلام کے اوامر و نواہی کو نظر انداز کرنے کا الزام لگاتے ہیں۔ دستیاب شواہد، جن میں اسماعیلی میثاق نامہ کے جزوی متون بھی شامل ہیں واضح طور پر ظاہر کرتے ہیں کہ قدیم اسماعیلیوں کو کسی بھی مفہوم میں شریعت اور اس کی رسوم و احکام کی پابندی سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا گیا تھا۔ اس کے برعکس قدیم اسماعیلی تعلیمات ظاہر اور باطن، یعنی دونوں کو لازم و ملزوم سمجھتی ہیں اور دونوں کو مساوی طور پر اہمیت دیتی ہیں جو ایسے نظریات ہیں جن کی بعد میں فاطمی دور کی اسماعیلی تعلیمات اور متون میں مکمل طور پر وضاحت کی گئی ہے۔ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ قدیم اسماعیلیوں پر لگائے جانے والے اباحت یا اخلاقی قوانین کی خلاف ورزی کے ان الزامات کی جڑیں ان کے دشمنوں کی مخالفتوں میں پائی جاتی ہیں جنھوں نے قرمطیوں، بالخصوص بحرین کے قرمطیوں کے خلافِ اسلام نظریات اور اعمال کے لیے بھی پوری اسماعیلی تحریک کو موردِ الزام ٹھہرایا ہے۔۔۔

اسماعیلی اس بات کی تعلیم دیتے تھے کہ ابدی حقائق جو باطن میں مخفی ہیں درحقیقت اس ابدی پیغام کی نمائندگی کرتے ہیں جو یہودیت، مسیحیت اور اسلام میں مشترک ہے۔ تاہم توحید کے قائل ادیان کے حقائق جن کو قرآن میں تسلیم کیا گیا ہے مختلف ظاہری قوانین کے تحت جو بدلتے ہوئے حالات زمانہ کے لیے لازم تھے، پردہ اخفا میں رہے ہیں۔ قدیم اسماعیلیوں نے جو اپنے اس جامع اور کلی

نقطہ نگاہ سے بخوبی باخبر تھے ان حقائق کی ایک عرفانی نظامِ فکر کے طور پر وسیع تر مفہومات کی نشو ونما کی، ایک ایسا نظام جو روحانی حقیقت کی ایک نفیس اور ممتاز اسماعیلی باطنی دنیا کی نمائندگی کرتا تھا۔ اس نظام کے دو اصل حصے تھے جن میں سے ایک رسالت کی ایک دَوری تاریخ تھی اور دوسرا کو نیات کا ایک عرفانی عقیدہ۔

۲۸۰ھ/۸۹۰ء کے ابتدائی عشرے تک اسماعیلیوں نے پہلے ہی بنی نوع انسان کی دینی تاریخ اور وقت کی ایک دَوری تشریح کی نشو ونما کی تھی جس کا اطلاق انھوں نے یہودی اور مسیحی الہامی ادیان کے علاوہ اسلام سے قبل کے بعض دوسرے ادیان پر بھی کیا تھا۔ ان کے پاس زمان کا ایک خاص نیم دوری اور نیم خطی تصور تھا۔ وقت سے مراد پے در پے چکروں یا ادوار کا ایک سلسلہ تھا جو آغاز وانجام کا حامل تھا۔ اسماعیلیوں نے زمان کے اپنے التقاطی نقطہ نگاہ کی بنیاد پر جس سے یونانی، یہودی و مسیحی اور عرفانی اثرات کے علاوہ شیعوں کے معادیاتی نظریات کی بھی عکاسی ہوتی تھی، مختلف انبیاء کے ادوار کے مفہوم میں جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے دینی تاریخ کے ایک خاص نقطۂ نگاہ کی نشو ونما کی۔ اس نقطہ نگاہ کا تعلق ان کے عقیدۂ امامت کے ساتھ بھی تھا جو انھیں اصلاً قدیم امامی شیعوں سے ورثے میں ملا تھا۔

اپنے دَوری نقطۂ نگاہ کے مطابق اسماعیلیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ بنی نوع انسان کی دینی تاریخ نبوت کی مختلف مدتوں کی حامل سات ادوار کے ذریعے تشکیل پاتی ہے جن میں سے ہر دور کا آغاز ایک پیغمبر ''ناطق'' نے الٰہی وحی کے ذریعے کیا ہے جو اپنے ظاہری پہلو کے لحاظ سے ایک دینی قانون یا شریعت کی حامل ہوتی ہے۔ انسانی تاریخ کے سابق چھ ادوار کے نطقاء (ج ناطق) میں آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور محمدؐ شامل تھے۔ ان نطقاء نے اپنی وحی کے ظاہری پہلو کا اعلان کیا تھا جس میں اس کے مذہبی رسوم اور اوامر ونواہی شامل تھے۔ تاہم انھوں نے اس کے باطنی معنی کی تعبیر وتشریح نہیں کی تھی۔ اس مقصد کے لیے ہر ناطق کا ایک جانشین ہوا کرتا تھا جو وصی کہلاتا تھا جسے صامت اور بعد میں اساس بھی کہا گیا ہے جو اس دور کے (الٰہی) پیغام کے باطنی پہلو میں موجود باطنی حقائق کا صرف چیدہ چیدہ افراد کے لیے اظہار کرتا تھا۔ انسانی تاریخ کے سابق چھ اوصیاء میں شیثؑ، سامؑ، اسماعیلؑ، ہارونؑ، شمعون الصفا اور علی ابن ابی طالبؑ شامل تھے۔ ہر دور میں ہر وصی کے جانشین باری باری سات ائمہ ہوا کرتے تھے جنھیں اتماء (واحد متم یعنی تمام کرنے والا) کہا جاتا تھا جو الہامی کتب کے حقیقی معنی اور شریعت کے ظاہری اور باطنی یعنی دونوں پہلوؤں کے محافظ ہوا کرتے تھے۔ ہر دور کا امام ہفتم (یا متم) ارتقاء حاصل کرتا تھا اور آنے والے دور کے ناطق کے رتبے پر فائز ہوتا تھا جو سابق دور کی شریعت کو منسوخ

کرتا تھا اور ایک نئے دور کی شریعت کا اعلان کرتا تھا۔ یہ طریق کار صرف تاریخ کے آخری دور یعنی دور ہفتم میں تبدیل ہونے والا تھا۔

دورِ ششم میں جو دور اسلام ہے محمد ابن اسماعیلؑ امام ہفتم تھے جو بحیثیت مہدی ستر میں چلے گئے تھے۔ اپنی بازگشت کے بعد انھیں ناطق ہفتم بننا تھا اور دور آخر کا آغاز کرنا تھا۔ تاہم سابق نطقاء کے برعکس محمد ابن اسماعیلؑ اسلام کی مقدس شریعت کی جگہ کوئی نئی شریعت لانے والے نہیں تھے۔ اس کی بجائے، جیسا کہ امید کی جاتی تھی آخری معادیاتی دور میں، ان کا مشن تمام سابق الہامات میں موجود تا ہنوز مخفی باطنی حقائق کا تمام بنی نوع انسان کے لیے مکمل طور پر اظہار کرنا تھا۔ چنانچہ محمد بن اسماعیل کے اندر ناطق اور وصی، یعنی دونوں مرتبے یکجا تھے اور اماموں کے آخر میں معادیاتی امام مہدی بھی بننے والے تھے۔ خالص روحانی علم اس کے آخری ہزار سالہ دور میں ''حقائق''، تمام حجابات اور امثال سے مکمل طور پر آزاد ہونے والے تھے۔ مہدی کے اس مسیحائی دور میں ظاہر اور باطن اور شریعت کے لفظ اور اس کی باطنی روحانیت کے درمیان کوئی فرق باقی رہنے والا نہیں تھا۔ محمد ابن اسماعیل اپنے ظہور کے ساتھ اختتام زمان کا اعلان کرنے والے اور جسمانی دنیا کے اختتام سے قبل عالم پر عدل وانصاف سے حکومت کرنے والے تھے۔۔۔

قدیم اسماعیلی نظامِ حقائق کا دوسرا اہم حصہ کونیات کا ایک خاص نظام تھا۔ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ آفرینش جہاں کے اس عقیدے کا، جو تیسری/نویں صدی میں پروان چڑھا تھا قدیم اسماعیلی حلقوں میں زبانی طور پر پرچار کیا جاتا تھا۔ بہرکیف، کسی بھی معلوم قدیم اسماعیلی متن میں اصل کونیات کی وضاحت نہیں کی گئی ہے۔ ان ناقص اور منتشر شواہد اور متون کی بنیاد پر جو بعد کے متون اور تحریروں، بالخصوص ابوعیسیٰ المرشد کے رسالے میں باقی رہے ہیں جو فاطمی خلیفہ امام المعزلدین اللہ (۳۴۱۔۶۵ھ/۹۵۳۔۷۵ء) کے زمانے میں فاطمی مصر کے دعاۃ اور قضاۃ میں سے تھے، نیز بعض فاطمی منابع کے حوالوں اور ان اشارات کی مدد سے جو یمن میں لکھے ہوئے بعض ہم عصری زیدی متون میں پائے جاتے ہیں۔۔۔

اس قدیم کونیاتی عقیدے کے مطابق خدا اس وقت بھی موجود تھا جب نہ مکان تھا نہ ازل نہ ابد اور نہ زمان۔ باری تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنے ارادے اور مشیت کے ذریعے ایک نور پیدا کیا اور اس سے قرآن کی تخلیقی صیغۂ امر یعنی ''کن'' کے ذریعہ خطاب کیا جس کے نتیجے میں خلقت معرضِ وجود میں آئی۔ ''کن'' نے اپنے دونوں حروف، ''کاف'' اور ''نون'' کو ثنیٰ بنا دیا اور اپنی مونث شکل حاصل کی اور ''کونی'' بن گئی۔ ''کونی'' نے جو مخلوق اول اور ''سابق'' کے نام سے بھی موسوم ہے باری تعالیٰ

کے امر سے اپنے نور سے مخلوق دوم کو پیدا کیا، جو ''قدر'' کے نام سے موسوم ہے، تاکہ اس (کونی) کے وزیر اور معاون کا کردار ادا کرے۔ ''قدر'' نے جو ''تالی'' کے نام سے بھی موسوم ہے ''کونی'' کے برعکس، جسے مادۂ اصل کا مقام حاصل ہے، نر اصل کی نمائندگی کی۔ چنانچہ ''کونی'' اور ''قدر'' تخلیق کے دو اولین اصول تھے جنھیں قرآنی اصطلاحات ''قلم'' اور ''لوح'' کا مماثل بنایا گیا ہے۔ باری تعالےٰ نے ''کونی'' کے ذریعے تمام اشیاء کو معرض وجود میں لایا اور ''قدر'' کے ذریعے انھیں معین کیا۔۔۔

اس اولین جفت یعنی ''کونی'' اور ''قدر'' کے عربی نام سات حروفِ صحیح پر مشتمل تھے جنھیں ''الحروف العلویہ'' بھی کہا گیا ہے۔ ان کی تعبیر سات نطقاء کی امثال اولیہ کی حیثیت سے کی گئی ہے جس کا آغاز ''کاف'' سے ہوتا ہے جو آدم کی مثال ہے اور ''را'' پر اختتام کو پہنچتا ہے جو قائم یا مہدی کی مثال ہے۔ ان ہی اصلی حروف ہفتگانہ سے دوسرے تمام حروف اور ناموں کا ظہور ہوا ہے اور ناموں کے ساتھ بیک وقت ان حقیقی اشیاء کا بھی ظہور ہوا ہے جن پر وہ (نام) دلالت کرتے ہیں۔ باری تعالےٰ کے فعلِ خلاق نے اس اولین جوڑے کے توسط سے سب سے پہلے موجوداتِ عالم روحانی یعنی مبدعات کو معرض وجود میں لایا۔ ''کونی'' نے اپنے نور سے سات ناطقوں کے مقابلے میں سات ''کروبیہ'' کو پیدا کیا اور انھیں ''اسماء باطنیہ'' عنایت کیا جن کے معنی صرف ''اولیاء اللہ'' اور وہ مخلص مؤمنین، یعنی اسماعیلی ہی سمجھ سکتے تھے جو ان (اولیاء اللہ = ائمہ) کی اطاعت کرتے تھے۔ اس کے بعد ''قدر'' نے ''کونی'' کے حکم پر اپنے نور سے بارہ موجودات روحانیہ کو پیدا کیا اور ان [کے] سنام نہی کی۔ ان روحانی موجودات میں سے کئی ایک کے نام اسلام کے تصور ملائکہ سے ماخوذ ہیں جن میں (بہشت کا نگہبان) رضوان اور (دوزخ کا داروغہ) مالک اور تدفین کے بعد سوال کرنے والے دو فرشتے منکر اور نکیر شامل ہیں۔ یہ روحانی موجودات ''قدر'' جو مخلوقات کے سامنے ''کونی'' کا حجاب ہے اور انسانی تاریخ کے انبیاء ناطق اور ائمہ کے درمیان وسائط کا کردار ادا کرتے ہیں۔ اوّلین تین روحانی موجودات کو جو ''جد'' (بختِ نیک)، ''فتح'' (کشائش) اور ''خیال'' (سوچ، خیال) کے نام سے موسوم ہیں اور جنھیں اسلام کے ملائکہ مقرب یعنی جبرائیل، میکائل اور اسرافیل کا مماثل بنایا گیا ہے، روحانی عالم اور جسمانی عالم میں حدود دین کے درمیان وسائط کی حیثیت سے نمایاں کردار حاصل ہے۔ دراصل یہ تین روحانی موجودات ''کونی'' اور ''قدر'' کے ساتھ ملکر پانچ ارکان کی ایک اہم جماعت تشکیل دیتے ہیں جو قدیم اسماعیلیوں کی کونیات کو بنی نوع انسان کی دینی تاریخ کے دَوری نظریے سے ہم آہنگ بنا دیتی ہے۔ یہی کونیاتی اصل عالم سفلی میں جسمانی دنیا کی خلقت کا بھی ذمہ دار شمار ہوتی ہے۔ مادی دنیا

کی خلقت بھی ''کونی'' اور ''قدر'' کے توسط سے ہوتی ہے جس کا آغاز ہوا اور پانی سے ہوا ہے جن کو باطنی طور پر قرآنی اصطلاحات ''عرش'' اور ''کرسی'' کا مماثل بنایا گیا ہے اور اس کے بعد سات آسمان، زمین، سات سمندر وغیرہ کی خلقت ہوئی ہے۔

اس کونیات میں جسمانی اور روحانی عالم کے درمیان کئی متوازیات پائی جاتی ہیں۔ عالم علوی کی تقریباً ہر چیز عالم سفلی کی کسی چیز سے مطابقت رکھتی ہے، مثلاً ''کونی'' کا مماثل سورج ہے، ''قدر'' کا چاند، سات کروبیہ کا سات آسمان اور بارہ موجودات روحانی اور بارہ منطقۃ البروج میں مطابقت پائی جاتی ہے۔ قدیم اسماعیلی کونیات میں تصورِ نجات کا بھی ایک کلیدی مقصد تھا۔ انسان، جو ایسا نظر آتا ہے کہ عمل تخلیق کے آخری سرے پر ہے، اپنی اصل اور اپنے خالق سے دور ہوا ہے۔ چنانچہ اس کونیات کا مقصد اس فاصلے کو ہٹانے کا راستہ دکھانا اور انسان کو نجات سے ہمکنار کرنا تھا۔ یہ مقصد صرف اس وقت حاصل ہو سکتا تھا جب انسان اپنی اصلیت سے واقف ہو اور باری تعالیٰ سے دوری کی وجوہات کا علم (یونانی میں GNOSIS) حاصل کرے جو ایک ایسا علم تھا جسے اللہ تعالیٰ کی طرف بھیجے ہوئے انبیا (نطقاء) اسے اس کے اصل منبع سے دے سکتے تھے جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔(۱)

معروف بوہرہ دانشور ڈاکٹر زاہد علی ہمارے مندرجہ بالا بیان کیے گئے نکات کی متعدد باتوں کی تائید کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں:

حقیقت یہ ہے کہ اسماعیلی مذہب کی ابتدائی بناء اس اصول پر ہے کہ آنحضرت صلعم نے ظاہری شریعت وضع فرمائی اور مولانا علیؑ نے اس کے باطن یعنے تاویل کی تعلیم شروع کی۔ آپ کے بعد چھ امام یعنے مولانا حسنؑ، مولانا حسینؑ، مولانا علی زین العابدینؑ، مولانا محمد باقرؑ، مولانا جعفر صادقؑ اور مولانا اسماعیلؑ ہوئے جنھوں نے باطنی تعلیم کی تکمیل کی۔ اس لیے یہ ''ائمہ متمین'' کہلاتے ہیں۔ ساتویں امام مولانا محمد بن اسماعیل جو سابع المتمین، خاتم الائمہ، قائم الاتما، سابع الرسل اور سابع النطقاء کہے جاتے ہیں آپ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے شریعت محمدی کے ظاہر کو معطل کر دیا۔ آپ نے محمد المصطفیٰ کے دور کو پورا کیا اور آپ سے ساتواں دور شروع ہوا جس سے عالم طبیعت کی انتہا اور دور روحانی کی ابتدا ہوئی۔ آپ کی نسل سے جو ائمہ ہوئے اور قیامت تک ہوں گے وہ سب خلفاء قائم ہیں۔ جو قائم کی دعوت کے فرائض ادا کریں گے۔ ان میں سے اگر کسی خلیفہ کو موقع ملے تو وہ قائم کی حیثیت سے ظہور فرمائیں گے اور تاویل یعنے علم باطن ظاہر کر کے تمام دنیا کو اسماعیلی مذہب کا پیرو بنائیں گے۔ چنانچہ داعی الدعاۃ قاضی القضاۃ سیدنا نعمان بن محمد نے مولانا معز اور مولانا حاکم کے متعلق یہ پیشین گوئی کی

تھی اور ثقۃ الامام علم الاسلام کافل قضاۃ المسلمین وہادی دعاۃ المؤمنین سیدنا بدر الجمالی نے مولانا مستنصر کے بارے میں یہ امید ظاہر کی تھی۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ اسماعیلی تعلیم کی بڑی خصوصیت راز داری اور پوشیدگی ہے بلکہ اس کی بنا ہی اسی پائے پر قائم ہے۔ سیاسی مصلحتوں اور ملکی اغراض کے باعث ہم اپنے اصلی عقیدے اپنی دعوت کے بڑے بڑے ارکان کے سوا کسی دوسرے کو نہیں بتاتے تھے کیونکہ ہماری عام رعایا کا مذہب سنی تھا۔ اس لیے ہم نے عام لوگوں کو جو تعلیم دی وہ اس تعلیم سے بالکل الگ تھی جو خاص خاص ارکان دعوت کو دی جاتی تھی۔ بلکہ خود اسماعیلیوں میں بھی مستجیبوں یعنے ابتدائی مدارج کے مومنوں کو وہ بھید نہیں بتائے جاتے تھے جو بالغوں کو بتاوے جاتے۔ یہ اصول ''حی علی الصلوۃ'' اور ''حی علی الفلاح'' کی تاویل پر مبنی ہے۔ غرض کہ ہم اسماعیلیوں نے اپنے عقیدوں کو دعوت کے اندرونی حلقے تک ہی محدود رکھا۔ اس طرز عمل کی اتنی شدت سے پابندی کی گئی کہ خود سیدنا نعمان جیسے مشہور و معروف جلیل القدر داعی الدعاۃ اور قاضی القضاۃ کو جو قضا کے ظاہری عہدے پر مامور تھے سیدنا جعفر بن منصور الیمن کی تصنیفوں کی خبر نہ تھی جو مولانا معز کے باطنی حلقے کے باب الابواب تھے۔ (۲)

آغا خانیوں کے بنیادی عقائد

دور حاضر میں آغا خانیوں کے بنیادی عقائد بیان کرنے کا حق سب سے بڑھ کر ان کے امام پرنس کریم آغا خان کو پہنچتا ہے۔ آغا خانی امام مختلف مواقع پر اپنی طرف سے اپنے ماننے والوں کے نام دستور جاری کرتے رہتے ہیں۔ اسی دستور میں وہ بنیادی عقائد کا بھی ذکر کرتے ہیں اور اپنے پیروکاروں کے لیے حکمت عملی بھی بیان کرتے ہیں۔ ہم ذیل میں اسماعیلی امام پرنس کریم آغا خاں کی طرف سے جاری کیے گئے انگریزی زبان کے دستور کا اردو ترجمہ پیش کرتے ہیں:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جبکہ

(A) شیعہ امامیہ اسماعیلی مسلمان باقاعدہ شہادت دیتے ہیں:

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

میں موجود توحید کی اور اس امر کی کہ رسول پاک محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے آخری اور حتمی رسول ہیں۔ اسلام، جیسا کہ قرآن پاک میں وحی کیا گیا ہے، اللہ کا نوع انسانی کے لیے آخری پیغام

ہے اور یہ آفاقی اور ابدی ہے۔ رسول پاک (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اللہ کی طرف سے نازل کردہ آسمانی وحی کے مطابق روحانی اور مادی زندگی پر حکم فرما قوانین بیان کیے۔

(B) شیعہ نظریے، روایت اور تاریخ کی تعبیر کے مطابق رسول پاک (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے چچازاد اور داماد حضرت مولانا علی امیر المومنین (علیہ السلام) کو اللہ کے حتمی پیغام کی تاویل اور تعلیم کے لیے اور مریدوں کی راہنمائی کے لیے منصوب اور مقرر کیا نیز اعلان کیا کہ امامت کو حضرت مولانا علی (علیہ السلام) اور آپ کی بیٹی حضرت بی بی فاطمۃ الزہرا، خاتون جنت (علیہا السلام) کے ذریعے وراثت میں جاری رہنا چاہیے۔

(C) امامت کی جانشینی نص کے ذریعے ہوتی ہے۔ یہ وقت کے امام کا کامل اختیار ہوتا ہے کہ وہ اپنی اولاد میں سے کسی مرد کو اپنا جانشین مقرر کرے چاہے وہ اس کا بیٹا ہو یا نسل در نسل بیٹا۔

(D) اسماعیلی طریقے میں امام کی اتھارٹی کی توثیق مرید کی طرف سے امام کی بیعت کے ذریعے ہوتی ہے۔ یہ مرید کی طرف سے امام اور مرید کے مابین مستقل روحانی تعلق کو قبول کرنے سے عبارت ہے۔ یہ اطاعت عالمی سطح پر اسلام کے عالمگیر تصور اخوت کے مطابق اسماعیلی مسلمانوں کو امام سے وفاداری، ایثار اور فرماں برداری کے رشتے سے منسلک کر دیتی ہے۔ یہ انفرادی طور پر کسی مرید کے اپنے وطن سے رشتۂ اتباع سے مختلف ہے۔

(E) حضرت مولانا علی (علیہ السلام) کے زمانے سے اسماعیلی اماموں نے دنیا کے مختلف علاقوں پر تاریخ کے مختلف اوقات میں سرزمینوں اور لوگوں پر حکومت کی ہے اور انھوں نے وقت کی ضروریات کے مطابق حکمرانی کے قوانین اور دستور دیے ہیں جو اسلام کے اخوت، انصاف، برداشت اور بھلائی کے تصورات کے مطابق تھے۔

(F) تاریخی طور پر اسماعیلی روایت کے مطابق وقت کے امام کو اپنے مریدوں کی روحانی ترقی اور اس کے ساتھ ساتھ اُن کی زندگی کے معیار کو بہتر بنانے سے دلچسپی ہوتی ہے۔ امام کی تعلیم مرید کے روحانی راستے اور شعور کو منور کرتی ہے۔ مادی امور میں امام اپنے مریدوں کی رہنمائی کرتا ہے اور انھیں اُن کی صلاحیتوں کو بہتر بنانے کے لیے ابھارتا ہے۔

(G) مولانا حاضر امام شاہ کریم الحسینی، عالی مرتبت پرنس آغا خان حضرت مولانا علی (علیہ السلام) اور حضرت بی بی فاطمہ (علیہا السلام) کے ذریعے براہ راست خاندانی طور پر رسول پاک (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نسل سے اسماعیلی مسلمانوں کے انچاسویں امام ہیں۔

(H) اپنی حیثیت کے اعتبار سے اور اسماعیلی مسلمانوں کے ایمان اور یقین کے مطابق امام کو اسماعیلی مسلمانوں کے تمام مذہبی اور جماعتی امور پر تصرف کا اختیار حاصل ہے۔

(I) مولانا حاضر امام کی خواہش اور ہدایت ہے کہ مختلف ممالک میں اسماعیلی مسلمانوں پر اس وقت جو دساتیر نافذ ہیں اُن پر یہ دستور حاکم ہوگا اور انھیں یہ دستور دیا جائے گا اُن کے اتحاد اور مذہبی وسماجی بھلائی کے لیے مختلف لوگوں کے مابین ثمر بخش تعامل حاصل کرنے کے لیے، وسائل کے استعمال کو بہتر بنانے کے لئے نیز اسماعیلی مسلمانوں کو اس قابل بنانے کے لیے کہ وہ امہ اور جن معاشروں میں رہتے ہیں اُن کی زندگی کے معیار کو بہتر بنانے میں درست اور معنی خیز حصہ ڈال سکیں۔

لہٰذا حاضر امام کی حیثیت سے اپنا مذکورہ اختیار بروئے کار لاتے ہوئے میں شاہ کریم الحسینی آغا خان حکم دیتا ہوں کہ شیعہ امامی اسماعیلی مسلمان جہاں بھی ہوں تمام اوقات میں اس دستور کے پابند رہیں گے، اس کی روش کے مطابق اُن پر حکم فرمائی ہوگی۔

اسے مولانا حاضر امام شاہ کریم الحسینی عالی مرتبت آغا خان نے تھیر ماؤث جنیوا میں 13 دسمبر 1986 بمطابق دس ربیع الثانی 1407ھ کو اپنی امامت کے تیسویں سال میں اپنے دستخط اور مہر کے ساتھ جاری کیا۔

اپنے امام کے اس دستور کے بارے میں ڈاکٹر امین والیانی لکھتے ہیں:

امام اسماعیلیوں کے مختلف اداروں کو باہمی دنیاوی امور کی انجام دہی کے لئے دستور وقوانین بھی دیتا ہے۔امام کی جانب سے یہ تحریر شدہ دستور موجود صدی کی وضع ہے تازہ ترین دستور جو کہ امام کی جانب سے جاری ہوا 1986 کا دستور ہے جسے 1998 میں دوبارہ جاری کیا گیا۔

امین والیانی دستور کے بارے میں مزید کہتے ہیں:

موجودہ فرمان کے پیش لفظ کی روشنی میں امام اپنے مریدوں کی روحانی اور دنیاوی زندگی کے احوال میں بہتری کا ذمہ دار ہے۔امام کی تعلیمات مرید کی روحانی اور دنیاوی زندگی کو روشن کرتی ہیں۔امام مریدوں کی رہنمائی کرتا ہے اور ان کی صلاحیات کے تکامل کی رغبت دلاتا ہے۔مریدوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ امام کی متعین کردہ راہ پر اسلامی قوانین کی روشنی میں زندگی گزاریں۔(۳)

ڈاکٹر امین والیانی نے خود بھی اپنے مقالے میں آغا خانیوں کے عقائد کا خلاصہ بیان کیا ہے ہم یہاں پر ان کی ایک عبارت کا ترجمہ درج کرتے ہیں:

اسماعیلیت کا ظہور بھی اسلام کی مانند جزیرہ عرب میں ہوا۔اسماعیلی شیعیت کی ایک اہم شاخ پر مشتمل

ہیں۔اہل تشیع کی مانند اسماعیلی بھی اسلامی تعلیمات کی ایک مخصوص شکل سے وابستہ ہیں۔وہ ایمان رکھتے ہیں کہ رسول خداؐ کے بعد آئمہ کا ایک سلسلہ ہے جس کی ابتدا حضرت علیؑ سے ہوئی جو کہ رسول خدا کے چچازاد اور داماد تھے۔ان کے عقیدہ کے مطابق امامت نص کے ذریعے بڑھتی ہے۔ان کا عقیدہ ہے امام وقت کے لئے اپنے جانشین کا تقرر اولین ذمہ داری ہے جو کہ وہ اپنی نسل میں سے کرتا ہے۔ اس طرح آغا خان چہارم اسماعیلیوں کے انچاسویں امام ہیں۔(۴)

آغا خانیوں کا نظریۂ امامت

آغا خانیوں کے عقائد،ان کے مذہبی اعمال اور ثقافتی امور سب کا سرچشمہ ان کا نظریۂ امامت ہے۔ان کی تمام مذہبی زندگی اپنے امام اور نظریۂ امامت کے گرد گھومتی ہے۔ڈاکٹر امین والیانی کی یہ عبارتیں اسی امر کی حکایت کرتی ہیں:

امام تمام تر دینی اور دنیاوی معاملات پر اتھارٹی رکھتا ہے جیسا کہ ترقی کے ادوار کے ساتھ ساتھ اصول وقوانین میں انفرادی اور اجتماعی سطح پر تبدیلی کی ضرورت بدیہی ہے،امام اپنی دعوۃ کمیٹی کو اجازت دیتا ہے کہ وہ حالات کے تناظر میں اصول وقوانین کی شرح کرے اور دعوہ دنیا کے بدلتے ہوئے حالات کے تناظر میں ان قوانین کی شرح کرتی ہے۔اسماعیلیوں کے نزدیک امام سے تمسک اور امام کی ہدایات کی روشنی میں وضع کردہ راہ یعنی طریقت ہی وہ راستہ ہے جس کے ذریعے مذہبی مقاصد کو حاصل کیا جاسکتا ہے۔

امام ایک روحانی پیشوا کے طور پر عالمی حقائق کو مدنظر رکھتے ہو۔ ٭عقائد پر مبنی تبدیلی اور تسلسل کا ایک مفصل خاکہ پیش کرتے ہیں۔پچھلی نصف صدی میں مذہبی عقائد کے اظہار کے بہترین ذریعوں کی تلاش کے لئے متعدد کانفرنسیں منعقد کی جاچکی ہیں۔ان کانفرنسوں میں بعض عقائد جو کہ ابتدا سے ہی موجود ہیں کو سامنے لایا گیا،ان کے اطلاق پر زور دیا گیا تا کہ اسماعیلی کو اپنی اہمیت کا اندازہ ہوسکے۔(۵)

امام سے تمسک اور وابستگی کے لیے ڈاکٹر امین والیانی بیعت کو ضروری قرار دیتے ہیں،وہ لکھتے ہیں:

امام سے تمسک رکھنے والے مرید کے لئے پہلا فرض بیعت ہے۔بیعت کے بعد مرید اپنی زندگی امام کی ہدایات کی روشنی میں گزارتا ہے۔بعض چیزیں مرید کے روزانہ کے واجبات میں سے ہیں۔جن میں نماز،دعا اور مال امام کی ادائیگی شامل ہیں۔اس کے علاوہ مرید امام کی محبت اور عقیدت میں چند امور انجام دیتا ہے جو کہ واجب نہیں ہیں۔(۶)

قرآن

قرآن حکیم پر ایمان کا ذکر تو آغا خانیوں کے امام پرنس کریم آغا خان کے مندرجہ بالا دستور میں بھی ہے تاہم قرآن سے استفادہ اور اس کے مطالب پر عمل درآمد آغا خانیوں کے نزدیک امام ہی کی معرفت سے ہوتا ہے جیسا کہ ڈاکٹر امین والیانی کہتے ہیں:

اسماعیلی فرقہ دوسرے اسلامی فرقوں کی مانند اسلامی اصول وقوانین سے ہی اپنے عقائد اخذ کرتے ہیں جیسا کہ قرآن میں درج کیے گئے ہیں۔ تاہم اسماعیلیت میں امامت کو مرکزی مقام حاصل ہے۔ امام ان اصول وقوانین پر روزمرہ زندگی میں عمل کرنے کے لئے راہ عمل واضح کرتا ہے۔(۷)

آغا خانی اور مذہبی احکام

مندرجہ بالا عبارات پڑھ کر ایک عام مسلمان کے ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مذہبی احکام کے بارے میں آغا خانیوں کا طرز عمل کیا ہے۔ عام مسلمانوں کو جب آغا خانیوں سے سابقہ پڑتا ہے تو وہ دیکھتے ہیں کہ ان کے ہاں مسجد نہیں بلکہ جماعت خانہ ہوتا ہے، ان کی مسجد سے اذان کی آواز نہیں آتی اور وہ خانہ خدا میں حج پر بھی جاتے دکھائی نہیں دیتے جبکہ دوسری طرف بوہرے ان ظواہر اسلامی پر کاربند دکھائی دیتے ہیں۔ کیا اسماعیلی نزاری مذہب کے احکام کو تسلیم نہیں کرتے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جو ہر کوئی آغا خانیوں کے بارے میں جاننا چاہتا ہے کیونکہ آغا خانی مذہب کے ظاہری احکام میں دیگر مسلمانوں سے مختلف نظریہ رکھتے ہیں آج کے اسماعیلیہ نزاریہ دیگر مسلمانوں کی شریعت کی توضیح اور تشریح سے متفق نہ ہوتے ہوئے شریعت کی روحانی اور تمثیلی تشریح کے قائل ہیں جس کی بنیاد تاویل پر ہے۔ یہی وہ وجہ نظر آتی ہے کہ مذہب نزاریہ کے ماننے والے شریعت کے تمام احکامات کے ظواہرات کو قبول نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک شریعت کی جو توضیح امام الوقت کرتا ہے وہی ظاہر شریعت بھی ہے اور اس کی روح بھی ہے۔ بہرحال صورت حال کچھ بھی ہو، دور حاضر میں اسلام کے احکامات کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کا طریقہ کار مذہب اسماعیلیہ کا دیگر مسلمانوں سے بالکل الگ اور مختلف ہے۔ تاریخی طور پر ائمہ نزاریہ میں سے دو ائمہ ایسے گزرے ہیں۔ جنھوں نے اپنے محبین کو شریعت کی تاویلی حقیقت بتاتے ہوئے اپنے ماننے والوں کو دین کے ظاہری احکام سے آزادی دلادی۔ ان میں پہلے ائمہ الموت کے امام حسن بزرگ ہیں۔ الموت کے امام حسن نے ایک منفرد نظریہ ''نظریہ قیامت'' پیش کیا، جس کو اسماعیلیہ ''عقیدۂ قیامت'' بھی کہتے ہیں۔ اس کے مطابق دین کے ظواہر کی اہمیت مذہب اسماعیلیہ میں باقی نہیں رہی۔ اس نظریہ کا خلاصہ فرہاد دفتری یوں تحریر کرتے ہیں۔

حسن (بن محمد بن بزرگ) نے رمضان ۵۵۹ھ میں الموت کے دامن میں نماز با جماعت کے میدان میں روبغرب ایک منبر بنانے کا حکم دیا اور منبر کے چاروں ستونوں کے ساتھ چار رنگوں یعنی سفید، زرد

اور سبز رنگ کے چار بڑے بڑے علم نصب کیئے۔ اس کے بعد ۱۷ رمضان ۵۵۹ھ/۸ اگست ۱۱۶۴ء کو
انھوں نے اپنے علاقے کے لوگوں کو پہلے ہی الموت طلب کیا لیا تھا، اس میدان میں جمع ہونے کا حکم
دیا۔ لوگ جمع ہو گئے تو حسن نے اعلان کیا ''زمانے کے امام نے تم پر اپنی برکات اور رحمتیں بھیجی ہیں،
انھوں نے تمھیں اپنے خاص بندوں میں شامل کیا ہے اور تم کو اغلال شریعت سے رہا کیا ہے اور قیامت
تک پہنچایا ہے''۔۔۔۔۔۔۔ حسن اپنے خطبے کو مکمل کرنے کے بعد منبر سے نیچے اترے اور نماز عید کی
دو رکعتیں ادا کیں۔ اس کے بعد حسن نے لوگوں کو اپنے ساتھ دستر خوان پر بلایا اور افطار کرنے کا حکم
دیا۔ حسن نے اسی دن کو ''عید القیامۃ'' کا نام دیا اور لوگوں نے خوشیاں منائیں۔ اس کے بعد ہر سال
۱۷ رمضان کو نزاری عید القیامتہ مناتے تھے اور اس دن جشن منعقد کرتے تھے۔ (۸)

اس روحانی روش میں منظم کرنے والی دوسری شخصیت امام حسن بن محمد بزرگ (آغا خان سوم) کی ہے جس نے اسماعیلیت کو ایک خاص انداز میں منظم کیا۔ یہ وہ شخصیت ہے جس نے مذہب نزاریہ کو ایک جماعت کے طور پر شناخت کروایا۔ یاد رہے کہ مذہب نزاریہ ایران سے برصغیر میں منتقل ہونے کے بعد آغا خانیت کے نام سے مشہور ہوا۔ سر سلطان آغا خان سوم نے اپنی جماعت کو دیگر شیعوں سے ممتاز کرنے کے لئے متعدد اقدامات کئے ہیں، فرہاد دفتری ان اقدامات کو یوں تحریر کرتے ہیں:

ان ہدایات کے مطابق ۱۹۱۰ء تک آغا خان سوم نے دوسرے ممالک کے قاسم شاہی نزاریوں کی طرح اپنے ایرانی مریدوں کے مذہبی اعمال و رسومات میں بھی بعض تبدیلیاں متعارف کروانے کا آغاز کیا۔ انھوں نے بالخصوص ان مذہبی رسومات میں تبدیلی یا سادگی پیدا کی جن کو دوسرے مسلمانوں کی طرح ایرانی شیعہ بھی فروع دین کا درجہ دیتے تھے جو اسلامی شریعت کے ایجابی قواعد پر مشتمل تھیں مثلاً عبادت، طہارت، صوم، اور حج کی رسومات وغیرہ۔ اس وقت تک ایرانی نزاری یہ رسومات غالباً تقیہ کی خاطر زیادہ تر اثنا عشری شیعہ طریقے کے مطابق انجام دیتے تھے۔ مگر اب ان کے لئے لازم تھا کہ ایک مذہبی جماعت کی حیثیت سے اپنے آپ کو بڑی حد تک اثنا عشریوں سے جدا کریں اور اپنا تشخص بحال کریں۔ مثال کے طور پر اس کے بعد انھوں نے اپنی روزمرہ عبادات کے آخر میں تمام قاسم شاہی ائمہ کے ناموں کو پڑھنا لازم کیا۔ اسی طرح مخصوص مواقع پر مسجدوں میں اثنا عشریوں کے ساتھ شامل ہونے اور محرم کے موقع پر شیعوں کے ساتھ ماتم کی رسم ادا کرنے کی بھی حوصلہ شکنی کی گئی۔ اس لئے کہ نزاریوں کے پاس زندہ اور حاضر امام موجود تھے اور کسی متوفی امام کی یاد منانے کی انھیں کوئی ضرورت نہیں تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ انھیں صرف ان مذہبی فرائض پر

عمل کرنے کی ضرورت تھی جن کی توثیق یا اجراء براہ راست ان کے زندہ امام کرتے تھے۔ تاہم آغا خان نے اپنے مریدوں کو ہدایت کی کہ وہ ان رسومات کی حقیقی اور باطنی اہمیت سے آگاہ ہوں اور انھوں نے اس بات پر بھی زور دیا کہ قطع نظر مسلک یا عقیدے کے تمام مسلمان اسلام کے بنیادی ارکان میں لازماً شریک ہیں۔(۹)

مذہب سے جماعت تک

موجودہ دور کے آغا خانیوں کا قریب سے جائزہ لیا جائے تو یہ بات آسانی سے سمجھ آجاتی ہے کہ وہ اس وقت ایک جماعت کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔ جیسا کہ سطور بالا میں بیان کیا گیا ہے اس کی ابتداء موجودہ آغا خانی پیشوا کے دادا سر سلطان محمد خان آغا خان سوم کے دور سے ہوتا ہے۔ آغا خان سوم نے اپنی جماعت کی اصلاح اور تشخص کے لئے جو اقدامات کیے تھے ان کی حقیقت کا صحیح ادراک جماعت کا ممبر ہی کر سکتا ہے۔ بہر حال آغا خان سوم کے ان اقدامات سے جہاں جماعت کو منظم کرنے میں مدد ملی وہیں پر مذہب نزاریہ دیگر مسلمانوں سے الگ ہوگیا۔ اب نزاریہ مذہب کے بجائے ایک جماعت اور (Community) کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ آغا خان سوم کی طرح پرنس شاہ کریم آغا خان چہارم نے بھی ان اصلاحات کو جاری رکھا، البتہ شاہ کریم آغا خان کی موجودہ سیرت میں دین شناسی کے حوالے سے بعض ایسے اقدامات بھی سامنے آئے ہیں، جن کی وجہ سے شیعہ اثنا عشری اور شیعہ اسماعیلیہ نزاری میں ایک بار پھر قدرے دین شناسی اور دین فہمی میں ہم آہنگی پیدا ہوئی ہے۔ اس کا کچھ اظہار اس حصے میں عقائد کے بارے میں دیے گئے آغا خان چہارم کے دستور سے بھی ہوتا ہے۔ اس کی وضاحت ڈاکٹر امین والیانی کے ان مقالات سے بھی ہوتی ہے جن کا ذکر ہم نے اس باب میں مختلف مقامات پر کیا ہے۔ علاوہ ازیں آغا خانیوں کی ویب سائٹس سے بھی اس امر کی تفصیلات معلوم کی جاسکتی ہیں۔ ان کا ذکر ہم اس باب کے آخری حصے میں کریں گے۔

دیگر مسلمانوں سے اسماعیلیوں کے فرق کا خلاصہ

جیسا کہ اس باب میں دیے گئے اسماعیلی دانشوروں کے اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے اسماعیلی دیگر مسلمانوں سے عقائد میں خاصے اختلافات رکھتے ہیں البتہ احکامات میں یہ زیادہ مختلف نظر آتے ہیں۔ کیونکہ عقائد اور اعمال کی بجا آوری حاضر امام کے احکامات کے تناظر میں ہوتی ہے۔ قرآن و احادیث کی حاضر امام کی روایات اور احکامات کے مطابق تشریح کرتے ہیں کیونکہ اسماعیلیت کی روح ''دین کو امام حاضر کی تشریح کے مطابق سمجھنا ہے''۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ نزاری اسماعیلی اسلام کے ظواہر پر عمل پیرا نہیں۔ امام کے احکامات کے مطابق دین کی اصلیت، حقیقت اور روح اس کا باطن ہے۔ عقائد اسماعیلیہ (جو تمام اسماعیلی فرقوں میں مشترک ہیں) کے بنیادی اصول یہ ہیں کہ ائمہ منصوص من اللہ ہیں اور ان کا نسل حضرت علی سے ہی

ہونا بھی ضروری ہے۔امام پر نص کا ہونا لازمی ہے، یعنی سابقہ امام اپنے قائم مقام کا تعین کرے، تسلسل امامت کا ہونا بھی ضروری ہے لیکن نزاریوں کے علاوہ دیگر تمام اسماعیلی فرقوں میں امامت کا سلسلہ رک گیا ہے۔جیسے قرامطہ کل سات (۷) ائمہ کو مانتے ہیں۔ساتویں امام محمد بن اسماعیل کو قائم القیامہ سمجھتے ہیں۔دروزی سولہ (۱۶) ائمہ کو مانتے ہیں۔حاکم بامر اللہ کو قائم القیامہ اور آخری امام سمجھتے ہیں۔مستعلوی اکیس (۲۱) ائمہ کو مانتے ہیں۔امام طیب کو امام غائب تصور کرتے ہیں۔اسی طرح امامت بھائی سے بھائی کی طرف منتقل نہیں ہوتی ہے۔مستعلویوں کے نزدیک سوائے حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین کے۔اسماعیلی اپنے عقائد کو فلسفیانہ انداز میں اس طرح پیش کرتے ہیں کہ ایک عام انسان کو ان کے عقائد اور نظریات کو سمجھنا کافی دشوار ہے۔امامت ان کے عقائد میں اساس کی حیثیت رکھتی ہے۔شیعہ اسماعیلی دین کے اصول اور فروع کا ایک منظم مجموعہ پیش کرتے ہیں جنھیں سات ستون، دعائم الدین اور ارکان الدین کا نام دیا جاتا ہے۔اس مجموعہ کو امام جعفر صادقؑ کی ایک حدیث کے مصداق قرار دیتے ہیں، جیسا کہ القاضی ابوحنیفہ النعمان بن محمد کی کتاب دعائم الاسلام کے مقدمہ میں تحریر ہے:

> امام جعفر بن محمد صادق سے روایت ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ اسلام کی بنیاد سات ستونوں پر ہے۔
> اوّل ولایت جو سب سے افضل ہے اور اسی ولایت ولی سے دوسرے تمام دعائم (ستون) کی معرفت تک پہنچا جاسکتا ہے۔دوم طہارت، سوم نماز، چہارم زکوٰۃ، پنجم روزہ، ششم حج، ہفتم جہاد (۱۰)

اصول دین کی یہ فہرست قدیم کتب میں پائی جاتی ہیں، جنھیں موجودہ اسماعیلی مستعالی فرقہ من عن قبول کرتا ہے اور ان پر عمل پیرا بھی ہے جبکہ اس کے برعکس اسماعیلی نزاریہ کے تیسویں امام کے یوم القیامہ کے اعلان اور اسکی فلسفیانہ توضیح کے بعد اب نزاری اسماعیلی اسلام کے احکام کے ظواہرات پر عمل پیرا نہیں ہیں، جس کی وجہ سے اصول دین اور فروع دین کی مندرجہ بالا ترتیب کی جگہ فلسفیانہ تشریحات اصول اور فروع کی شکل میں نزاریوں کے پاس موجود ہیں۔اس حوالے سے آغا خانی دانشور نصیر الدین ہنزائی کی تالیفات کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔خصوصًا ان کی کتاب ''سلسلہ نور امامت'' اس موضوع پر اہم ترین کتاب ہے۔موصوف نزاری مذہب کے موجودہ اصول دین اور فروع دین کے بارے میں رقم طراز ہیں:

> اصول دین چار ہیں؛ عقل کل، نفس کل، ناطق اور اساس۔ان میں سے دو اصل: عقل کل اور نفس کل روحانی ہیں۔دو اصل ناطق اور اساس جسمانی ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔فروع دین چھ ہیں: جدّ، فتح، خیال، امام، حجت، داعی ان میں سے تین فرع: جد، فتح اور خیال، روحانی ہیں اور تین فرع: امام، حجت اور داعی جسمانی ہیں۔جدّ اسرافیل، فتح میکائیل اور خیال جبرائیل کے نام ہیں۔امام سے مراد امامِ زمان، حجّت کا مطلب اٹھائیس حجتوں میں سب سے بڑا یعنی باب یا امام کا وہ فرزند جو لاحق نور ہو اور داعی سے مراد تین سو ساٹھ داعیوں میں سے وہ داعی ہے جو حجتِ اعظم کا لاحق ہو۔(۱۱)

بوہروں کے عقائد

بوہرے عامۃ المسلمین کی طرح توحید، رسالت اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔ جیسا کہ حصہ اول میں بیان کیا جا چکا ہے رسول اکرمؐ کے بعد وہ امام علیؑ کو اپنا پیشوا جانتے ہیں۔ ان کے بعد امام حسنؑ، امام حسینؑ، امام علی زین العابدینؑ، امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کی امامت پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ ان کے بعد تمام اسماعیلی حضرت اسماعیل بن جعفر کی امامت کا عقیدہ رکھتے ہیں اور ان کے بعد مستنصر باللہ تک کی امامت میں اسماعیلیوں کے مابین اختلاف نہیں۔ مستنصر باللہ کے بعد بوہرے مستعلی باللہ کی امامت کو قبول کرتے ہیں۔ مستعلی چھ سال کا تھا کہ تخت نشین ہوا اور ۲۸ برس کی عمر میں وفات پا گیا۔ اس کے بعد الآمر باحکام اللہ ۴۹۵ھ میں ۵ برس کی عمر میں حکمران بنا۔ بوہروں کا عقیدہ ہے کہ اس کا کم سن بیٹا طیب تھا جس کے حق میں الآمر نے وصیت کی تھی۔ بہروں کے امام طیب اور ان کی اولاد سب پردہ غیبت میں ہیں۔ یہی نظریہ ان کا اہم ترین امتیازی عقیدہ ہے۔ اس سلسلے میں ظ انصاری رقم طراز ہیں:

> ایمان کے درجات کے ساتھ علم دین کے درجات مقرر ہیں جو بصیرت بڑھنے کے ساتھ ساتھ طے ہوتے ہیں۔ قرآن وحدیث کے ظاہرہ الفاظ سے باطنی معانی تک پہنچنا علم وعمل کی طہارت کا ایک زینہ ہے جو فاطمی ائمۃ کی ہدایت میں طے ہوتا ہے۔ قرآن، حدیث، احکام شریعت اور نیک اعمال کو اسماعیلی بھی تمام امت اسلامی کی طرح اولین درجہ دیتے ہیں لیکن اسی کے ساتھ جہاں اشتباہ یا ابہام ہو یا تاویل وتفسیر کی ضرورت ہو، وہاں ''باب العلم'' سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ اگر امام زمانہ ظاہر ہوں تو وہ بذاتِ خود ورنہ ان کی طرف سے دعوت حق دینے اور دینی مسائل میں راہ دکھانے کے لیے ایسی ہستیاں موجود رہتی ہیں جنھیں امام کی طرف سے امت پر کامل اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔
>
> یہی ہستی ''داعی مطلق'' کی ہے جو نائب امام ہے۔ امام اور امت کے درمیان ایک ظاہری واسطہ ہے۔ جب تک امام بہ نفس نفیس ظاہر نہ ہوں، داعی مطلق ان کی طرف سے نیابت اور ہدایت کے فرائض انجام دیتے رہتے ہیں اور ان کا ایک فریضہ یہ بھی ہے کہ اپنے زمانے کے اہل علم اور اہل تقویٰ میں سب سے بہتر انسان کو چن کر آئندہ کے لیے ''داعی مطلق'' مقرر کریں۔

''داعی مطلق''، علم، فضل اور تقویٰ میں نائب امام ہونے کے باوجود خود کو غلامانِ محمدؐ وآل محمدؐ سے شمار کرتے ہیں اور یہی الفاظ ''مملوک آلِ محمدؐ'' اپنی شان میں استعمال کرنا قابل فخر سمجھتے ہیں۔

امام طیب کے بعد (بارھویں صدی عیسوی) ائمۃ فاطمیین کا سلسلہ نسل درنسل جاری تو ہے۔ لیکن منظر عام پر نہیں بلکہ ستر میں ہے اور امام زمانہ کی ہدایات کی روشنی میں ''داعی مطلق'' نیابت کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ (۱۲)

بوہرہ مسلک کے مطابق بھی امام معصوم ہوتا ہے جیسا کہ ظ انصاری لکھتے ہیں:

اسماعیلی عقیدہ ہے کہ تمام ائمہ طاہرین معصوم ہوتے ہیں۔ ان سے کوئی کبیرہ یا صغیرہ گناہ صادر نہیں ہوسکتا اور جہاں قرآن مجید یا حدیثوں میں، بعض مقامات پر ایسے الفاظ آگئے ہیں جن سے ظاہر بیں نظر کو مغالطہ ہوتا ہے کہ انبیا یا اماموں سے گناہ ہوسکتا تھا، وہاں علم اہل بیت کی روشنی میں پتہ چلتا ہے کہ ان الفاظ کے معنی کیا ہیں۔ رسول اللہ کا یہ فرمانا کہ ''انا مدینة العلم و علی بابها'' دراصل یہی دکھاتا ہے کہ علم دین کی کنجی ان تاویلات میں پوشیدہ ہے جو امیر المومنین حضرت علیؑ اور ائمۃ فاطمیین کے ذریعے معلوم ہوتی ہیں۔ (۱۳)

ائمہ کی نیابت کا سلسلہ

بوہروں کے ہاں چونکہ اس وقت ائمہ کی نیابت کا سلسلہ جاری ہے، ان کا نظریہ یہ ہے کہ نیابت کا یہ سلسلہ خود ان کے ائمہ کی زندگی میں بھی جاری تھا اور ان کی طرف سے نقیب یا ترجمان مقرر کیے جاتے تھے چنانچہ ظ انصاری اپنی کتاب فاطمی وراثت میں اس امر کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

حضرت علیؑ سے لے کر آج تک یہ سلسلہ جاری وساری ہے اور ہمیشہ برقرار رہے گا۔ ائمۃ فاطمیین کا تعلیمی عمل اس کی شہادت دیتا ہے۔ وہ اپنے زمانے کے سب سے ذی علم اور صاحب بصیرت لوگوں کو چن کر خود ان کی تعلیم و تربیت فرمایا کرتے تھے اور ان کے ذریعے اپنا علمی، دینی اور تنظیمی پیغام دوسرے علاقوں تک پہنچاتے تھے۔ یہ حضرات امام کے نقیب یا ترجمان ہوتے تھے۔ سیدنا قاضی نعمان، سیدنا مویدشیرازی اور سیدنا حمید الدین کرمانی بھی انہی میں سے تھے۔ فقہ کی تاویل کلام پاک کی تفسیر اور فلسفے کی توضیح میں وہ دراصل امام کی ہدایت اور تعلیمات کی اشاعت کرتے تھے۔

مصر میں فاطمی حکومت قائم ہونے سے پہلے بھی یہ عمل جاری تھا، حکومت ختم ہونے کے بعد بھی جاری رہا۔ یمن کو خاص طور پر اس مقصد کے لیے چنا گیا۔ بہت سا فاطمی ادب وہاں منتقل کردیا گیا۔ فاطمی امام المستنصر باللہ کی طرف سے سیدنا علی بن محمد الصلیحی یمن میں حجت تھے اور انھوں نے جب حج کی اجازت حاصل کرنے کے لیے اپنے خاص مددگار سیدنا لملک بن مالک کے پاس روانہ کیا تو وہ وہیں روک لیے گئے اور سیدنا مؤیدشیرازی کے مکان میں رکھا گیا تاکہ اس عرصے میں ان کی ذہنی تربیت ہوجائے۔ اس کے بعد جب وہ یمن واپس آئے تو انھوں نے اپنے بیٹے سیدنا یحیٰی کو اس تعلیم خاص

سے سرفراز کیا اور ان کے بیٹے سیدنا یحییٰ بن ملک نے پہلے داعی مطلق سیدنا ذوئب بن موسیٰ کو اسی طرح فاطمی عقائد خصوصاً تاویل وحقیقۃ کی تعلیم دی۔ غرض کہ اول امام سے ذہنی تربیت اور طہارت کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ تمام حالات میں سینہ بہ سینہ جاری رہا۔ (۱۴)

یہ بات قابل ذکر ہے کہ ظ انصاری کی کتاب فاطمی وراثت بوہروں کے دینی مرکز الجامعۃ السیفیہ کی طرف سے شائع کی گئی ہے۔

بوہروں میں غائب امام کے نائب کی حیثیت ''تقریب بین المذاہب'' اور دیگر شیعہ ادارے اسی طرح بیان کرتے ہیں، ملاحظہ ہو:

بوہروں کے امام اور ان کے جانشین سب غائب ہیں یہ بوہروں کا اہم ترین اصول عقیدہ ہے اور جو داعی ہیں وہ امام کے حکم سے اس کے جانشین بنتے ہیں ان کی پہلی دینی کتاب قرآن ہے۔ صرف داعی ہی قرآن کے باطن تک رسائی حاصل کرسکتا ہے، حدیث وسنت رسول اکرم ﷺ بھی ان کے منابع دینی میں شامل ہیں، بوہرے خدا کی وحدانیت پر یقین رکھتے ہیں اور مفہوم خدا نہایت مجرد اور دور از ذہن ہے، بوہرے رسول اکرم ﷺ کو خاتم الانبیاء اور اپنے داعی کو رسول کی صلاحیتوں کا حامل سمجھتے ہیں۔

بوہروں کے عقائد وفرائض

ذیل میں بوہروں کے ہاں رائج دینی عقائد وفرائض کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

بوہروں کے نزدیک رسول اسلام ﷺ کے اہل بیت کی مودت ومحبت رکن اسلام ہے۔ یہ لوگ قسم یثاق میں جس پر تمام بوہرے متفق ہیں کہتے ہیں کہ ''صدق دل سے امام ابوالقاسم امیر المومنین جو تمھارے امام ہیں پیروی کریں'' ان کے فرائض پنجگانہ اس طرح ہیں:

نماز

ان کی اذان شیعہ اثنا عشری کی طرح ہے لیکن وضو کا طریقہ اہل سنت کی طرح ہے۔ بوہرے نماز کے دوران ہاتھ کھلے رکھتے ہیں۔ نماز کے لئے ان کا لباس مخصوص ہوتا ہے۔ یہ لوگ تین وقت نماز پڑھتے ہیں اور ہر نماز کے اختتام پر رسول اسلام ﷺ، حضرت علی، حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہما اور اپنے اکیس اماموں کے نام لیتے ہیں۔

بوہرے نماز جمعہ کے قائل نہیں ہیں ان کی دعاؤں کی کتاب کا نام ''صحیفۃ الصلاۃ'' ہے۔ بوہروں کے نزدیک شفاعت کا نہایت اہم مقام ہے۔

زکات

ہر بوہرے پر زکات واجب ہے۔ان پر چھ طرح کی زکاتیں واجب ہیں جوحسب ذیل ہیں:

ا۔زکات صلات:اس کی مقدار چار آنہ ہےاور ہر فرد پر واجب ہے۔

۲۔زکات فطرہ:اس کی مقدار بھی چار آنے ہے۔

۳۔زکات حق النفس:یہ زکات عروج ارواح اموات ہے جس کی مقدار ایک سوانیس روپے ہے۔

۴۔حق نکاح:یہ زکات حق ازدواج کے طور پرادا کی جاتی ہے۔اس کی مقدار گیارہ روپے ہے۔

۵۔زکات سلامی سیدنا:یہ داعی مطلق کے لئے نقدی تحفے ہیں۔

۶۔زکات دعوت:یہ زکات دعوت کے اخراجات پورے کرنے کے لئے ادا کی جاتی ہےاور تین طرح کی ہے۔

الف۔آمدنی پر ٹیکس جوکہ تاجر برادری سے لی جاتی ہے۔

ب۔خمس:جوکہ متوقع آمدنی کا ایک بٹا پانچ حصہ ہوتا ہے جیسے وراثت میں ملنے والے اموال۔

ج۔وہ لوگ جو بیماری کی وجہ سے نماز و روزہ ادا نہیں کر سکتے ان پر بھی یہ زکات واجب ہے۔

7۔نذر مقام:امام غائب کی نذر کے لے جو پیسہ رکھا جاتا ہےاسے نذر مقام کہتے ہیں۔

روزہ

بوہروں کا روزہ تیس دنوں کا ماہ رمضان میں ہوتا ہے یہ لوگ ہر مہینے کی پہلی اور آخری تاریخ اور ہر پنج شنبہ کو بھی روزہ رکھتے ہیں اس کے علاوہ ہر مہینے کے درمیانی بدھ کو بھی روزہ رکھتے ہیں۔روزے اہل سنت سے چندروز قبل شروع کر کے چندروز پہلے ہی تمام کرتے ہیں۔

حج وزیارت

بوہروں کے نزدیک استطاعت رکھنے والوں پر حج واجب ہے اور اس فریضے کے لئے ضروری ہے کہ قسم میثاق کھائی جائے۔

یہ لوگ مکہ کے علاوہ کربلا کی زیارت کو بھی جاتے ہیں اور کچھ لوگ نجف وقاہرہ بھی جاتے ہیں۔بھارت میں بوہروں کی مشہور زیارت گاہیں احمد آباد،سورت ، جام نگر، مانڈوی،اجین اور برہاں پور میں ہیں۔بوہروں کے مشاہد اولیاء میں ان مقامات کا نام لیا جا سکتا ہے مقبرہ جندہ بھائی بمبئی،مقبرہ نتا بھائی،مقبرہ مولانا وحید بھائی،مقبرہ مولانا نور الدین بمبئی۔

نذر

بوہروں کے نزدیک محرم کے تابوتوں اور تعزیوں کے لئے نذر کرنا شرک ہے لیکن ان کے نزدیک اولیاء خدا کے مزارات پر نذر کرنا جائز ہے۔اس کے علاوہ وہ اور بھی نذورات کے قائل ہیں جیسے معین دنوں میں نذر کا روزہ رکھنا،بعض دعائیں بار بار پڑھنا،کھانا کھلانا،مذہبی مقامات تعمیر کرنا اور وقف کرنا۔

جہاد

بوہروں پر عہد اولیاء کی بنا پر جہاد واجب ہے اور جہاد ہر زمانے میں جب بھی امام یا داعی ضروری سمجھیں واجب ہے اور اس میں خلوص سے شرکت لازمی ہے۔

حشر ونشر

بوہرے حشر ونشر وقیامت کے بارے میں فاطمیوں کے عقائد کے تابع ہیں۔سعادت کی واحد راہ امام کی راہ اور امام کی پیروی ہے۔موت کے بعد بھی سعادت کی راہ جاری رہتی ہے، یہاں تک کہ مومن بوہرہ خدا سے جاملتا ہے اور دونوں ایک ہو جاتے ہیں بنابریں نیک بوہرے کی روح موت کے بعد اس کے نفس سے، جو ابھی دنیا میں ہے، نزدیک ہوتی جاتی ہے اس طرح زندہ شخص کو خیر وشر کا الہام ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ اس سے تعلیم بھی حاصل کرتی ہے۔

بینکنگ

بوہرہ مسلک کے نزدیک بینکنگ نظام کا سود جائز نہیں ہے۔انھوں نے اس کے متبادل کے طور پر قرض الحسنہ کا اپنا نظام قائم کر رکھا ہے۔

منشیات

بوہرہ مسلک کے لوگ منشیات اور شراب کو حرام جانتے ہیں بلکہ سیدنا برہان الدین کے فرمان کے مطابق تمبا کو نوشی سے بھی پرہیز کرتے ہیں۔

خصوصی لباس

بوہرہ مردوں اور عورتوں کا اپنا ایک خاص لباس ہوتا ہے جس سے وہ پہچانے جاتے ہیں۔مرد پاکستانی طرز کی شلوار قمیض پہنتے ہیں قمیض پر ایک خاص طرح کی زری کاری کی گئی ہوتی ہے۔عورتوں کے مخصوص لباس میں ایک خاص طرح کا اسکارف

ہوتا ہے۔ یہ ایک سادہ لباس ہوتا ہے۔

بوہرہ کیلنڈر

بوہروں کا اپنا ایک کیلنڈر ہے جو بہت حد تک قمری تقویم سے ملتا جلتا ہے۔ اسے مصری کیلنڈر کہا جاتا ہے۔ یہ محرم الحرام سے شروع ہوتا ہے اور ذوالحجہ پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں رمضان المبارک کے دن ہمیشہ ۳۰ ہوتے ہیں۔ ان کے مہینوں کے آغاز کا تعلق رویت ہلال سے نہیں بلکہ انھوں نے اپنے لیے خود سے ایک دائمی کیلنڈر ترتیب دے رکھا ہے۔

مراسم محرم

بوہروں کے نزدیک محرم انتہائی مقدس مہینہ ہے۔ محرم میں وہ خصوصی مراسم کا اہتمام کرتے ہیں۔ وہ مجالس عزا کا اہتمام کرتے ہیں۔ امام حسینؑ کی یاد میں گریہ وزاری کرتے ہیں لیکن زنجیر زنی نہیں کرتے۔

بوہرے یکم محرم الحرام کو سال نو کی مناسبت سے جشن کا اہتمام کرتے ہیں اور دو محرم تا ۱۰ محرم مجالس عزا منعقد کرتے ہیں۔ دس محرم الحرام کو اگرچہ روزہ نہیں رکھتے لیکن کھانے پینے سے اجتناب کرتے ہیں۔

دس محرم الحرام کو داعی مطلق خصوصی خطاب کرتے ہیں دنیا بھر میں اس مسلک کے وابستگان اس تقریر کو سننے کی کوشش کرتے ہیں جسے جدید وسائل کے ذریعہ نشر کیا جاتا ہے۔

حج

حج کے معمولات بوہروں کے دیگر مسلمانوں سے ملتے جلتے ہیں البتہ منیٰ میں قربانی ایک دن پہلے ہیں۔ (۱۵)

حواشی

(۱) فرہاد دفتری، مترجم، عزیز اللہ نجیب: (اسماعیلی تاریخ کا ایک مختصر جائزہ، ۱۹۹۸، لبرٹی بکس، کراچی) ص ۹۹ تا ۱۱۲

(۲) زاہد علی، ڈاکٹر: ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام (مکتبہ بیّنات، بنوری ٹاؤن کراچی) ص: ل تا س

(۳) Valliani, Amin, Dr: Ismaili Community in Pakistan: Its Doctrines, History and Present Makeup(Pakistan Perspctives Vol 11, Jan-June,2006 Pakistan study center Karachi)

Valliani, Amin, Dr: Ismaili Community in Pakistan(۴)

Valliani, Amin, Dr: Ismaili Community in Pakistan(۵)

Valliani, Amin, Dr: Ismaili Community in Pakistan(۶)

Valliani, Amin, Dr: Ismaili Community in Pakistan(۷)

(۸) دفتری، فرہاد: اسماعیلی تاریخ و عقائد، مترجم: ڈاکٹر عزیز اللہ نجیب (اقبال برادر، کراچی) ص: ۳۹۴

(۹) دفتری، فرہاد: اسماعیلی تاریخ و عقائد، مترجم: ڈاکٹر عزیز اللہ نجیب (اقبال برادر، کراچی) ص: ۵۴۸

(۱۰) دعائم الاسلام، ج۱، ص۳، القاضی ابوحنیفہ النعمان بن محمد مترجم یونس شکیب مبارکپوری

(۱۱) ہنزائی، نصیر الدین: سلسلہ نور امامت (خانہ حکمت، اے نور ویلا، ۲۶۹ گارڈن ویسٹ، کراچی) ص: ۳۲ تا ۳۵

(۱۲) انصاری، ظ: فاطمی وراثت (دائرۃ الطبع والنشر، الجامعۃ السلفیہ) ص: ۱۴ تا ۱۷

(۱۳) انصاری، ظ: فاطمی وراثت (دائرۃ الطبع والنشر، الجامعۃ السلفیہ) ص ۱۵

(۱۴) انصاری، ظ: فاطمی وراثت (دائرۃ الطبع والنشر، الجامعۃ السلفیہ) ص ۱۴، ۱۵

http://www.taghrib.ir/urdu/index.php?option=com_content&view=article&ids(۱۵)

=http://www.shiastudies.com/urdu/modules.php?name=news&file=print&sid

عصری مسائل

عصری مسائل کے حوالے سے آغا خانی اسماعیلی نظریات پیش کرنے کے لیے ہم جناب ڈاکٹر امین والیانی کے ایک مقالے سے استفادہ کریں گے جس کا عنوان ہے Modernization in Ismaili Community of Pakistan ۔البتہ ہم پورے مقالے کا ترجمہ یہاں پر پیش نہیں کر رہے بلکہ مختلف موضوعات پر ان کے چند اقتباسات ذیل میں قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں:

جدیدیت

اسماعیلی جدیدیت کو ایسا عمل تصور کرتے ہیں جس کا کوئی اختتام نہیں اس کا مقصد موروثی امام کی سربراہی میں فلاح کا حصول ہے۔اس عمل نے کمیونٹی کو سماجی، تعلیمی اور اقتصادی لحاظ سے عروج بخشا اور اسے حکمت عملی کے اعتبار سے غیروں کی نظر میں ایک اہم مقام عطا کیا ہے۔دیگر روایتی طبقات کے برعکس موجودہ دور کی اسماعیلی کمیونٹی نئے نظریات کو آسانی سے قبول کرنے والی اور سماجی بہبود کے کاموں میں لچک دار رویوں کی حامل ہے۔اگرچہ توقعات کے مطابق کام نہیں کیا جاسکا تاہم ایک منصوبہ بندی اور سمت کے تعین کے ساتھ کوشش جاری ہے۔

اس موضوع پر امین والیانی مزید لکھتے ہیں:

اسماعیلی کمیونٹی کی ترقی کا عمل عالمی جدت کے عمل سے ہم آہنگ ہے جس کا آغاز موروثی امام آغا خان نے کیا ہے جو کہ رسول خداؐ کی نسل ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔گذشتہ نصف صدی میں اسماعیلی کمیونٹی نے جدت پسندی کے ثمرات سے استفادہ کیا ہے۔اس عمل کی بنیادیں افراد کی بنیادی ضروریات کی فراہمی پر قائم ہیں جو ثقافتی، مذہبی، روحانی اور مابعد الطبیعاتی ضروریات سے پہلے پوری ہونی چاہئیں۔آغا خان نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا:''یہ انسانی زندگی کی ہدایت اس انداز میں کرتا ہے کہ فرد کو ترغیب دلاتا ہے کہ اپنی اپنی دنیاوی زندگی میں توازن قائم کرے۔لیکن کوئی مرد، عورت یا بچہ یہ توازن ایسی حالت میں حاصل نہیں کرسکتا جبکہ وہ بیمار، جاہل یا بدبختی کے زیر اثر ہو۔''

پس گذشتہ پچاس سالہ دور کو جدت کے عمل کے ذریعے توازن کے حصول کے سال کے طور پر جانا جاسکتا ہے۔ یہ عرصہ نہ فقط ممتاز حیثیت کا حامل ہے بلکہ گذشتہ تمام ادوار کی نسبت اعلیٰ حیثیت کا حامل ہے۔اس جدت عمل کے نتیجے میں اسماعیلی کمیونٹی، مادی نقطہ نظر سے روشن خیال، ترقی یافتہ اور تعلیم یافتہ کمیونٹی کے طور پر سامنے آئی ہے لیکن کسی حد تک روحانی زندگی بے نور ہوگئی ہے جبکہ امام اکثر ہدایت کرتے رہتے ہیں کہ اپنی مادی وروحانی زندگی کے درمیان توازن رکھیں۔اسی طرح کمیونٹی نے زیادہ سے زیادہ لغاتی، ثقافتی اور معاشی رجحانات کو اپنے اندر سمویا۔نئی ٹیکنالوجی اسماعیلیوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔موجودہ ڈش انٹینا، موبائل، انٹرنیٹ اور کمپیوٹرز نے اسماعیلیوں کے گھروں، دفتروں اور فیکٹریوں میں پہلی ایجادات کی نسبت جلد نفوذ حاصل کرلیا ہے۔ مادی ترقی لوگوں کو سہل پرست بنادیتی ہے اور بعض قدیمی روایات سے دور کردیتی ہے لیکن اسماعیلیوں کے معاملہ میں مذہب نے افراد معاشرہ کی بہبود اور مادی ترقی کے پھیلاؤ میں معاون کردار ادا کیا ہے۔ یہ بات بدیہی تھی کہ اگر کمیونٹی نے تمام شعبہ جات میں ترقی کرنا ہے تو اسے معاشی طور پر مستحکم ہونا چاہیے۔

آغا خانی جدیدیت کا مغرب سے فرق

ڈاکٹر امین والیانی اسماعیلی نظریۂ جدیدیت کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ مغرب کے نظریۂ جدیدیت سے اپنا فرق بھی بیان کرتے ہیں:

> مغرب کے تناظر میں جدت سے مراد الٰہیات سے بے بہرہ خودمختار انسان ہے جو کہ ہر شے سے ماوراء ہے سمجھا جاتا ہے۔دوسرے ضروری لوازمات جو جدت کا لازمہ سمجھے جاتے ہیں میں تکنیکی، معاشی، سماجی، تعلیمی اور ابلاغی امور شامل ہیں جنھوں نے ترقی کی غیر متوازی قوتوں کو آزاد چھوڑ دیا ہے۔
>
> مغرب کے برعکس اسماعیلی کمیونٹی میں جدت کا یہ عمل جداگانہ، مہارت پر مبنی اور نتیجہ طلب ہے۔ یہاں اس سے مراد کمیونٹی کی فلاح اور روشن خیالی ہے۔اس کا مقصد مادی ترقی کا حصول، تعلیمی بہتری، صحت کی سہولیات کی دستیابی اور عام آدمی کی آمدن میں اضافہ ہے۔ یہ مابعد الطبعیات، روحانیات اور انسانی زندگی کے اخلاقی پہلوؤں سے انکار نہیں کرتا۔

خواتین کے بارے میں آغا خانی نظریہ

ڈاکٹر والیانی نے الگ سے تو خواتین کے حوالے سے آغا خانی نظریہ بیان نہیں کیا تاہم ان کے مقالے میں بعض

مقامات پر خواتین کے بارے میں ان کا نظریہ مختصر عبارات میں آیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

اسماعیلی کمیونٹی نے اپنے آپ کو مساوات پر مبنی معاشرے کے قالب میں ڈھالا جہاں خواتین کو بھی سماجی کاموں میں شرکت کے بھرپور مواقع دیے گئے۔ ساتھ ساتھ قدیم خاندانی نظام کو بھی قائم رکھا گیا۔۔۔ نئی صدی میں کمیونٹی نہایت آہستگی سے آگے بڑھی ہے جبکہ روایات کی اندھی تقلید سے روشن خیالی منطق پر مبنی ثقافت کے پیرائے میں تیزی سے ڈھل رہی ہے۔ یہ تبدیلی کمیونٹی کے ہر اس ریشے میں دیکھی جاسکتی ہے جہاں عورت کی ادارہ سازی، تعلیم اور سماجی آگاہی نے ایک نئی ثقافت کو جنم دیا ہے۔

غیر سیاسی امام

اسماعیلی تاریخ سیاسی جدوجہد سے پُر ہے۔ تاہم پہلے مرحلے میں ایران میں قلعہ الموت میں قائم نزاری اسماعیلیوں کی حکومت کے زوال کے بعد اور پھر دوسرے مرحلے میں بیسویں صدی کے اوائل سے آغا خان اوّل کے تقرر کے بعد نزاری اسمعیلیہ حکمت عملی میں ایک تبدیلی رونما ہوئی اور نزاری ائمہ نے غیر سیاسی طرز عمل اختیار کیا، اسی کی طرف ڈاکٹر امین والیانی نے اپنی اس عبارت میں اشارہ کیا ہے:

منصب امامت گذشتہ صدی میں یورپ کی طرف منتقل ہوا۔ حالیہ امام آغا خان چہارم مغربی ماحول میں پلے بڑھے اور وہیں تعلیم حاصل کی۔ عظیم شراکتی ادارے جو آپ کی ملکیت میں ہیں کے تناظر میں آپ ایک سرمایہ دار ہیں۔ آپ ایک غیر سیاسی شخصیت ہیں جس کا کسی سیاسی نظریہ، یا فلسفہ سے تمسک نہیں تاہم دنیا کے تمام گروہوں کے ساتھ تعلقات رکھتے ہیں۔ تیسری دنیا کے ممالک میں جہاں آپ کے پیروکاروں کی تعداد لاکھوں میں ہے لیکن وہاں پر جمہوری یا فوجی راج ہے میں سول سوسائٹی کے لئے اداروں کی تشکیل کے لئے آپ کی جدوجہد قابل ذکر ہے جس کا مقصد اپنے پیروکاروں کے لئے پرامن ماحول کا حصول اور اپنے ترقیاتی منصوبوں کے لئے حکومتی تعاون کا حصول ہے۔ امن وتحفظ ان تمام اداروں پر فوقیت رکھتے ہیں۔ ترقی یافتہ مغربی دنیا میں اسلام کی جدید تصویر کی عکاسی کرتے ہوئے آپ نے عقیدتی اور دوستانہ رضامندی حاصل کی ہوئی ہے۔ مذہبی نقطہ نظر سے آپ کمیونٹی کے دینی امور میں کامل اختیار کے حامل ہیں۔ اسماعیلی اپنی مادی ترقی کے باوجود نسبی امام کے مطیع اور مخلص ہیں۔ وہ آپ کے حضور مادی وروحانی ترقی کی خاطر تعظیماً جھکتے ہیں۔

امام کا رہن سہن رول ماڈل نہیں

جیسا کہ امین والیانی نے بیان کیا ہے دورِ حاضر کے آغا خانی امام مغربی معاشرے میں ایک بڑے سرمایہ دار کی حیثیت

سے زندگی گزار رہے ہیں۔ دوسری طرف وہ ایک روحانی منصب کے حامل ہیں، ایسے میں ان کی زندگی ان کے عام پیروکاروں کے لیے ایک رول ماڈل قرار پاتی ہے یا نہیں، یہ سوال ڈاکٹر امین والیانی کے پیش نظر بھی ہے، وہ اس کا جواب ان الفاظ میں دیتے ہیں:

> اسماعیلیوں کے لئے امام کا رہن سہن کسی نمونے کا حامل نہیں ہے۔ دوسرے الفاظ میں آپ کے ذاتی معاملات، طرز زندگی اور کام کرنے کا انداز کسی اسماعیلی کے لئے قابل تقلید نہیں ہے۔ کوئی اسماعیلی آپ کی ذاتی زندگی، طرز رہن سہن پر کوئی سوال نہیں اٹھا سکتا۔ نہ ہی اس موضوع کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔ تاہم کمیونٹی میں آگاہی پیدا کرنے، وقت کی ضروریات سے ہم آہنگ ہونے اور مذہبی روایات کی پاسداری کے لئے آپ کی کوششیں قابل ذکر ہیں۔ امام ہونے کی حیثیت سے جدت کے مطلوبہ نتائج خاص وقت میں حاصل کرنے کے لئے کمیونٹی کو متحرک کرنا آپ کے لئے آسان ہے۔

امام چنا نہیں جاتا اور جوابدہ نہیں ہوتا

امامت کے بارے میں عمومی شیعہ نظریہ یہی ہے کہ وہ منصوب اور منصوص ہوتا ہے۔ یہی نظریہ اسماعیلیوں کا بھی ہے۔ اس حوالے سے آغا خانی دانشور ڈاکٹر امین والیانی اپنے مسلک کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> روشن خیالی کے بنیادی عناصر مثلاً جمہوریت، سیکولرزم اور انفرادیت وغیرہ اسماعیلی کمیونٹی میں کم ہی استعمال ہوتے ہیں۔ امام نہ چنا جاتا ہے نہ ہی ان کی تنصیب ہوتی ہے اور نہ ہی وہ کمیونٹی کے سامنے اپنے اعمال کے لیے جوابدہ ہیں۔

نوٹ: ڈاکٹر امین والیانی کے مندرجہ بالا اقتباسات ان کے ذیل مقالے کے اردو ترجمہ پر مشتمل ہیں:

Valliani, Amin, Dr: Modernization in Ismaili Community of Pakistan (Quarterly Journal of the Pakistan Historical Society vol LIII, Bait al-Hikmah at Madinat al-Haikmah,Karachi)

عمومی معلومات

اسماعیلی علماء

اسماعیلیوں کی ابتدائی تاریخ میں بڑے نامور علماء گزرے ہیں۔ فاطمی حکمران المستنصر باللہ کے دور تک کے اسماعیلی علماء تمام اسماعیلی گروہوں میں مشترک اور محترم ہیں ہم یہاں پر انہی میں سے چند ایک کا تعارف پیش کرتے ہیں۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ دور فاطمیین میں جن علماء اور اہل تصنیف نے قابل ذکر مقام حاصل کیا ان میں اکثریت ان عالموں کی ہے جنھیں فاطمی حکمران جو اسماعیلی امام کا درجہ بھی رکھتے ہیں خود تبلیغ دین کے لئے چنتے تھے اور اپنے نائب کی حیثیت سے مختلف مقامات کو روانہ کرتے تھے۔ ان علماء میں سے چند قابل ذکر یہ ہیں:

ابوحاتم الرازی: ابوحاتم الرازی فاطمی دور کے پہلا داعی تھے، انھوں نے فلسفہ، لغت، تفسیر اور فقہ میں کمال حاصل کیا۔ ان کی مشہور ترین کتاب ''کتاب الزینۃ فی لغۃ القرآن'' ہے جو تفسیر، حدیث اور لغت کا بیش بہا کارنامہ سمجھی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ان کی مشہور ترین کتاب ''اَعلامُ النُّبُوَّۃِ'' ہے جس کا اردو ترجمہ مع حاشیہ ڈاکٹر عزیز اللہ نجیب نے کیا ہے۔ کتاب ہذا میں تحقیق اور استخراج پر ہمدرد یونیورسٹی کراچی نے عزیز اللہ نجیب کو پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی ہے۔

ابوعبداللہ النسفی: انھوں نے نصر بن احمد سامانی کے دور میں اسماعیلی دعوت کو عام کیا۔ ان کی کتاب ''المحصول'' اور ''کون العالم'' بہت فکر انگیز ثابت ہوئی ہیں۔

ابویعقوب السجستانی: یہ مذہب اسماعیلیہ کے ایک بڑے داعی ہونے کے ساتھ ایک عظیم فلسفی بھی تھے۔ ان کی کتب میں کتاب ''الینابیع'' ان کی زندہ جاوید تصنیف ہے۔ ان کی زیادہ مشہور کتابیں ''کتاب الافتخار اور رسائل الحاکم ہیں، اول الذکر میں علم تاویل پر زیادہ ابحاث ہیں جبکہ ثانی الذکر میں اسماعیلیہ کے فرقوں بالخصوص فرقہ دروز پر ابحاث موجود ہیں۔

جعفر بن منصور الیمن: جعفر بن منصور عالم تبحر اور ادیب ہونے کے علاوہ تاویل کی جلیل القدر شخصیت تھے۔ ان کی

سب سے مشہور کتاب ''سرائرالنطقاء'' ہے۔اس کتاب کا نام ''اسرارالنطقاء'' بھی آیا ہے۔ اکثر مورخین ان کو دو الگ کتابیں سمجھ کر لکھتے ہیں جبکہ حقیقت میں یہ ایک ہی کتاب کا نام ہے۔اسی طرح ان کی کتب میں ''تاویل الزکوٰۃ، تاویل سورہ النساء، کتاب الفترات والقرانات'' بھی ہیں۔

قاضی القضاۃ نعمان بن محمد: قاضی القضاۃ داعی الدعات ابوحنیفہ نعمان بن محمد دور فاطمیین کے سب سے زیادہ مشہور عالم، قاضی، داعی اور فلسفی ہیں۔کہا جاتا ہے کہ پہلے آپ مالکی مسلک سے تعلق رکھتے تھے، بعد میں اسماعیلی عقائد قبول کیے۔انھوں نے چار فاطمی ائمہ کا زمانہ دیکھا۔امام المہدی باللہ، امام القائم بامراللہ، امام المنصور باللہ اور امام المعز لدین اللہ۔یہ ایک ایسی شخصیت تھے جن میں عالم، واعظ، خطیب، فقیہ، سیرت نگار اور مورخ کی بہت سی صفات جمع ہوگئی تھیں۔آپ علوم فقہ، حدیث، تاریخ، حجت، تاویل اور سیرت میں بہت بلند مرتبہ رکھتے تھے۔وہ فاطمیین دور میں قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کے عظیم عہدے پر فائز رہے۔ان کی تصانیف کی تعداد تقریباً چالیس سے زیادہ بتائی جاتی ہے۔ ان کتب میں سب سے زیادہ مشہور اور بنیادی کتاب ''دعائم الاسلام'' ہے جو آج بھی فقہ اور اصول فقہ پر اسماعیلی نقطۂ نظر پر اہم کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔قاضی نعمان کی ایک اور اہم تصنیف ''المجالس والمسائرات'' ہے جس میں آج بھی دور فاطمیین کی تاریخی اور معاشرتی تصویر دیکھی اور سمجھی جاسکتی ہے۔ان دو کتب کے علاوہ ''تاویل دعائم الاسلام'' اور ''شرح الاخبار فی فضائل الائمہ الاطہار'' آپ کی اہم تصانیف ہیں۔

یعقوب بن یوسف بن کلس الوزیر: کہا جاتا ہے کہ آپ پہلے یہودی تھے، پھر اسماعیلی عقیدہ قبول کیا۔علوم سیاسی کے ماہر ہونے کے ساتھ مذہبی علوم میں بھی دسترس رکھتے تھے۔حدیث اور فقہ وغیرہ میں متعدد کتب تالیف کیں جن میں ''مختصر المصنف'' نامی کتاب زیادہ مشہور ہے جو علم فقہ کے موضوع پر تھی۔آپ علمی مباحث اور مناظروں کا خاص اہتمام کرتے تھے۔

حمید الدین الکرمانی: فاطمی علما کی ان کے بارے میں یہ رائے ہے کہ اگر ابونصر فارابی اور بوعلی سینا ان کے ہمعصر ہوتے تو ضرور ان سے استفادہ کرتے۔ان کی تصانیف کی مجموعی تعداد ۲۹ بتائی گئی ہے جن میں ''راحۃ العقل'' ایک زندہ جاوید کارنامہ ہے۔یہ ایک فلسفیانہ تصنیف ہے جس میں ایمان اور استدلال ایک جان ہوگئے ہیں۔سیدنا حمید الدین کرمانی کے فلسفیانہ ذہن اور ادیبانہ طبیعت کی شاہکار یہ کتاب، جو ۴۱۳ھ میں تصنیف ہوئی تھی، آج تک فاطمی ادب کے روشن چراغوں میں شمار ہوتی ہے۔یہ انتہائی مشکل معقولات اور فلسفیانہ ابحاث پر مشتمل ہے، اس لئے اسماعیلیہ میں ہر کسی کو اس کتاب کا مطالعہ کرنا ممنوع کیا جاتا ہے۔اس کے علاوہ ان کی اہم تصنیف ''تنبیہ الہادی والمستہدی'' ہے جس میں امامت سے متعلق ابحاث کے

علاوہ قیاس وغیرہ کے خلاف دلائل موجود ہیں۔آپ کو فاطمیین ائمہ کی طرف سے عراق کے لئے داعی بنا کر بھیجا گیا تھا۔آپ کے زمانے میں ہی فرقہ دروزیہ نکلا۔ان کے رہنماؤں نے دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حاکم میں حلول کیا ہے۔کرمانی نے کئی رسالے ان کے عقائد کے ابطال پر تحریر کیے لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

المویدالشیرازی: آپ کا اصل نام ہبۃ اللہ بن موسیٰ تھا جو ''موید'' کہلاتے تھے چونکہ شیراز کے داعی گزرے ہیں اس لئے آپ کے نام کے ساتھ شیرازی بھی لکھا جاتا ہے۔اس طرح آپ کا پورا نام ''المویدفی الدین ابونصر بن موسیٰ بن علی بن محمد الشیرازی'' تحریر کیا جاتا ہے۔داعی موید کی تبلیغات سے ایرانیوں کی ایک بڑی تعداد مخالف ہوگئی جس کی وجہ سے آپ کو بہت زیادہ مصائب سے گزر کر قاہرہ جانا پڑا۔مصر میں عظیم علمی شخصیت حمید الدین کرمانی سے مزید تعلیم حاصل کی اور بہت جلد علمی حلقوں میں اپنا خاص مقام پیدا کر لیا۔علمی محافل اور مجالس کا انعقاد کرواتے تھے۔اس دور کے عظیم اور مشہور شاعر ''ابوالعلاء المعری'' نے ہر طرح کا گوشت کھانا حرام قرار دیا تو الموید شیرازی نے ''اکل لحوم الحیوانات'' کے موضوع پر مناظرہ کیا اور اسے شکست دے دی جس کی وجہ سے آپ کی شہرت میں مزید اضافہ ہوا۔آپ کے علمی کارناموں کو مدنظر رکھتے ہوئے ''مستنصر باللہ'' نے انھیں ''باب الابواب'' کے رتبے سے سرفراز کیا جو اسمٰعیلی دعوت میں سب سے بڑا رتبہ ہے۔ان کی سب سے اہم کتاب ''المجالس المویدیہ'' ہے۔تاویل کے علم میں اس کتاب کا وہی درجہ ہے جو فقہ میں ''دعائم'' کا ہے۔اس سے فاطمی طرز استدلال اور معنویت کا سبق لیا جاتا ہے۔مذہب اسمٰعیلی میں آپ کی شہرت کی اصل وجہ علمی کارناموں سے زیادہ آپ کے عملی اقدامات ہیں۔ایک طرف شیراز کے داعی کی حیثیت سے خدمات انجام دیں تو دوسری طرف مستنصر باللہ نے لشکر کا سربراہ بنا کر ''شام'' کی طرف روانہ کیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ امام آمر کے قتل کے بعد جب اسمٰعیلی دعوت مصر سے یمن منتقل ہوئی تو اس کی بنیاد اسی داعی نے ڈالی۔

تین شخصیات یعنی سیدنا قاضی نعمان، سیدنا حمید الدین کرمانی اور سیدنا موید شیرازی فاطمی تعلیمات کی عمارت کے اہم ترین ستون ہیں۔اگرچہ ان علما نے مختلف موضوعات پر اپنی تصنیفیں چھوڑی ہیں اور موضوعات کے لحاظ سے انھیں الگ الگ حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے لیکن انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اسے ہم فاطمی ادبیات کے وسیع تصور سے ادبی کارنامہ کہیں گے۔

مندرجہ بالا علماء کے بارے میں معلومات ہم نے ظ انصاری کی کتاب فاطمی وراثت اور بعض دیگر کتب سے حاصل کی ہیں۔

دو اہم نزاری علماء

پیر ناصر خسرو: مستنصر باللہ کے دور کے سب سے زیادہ مشہور داعی پیر ناصر خسرو ہیں۔آپ مذہب اسماعیلیہ نزاریہ میں ایک عظیم اور کامیاب داعی کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔آپ کی تحریرات کو اسماعیلی نزاریہ مذہب میں سند کی حیثیت

حاصل ہے۔ یہ داعی برصغیر کے اسماعیلیوں کے ہاں خصوصاً پاکستان کے شمالی علاقہ جات میں بہت زیادہ شہرت کے حامل ہیں۔اس کی وجہ فرہاد دفتری یوں لکھتے ہیں:

''ناصر خسرو نے اکثر اپنی جلاوطنی کے زمانے میں ہی دعوت کو پورے بدخشان میں (جو جدید زمانے میں دریائے جیحون یا آمودریا کے ذریعے افغانستان اور تاجکستان کے درمیان تقسیم ہوا ہے) پھیلا دیا۔ بہرحال بدخشان کے اسماعیلی اور ہندوستان کے علاقے میں ان کی ذیلی جماعتیں جواب ہنزہ اور پاکستان کے دوسرے شمالی علاقہ جات میں مقیم ہیں ناصر خسرو کو اپنی جماعتوں کا بانی سمجھتی ہیں اور بطور احترام انھیں ''پیر'' یا شاہ سید ناصر کے نام سے موسوم کرتی ہیں۔''

بہرحال پاکستان کے شمالی علاقہ جات موجودہ گوپس، پونیال، یٰسین، چترال اور دیگر علاقوں میں پیر ناصر خسرو کو اسماعیلی داعیوں میں سب سے زیادہ شہرت حاصل ہے۔ان علاقوں میں بسنے والے اسماعیلیوں کا یہ خیال ہے کہ پیران علاقوں میں تشریف لا چکے ہیں، اس لئے بھی یہاں کے اسماعیلی اس داعی کو دیگر داعیوں کے مقابلے میں زیادہ تقدس اور احترام دیتے ہیں۔

ناصر خسرو سینکڑوں کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔آپ کی اکثر کتابیں مفقود ہوگئی ہیں آپ کی جو کتب آج بھی دستیاب ہیں ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں: دیوان الاشعار، زاد المسافرین، وجہ دین، جامع الحکمتین، خوان الاخوان، سفر نامہ، گشائش ورہائش، روشنائی نامہ اور شش فصل۔

حسن بن صباح: مستنصر باللہ کے دور امامت میں سامنے آنے والی ایک اور مشہور شخصیت حسن بن صباح کی ہے۔ یہ وہی شخصیت ہے، جس نے مستنصر باللہ کے بڑے صاحبزادے نزار کے مستنصر کا قائم مقائم ہونے کا دعویٰ کیا، اسی لئے اس کو فرقہ نزاریہ کا بانی بھی سمجھا جاتا ہے۔ بہرحال حسن بن صباح نے ایران کے قلعہ الموت میں اپنی حکومت قائم کی اور ۳۵ سال تک حکمرانی کر کے نزار کی امامت کے لئے راہ ہموار کی۔ حسن بن صباح کی وفات ۵۱۸ھ میں ہوئی۔

آبادی

پاکستان میں اسماعیلیوں کی آبادی کے بارے میں حتمی رائے کا اظہار نہیں کیا جاسکتا تاہم راقم کو بوہرہ مسلک کے منصور بھائی نے بتایا کہ پاکستان میں بوہروں کی تعداد 40 ہزار ہے جبکہ آغا خانیوں کی تعداد کے بارے میں اعداد وشمار راقم کے سامنے نہیں آسکے ملک کے جن علاقوں میں اسماعیلی آباد ہیں ان سے حاصل کی گئی معلومات کے مطابق راقم کا اندازہ ہے کہ پاکستان میں اس وقت آغا خانیوں کی تعداد تقریباً دس لاکھ کے لگ بھگ ہوگی۔

آغا خان ڈیویلپمنٹ نیٹ ورک (AKDN)

دور حاضر کے آغا خانیوں کے بارے میں بات اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک آغا خان ڈیویلپمنٹ نیٹ ورک کا ذکر نہ کیا جائے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ اس نیٹ ورک کے بارے میں بالتفصیل مطالعہ کیا جائے۔ہم اس رپورٹ کی ضرورت کے پیش نظر اس کا مختصر ذکر ڈاکٹر امین والیانی ہی کی زبانی کرتے ہیں:

> اداروں کا ایک اجتماع ہے جو امام کی رہنمائی میں اسلامی اخلاق اور اقدار کی عملی آگاہی کے لئے کام کرتا ہے۔آغا خان چہارم کے مطابق ان کے ترقیاتی امور کی بنیاد ۱۶ اصول ہیں۔جن میں ذمہ داری کا احساس، ایک غیر سیاسی موقف، اجتماعیت، مستقبل پر نظر، سیاسی اور انضباطی سرحدوں سے ماوراء فعالیت شامل ہیں۔AKDN کے اداروں میں کام کا انداز، زبان اور لغت وہی ہے جو کہ مغرب کی بیوکریسی میں استعمال کی جاتی ہے۔آغا خان کی رہن سہن مغربی اقدار کا حامل ہے تاہم آپ اسماعیلی روایات کا بھی پاس رکھتے ہیں۔آپ جب بھی دربار منعقد کرتے ہیں تو روایتی پوشاک زیب تن کرتے ہیں۔اپنی کمیونٹی کو مستقبل میں عالمی حیثیت دلوانے کی خواہش جس کے ادارے عالمی سطح پر واضح اختیارات کے ساتھ آزادانہ عمل پیراہوں کے لئے آپ نہایت واضح موقف کے حامل ہیں۔
>
> ہر ادارے کی تشکیل کے وقت مناسب سرمایہ کاری کی جاتی ہے تاہم یہ توقع کی جاتی ہے کہ یہ ادارہ اپنی احتیاجات کو اپنے وسائل سے پورا کرے۔آغا خان جیسی کرشماتی شخصیت کے لئے پیسہ کبھی مسئلہ نہیں رہا۔آپ کی بے انتہا وراثتی دولت، عالمی سطح پر وسیع اشتراکی ادارے، کمیونٹی کے اوقاف اور عالمی خیراتی اداروں کی جانب سے خدمت خلق کے لئے دی گئی امداد آپ کے نیٹ ورک کو متحرک رکھتی ہے۔اکثر و بیشتر نئے ادارے تشکیل پاتے رہتے ہیں تاہم ان اداروں کے استحکام کا حصول ابھی باقی ہے۔

آغا خانی ڈویلپمنٹ نیٹ ورک کا ہم کچھ مزید تعارف کرانا مناسب سمجھتے ہیں۔یہ تعارف آغا خان کی سرکاری ویب سائٹ میں دی گئی معلومات سے ماخوذ ہے:

آغا خان ڈویلپمنٹ نیٹ ورک (AKDN) دنیا کی سب سے بڑے نجی ڈویلپمنٹ نیٹ ورکس میں سے ہے جو دوسو سے زیادہ اور نیٹ ورکس میں سے ہے جو دو سے زیادہ اداروں اور ایجنسیوں کے کاموں کو مربوط کرتا ہے ان اداروں کے ملازمین کی تعداد 70,000 افراد پر مشتمل ہے۔اس کے مربیوں میں بہت سی حکومتیں اور متعدد بین الاقوامی تنظیمیں شامل ہیں یہ ادارے سماجی اور اقتصادی شعبوں کے علاوہ ثقافتی شعبے میں بھی کام کرتے ہیں جس کی توجہ زیادہ تر تیسری دنیا کے ممالک پر مرکوز ہے۔یہ نیٹ ورک دنیا کے 35 غریب ترین ممالک میں مصروف عمل ہے اور سیکولر پالیسی کو ملحوظ رکھتا ہے۔اس نیٹ ورک

کے اہم ادارے یہ ہیں۔

(i) آغا خان یونی ورسٹی (AKU)

(ii) یونیورسٹی آف سینٹرل ایشاء (UCA)

(iii) آغا خان فنڈ فار اکنامکس ڈویلپمنٹ (AKFED)

(iv) آغا خان ٹرسٹ فار کلچرل (AKTC)

(v) آغا خان فاؤنڈیشن (AKF)

(vi) آغا خان ہیلتھ سروسز (AKH)

(vii) آغا خان ایجوکیشن سروسز (AKES) (viii) آغا خان پلاننگ اینڈ بلڈنگ سروسز (AKPBS)

(ix) آغا خان ایجنسی فار مائیکرو فائنانس (AKAM)

(x) آغا خان ایوارڈ فار آرکیٹیکچر (AKAA)

یادرہے کہ اس سارے نیٹ ورک کے بانی آغا خانیوں کے موجودہ بانی پرنس کریم آغا خان ہیں جن کا شمار دنیا کے عظیم ترین سرمایہ داروں میں ہوتا ہے۔

http:\\ismaili.net\hasitage\nede\17803

تحقیقاتی اور علمی ادارے

آغا خانیوں کا سب سے بڑا علمی اور تحقیقاتی مرکز انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک سٹڈیز ہے۔ یہ لندن میں قائم ہے۔ پرنس کریم آغا خان اس کے بورڈ آف گورنرز کے سربراہ ہیں۔ یہ ادارہ ۱۹۷۷ء میں معرض وجود میں آیا۔ کراچی میں بھی ان کا ایک تحقیقاتی ادارہ قائم ہے جس نے بہت سی کتابیں شائع کیں ہیں اور کئی کتابوں کے تراجم کرائے ہیں۔ ان اداروں کی طرف سے کئی علمی مجلّات بھی شائع ہوتے ہیں۔ کراچی میں آغا خانیوں کے دینی مرکز کا نام ہے: شیعہ امامی اسماعیلی طریقہ اینڈ ریلیجس ایجوکیشن بورڈ برائے پاکستان، کراچی

http:\\ismaili.net\hasitage\nede\17803

کتب

جن کتب کو اسماعیلیوں کے ہاں خاصی اہمیت حاصل ہے ان کی ایک فہرست ذیل میں پیش کی جارہی ہے۔ ان میں سے جو کتب اسماعیلیوں میں گروہ بندی سے پہلے کی ہیں وہ سب اسماعیلی گروہوں کے نزدیک معتبر ہیں، تاہم بعد ازاں مختلف

گروہوں کے مصنفین کی کتب انہی گروہوں میں اعتبار رکھتی ہیں۔

پیش نظر فہرست میں اسماعیلی ائمہ، مستنصر باللہ کے دور تک کے اسماعیلی داعیان مابعد کے مستعلی داعیان مطلق اور دیگر اسماعیلی علماء کی کتابوں کا ذکر موجود ہے۔

۱: المعز لدین اللہ (م۳۶۴): ادعیۃ الایام السبعۃ

۲: المعز لدین اللہ (م۳۶۵): تاویل الشریعۃ

۳: اخوان الصفا (احمد بن عبداللہ)، (م۲۴۱): الرسالۃ الجامعۃ (دو جلد)

۴: المنصو ر الفاطمی (م۳۳۴): جامعۃ الجامعۃ

۵: ابو محمد عبدان داعی (م۲۸۶): کتاب الرسوم واولا دواز واج

۶: ابوحاتم الرازی (عبدالرحمٰن) م۳۲۲): کتاب الزینۃ فی نعۃ القرآن

۷: ابوحاتم الرازی (عبدالرحمٰن) (م۳۲۲): اعلام النبوۃ

۸: ابوحاتم الرازی (عبدالرحمٰن) (م۳۲۲): کتاب الاصلاح

۹: جعفر بن منصور الیمن (معز لدین اللہ کے باب الابواب (م۲۶۵): کتاب الرضاع فی الباطن

۱۰: جعفر بن منصور الیمن (م۲۶۵): سرائر النطقا

۱۱: جعفر بن منصور الیمن (م۳۶۵): اسرار النطقا

۱۲: جعفر بن منصور الیمن (م۳۶۵): کتاب الکشف

۱۳: جعفر منصور الیمن (م۳۶۵): الفرائض وحدود الدین

۱۴: جعفر بن منصور الیمن (م۳۶۵) تاویل الزکوٰۃ

۱۵: جعفر بن منصور الیمن (م۳۶۵): تاویل سورۃ النساء

۱۶: جعفر بن منصور الیمن (م۳۶۵): کتاب الشواھو والبیان

۱۷: جعفر بن منصور الیمن (م۳۶۵): الفترات والقرانات

۱۸: ابو یعقوب احمد السجستانی (م۳۳۱): کتاب الافتخار

۱۹: رسائل الحاکم، چوتھی صدی کے آغاز میں دروزی داعیوں نے انھیں مرتب کیا

۲۰: القاضی نعمان بن محمد (م۱۶۳): افتتاح الدعوۃ

۲۱: القاضی نعمان بن محمد (م۱۶۳): شرح اخبار فی فضائل الائمۃ الاطہار

۲۲: القاضی نعمان بن محمد (م۱۶۳): اختلاف اصول المذاہب

۲۳: القاضی نعمان بن محمد (م ۳۶۳): المجالس والمسائرات

۲۴: القاضی نعمان بن محمد (م ۳۶۳): کتاب الھمۃ فی آداب اتباع الائمہ

۲۵: القاضی نعمان بن محمد (م ۳۶۳): الارجوزۃ المختارۃ

۲۶: القاضی نعمان بن محمد (م ۳۶۳): دعائم الاسلام (دو جلد)

۲۷: القاضی نعمان بن محمد: اساس التاویل (عربی)

۲۸: القاضی نعمان بن محمد: تاویل دعائم الاسلام (دو حصے)

۲۹: تمھیم بن المعز (م ۳۷۱): دیوان

۳۰: سیدنا احمد حمید الدین کرمانی (م ۴۱۱): الرسالۃ الوضیۃ فی معالم الدین

۳۱: سیدنا احمد حمید الدین کرمانی (م ۴۱۱): المصابیح فی اثبات الامامۃ

۳۲: احمد حمید الدین کرمانی (م ۴۴۱): تنبیہ اللہ الھادی والمستھد ی

۳۳: احمد حمید الدین کرمانی (م ۴۴۱): معاصم الھدیٰ

۳۴: احمد حمید الدین کرمانی (م ۴۴۱): تلاث عشرۃ رسالہ

۳۵: احمد حمید الدین کرمانی (م ۴۴۱): کتاب الریاض

۳۶: احمد حمید الدین کرمانی (م ۴۴۱): راحۃ العقل

۳۷: احمد بن ابراہیم (یا محمد) نیشاپوری (م ۴۲۰): استتار الامام

۳۹: احمد بن ابراہیم (یا محمد) نیشاپوری: اثبات الامامۃ

۴۰: موید شیرازی (م ۵۷۰): السیر ۃ المویدیہ

۴۰: موید شیرازی (م ۵۷۰): اساس التاویل

۴۱: موید شیرازی (م ۴۷۰): المجالس المویدیہ

۴۲: موید شیرازی (م ۴۷۰): دیوان

۴۳: بدر الجمالی (م ۴۸۸): المجالس المستنصر یہ

۴۴: العقیلی (ابوالحسن علی ابن الحسین بن حیدری) (عید المستنصر): دیوان

۴۵: خطاب بن الحسن (م ۵۳۳): غایۃ الموالید

۴۶: خطاب بن الحسن (م ۵۳۳): نیر البصائر

۴۷: ابراہیم بن الحسین (م ۵۳۳): کنز الولد

۴۸: محمد بن طاہر (ماذون) (م ۵۸۴): الانوار اللطیفہ

۴۹: محمد بن طاہر (ماذون) (م ۵۸۶): مجموع التربیۃ

۵۰: حاتم بن ابراہیم (تیسرے داعی مطلق) (م ۵۹۶): جامع الحقائق

۵۱: حاتم بن ابراہیم (م ۵۹۶): تحفۃ القلوب

۵۲: حاتم بن ابراہیم (م ۵۹۶): مجالس سیدنا حاتم

۵۳: حاتم بن ابراہیم: الشموس الزاہرۃ

۵۴: علی بن محمد الولید (پانچویں داعی مطلق) (م ۶۱۲): الذخیرہ

۵۵: علی بن محمد الولید (م ۶۱۲): دامغ الباطل وحتف المناضل

۵۶: علی بن محمد الولید (م ۶۱۲): تاج العقائد

۵۷: علی بن حنظلہ (م ۶۲۶): المبدیٔ والمعاد

۵۸: علی بن حنظلہ: سمط الحقائق

۵۹: علی بن حنظلہ: ضیاء العلوم

۶۰: حسین بن علی (آٹھویں داعی مطلق) (م ۶۶۷): عقیدۃ الموحدین

۶۱: حسین بن علی (م ۶۶۷): الوحیدۃ فی اثبات ارکان العقیدہ

۶۲: حسین بن علی (م ۶۶۷): الانصاح والبیان فی الکشف عن مسائل الامتحان

۶۳: علی ابن الحسین (نویں داعی مطلق) (م ۶۸۲): الرسالۃ الکاملۃ فی صلوۃ اللیالی الفاضلہ

۶۴: ادریس (انیسویں داعی مطلق) (م ۸۷۲): زہر المعانی

۶۵: ادریس (م ۸۷۲): عیون الاخبار (۷ جلدیں)

۶۶: ادریس (م ۸۷۲): نزہۃ الافکار (۲ جلد)

۶۷: ادریس (م ۸۷۲): عاصمۃ نفوس المہتدین وقاصمۃ ظہور المعتدین (دو جز)

۶۸: ادریس (م ۸۷۲): رسالۃ البیان لما جب من معرفۃ: الصلوۃ فی نصف شہر رجب

۶۹: بن نوح الہندی البہروچی (م ۹۳۹): کتاب الازھار

۷۰: حسن بن علی خان بن تاج (عہد موصوف): الرسالۃ المزینہ الموشاۃ فی سیرۃ سیدنا داؤد بن قطب شاہ متوفی ۱۰۲۱

۷۱: امین جی بن جلال (م ۱۰۱۰): شرح یا تعلیقات علی اساس التاویل وتاویل الدعائم وغیرہ

۷۲: شیخ عبد علی عماد الدین: لب اللباب

۷۳: ملاابراہیم: صورالکتب فی شرح اللب

۷۴: اسماعیل بن عبد الرسول (م۱۱۸۳): فہرست المجد وع

۷۵: اخوان الصفا (احمد بن عبداللہ) (م۵۲۴): رسائل اخوان الصفا

۷۶: اخوان الصفا: الرسالۃ الجامعہ

۷۷: قاضی نعمان بن محمد (م۳۶۳): دعائم الاسلام (پہلی جلد)

۷۸: قاضی نعمان بن محمد (م۳۶۳): کتاب الہمۃ فی آداب اتباع الائمہ

۷۹: جعفر بن منصور الیمن (م۳۶۵): کتاب الکشف

۸۰: موید شیرازی (م۴۸۸): المجالس المستنصر

۸۱: بدرالجمالی (م۴۷۰): السیرۃ الموید

۸۲: جابر بن حیان: رسائل جابر بن حیان

۸۳: خالد بن زید الجعفی: دو مخطوط رسالے

۸۴: ناصر خسرو (معروف حکیم وسیاح) (م۴۸۱): وجہ دین

۸۵: ناصر خسرو (م۴۸۱): زاد المسافرین

۸۶: ناصر خسرو (م۴۸۱): سفر نامہ مع روشنائی نامہ وسعادت نامہ

۸۷: علی بن محمد بن الولید (پانچویں داعی مطلق) (م۶۱۲): اربعۃ کتب اسماعیلیہ (رسالۃ الایضاح والنبیین ورسالۃ تحفۃ المرتاد)

۸۸: سیدنا علی بن محمد بن الولید (م۶۱۲): تاج العقائد

۸۹: ڈاکٹر طاہر سیف الدین (اکاونیں داعی مطلق) (م۶۱۲): ضونور الحق المبین

۹۰: ڈاکٹر طاہر سیف الدین: زبدۃ برہان الصدق الواضح

۹۱: ڈاکٹر طاہر سیف الدین (م۶۱۲): فلسفہ فوز عظیم

۹۲: منسوب (نصیر الدین طوسی) (م۶۷۲): خلاصہ (روضۃ التسلیم)

۹۳: منسوب (نصیر الدین طوسی) (م۶۷۲): مطلوب المومنین

۹۴: ناصر خسرو: کلامِ پیر یافت باب

۹۵: خاکی خراسانی: دیوان

۹۶: شیخ شرف علی: عیون المعارف

۹۷: شیخ شرف علی: ریاض الجنان

۹۸: ملا عبدالحسین بی۔اے (برہان پوری) گلزار داؤدی

۹۹: شیخ محمد علی بن جیوا بھائی (عامل مدارس): موسم بہار (۳ جلد)

۱۰۰: حسب ایمائے غلام حسین (سلیمانی): صحیفہ سلیمانیہ

۱۰۱: ڈاکٹر اے۔ایف حسین ہمدانی: خلاصہ زہر المعانی (انگریزی ترجمہ)

۱۰۲: فاضل علی محمد جان محمد چنارا: نور مبین (حبل اللہ المتین)

۱۰۳: علامہ آصف فیضی: سوانح قاضی نعمان بن محمد

۱۰۴: ڈاکٹر زاہد علی: تاریخ فاطمیین

۱۰۵: المقریزی (تقی الدین احمد بن علی) (م ۸۴۵): اتعاظ الحنفائی باخبار الفاطمیین الخلفاء

۱۰۶: پروفیسر ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن: الفاطمیون فی مصر واعمالھم السیاسۃ والدینیۃ بوجہ خاص

۱۰۷: محمد بن عبداللہ بن عنان: الحاکم بامر اللہ، واسرار الدعوۃ الفاطمہ

نـــوٹ: مندرجہ بالا کتب میں سے آخری چند ایک کے سوا ڈاکٹر زاہد علی کی کتاب ''ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام'' کے آخر میں دی گئی اسماعیلی کتب کی فہرست میں درج ہیں۔ جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ جو کتب اسماعیلیوں کے مابین نزاری اور مستعلوی کی تقسیم سے پہلے کی ہیں وہ دونوں گروہوں میں مشترک ورثے کی حیثیت رکھتی ہیں جب کہ داعیان مطلق کی کتب فقط مستعلویوں کے نزدیک معتبر ہیں۔

اسماعیلیہ کی جدید کتب

اسماعیلیہ کی جدید کتب زیادہ تر انگریزی زبان میں ہیں۔ ان میں سے بعض ان کی قدیم کتب کے تراجم پر مشتمل ہیں۔ ذیل میں ہم دونوں گروہوں کی بعض کتب کا ذکر کرتے ہیں:

Al-mu'ayyad Al-shirazi And Fatimid Da'wa Poetry: A Case Of Commitment In Classical Arabic Literature (Islamic History and Civilization

By Tahera Qutbuddin

Al-Dai al-Fatimi, Syedna Mohammed Burhanuddin: An Illustrated Biograp

By Mustafa Abdulhussein

Nahjul Balagha: Peak of Eloquence

By Ali ibn Abu-Talib

The Prophets, Their Lives and Their Stories (Forgotten Books)

By Abdul-Sahib Al-Hasani Al-'amili

Justice and Remembrance: Introducing the Spirituality of Imam Ali

By Reza Shah-Kazemi

Degrees of Excellence: A Fatimid Treatise on Leadership in Islam (Ismaili Texts and Translations)

From Institute for Ismaili Studies

Towards a Shi`i Mediterranean Empire: Fatimid Egypt and the Founding of Cairo (Ismaili Texts and Translations)

From I. B. Tauris

Between Revolution and State: The Path to Fatimid Statehood: Qadi al-Nu'man and the Construction of Fatimid Legitimacy (Ismaili Heritage)

By Sumaiya A. Hamdani

Women and the Fatimids in the World of Islam

By Delia Cortese, Simonetta Calderini

Founding the Fatimid State: The Rise of an Early Islamic Empire (Ismaili Texts and Translations)

From Institute for Ismaili Studies

The Fatimids and Their Successors in Yaman: The History of an Islamic Community (Ismaili Texts and Translations)

From Institute for Ismaili Studies

Al-Hakim bi-Amr Allah: Fatimid Caliphate, Ismailism, Imam, Abu Mansoor Nizar al- Aziz Billah, Qarmatians, Vizier, Druze, Church of the Holy Sepulchre, ... Zahir, Abbasid Caliphate, Al- Hakim Mosque

From Alphascript Publishing

TA Distinguished Da'i Under the Shade of the Fatimids

By Hamid HajiMawlid:

The Advent of the Fatimids: A Contemporary Shi'i Witness (Ismaili Texts and Translations)

By Wilfred Madelung, Paul Walker

Mediaeval Isma'ili History and Thought

From Cambridge University Press

An Anthology of Ismaili Literature: A Shi'i Vision of Islam

From Institute for Ismaili Studies

Islam in Global History: Volume One: From the Death of Prophet Muhammed to the First World War

By Dr. Nazeer Ahmed

Islamic History: Volume 2, AD 750-1055 (AH 132-448): A New Interpretation

By M. A. Shaban

The Ismailis in the Middle Ages: A History of Survival, a Search for Salvation

By Shafique N. Virani

The History of the Maghrib: An Interpretive Essay

By Abdallah Laroui

Arabic Ismaili Manuscripts: The Zahid Ali Collection

By Delia Cortese

Shiism: A Religious & Political History of Shi'i Branch of Islam

By Iftekhar Mahmood

Shaykh Mufid (Makers of the Muslim World)

By Tamima Bayhom-Daou

Short History of Islam

By S. F. Mahmud

Islam and the Secular State: Negotiating the Future of Shari`a

By Abdullahi Ahmed An-Na`im

Surviving the Mongols : The Continuity of Ismaili Tradition in Persia (Ismaili Heritage)

By Nadia Eboo Jamal

A Short History of Islam

By S. F. Mahmud

Islam and the Secular State: Negotiating the Future of Shari`a

By Abdullahi Ahmed An-Na`im

Keys to the Arcana by Toby Mayer

An Anthology of Qur'anic Commentaries by Feras Hamza and Sajjad Rizvi with Farhana Mayer

Word of God, Art of Man by Fahmida Suleman (ed.)

Approaches to the Qur'an in Contemporary Indonesia by Abdullah Saeed

Modern Muslim Intellectuals and the Qur'an by Suha Taji-Farouki

Central Asian Studies: Publications

101 Ismaili Heroes

By Tajddin Sadiq Ali, Mumtaz-Ali

A Comprehensive Grand History of the Noor en Allah Noor

By Bandali Haji, Alwaez Rai Shamshuddin

Challis Wato - An Unpublished Granth

By Rahemtulla, Mukhi Abdulsultan

Chhatris Kror - An Unpublished Granth

By Ismail, Dr. Shiraz

History Of The Ismailis

By Tajddin Sadiq Ali, Mumtaz-Ali

Ismaili History Charts

By Mawjee, Nargis

Ismailis in Russia

By Ivanow, Prof. W

Kharadhar - Oldest Jamat in Karachi

By Tajddin Sadiq Ali, Mumtaz-Ali

Pandavo no Parab - An Unpublished Granth

By Daredia, Nazim

Ismaili Literature: A Bibliography of Sources and Studies

By Farhad Daftary

The Isma'ilis: Their History and Doctrines

By Farhad Daftary

Culture and Memory in Medieval Islam

By Farhad Daftary, Josef W. Meri

The Institute of Ismaili Studies published these books.

Aspects of Ismaili Theology: The Prophetic Chain and the God Beyond Being

Degrees of Excellence

The Calligraphic Tradition in Islam

ان کتب کی فہرست آغا خانیوں اور بوہروں کی ان ویب سائٹوں حاصل کی گئی ہے:

http://ismaili.net/heritage/history_readings_view?page=1

http://astore.amazon.com/mumineen-20?node=9&page=10

http://astore.amazon.com/mumineen-20?node=9&page=10

http://www.iis.ac.uk/view_article.asp?ContentID=110983

بوہروں کے تعلیمی ادارے

بوہروں کا سب سے بڑا تعلیمی مرکز بھارت کے شہر سورت میں ہے جسے جامعہ سیفیہ کہا جاتا ہے۔ یہ نام بوہروں کے داعی مطلق سیدنا سیف الدین کے نام پر رکھا گیا ہے جو موجودہ داعی مطلق سیدنا برہان الدین کے والد تھے۔ جامعہ سیفیہ کے ہی نام

سے ان کا دوسرا ادارہ کراچی میں قائم ہے۔

بوہروں کے مراکز

یورپی دنیا میں اس وقت بوہروں کے چار سو ستر کمیونٹی مراکز قائم ہیں۔ ان میں سے ہر کوئی داعی مطلق کی نگرانی میں بنایا گیا ہے دستور کے مطابق چلایا جاتا ہے تاہم اپنے مقام پر ہر مرکز آزاد ہوتا ہے اس مرکز کے ساتھ ایک مسجد، ایک مسافر خانہ، سکول، کمیونٹی حال اور کلینک وغیرہ موجود ہوتا ہے۔

بوہروں کی مساجد

دنیا بھر میں اس وقت بوہروں کی تقریباً سات سو مساجد ہیں۔ پاکستان کے متعدد شہروں میں جن میں کراچی روالپنڈی، حیدر آباد شامل ہیں بوہروں کی مساجد موجود ہیں۔

بوہروں کے قائم کردہ دیگر ادارے

دنیا بھر میں بوہروں کے قائم کردہ 137 مسافر خانے 26 ہسپتال، 20 کتاب خانے، قرض الحسنہ کے بنک کی 75 شاخیں، 21 میٹرنٹی ہومز، 15 ہاؤسنگ سوسائیٹیاں، 400 کمیونٹی ہال، 3 یتیم خانے 350 سکول اور 4 کالج قائم ہیں۔ علاوہ ازیں بوہروں کے مرحوم بزرگوں کے 52 مزارات ہیں جنھیں بوہروں نے تعمیر کیا ہے۔ جن کی زیارت کے لیے بوہرہ کمیونٹی کے حضرات جاتے رہتے ہیں۔ بوہروں کی کسی قابل ذکر شخصیت کا کوئی مزار پاکستان میں موجود نہیں ہے۔

بوہروں کے فلاحی ادارے

اس وقت بوہروں کے مندرجہ ذیل اہم فلاحی ادارے کام کر رہے ہیں۔

i) سیفی فاؤنڈیشن ii) ڈاکٹر سیدنا طاہر میموریل فاؤنڈیشن iii) عمر ھانی قرض الحسنہ ٹرسٹ

بوہروں کے مندرجہ بالا اداروں کے تفصیل کے لئے اس ویب سائٹ سے رجوع کیا جا سکتا ہے:

http:\\www.mumineem.org\archive\essays\faith-of-dowood-bohsa.
(Mumineen.org)

بوہرہ کمیونٹی میں ایک اختلافی گروہ اس ویب سائٹ کے ذریعے اپنی نظریات کی تشہیر کرتا ہے:

dawoodi-bohras.com

فہرست

	صفحہ نمبر
تقدیم	۳ و ۴
حرف آغاز	۵ تا ۸
اہل سنت والجماعت۔ بریلوی	۹ تا ۸۹
حصہ اول۔ تعارفی امور — حصہ دوم۔ عقائد وافکار	
حصہ سوم۔ امتیازی مسائل — حصہ چہارم۔ عصری مسائل	
حصہ پنجم۔ عمومی معلومات	
اہل سنت والجماعت۔ دیوبندی	۹۱ تا ۱۵۷
حصہ اول۔ تعارفی امور — حصہ دوم۔ عقائد وافکار	
حصہ سوم۔ امتیازی مسائل — حصہ چہارم۔ عصری مسائل	
حصہ پنجم۔ عمومی معلومات	
اہل حدیث	۱۵۹ تا ۲۴۴
حصہ اول۔ تعارفی امور — حصہ دوم۔ عقائد وافکار	
حصہ سوم۔ امتیازی مسائل — حصہ چہارم۔ عصری مسائل	
حصہ پنجم۔ عمومی معلومات	
شیعہ اثناء عشریہ	۲۴۵ تا ۳۲۴
حصہ اول۔ تعارفی امور — حصہ دوم۔ عقائد وافکار	
حصہ سوم۔ امتیازی مسائل — حصہ چہارم۔ عصری مسائل	
حصہ پنجم۔ عمومی معلومات	
اسماعیلیہ	۳۲۵ تا ۳۸۲
حصہ اول۔ تعارفی امور — حصہ دوم۔ عقائد وافکار	
حصہ سوم۔ عصری مسائل — حصہ چہارم۔ عمومی معلومات	
توثیقات و دستاویزات	۳۸۴ تا ۴۰۰

توثیقات و دستاویزات

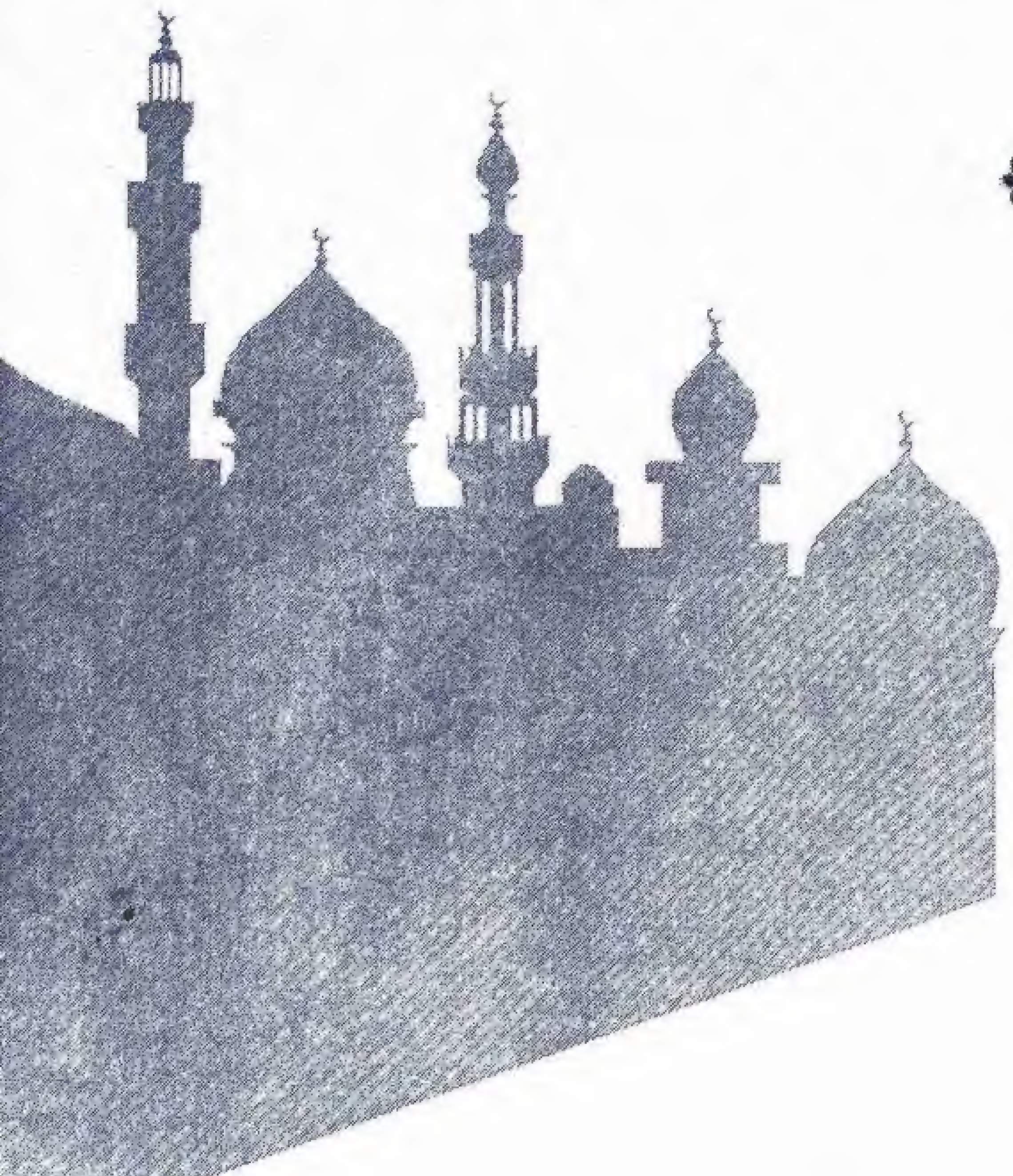

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اور جو شخص اللہ (کے دین) کی مدد کرتا ہے،
اللہ اس کی ضرور مدد فرماتا ہے۔
(القرآن الحکیم، الحج ۲۲: ۴۰)

GOVERNMENT OF PAKISTAN
COUNCIL OF ISLAMIC IDEOLOGY

ISLAMABAD 05-06-2010 19

m: IDEOLOGY
one:

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

بسم الله الرحمن الرحیم

محترم المقام جناب ثاقب اکبر کا شمار ملک کے نامور اہل قلم میں ہوتا ہے۔ آپ کے کئی علمی اور تحقیقی مضامین اہل فکر و دانش سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ حال ہی میں انھوں نے اہلسنت و جماعت (بریلوی) کے مسلک پر ایک تحقیقی مقالہ سپرد قلم کیا ہے جو ملک کے مشاہیر علماء کرام کے انٹرویوز کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہے۔ یہ اسلامی نظریاتی کونسل کی طرف سے زیر اشاعت کتاب ''پاکستان کے دینی مسالک'' کے باب کے طور پر شامل کیا جا رہا ہے۔ فاضل مقالہ نگار نے بلاشبہ بھرپور کاوش اور تعمق نظری سے تحقیقی مواد قارئین کرام کی ضیافت طبع کے لیے پیش کرنے کی کامیاب کوشش فرمائی ہے جو لائق تحسین ہے۔

مذکورہ تمام مواد جناب ثاقب اکبر نے میرے پاس روانہ کیا ہے، قبل ازیں وہ میرے پاس انٹرویو کے لیے تشریف لائے۔ اس باب کے جو مقامات میری نظر سے گزرے ہیں انھیں پڑھنے کے بعد فاضل مقالہ نگار کی بالغ نظری اور مختلف مسالک کے معتقدات ونظریات پر ان کی گہری نظر کا اعتراف ضروری کرنا پڑتا ہے۔ موصوف کی یہ کاوش بریلوی مکتب فکر سے متعلق قارئین کرام کی معلومات میں بلاشبہ ایک قابل قدر اضافہ ہے۔ فاضل مقالہ نگار نے اہلسنت وجماعت (بریلوی) کے دینی مدارس، ان کی مصنفات اور ان کے ذرائع نشر واشاعت سے امکانی حد تک تفصیلی معلومات بہم پہنچانے کے لیے خاصی محنت سے کام لیا ہے۔ غرضیکہ فاضل مقالہ نگار کی اس کاوش کو اہل سنت وجماعت (بریلوی) کے مسلک کے لیے منی انسائیکلوپیڈیا قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

نیازمند

مفتی غلام مصطفیٰ رضوی
رکن
اسلامی نظریاتی کونسل، حکومت پاکستان
اسلام آباد

CONSULTATIVE MEETING FOR
CONSENSUS DEVELOPMENT ON COMPENDIUM
FOR RELIGIOUS LEADERS
April 12 – 13, 2010

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پاکستان کے دینی مسالک پر اسلامی نظریاتی کونسل
کی طرف سے "پاکستان کے دینی مسالک"
نام سے کتاب کی ترتیب ایک اہم اور قابل قدر اقدام ہے
اور اس سلسلے میں جناب علامہ ثاقب اکبر صاحب جیسے محقق
کا انتخاب یقیناً لائق صد تحسین ہے
موصوف نے بڑی محنت اور جد و جہد سے
حقائق کو جمع کیا اور نہایت دیانت داری
سے ان کو سپرد قلم و قرطاس کیا۔
بریلوی مسلک (اہل سنت و جماعت) کی طرف سے
~~[illegible]~~ راقم نے جناب دیگر علمائے کرام
سے رابطہ کر کے ان کے لیے بعض حضرت استاذ العلماء
مفتی محمد مصطفیٰ رضوی اور مفتی علامہ گل احمد عتیقی
(مدظلہما) انہوں نے بھی دیانت داری سے کتاب کو
ملاحظہ فرما کر تسلیم کیا کہ اپنے مسلک پر اظہار کرتا

CONSULTATIVE MEETING FOR CONSENSUS DEVELOPMENT ON COMPENDIUM FOR RELIGIOUS LEADERS

April 12 – 13, 2010

مسلک بریلوی اہلسنت سواد اعظم کی نمائندہ

ہے اس لیے حقائق کا اظہار ضروری تھا ۔

اس سے بھی بڑھ کر جب علماء عوام مقابلہ کرتے

کو دور کھدروں سے اہل سنت کی کتب نکال

کر مسلک اہل سنت کا بدلہ کا ثبت کرتے

اس پر وہ حضرات تحسین کے قابل ہیں

اس کاوش پر اس مرتب نونہالی کو سلام

جنہوں نے ضخیم ذخائر کو کھنگال کر محنت

اور ان کے دیگر رفقاء بھی مبارک باد

مستحق ہیں جنہوں نے "جو کچھ ہے وہ بھی نہیں"

لا دینی کی دنیا میں لپٹے والوں

کے لیے راہ ہموار کی ہے ۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ متفق علیہ اعداد افکار

CONSULTATIVE MEETING FOR
CONSENSUS DEVELOPMENT ON COMPENDIUM
FOR RELIGIOUS LEADERS
April 12 – 13, 2010

اور اختلافی امور پر علم و دانش کے ساتھ
گفتگو کے ذریعے ہم سب کو علمائے اسلام سے
اتحاد کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

محمد صدیق ہزاروی
ممبر اسلامی نظریاتی کونسل
۲۷ مئی ۲۰۱۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دارالعلوم نعیمیہ اسلام آباد

جامع مسجد بغدادی G-9/3 اسلام آباد

فون: 2855397

92/00/JMN بیاد: مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد حسین نعیمیؒ تاریخ 2-05-2010

پاکستان میں مختلف مسالک اپنے اپنے عقائد و نظریات کی ترویج و اشاعت میں مصروف ہیں۔ ایک عرصے سے ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ کوئی معروف و مستند ادارہ مسالک کے نظریات و اعتقادات کو یکجا کر کے کتابی صورت میں شائع کرے۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے یہ بیڑا اٹھایا اور "پاکستان میں مختلف مسالک" کے عنوان سے ایک کتاب تالیف کی۔ کونسل کا یہ کام لائق صد تحسین ہے۔ اور چیئرمین کونسل جناب ڈاکٹر خالد مسعود مبارک باد کے مستحق ہیں جن کی ذاتی دلچسپی سے یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

اہلسنت والجماعت کے نظریات کو کما حقہ ضبط تحریر میں لایا گیا اور اہلسنت کے مستند علماء کی کتب وانٹرویوز کو شامل کتاب کیا گیا۔ اہلسنت کے معروف معتقدات کو، باحسن وخوبی پیش کیا گیا۔ اہلسنت کی اکابر شخصیات، کتب اور جرائد کا تذکرہ یقیناً اہل علم کیلئے ایک عظیم سرمایہ ہے جس سے طالبانِ حق مستفیض ہو سکتے ہیں۔

میں اس گراں بہا علمی کاوش پر جناب ثاقب اکبر کو ھدیہ تبریک پیش کرتا ہوں جنہوں نے اس کام کی ذمہ داری اٹھائی اور نہایت دیانتداری سے مسلکِ اہلسنت کو بیان کیا۔

خدائے بزرگ و برتر سے دعاء ہے کہ وہ اس تالیف کو قبولیت عامہ عطاء فرمائے اور اس کتاب کے ذریعے بین المسالک پائی جانے والی غلط فہمیوں کو دور فرمائے۔

(آمین)

العبد الاحقر

گلزار احمد نعیمی کان اللہ لہ

Mufti Ghulam Ur Rahman
Khadim-e-Ulum-e-Nabvi & Darul Ifta
Jamia Usmania Peshawar.

مفتی غلام الرحمٰن
خادمِ علومِ نبوی ودارالافتاء
جامعہ عثمانیہ پشاور

Date:........................

Ref No........................

باسمہٖ تعالیٰ

گرامی قدر جناب ثاقب اکبر صاحب سے دو دفعہ ملاقات ہوئی۔ آپ اتفاق واتحاد کے لیے کوشاں ہیں اور اس فکر میں ہر وقت متحرک رہتے ہیں۔ قرب وبعد، اجنبیت یا ناواقفیت آپ کے اہداف تک حصول کے راستے میں رکاوٹ نہیں۔ آپ اپنے مقصد تک رسائی کے لیے دشوار گزار راستہ کے انتخاب میں فرح وسرور محسوس کرتے ہیں۔ آپ کا یہ مزاج آپ کی زیرِ نظر کتاب ''پاکستان کے دینی مسالک'' میں جابجا نظر آتا ہے۔ مسلک دیوبند کے حوالہ سے کچھ معلومات حاصل کرنے کے لیے جامعہ عثمانیہ پشاور تشریف لائے۔ آپ کے مخصوص سوالات کی روشنی میں جو جوابات دیے گئے وہ کتاب کا حصہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ موصوف کی یہ جد وجہد قبول فرمائے۔ آمین

مفتی غلام الرحمٰن
مہتمم جامعہ عثمانیہ پشاور

P.O. Box No: 1209 G.P.O. Peshawar Cantt.
N.W.F.P. Pakistan
فون دفتر: 091-5273561
فیکس: 091-5272470
پوسٹ بکس نمبر ۱۲۰۹ جی-پی-او-پشاور صدر
صوبہ سرحد پاکستان

قائم شدہ 1981

انجمن احیاء السنۃ
(رجسٹرڈ) 1983

32 راجپوت بلاک نفیر آباد، باغبانپورہ۔ لاہور
پوسٹ کوڈ، 54920 فون، 6861584-042

مورخہ 13.05.2010

حوالہ نمبر ______

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وطن عزیز میں اس وقت مذہبی سطح پر جو کشاکش ہے، اس کی بڑی وجہ ایک دوسرے کے بارے میں لاعلمی اور غلط فہمی ہے۔

دینی مسالک کو باہم دگر آشنا کرنے کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل کا منصوبہ وقت کی ضرورت ہے۔

محترم جناب ثاقب اکبر نے نہایت محنت اور سلیقے سے دینی مسالک کے بارے میں معلومات فراہم کی ہیں۔

فقیر نے دیوبندی مسلک کی معلومات پر مشتمل پانچ اجزاء مطالعہ کیے۔ جہاں تک مجھے علم ہے، ان اجزاء میں درج معلومات درست ہیں۔ جو صحیح ماخذ سے جمع

قائم شدہ 1981ء
انجمن احیاء السنۃ
(رجسٹرڈ) 1983ء
32 راجپوت بلاک، نفیر آباد، باغبانپورہ۔ لاہور
پوسٹ کوڈ: 54920 فون: 042-6861584

حوالہ نمبر ______ مورخہ ______

کی گئی ہیں۔ البتہ تشنگی محسوس ہوتی
رہی، جو شاید اس منصوبے کی حدود
کا تقاضا ہے۔

اس قابلِ قدر اور وقیع منصوبے کے لیے
اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین محترم
اور جناب ثاقب اکبر لائق صد تبریک
و تحسین ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس سعی کو قبول فرمائے اور
وطنِ عزیز کو امن و ایمان کا گہوارہ بنائے۔

ظفر اللہ شفیق

خادمِ انجمن، لاہور

Dr. Suhail Hassan
Associate Professor Faculty of Usuluddin

الدکتور سهيل حسن
استاذ مشارك بكلية اصول الدين

Date:................ التاريخ:................

محترم جناب ثاقب اکرم .

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ :

مسئلہ اہل حدیث کے بارے میں آپ کی مرتب کردہ رپورٹ کا میں نے مطالعہ کیا . میرے خیال میں آپ نے مصادر اور افراد کی مدد سے تمام ضروری معلومات جمع کر دی ہیں . میں اس رپورٹ سے متفق ہوں . اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے .

والسلام

٢٧/٥/١٤٣١ھ .
١١/٥/٢٠١٠ء .

الجامعة الإسلامية العالمية اسلام آباد باكستان - الهاتف (مكتب) ٠٥١-٩٢٦١٩٤٧ (منزل) ٠٥١-٢٢١٤٤٩٤
International Islamic University, Islamabad, Ph: Off. 051-9261947, Res. 051-2214494
E-mail: drsohailhasan@hotmail.com :البريد الإلكتروني

جمعیت اہلحدیث پاکستان

Jamiat Ahl-E -Hadith Pakistan

Ref: ____________ Date: ____________

بسم اللہ الرحمان الرحیم۔

برادر ثاقب اکبر نے پاکستان کے دینی مسالک پر تحقیق کا کام انجام
دے کر یقیناً امت مسلمہ کو ایک بیش قیمت تحقیق کا تحفہ پیش کیا ہے
اس قسم کی تحقیق کے منظر عام پر آنے سے مسلمانوں کو پاکستان
میں موجود مسلمان فرقوں کے عقائد اور نظریات سے کما حقہ آگاہی
حاصل ہو گی۔ مسلک اہل حدیث سے متعلق ان کا مضمون
یقیناً علمی اور تحقیقی ہے اور اس مضمون کی تدوین کے لیے یقیناً
ثاقب اکبر صاحب نے اصل مصادر اور مراجع سے رجوع کرنے کے
علاوہ مسلک اہل حدیث کے جید علماء سے بھی استفادہ کیا ہے
برادر ثاقب اکبر کی اس تحقیق سے علماء کو استفادہ کرنا
چاہیے اور اس قسم کی تحقیقات کو آگے بڑھانا چاہیے

ابتسام الٰہی ظہیر
ناظم اعلیٰ جمعیت اہل حدیث پاکستان

97 K-1,Wapda Town Lahore
0322-4135118
0300-4135118
0321-8837032
Tel: +92-42-36146164
Fax:042-35771103

Websites:
www.quran-o-sunnah.com
www.jamiatahlehadith.org
E-mail:
ibtisamelahi@yahoo.co.nz
ibtisamelahi@quran-o-sunnah.com

EDARA
AL-ISLAM
Peshawar
Pakistan

ادارہ
الاسلام
پشاور
پاکستان

تاریخ: 10/05/2006

حوالہ نمبر: 05/188

اسلامی نظریاتی کونسل کا پاکستان کے فقہی مسالک کے بارے میں تحقیقی رپورٹ شائع کرنا پاکستان میں فقہی مسالک کے مابین ہم آہنگی پیدا کرنے اور مختلف غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے کے لئے ایک اہم قدم ہے۔ اس سلسلے میں ممتاز اسلامی ریسرچ سکالر اور مصنف ثاقب اکبر کی اہلحدیث تحریک کے بارے میں ریسرچ اور تحقیق پڑھنے کا موقع ملا جس میں اپنے حصہ کے مطابق ہم نے بھی معلومات فراہم کیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان کی یہ کاوش برصغیر پاک و ہند میں تحریک اہلحدیث کو سمجھنے کے لئے ایک عام قاری کے لئے نہایت مختصر اور جامع تحریر ہے۔ گو کہ اس میں مزید تحقیق کر کے اہلحدیث کے بارے میں برصغیر پاک و ہند کی مزید کئی معلومات کو شامل کیا جا سکتا ہے۔ جو کہ ایک کتاب کی صورت میں ایک تاریخ رقم کر سکتا ہے۔ اس سلسلے میں اہلحدیث اشاعتی و تحقیقی اداروں کو اپنا کردار ادا کرنا چاہئے۔ بہر حال ثاقب اکبر صاحب کی یہ کوشش اتنے مختصر فریم ورک میں ایک نہایت اچھی کوشش ہے۔ جس کو ہم قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبولیت عامہ عطا فرمائے۔ (آمین)

والسلام

مقصود احمد سلفی 10/05/2006
ڈائریکٹر

ادارہ الاسلام پشاور
امن ہاؤس، گلی نمبر 7، سکندر ٹاؤن، جی ٹی روڈ، پشاور شہر
فون: 2584591، موبائل: 03005939975

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
JAMEA-AL-MUNTAZAR (TRUST)
H-Block, Model Town, Lahore (PAKISTAN)
Ph:5866732-33-34 Fax:5869985-5884425
Email:jaamia@hotmail.com Internet:www.jmuntazar.org

حوزہ علمیہ جامعۃ المنتظر
ایچ۔بلاک ماڈل ٹاؤن، لاہور (پاکستان)

تاریخ 11.5.10

گراں قدر علمی کام!

''پاکستان کے دینی مسالک'' اپنی نوعیت کا ایک منفرد، مستند، گراں قدر علمی کام ہے جسے وطن عزیز کے جلیل القدر ادارے اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان کی طرف سے پیش کیا جا رہا ہے۔

ایک عرصہ سے اس کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ کسی مستند ادارے کی طرف سے دینی مسالک کا حقیقی تعارف پیش کیا جانا چاہئے جس میں اس مسلک کی معتبر علمی شخصیات مستند تعارف کرائیں۔

بحمد اللہ، جناب ڈاکٹر خالد مسعود صاحب کو بحیثیت چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل یہ توفیق نصیب ہوئی کہ اس تاریخی کام سے عہدہ برآ ہونے کا اعزاز حاصل کریں۔ موصوف اپنی دیگر علمی زحمات وخدمات کے ساتھ ساتھ اس منفرد کام کے لئے لائق تحسین ہیں۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء.

اس سے خود مسالک کا ایک دوسرے کے بارے پہچان وتعارف بہتر انداز میں ہوگا، ہم آہنگی ویکجہتی کو فروغ حاصل ہوگا۔

زیر نظر مسودہ میں ''شیعہ مسلک'' کا راقم نے بالاستیعاب مطالعہ کیا۔ جناب ثاقب اکبر صاحب کا نام علمی، تحقیقی حلقوں میں محتاجِ تعارف نہیں۔ اس کام کے ضمن میں وہ متعدد مرتبہ تشریف لائے اور موضوع پر گفت وشنید ہوتی رہی۔ انہوں نے جامع ومانع انداز میں اس اہم کام کو انجام دیکر، اس کام کیلئے اپنے انتخاب کی صحت واہلیت کو ثابت کیا ہے۔ انہوں نے کافی گہرے مطالعہ کے بعد لکھا اور مکتب کی صحیح ترجمانی کی۔

دعا ہے خداوند متعال، فاضل مؤلف، جناب چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل وتمام خدمت گزاران کی یہ علمی کاوش قبول فرمائے اور تمام مسالک کو شرح صدر، برداشت اور رواداری کی توفیق عطاء فرمائے تاکہ اسلامیانِ پاکستان اس نظریاتی مملکت کو واقعاً مثالی اسلامی مملکت بنا سکیں۔ آمین۔

حافظ سید ریاض حسین نجفی
پرنسپل

قائد ملت جعفریہ پاکستان

عارضی پتہ:
16، اصغر مال اسکیم، راولپنڈی

فون:- 051-4421160
051-4421161
051-4421162

فیکس:- 051-4451150
ای میل:- sajidnaqvi12@hotmail.com

حوالہ نمبر:- 317/2010

تاریخ 28 MAY 2010

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''پاکستان کے دینی مسالک'' کے عنوان سے اسلامی نظریاتی کونسل کے ایماء پر جناب ثاقب اکبر نے ایک محقق اور مرتب کی حیثیت سے جو کاوش سرانجام دی ہے، بہت گراں قدر ہے۔ میری معلومات کے مطابق اس سطح پر اور ایسی کوشش پاکستان میں پہلی مرتبہ انجام دی گئی ہے۔ ثاقب اکبر نے محققین کے لئے ایک راستہ کھولا ہے جس سے مزید استفادہ کیا جانا چاہیے۔ اس رپورٹ کا علمی حلقوں تک پہنچنا بہت ضروری ہے تا کہ ایک دوسرے سے بہتر آگاہی حاصل ہو سکے اور اسلامیان پاکستان کو محدودیت اور تنگ نظری کی فضا سے چھٹکارا نصیب ہو، یہاں تک کہ بالآخر سب مل کر اسلام کی آفاقی تعلیمات کے فروغ کے لئے کام کریں۔ اس کے لئے ہمارے فکر وعمل کا انداز بھی آفاقی ہونا چاہیے۔

جناب ثاقب اکبر نے اس عظیم منصوبے کی تکمیل کے دوران میں مجھ سے متعدد ملاقاتیں کی ہیں۔ شیعہ مکتب فکر سے متعلق باب پر میں نے نظر ڈالی ہے۔ اس میں عالم تشیع کے مستند علماء اور ان کی کتب سے استفادہ کیا گیا ہے اور غیر جانبداری اور صحت کے اصولوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسے ترتیب دیا گیا ہے۔

میں مؤلف اور اسلامی نظریاتی کونسل کے ذمہ داران کی کامیابی کے لئے دعا گو ہوں۔

والسلام

سید ساجد علی نقوی

سید ساجد علی نقوی

AL- NOOR WELFARE TRUST®
ISLAMABAD

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی نظریاتی کونسل نے پاکستان کے دینی مسالک کے بارے میں کتاب کی اشاعت کے لیے جناب ثاقب اکبر کا انتخاب درست کیا۔ ثاقب اکبر صاحب پاکستان میں موجود دینی مسالک کے بارے میں وسیع مطالعہ رکھتے ہیں اور شیعہ مسلک کے بارے میں بھی ہر دوسرے دانشور سے بہتر رائے دے سکتے ہیں۔ اس کتاب میں شیعہ مسلک سے متعلق حصہ کا میں نے مکمل مطالعہ کیا ہے۔ جو کچھ جناب ثاقب اکبر نے شیعہ مسلک کے تعارف اور دوسرے دینی مسالک سے اختلافات اور امتیازات سے متعلق تحریر کیا ہے اس سے مجھے مکمل اتفاق ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس قسم کی کتاب آج کے دور کی ضرورت تھی۔

ہر دینی مسلک کے صحیح تعارف اور اس کے دوسرے مسالک سے اختلافات و امتیازات مستند حوالوں سے بیان کرنے سے مسالک کے پیروکاروں میں جو غلط فہمیاں موجود ہیں یا مفاد پرست جس طرح ایک دوسرے پر جو تہمتیں لگاتے ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف محاذ بنانے میں کردار ادا کرتے ہیں، اس کا ازالہ ہوگا اور ایک دوسرے کو سمجھنے اور نتیجے کے طور پر قریب آنے میں مدد ملے گی چونکہ بہر حال بنیادی امور سب میں یکساں ہیں اور اتفاقات کا پلڑا اختلافات کی نسبت بہت بھاری ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ امت کی وحدت اور مسلمانوں کو ایک دوسرے کے قریب ہونے میں اس کتاب کو مفید بنائے اور جناب ثاقب اکبر کو اللہ تعالیٰ اس عظیم کوشش کا اجر و ثواب دنیا اور آخرت میں عطا کرے۔ اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین جناب ڈاکٹر خالد مسعود اس اقدام پر لائق تحسین و تبریک ہیں۔

حررہ:

احقر العباد

سید افتخار حسین نقوی النجفی

۷ مئی ۲۰۱۰

853,1-10/4, Islamabad. PH: 092-051-4449342

بسم الله الرحمن الرحيم

BISMI-LLAHI-R-RAHMANI-R-RAHIM

Whereas

(A) The Shia Imami Ismaili Muslims affirm the *Shahādah 'Lā ilāha illa-llāh, Muḥammadur Rasūlu-llāh'*, the *Tawḥīd* therein and that the Holy Prophet Muhammad (*Ṣalla-llāhu 'alayhi wa-sallam*) is the last and final Prophet of Allah. Islam, as revealed in the Holy Quran, is the final message of Allah to mankind, and is universal and eternal. The Holy Prophet (S.A.S.) through the divine revelation from Allah prescribed rules governing spiritual and temporal matters.

(B) In accordance with Shia doctrine, tradition, and interpretation of history, the Holy Prophet (S.A.S.) designated and appointed his cousin and son-in-law Hazrat Mawlana Ali *Amīru-l-Mu'minīn* (*'Alayhi-s-salām*), to be the first Imam to continue the *Ta'wīl* and *Ta'līm* of Allah's final message and to guide the murids, and proclaimed that the Imamat should continue by heredity through Hazrat Mawlana Ali (A.S.) and his daughter Hazrat Bibi Fatimat-az-Zahra, *Khātūn-i-Jannat* (*'Alayhā-s-salām*).

(C) Succession to Imamat is by way of *Naṣṣ*, it being the absolute prerogative of the Imam of the time to appoint his successor from amongst any of his male descendants whether they be sons or remoter issue.

(D) The authority of the Imam in the Ismaili Tariqah is testified by *Bay'ah* by the murid to the Imam which is the act of acceptance by the murid of the permanent spiritual bond between the Imam and the murid. This allegiance unites all Ismaili Muslims worldwide in their loyalty, devotion and obedience to the Imam within the Islamic concept of universal brotherhood. It is distinct from the allegiance of the individual murid to his land of abode.

(E) From the time of the Imamat of Hazrat Mawlana Ali (A.S.), the Imams of the Ismaili Muslims have ruled over territories and peoples in various areas of the world at different periods of history and, in accordance with the needs of the time, have given rules of conduct and constitutions in conformity with the Islamic concepts of unity, brotherhood, justice, tolerance and goodwill.

(F) Historically and in accordance with Ismaili tradition, the Imam of the time is concerned with spiritual advancement as well as improvement of the quality of life of his murids. The Imam's *Ta'līm* lights the murids' path to spiritual enlightenment and vision. In temporal matters, the Imam guides the murids, and motivates them to develop their potential.

(G) Mawlana Hazar Imam Shah Karim al Hussaini, His Highness Prince Aga Khan, in direct lineal descent from the Holy Prophet (S.A.S.) through Hazrat Mawlana Ali (A.S.) and Hazrat Bibi Fatima (A.S.), is the Forty-Ninth Imam of the Ismaili Muslims.

(H) By virtue of his office and in accordance with the faith and belief of the Ismaili Muslims, the Imam enjoys full authority of governance over and in respect of all religious and Jamati matters of the Ismaili Muslims.

(I) It is the desire and *Hidāyah* of Mawlana Hazar Imam that the constitutions presently applicable to the Ismaili Muslims in different countries be superseded and that the Ismaili Muslims worldwide be given this Constitution in order better to secure their peace and unity, religious and social welfare, to foster fruitful collaboration between different peoples, to optimise the use of resources, and to enable the Ismaili Muslims to make a valid and meaningful contribution to the improvement of the quality of life of the Ummah and the societies in which they live.

Now therefore

In exercise of the said recited authority vested in me as Hazar Imam, I, SHAH KARIM AL HUSSAINI AGA KHAN, am pleased to ordain AND DO HEREBY ORDAIN that the Shia Imami Ismaili Muslims, in whatever place they may be, shall at all times be bound and governed by this Constitution according to its tenor.

ORDAINED under the Sign Manual and Seal of Mawlana Hazar Imam Shah Karim al Hussaini His Highness Prince Aga Khan the Forty-Ninth Imam of the Shia Imami Ismaili Muslims at Merimont, Geneva this Thirteenth day of December One Thousand Nine Hundred and Eighty Six being the Tenth day of Rabi ath-Thani One Thousand Four Hundred and Seven *(Hijrah)*, in the Thirtieth year of his Imamat.

Aga Khan.

مختلف مسالک کے علماء کرام کی توثیقات کی ایک جھلک

لانا مفتی غلام الرحمٰن (مہتمم جامعہ عثمانیہ، پشاور) گرامی قدر جناب ثاقب اکبر صاحب سے دو دفعہ ملاقات ہوئی۔ آپ اتفاق و
د کے لیے کوشاں ہیں اور اس فکر میں ہر وقت متحرک رہتے ہیں۔ قرب و بعد، اجنبیت یا ناواقفیت آپ کے اہداف تک حصول
راستے میں رکاوٹ نہیں۔ آپ اپنے مقصد تک رسائی کے لیے دشوار گزار راستہ کے انتخاب میں فرح و سرور محسوس کرتے
۔ آپ کا یہ مزاج آپ کی زیر نظر کتاب ''پاکستان کے دینی مسالک'' میں جا بجا نظر آتا ہے۔

مہ سید ساجد علی نقوی (قائد ملت جعفریہ) ''پاکستان کے دینی مسالک'' کے عنوان سے اسلامی نظریاتی کونسل کے ایماء پر جناب
قب اکبر نے ایک محقق اور مرتب کی حیثیت سے جو کاوش سر انجام دی ہے، بہت گراں قدر ہے۔ میری معلومات کے مطابق
سطح پر اور ایسی کوشش پاکستان میں پہلی مرتبہ انجام دی گئی ہے۔

لانا حافظ ظفر اللہ شفیق محترم جناب ثاقب اکبر نے نہایت محنت اور سلیقے سے دینی مسالک کے بارے میں معلومات فراہم کی
۔ فقیر نے دیوبندی مسلک کی معلومات پر مشتمل پانچ اجزاء مطالعہ کیے جہاں تک مجھے علم ہے ان اجزاء میں درج معلومات
ہیں جو کہ صحیح ماخذ سے جمع کی گئی ہیں۔

سید ریاض حسین نجفی (پرنسپل جامعۃ المنتظر، لاہور) جناب ثاقب اکبر صاحب کا نام علمی، تحقیقی حلقوں میں محتاجِ تعارف نہیں۔
کام کے ضمن میں وہ متعدد مرتبہ تشریف لائے اور موضوع پر گفت و شنید ہوتی رہی۔ انھوں نے جامع و مانع انداز میں اس اہم
کو انجام دے کر، اس کام کے لیے اپنے انتخاب کی صحت و اہلیت کو ثابت کیا ہے۔

افتخار حسین نقوی النجفی (پرنسپل مدرسہ امام خمینی، ماڑی انڈس) ثاقب اکبر صاحب پاکستان میں موجود دینی مسالک کے بارے میں
مطالعہ رکھتے ہیں۔ جو کچھ جناب ثاقب اکبر نے شیعہ مسلک کے تعارف اور دوسرے دینی مسالک سے اختلافات
زات سے متعلق تحریر کیا ہے اس سے مجھے مکمل اتفاق ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس قسم کی کتاب آج کے دور کی ضرورت تھی۔

نا مفتی محمد صدیق ہزاروی (رکن اسلامی نظریاتی کونسل) پاکستان کے دینی مسالک پر اسلامی نظریاتی کونسل کی طرف سے
ن کے دینی مسالک'' کے نام سے کتاب کی ترتیب ایک اہم اور ضروری اقدام ہے اور اس سلسلے میں جناب علامہ ثاقب
محقق کا انتخاب یقیناً لائق صد تحسین ہے۔ موصوف نے بڑی محنت اور جد و جہد سے حقائق کو جمع کیا اور نہایت دیانت داری
ن کو سپرد قلم و قرطاس کیا۔

ڈاکٹر سہیل حسن (بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد) مسلک اہل حدیث کے بارے میں آپ کی مرتب کردہ
کا میں نے مطالعہ کیا۔ میرے خیال میں آپ نے مصادر اور افراد کی مدد سے تمام ضروری معلومات جمع کر دی ہیں۔ میں
پورٹ سے مطمئن ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

مقصود احمد سلفی (ڈائریکٹر ادارہ الاسلام، پشاور) پاکستان میں فقہی مسالک کے مابین ہم آہنگی پیدا کرنے اور مختلف غلط فہمیوں کا
نے کے لیے ایک اہم قدم ہے۔ اس سلسلے میں ممتاز اسلامی ریسرچ سکالر اور مصنف ثاقب اکبر کی اہلحدیث تحریک کے
میں ریسرچ اور تحقیق پڑھنے کا موقع ملا جس میں اپنے حصہ کے مطابق ہم نے بھی معلومات فراہم کیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ
یہ کاوش برصغیر پاک و ہند میں تحریک اہلحدیث کو سمجھنے کے لیے ایک عام قاری کے لیے نہایت مختصر اور جامع تحریر ہے۔

مفتی گلزار احمد نعیمی (پرنسپل دار العلوم نعیمیہ، اسلام آباد) اہلسنت والجماعت کے نظریات کو کما حقہ ضبط تحریر میں لایا گیا
کے مستند علماء کی کتب و انٹرویوز کو شامل کتاب کیا گیا۔ اہلسنت کے معروف معتقدات کو باحسن و خوبی پیش کیا گیا۔
کی اکابر شخصیات کتب اور جرائد کا تذکرہ یقیناً اہل علم کے لیے ایک عظیم سرمایہ ہے جس سے طالبان حق مستفیض ہو سکتے
اس گراں بہا علمی کاوش پر جناب ثاقب اکبر کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں جنھوں نے اس کام کی ذمہ داری اٹھائی اور
دیانتداری سے مسلک اہل سنت کو بیان کیا۔

م الٰہی ظہیر (ناظم اعلیٰ جمعیت اہلحدیث پاکستان) برادر ثاقب اکبر نے پاکستان کے دینی مسالک پر تحقیقی کام انجام دے کر
مسلمہ کو ایک بیش قیمت تحقیق کا تحفہ پیش کیا ہے۔ مسلک اہل حدیث سے متعلق ان کا مضمون یقیناً علمی اور تحقیقی ہے
ن کی تدوین کے لیے یقیناً ثاقب اکبر صاحب نے اصل مصادر اور مراجع سے رجوع کرنے کے علاوہ مسلک اہل
کے جید علماء سے بھی استفادہ کیا ہے۔

نقوی (رکن اسلامی نظریاتی کونسل) محترم جناب ثاقب اکبر کا نام علمی، تحقیقی اور ادبی حلقوں میں انتہائی معروف ہے۔
یقیناً انتہائی محنت و جانفشانی سے اس نازک و حساس موضوع کو تحقیق کے پیمانہ کے مطابق تحریر کیا اور ترتیب دیا ہے۔
خوبی سے کیا گیا ہے کہ مجھ جیسے طالب علم کو حیرت زدہ کرنے کے لیے کافی ہے۔ میں اس کی تعریف میں زیادہ
چاہتا کیونکہ ع مشک آنست کہ خود ببوید نہ آن کہ عطار بگوید

مصطفیٰ رضوی (رکن اسلامی نظریاتی کونسل) محترم المقام جناب ثاقب اکبر کا شمار ملک کے نامور اہل
ہوتا ہے۔ حال ہی میں انھوں نے اہلسنت والجماعت (بریلوی) کے مسلک پر ایک تحقیقی
د قلم کیا ہے جو ملک کے مشاہیر علماء کرام کے انٹرویوز کی روشنی میں مرتب کیا گیا
مقالہ نگار نے بلاشبہ بھرپور کاوش اور تعمق نظری سے تحقیقی مواد قارئین کرام کی
کیلئے پیش کرنے کی کامیاب کوشش فرمائی ہے جو لائق تحسین ہے۔